فتاویٰ علمائے ہند

جلد-۲۵

تیار کردہ

منتخب علماء ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی

باہتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ
ممبائی۔ الہند

فتاویٰ علماءِ ہند

جلد-۲۵

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیرِ نگرانی

حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ
ممبائی - الھند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۲۵)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	اکتوبر ۲۰۱۹ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند

یہ کتاب ''منظمة السلام العالمية'' کی
طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے
وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب النکاح

بسم الله الرحمن الرحيم

قال اللّٰه عزوجل:

﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

(سورة النساء:24)

عَنْ أَنَسٍ رضی اللّٰه عنه، قَالَ:

''مَا أَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ نِسَائِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَى زَيْنَبَ، أَوْلَمَ بِشَاة''.

(صحیح البخاری،رقم الحدیث:5168)

عن أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه، قال::

'' أبصر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نساء وصبیانا مقبلین من عرس، فقام ممتنا، فقال:اللّٰهم أنتم من أحب الناس إلی''.

(صحیح البخاری,رقم الحدیث:5180)

أَبُوهُرَيْرَةَ رضی اللّٰه عنه رَفَعَهُ،قَالَ:

''تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ فِي كُلِّ يَوْمِ خَمِيسٍ وَاثْنَيْنِ،

فَيَغْفِرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ، لِكُلِّ امْرِءٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا،

إِلَّا امْرَأً كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ،

فَيُقَالُ:ارْكُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، ارْكُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا''.

(صحیح لمسلم،کتاب البر والصلة والأدب،رقم الحدیث:2565)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست مضامین (۵-۲۴)

نکاح کے اوقات وایام کا بیان

بارات اور اس سے متعلق رسوم ورواج

دعوت ولیمہ اور اس سے متعلق احکام

نمبر شمار	عناوین	صفحات

مہر کے احکام

صفحات	عناوین	نمبر شمار
۳۱۳	شوہر کے باپ سے مہر کا مطالبہ درست ہے، یا نہیں	(۳۵۰)
۳۱۳	باپ نے بیٹے کے لیے نکاح کیا، اب مہر کس کے ذمہ واجب ہے	(۳۵۱)
۳۱۳	مہر کے مطالبہ کے واسطے ڈگری کرنا جائز ہے، یا نہیں نیز شوہر کے مفلس ہونے کی صورت میں کیا شوہر کے باپ سے مہر کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے	(۳۵۱)
۳۱۴	عورت اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے خسر سے مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی	(۳۵۳)
۳۱۵	مہر شوہر کی جائداد سے وصول ہوگا، یا شادی کرانے والے کی	(۳۵۴)
۳۱۶	اگر مرنے والے شوہر کی جائداد مہر سے کم ہو تو بقیہ ورثہ کے ذمہ ہوگی، یا نہیں	(۳۵۵)
۳۱۶	شوہر کی موت کے بعد مہر کی ادائیگی اس کے باپ کے ذمہ نہیں ہے، شوہر کی جائداد سے لے سکتی ہے	(۳۵۶)
۳۱۷	مہر قرض میں شمار ہوگا، یا نہیں	(۳۵۷)
۳۱۸	مہر کی ادائیگی، ترکہ کی تقسیم سے مقدم ہے	(۳۵۸)
۳۱۸	کیا بیوہ نکاح کر لے تو مہر اور ترکہ کی مستحق نہیں رہتی	(۳۵۹)
۳۱۸	شوہر نے زیورات دینے کا وعدہ کیا تھا، پھر مر گیا تو اس کے ترکہ سے بیوی زیورات لے سکتی ہے	(۳۶۰)
۳۱۹	لڑکے کا باپ کی طرف سے ماں کا مہر ادا کرنا	(۳۶۱)
۳۱۹	شوہر کی وفات کے بعد اس کے والد سے مہر کا مطالبہ کرنا	(۳۶۲)
۳۲۱	شوہر مہر ادا نہ کرے تو باپ پر ادا کرنا لازم ہے	(۳۶۳)
۳۲۲	مہر دینے کے لیے باپ کا بیٹے کی طرف سے ضامن ہونا	(۳۶۴)
۳۲۲	لڑکے کے والد نے مہر کا ذمہ لیا تھا، شوہر کے مرنے کے بعد اس سے مطالبہ جائز ہے، یا نہیں	(۳۶۵)
۳۲۳	باپ اگر لڑکے کے مہر کا ضامن ہوا ہے تو لڑکے کی موت کے بعد مہر دینا باپ پر لازم ہے	(۳۶۶)
۳۲۳	والد مہر کا ضامن ہو تو اسے دینا ضروری ہے	(۳۶۷)
۳۲۴	باپ کا بیٹے کی طرف سے بہو کو دَین مہر دینا	(۳۶۸)
۳۲۵	شوہر کے عاجز ہونے کی وجہ سے لڑکی والوں کا اُس کے بہنوئی سے مہر طلب کرنا	(۳۶۹)
۳۲۶	جس نے غلط تعریف کر کے شادی کرائی، اس سے مہر وصول کیا جا سکتا ہے، یا نہیں	(۳۷۰)
۳۲۶	مہر لازم ہے، خواہ حالت ظاہر نہ کی ہو	(۳۷۱)

مہر کے اقسام (معجّل، مؤجل اور مطلق)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الشکر

نحمدہ و نصلي علی رسولہ الکریم اما بعد

ولیمہ ''اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو میاں بیوی کے اکٹھا ہونے یعنی شبِ زفاف کے بعد کھلایا جاتا ہے، شبِ زفاف کے تیسرے دن تک حدیث شریف سے ولیمہ کا ثبوت ہے، اگر شبِ زفاف کے بعد پہلے دن انتظام ہوسکتا ہوتو سب سے بہتر پہلا دن ہے، تیسرے دن کے بعد ولیمہ کرنا فقط ضیافت شمار ہوگی۔

اگر مہمان زیادہ ہوں، یا کسی مقام کا عرف ایک ہی دفعہ ولیمہ منعقد کر کے مہمانوں کو بلانے کے بجائے یہ ہو کہ یکے بعد دیگرے مہمان آتے ہوں اور کھا کر چلے جاتے ہوں تو مستقلاً تین دن تک بھی ولیمہ کا کھانا کھلایا جاسکتا ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح میں اسی طرح تین دنوں تک ولیمہ فرمایا ہے، الغرض ولیمہ ایک دن میں کر دیا جائے یا عرف کے مطابق مسلسل تین دنوں تک دونوں درست ہیں، لیکن مسلسل تین دن تک کھانا کھلانے میں یہ شرط ملحوظ رہے کہ اس میں دکھلاوا یا اسراف نہ ہو، بلکہ حسبِ استطاعت سنت کے اتباع کی نیت سے اس معاملے کو انجام دیا جائے۔

ابھی ابھی یہ خبر با مسرت موصول ہوئی کہ فتاویٰ علماء ہند کی پچیسویں جلد طباعت کے لئے تیار ہوگئی ہے۔ اس جلد میں نکاح کے اوقات وایام، بارات کے رسم ورواج، دعوت ولیمہ کے مسائل، مہر اور اقسام مہر کے احکام مفصل طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ یہ عاجز بندہ اس عظیم مجموعہ کی طباعت و نشر واشاعت کی توفیق پر اپنے کریم مولا کا شکر گزار ہے۔ یہ سنت الٰہی ہیکہ اگلے کام کی توفیق پچھلے کام کی قبولیت سے ملتی ہے۔

الحمد للہ سابقہ جلدیں ملک و بیرون ملک کے علمی حلقوں میں خوب مقبول ہورہی ہیں، اور ہر طرف سے اسکی افادیت کے پیش نظر ہمت افزائی کے دعائیہ کلمات اور مفید مشورے موصول ہورہے ہیں۔ مجھے بیحد مسرت ہورہی ہے کہ موسوعہ فتاویٰ علماء ہند کی یہ عظیم علمی وفقہی خدمت عزیزم مفتی محمد اسامہ ندوی سلمہ کی نگرانی اور محب ومحترم مولانا انیس الرحمن قاسمی صاحب کی سرپرستی میں علماء کرام ومفتیان عظام کی ایک عظیم جماعت سرانجام دے رہی ہے جس میں بفضلہ تعالیٰ منظمۃ السلام العالمیہ مالی تعاون فراہم کر رہا ہے جس کے نتیجے میں یہ عظیم الشان علمی وفقہی سرمایہ پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔

درحقیقت اس علمی کتاب کے منصۂ شہود پر آنے میں بندہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ مالک حقیقی جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اپنے کسی بندے پر اپنے ارادے کا اظہار کر دیتا ہے اس لیے کہ مخلوق سے جو کچھ بھی صادر ہوتا ہے وہ خالق کائنات کے ارادے کا ظہور ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے لطف وکرم سے اسے شرف قبولیت بخشے اور خصوصا علماء کرام ومفتیان عظام کے لئے اسے نافع بنائے اور بندہ ناچیز کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

بندہ شمیم احمد (انجینئر) نقشبندی مجددی
ناشر فتاویٰ علماء ہند، خادم منظمۃ السلام العالمیہ
ممبئی الھند
۴؍ربیع الاول ۱۴۴۲ھ

تاثرات

باسمہ تعالیٰ

فقہ وفتاوی کا عظیم ذخیرہ

دین اسلام قیامت تک پیش آنے والے جملہ مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھنے والا دین ہے، فن فقہ اس کا کفیل ہے، کتاب وسنت سے ماخوذ فن فقہ کی تدوین کا سلسلہ خیر القرون سے جاری ہے، برصغیر میں خصوصاً فقہ حنفی پر کافی کام ہوا ہے، مثلاً ''الفتاوی الھندیہ'' جو عہد عالمگیر کی یادگار ہے اور فقہاء احناف ھند کا مرتب کردہ مجموعہ ہے اس کے علاوہ فقہ اسلامی کے ہر موضوع پر فقہاء ھندو پاک خاصہ فرسائی کی ہے۔

غرض یہ کہ ہر زمانہ میں پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل وقت کے مفتیان امدار باب فقہ پیش کرتے آئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے جن اکابر مفتیان کے فتاوی کے مجموعے طبع ہر کر اہل علم کے ہاتھوں پہنچ چکے ہیں، ان کی بھی تعداد کم نہیں ہے، دوسو سال کے عرصہ میں شائع شدہ مفتیان ھند کے فتاوی کے مجموعوں کو سامنے رکھ کر ان کو یکجا مرتب کر کے ان کو شائع کرنا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔

حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی دامت برکاتہم ناظم امارتِ شرعیہ بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ نیز کے ان کے رفیق نگراں مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی مدظلہم کی خدمات لائق شکر و قابل ستائش ہے، کہ یہ شبانہ روز کی محنت شاقہ برداشت کر کے ارباب فقہ وفتاوی کے لئے ایک بڑی سہولت کا سامان فراہم کررہے ہیں، اس سے قبل ''جامع الفتاویٰ'' کے نام سے اس انداز کا ایک کام مولانا مہربان علی بڑوتوی نے بھی کیا تھا لیکن وہ مدلل ومبرھن نہیں ہے، اور استیعاب واحاطہ بھی جملہ فتاویٰ کا نہیں ہے۔

''فتاویٰ علماء ہند'' کا کام جب پورا ہوگا تو یہ بہت سے کتب فتاویٰ سے مستغنی کردے گا اور اسلامی لائبریری میں عظیم الشان اضافہ کا سبب بنے گا۔ راقم الحروف کے پیش نظر ۴، ۵، ۶ جلدیں ہیں (جو رجسٹر ڈاک سے موصول ہوئی تھیں) باقی جلدوں کا خواہاں ہوں، ڈاک سے مرسل ہو جائے تو اس کے لئے احقر بہت شکر گذار ہوگا۔ فقط

جزاکم اللہ خیرا الجزاء

اقبال احمد قاسمی

صدر مدرس ومفتی مدرسہ مظہر العلوم

بیکن گنج، کانپور، یوپی

۱۲؍نومبر ۲۰۱۹ء

۱۵؍ربیع الاول ۱۴۴۱ھ

مخدومی ومکرمی زید مجدکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

منظمۃ السلام العالمیۃ کی جانب سے ارسال کردہ ''فتاویٰ علماء ہند'' کی تین جلدیں ۴، ۵، ۶ موصول ہوئیں۔ ''فتاوی علماء ہند'' نامی موسوعہ کا نام کسی پروگرام میں سنا تھا، دیکھنے کا کافی اشتیاق تھا، مگر آج اپنے ہاتھوں میں پاکر دل باغ باغ ہوگیا، اس موسوعہ کی معتبریت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ترتیب تحقیق وتعلیق کی نسبت حضرت مولانا انیس الرحمن قاسمی کی جانب ہے جو منجھے ہوئے مفتی ہی نہیں کامیاب مفتی بھی ہیں، ایک بڑے ملی فقہی ادارے امارت شرعیہ کے عرصہ دراز تک روح رواں رہے ہیں جس ادارے کی انفرادیت وامتیازیت پورے ملک میں مسلم ہے۔

فقہ وفتاوی پہ تو بیشمار کتابیں معرض وجود میں آئیں اور آرہی ہیں، مگر ''فتاویٰ علماء ہند'' کے جابجا مطالعہ سے محسوس ہوا کہ یہ کتاب سابقہ تمام کتابوں پر حاوی ہے، اور مسائل ودلائل کا بہترین مجموعہ ہے جو تکمیل کے بعد دیگر تمام فتاوی کی کتابوں سے بے نیاز کردے گی ان شاء اللہ، اس لیے حقیقی معنی میں اس کو ''اردو فتاوی کا موسوعہ وانسائیکلوپیڈیا'' نام دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس سلسلہ کی تکمیل فرمائے، اور مرتب ومؤلف سمیت تمام احباب ومعاوین کو اس راہ کا بے مثال وباتوفیق خادم بنائے، نیز ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ فرمائے۔ آمین

ایک سے تین جلدوں کا اشتیاق باقی ہے وہ بھی آجائیں تو سلسلہ اچھا وسلیقہ سے چلتا رہے گا۔

والسلام

محبوب فروغ احمد قاسمی

خادم حدیث وفقہ جامعہ حسینیہ، کایم کلم، کیرالا

۸/ربیع الاول ۱۴۴۱ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهو فى الدين

اسلام ''ایک جامع اور مکمل نظام حیات ہے، جس میں انسانی زندگی کے مختلف اور متنوع گوشوں پر سیر حاصل ہدایات موجود ہیں''، انسان اپنی زندگی کے کسی موڑ اور کسی مرحلہ میں کسی ایسی الجھن میں مبتلا نہیں ہوتا، جس میں اسلام نے اس کی رہنمائی نہ کی ہو۔ عقائد و اعمال عبادات و معاشرت اور اخلاق و معاملات کے سبھی پہلوؤں پر حسب ضرورت روشنی نہ ڈالی ہو، اس وقت دنیا میں کوئی مثبت اور قانون ایسا نہیں بتایا جا سکتا ہو، جو اپنی جامعیت میں اسلام کے ہم پلہ تو کجا اس کا عشر عشیر بھی ثابت ہو سکے۔ اور ماضی میں بھی تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی حکومت اپنے سنہرے دور میں نہایت وسیع تھی، جس کا رقبہ مشرق میں ملک چین سے لے کر مغرب میں اسپین کے پہاڑوں تک تھا، اس وسعت کے باوجود تاریخ میں یہ نہیں ملتا کہ کسی بھی زمانے میں مسلمانوں نے اغیار کے قانون سے استفادہ کیا ہو یا اسلامی قوانین بنانے اور آئین سازی کے لیے کسی اجنبی اور غیر ملکی قانون داں مشیر کار کو بلوایا ہو؛ بلکہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے سربراہان لشکر کے ہاتھوں ملکوں کو فتح کرایا، تو علماء کرام کے ذریعہ قانون سازی کے لیے اجتہاد و استنباط کے دروازے کھول دیئے؛ چنانچہ کسی بھی ضرورت کے متعلق اسلامی شریعت کا دامن تنگ نہیں رہا اور نہ کسی شعبہ میں کوتاہ دستی رہی، نہ کسی مسلمان، یہودی یا نصرانی کے مفادات سے شریعت ٹکرائی؛ بلکہ سب کے سب اس کے انصاف اور رواداری کے سائے میں خوش عیش رہے، اور سب سے بڑی حقیقت یہی ہے کہ جو تمام انسانوں کا پالنہار ہے وہ مختلف زمانوں اور مکانوں میں اپنے بندوں کی مصلحتوں سے بخوبی واقف ہے؛ اس لیے قانون اسلامی اور شریعت حقہ میں اس نے وہ جامعیت اور ہمہ گیری رکھی جس سے دوسرے ادیان و مذاہب اور آئین و قوانین خالی ہیں۔

قانون اسلامی کے ارتقاء میں فقہاء امت کا بہت بڑا کردار رہا ہے، نت نئے مسائل کے لئے اجتہاد و استنباط میں انکی عرق ریزی اور زمانہ شناسی کے ساتھ ساتھ بحر شریعت میں غواصی کر کے ہیرے و جواہر تلاش کرنا ان کا طرہ امتیاز رہا ہے امت ان کے احسانات سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی جنھوں نے اپنے زندگیاں قانون اسلامی کی تقنین و تفہیم اور افتاء وارشاد میں صرف کر دیں خدا تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

اس حقیقت کا اعتراف کرنا بھی ضروری ہے کہ برصغیر کے علماء و فقہاء محدثین و صوفیاء سے عالم اسلام صدیوں سے مستفید ہوتا چلا آرہا ہے ان کے رسوخ فی العلم فقاہت و ذہانت تقوی و زہد للّٰہیت و ربانیت علمی کاوش و خدمات کا ایک زمانہ معترف رہا ہے زیر نظر کتاب ''فتاویٰ علماء ہند'' اسی زریں سلسلہ کی ایک حسین کڑی ہے جس میں تقریبا دوصدی پر مشتمل علماء و فقہاء ہند و پاک کے فتاویٰ کو جمع کرنے کی سعی محمود کی گئی ہے اسی کے ساتھ اصول فقہ و فتاویٰ اور برصغیر کے علماء و مفتیان کی علمی خدمات کے تذکرہ نے اس کتاب کو نہایت قیمتی بنا دیا ہے اس عظیم الشان علمی کارنامہ کے لئے برادر مفتی اسامہ شمیم ندوی صاحب اور ان کے رفقاء کار شکریہ و امتنان کے مستحق ہیں جنھوں نے علوم کے متوالوں اور فقہ و فتاویٰ سے اشتغال رکھنے والوں کو اس کتاب کی شکل میں بیش قیمت تحفہ عنایت کیا ہے اللہ تعالیٰ اس علمی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اس کے نفع کو عام و دائم فرمائے۔

یوسف صالح قراجہ ندوی

استنبول/ترکی

۱/نومبر 2020

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف المرسلين، نبينا ورسولنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

نکاحِ مسنونہ کے بعد ہونے والی اجتماعی دعوت کو شرعی اصطلاح میں ولیمہ کہا جاتا ہے، ولیمہ نکاح کے ثبوت واظہار کیلئے مسنون قرار دیا گیا ہے۔شریعت مطہرہ نے نکاح کے ساتھ ولیمہ کو دو وجہ سے مشروع کیا ہے، ایک ولیمہ کے ذریعے نکاح کا اعلان واشتہار ہو جائے۔ دوسری یہ کہ نکاح اور بدکاری میں کامل امتیاز ہو سکے۔ دعوتِ ولیمہ فرض اور واجب تو نہیں ہے کہ اس کے چھوٹنے سے نکاح پر کوئی اثر پڑے بلکہ مسنون عمل ہے۔ اسی وجہ سے شریعت مطہرہ نے اس دعوت کے شرکاء کی نہ تو کوئی تعداد متعین فرمائی ہے اور نہ ہی کھانے کا کوئی خاص معیار مختص کیا ہے۔ چنانچہ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق شرکاء کی تعداد اور مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام کر سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُم المؤمنین سیدہ زینب بنت جحشؓ کے ولیمہ سے بڑھ کر عمدہ ولیمہ کسی اور زوجہ سے نکاح کے موقع پر نہیں کیا۔ راوی (سیدنا انس بن مالکؓ) سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولیمہ میں کیا کھلایا تھا، آپؓ نے کہا لوگوں کو اس قدر کھلایا کہ لوگوں نے کھانا چھوڑ دیا'' (یعنی لوگوں نے خوب سیر ہو کر)۔ اسی طرح بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہراتؓ کا ولیمہ ستو اور کھجور سے بھی کیا ہے۔ (بخاری شریف:۵۱۷۲)

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کے لاکھوں انعامات واحسانات ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں محض اپنے لطف وکرم سے اس نا اہل سراپا جہل ونابلد کو فتاویٰ علمائے ہند کی پچیسویں جلد کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی۔ فتاویٰ علماء ہند کی اس جلد میں مندرجہ ذیل مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ نکاح کے اوقات وایام کا بیان بارات اور اس سے متعلق رسوم ورواج دعوت ولیمہ اور اس سے متعلق احکام مہر کے احکام مہر کے اقسام معجّل، مؤجل اور مطلق۔

سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ بیان کردہ تمام احکامات ومسائل دلائل وشواہد کی روشنی میں ناظرین کی خدمت میں پیش ہو سکے۔ چنانچہ فتاویٰ کے سوال وجواب کو بعینہ ذکر کیا گیا ہے، ساتھ ہی تمام فتاویٰ میں اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتی بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کو اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس علمی وفقہی مجموعے کو مزید توثیق وتائید کے لئے ملک و بیرون ملک کے مشاہیر مفتیان عظام کی نگاہوں سے گزارنے کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ یہ مجموعہ مؤثق ہو کر مؤید من اللہ ہو جائے۔

الحمد اللہ، اللہ تعالی کا احسان ہے کہ فتاوی علمائے ہند کا یہ سلسلہ اہل علم کے یہاں خوب مقبول ہو رہا ہے لیکن بہر صورت یہ ایک بشری کاوش ہے جس میں خطا وثواب کا امکان ہے چنانچہ اہل علم سے گزارش ہے کہ متنبہ فرماتے رہیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ ممکن ہو سکے۔ میں شکر گزار ہوں اپنے علماء ومفتیان کرام کا جنہوں نے بڑے ہی عرق ریزی کے ساتھ اس جلد کی تکمیل میں میرا ساتھ دیا اسی طرح میں شکر گزار ہوں اپنے دوستوں اور بزرگوں کا جنہوں نے میری گزارش پر اپنے تاثرات ودعائیہ کلمات تحریر فرمائے ہمت افزائی فرمائی اور دعائیں دیں، دعا گو ہوں میرے مولیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے نجات کا ذریعہ بنا دے۔ آمین۔

بندہ مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی
مشرف فتاویٰ علمائے ہند، رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی
یکم ربیع الاول ۱۴۴۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائية

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمد، وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وسلم تسليمًا كثيرًا أما بعد:

اسلام میں کوئی مہینہ، کوئی دن، یا کوئی وقت منحوس اور نامبارک نہیں، ہر رات، ہر دن، ہر تاریخ میں نکاح جائز ہے، البتہ شوال کے مہینہ اور جمعہ، جمعرات، پیر کو نکاح کرنا باعث فضیلت ہے۔ بارات کے معنی دولہے کی سواری کا جلوس ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ کم سے کم لوگوں کو ساتھ میں لے کر لڑکی والوں کے یہاں جانا چاہیے، یا لڑکی والوں نے جتنے لوگوں کو لے جانے کو کہا ہے، اتنے یا اس سے کم لوگوں کو لے جائیں، اس سے زیادہ لوگوں کو لے کر جانا جائز نہیں ہے۔ ولیمہ کے معنی شادی کی خوشی کا کھانا اور یہ عقد نکاح کے بعد رخصتی سے قبل اور رخصتی کے بعد بیوی کے ساتھ شب باشی سے قبل اور شب باشی کے بعد تینوں وقتوں میں سے کسی بھی وقت میں جائز ہے، البتہ شب باشی کے بعد زیادہ بہتر ہے اور عقد نکاح سے قبل ولیمہ کا ثبوت نہیں ہے۔ مہر وہ مال ہے، جو مرد پر عورت کے لیے عقد نکاح کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ مہر مقرر کرنا عقد نکاح سے قبل ضروری ہے، البتہ بغیر مہر مقرر کئے بھی عقد نکاح درست ہو جاتا ہے اور لڑکی کو مہر مثل (اپنی ددھیال کی عورتوں، مثلاً: بہن، پھوپھی وغیرہ کا مہر) ملتا ہے۔ شریعت مقدسہ میں حق مہر کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ مہر مسمّی: وہ مہر ہے جو زوجین، یا ان کے وکلاء نکاح کرتے وقت باہمی رضامندی سے مقرر کرتے ہیں۔ مہر مثل: یہ وہ مہر ہے جو عورت کے خاندان کی دیگر عورتوں مثلاً: سگی بہنوں، پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں کے مہر کے برابر مقرر کیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل مہر مہر مثل ہے۔ پھر مہر کی دو صورتیں ہیں: (۱) معجّل (۲) مؤجل۔ معجّل وہ مہر، جسے فی الفور ادا کرنا لازم ہو اور مؤجل میں تاخیر ہوتی ہے عند الطلب، موت، یا طلاق پر۔ علاوہ ازیں شریعت میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم متعین ہے اور زیادہ کی کوئی تحدید نہیں ہے، البتہ حیثیت سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے "**فتاویٰ علماء ہند**" کی نکاح سے متعلق "جلد-۲۵" کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی، احقر نے اس جلد میں نکاح کے اوقات وایام، بارات، ولیمہ، مہر، مہر کے اقسام دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رائج مختلف مہروں سے متعلق مسائل کو شامل کیا ہے، سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علماء ہند کے اس حصہ (۲۵ رویں) میں فتاویٰ کے سوال وجواب کو من وعن نقل کرنے کے ساتھ ہر فتویٰ کے ساتھ اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کر دیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔ امید ہے کہ علما، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، احقر نے حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کو اہتمام کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہو گئے ہیں۔

میں اس موقع سے ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان ومعاونین کا شکر گزار ہوں، جن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ ان تمام معاونین ومخلصین کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)

یکم ربیع الاولیٰ ۱۴۴۲ھ

چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پھلواری شریف، پٹنہ

نکاح کے اوقات وایام کا بیان

نکاح دن میں بہتر ہے، یا رات میں:

سوال: نکاح دن میں بہتر ہے، یا شب میں؟

الجواب

درمختار میں ہے: ''ویندب إعلانه تقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة،الخ''.(۱)

پس معلوم ہوا کہ جمعہ میں ہونا نکاح کا مستحب ہے۔ (۲)(اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دن میں مستحب ہے۔ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۵۷)

(۱) الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب النكاح: ٤/٦٦-٦٧،زكريا ديوبند،انيس

(۲) حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ إِلَى الطُّورِ، فَلَقِيتُ كَعْبَ الْأَحْبَارِ، فَجَلَسْتُ مَعَهُ، فَحَدَّثَنِي عَنِ التَّوْرَاةِ، وَحَدَّثْتُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، فَكَانَ فِيمَا حَدَّثْتُهُ، أَنْ قُلْتُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ: يَوْمُ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ الله آدَمُ، وَفِيهِ أُهْبِطَ، وفيه مات، وَفِيهِ تِيبَ عَلَيْهِ، وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ، وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا وَهِيَ مُصِيخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، مِنْ حِينِ تُصْبِحُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ، إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ، وَفِيهِ سَاعَةٌ لا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللَّهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ.قَالَ كَعْبٌ: ذَلِكَ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ فَقُلْتُ: بَلْ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ قال: فَقَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرَاةَ فَقَالَ: صَدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم.قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَلَقِيتُ بَصْرَةَ بْنَ أَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيَّ، فَقَالَ: مِنْ أَيْنَ أَقْبَلْتَ؟ فَقُلْتُ: مِنَ الطُّورِ، فَقَالَ: لَوْ أَدْرَكْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ إِلَيْهِ مَا خَرَجْتَ إليه، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، يَقُولُ: لا تُعْمَلُ الْمَطِيُّ، إِلَّا إِلَى ثَلاثَةِ مَسَاجِدَ: إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَإِلَى مَسْجِدِي هَذَا، وَإِلَى مَسْجِدِ إِيلِيَاءَ، أَوْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ يَشُكُّ أيهما قال.(موطأ الإمام مالك رواية مصعب الزهري،باب الساعة التي في يوم الجمعة،رقم الحديث: ٤٦٣،انيس)

نا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، نا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ، نا الْعَلَاءُ، ح، وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ، نا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ قَيْسٍ الْمَدَنِيَّ، نا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، ح، وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ح، وَحَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثنا شُعْبَةُ قَالَ بُنْدَارٌ: عَنِ الْعَلَاءِ، وَقَالَ: أَبُو مُوسَى قَالَ: سَمِعْتُ الْعَلَاءَ،ح، وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَزِيعٍ، ثنا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ، نا رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ، عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ بِيَوْمٍ وَلَا تَغْرُبُ أَفْضَلَ أَوْ أَعْظَمَ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ ,وَمَا مِنْ دَابَّةٍ لَا تَفْزَعُ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ إِلَّا هَذَيْنِ الثَّقَلَيْنِ: الْجِنَّ وَالْإِنْسَ، قَالَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ ,وَابْنُ بَزِيعٍ ,وَمُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ:عَلَى يَوْمٍ أَفْضَلَ،وَلَمْ يَشُكُّوا.(صحيح ابن حزيمة،باب في ذكر فضل يوم الجمعة،رقم الحديث:١٧٢٧)

قال د.محمد مصطفى الأعظمي: إسناده صحيح،ص:١١٤/٣،المكتب الإسلامي بيروت،انيس

نکاح کے لیے پیر، جمعرات جمعہ کی فضیلت:

سوال: جیسے مہینوں میں مہینہ شوال کا نکاح کے لیے مسنون، یا مستحب بیان کیا جاتا ہے، اس طرح دنوں میں کوئی دن بھی مسنون، یا مستحب بھی مشروع ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جمعہ، جمعرات، پیر کو فضیلت ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۶/۵/۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۸۵)

(۱) ”عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ”أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد“ الحديث.(قوله: ”واجعلوه في المساجد“. هو اما لأنه أدعى الى الاعلن أو لحصول بركة المكان. وينبغي أن يراعى أيضا فضيلة الزمان، ليكون نورا على نور، وسرورا على سرور.قال ابن الهمام: يستحب مباشرة عقد النكاح في المسجد، لكونه عبادة، وكونه في يوم الجمعة، آه، وهو إما تفاؤلا للاجتماع أو توقع زيادة الثواب، أو لأنه يحصل به كمال الاعلان“.(مرقاة المفاتيح: ۱۳۲/٦، كتاب النكاح، باب اعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۳۱۵۲)، رشيديه)

”ويندب ... كونه في مسجد يوم الجمعة“(”قوله: يوم الجمعة)؛ لأنه أشرف أيام الأسبوع“. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲ ٥، كتاب النكاح، دارالمعرفة، بيروت)

”(ويوم الجمعة ولو منفردا)... ان صومه بانفراده مستحب عند العامة كالاثنين والخميس ... وكذا في المحيط معللا بأن لهذا الأيام فضيلة. (رد المحتار: ۳۷٥/۲، كتاب الصوم، سعيد)

عَنْ أَبِي صَالِحٍ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، رَفَعَهُ مَرَّةً قَالَ: تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ فِي كُلِّ يَوْمِ خَمِيسٍ وَاثْنَيْنِ، فَيَغْفِرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ، لِكُلِّ امْرِءٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا، إِلَّا امْرَأً كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: ارْكُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، ارْكُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا.(صحيح لمسلم،كتاب البر والصلة والأدب،باب النهي عن الشحناء والتهاجر، رقم الحديث: 2565،انيس)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلى اللّٰه عَلَيه وَسَلم قَالَ: تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُسْلِمٍ لا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا، إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا.(موطا الامام مالك رواية ابى معصب الزهرى،باب ماجاء فى الهجر،رقم الحديث: 1897،انيس)

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي الْحَكَمِ بْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ مَوْلَى قُدَامَةَ بْنِ مَظْعُونٍ، عَنْ مَوْلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ انْطَلَقَ مَعَ أُسَامَةَ إِلَى وَادِي الْقُرَى فِي طَلَبِ مَالٍ لَهُ، فَكَانَ يَصُومُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَقَالَ لَهُ مَوْلَاهُ: لِمَ تَصُومُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، وَأَنْتَ شَيْخٌ كَبِيرٌ؟، فَقَالَ: إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُومُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، وَسُئِلَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنَّ أَعْمَالَ الْعِبَادِ تُعْرَضُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ.(سنن أبى داؤد،باب فى صوم الأثنين والخميس،رقم الحديث: ۲٤۳٦،انيس)

نماز جمعہ کے بعد سنتوں سے قبل مجلس نکاح قائم کرنا کیسا ہے:

سوال:　نماز جمعہ کے بعد متصلاً سنتوں سے قبل مجلس نکاح قائم کرنا کیسا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ تمام لوگ نکاح میں شرکت کرلیں۔شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں سنتوں سے قبل نکاح کرنے میں لوگوں کو سنتوں کا اہتمام نہیں رہے گا، بہت سے لوگ سنتیں چھوڑ دیں گے، نیز مسجد میں شور وشغب بھی ہوگا، جو لوگ سنتیں پڑھنا چاہیں گے، ان کو بھی خلل ہوگا، لہذا ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۵۳/۸)

جمعہ، یا ظہر کی نماز میں دعا کے فوراً بعد ہی نکاح پڑھانے کا حکم:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک مسجد کا امام ہوں، مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں جب نکاح پڑھایا جائے تو لوگ سنتوں کے بعد رکتے نہیں، اہل محلّہ کے مشورے سے یہ بات سامنے آئی کہ جمعہ کی نماز، یا ظہر کی نماز کے بعد جب نکاح ہو تو وہ سنتوں سے پہلے ہی پڑھا دیا جائے، جس سے مجمع زیادہ شریک ہوکر اس مسنون عمل سے ماجور ہوجائے، اب ہم اسی پر عمل شروع کررہے ہیں، آپ سے دریافت کرنا تھا کہ کیا یہ طرز عمل شرعاً درست ہے، یا کوئی مسئلہ تو نہیں؟

الجوابـــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

فرض نمازوں کے بعد والی سنتوں کو فوراً ادا کرنا بھی ایک مستقل سنت ہے؛ بلکہ فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص فرائض کی ادائیگی کے بعد سنتوں سے پہلے کلام (بات) کرے تو اس سے سنتوں کے ثواب میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نکاح میں دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، بہت زیادہ مجمع کو اکٹھا کرنا اگرچہ جائز ہے؛ لیکن ضروری نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ پہلے فرائض کے بعد والی سنتوں کو ادا کیا جائے، اس کے بعد عقدِ نکاح پڑھایا جائے، اگرچہ لوگوں کی تعداد کم کیوں نہ ہو؛ کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ عقدِ نکاح کے بعد لوگ مبارکباد وغیرہ میں مشغول ہوکر سنتوں کو بھول بیٹھیں اور ان کی سنتیں قضا ہوجائیں۔

لمافی البحر الرائق (۸۶/۲): القیام إلی السنة متصلا بالفرض مسنون، وفی الشافی کان علیه الصلاة والسلام إذا سلم یمکث قدر ما یقول اللّٰهم أنت السلام ومنک السلام وإلیک یعود السلام تبارکت یا ذا الجلال والإکرام... لوتکلم بعد الفریضة هل تسقط السنة؟ قیل: تسقط،

---

(۱)　سنتوں کے بعد ہو تو جائز ہے۔وکونه فی مسجد یوم الجمعة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب النکاح: ۳۶۰/۲)

وقيل: لا تسقط، ولكن ثوابه أنقص من ثوابه قبل التكلم،آه، وفى القنية: الكلام بعد الفرض لا يسقط السنة ولكن ينقص ثوابه وكل عمل ينافى التحريمة أيضا وهو الأصح،آه.

وفى الهندية (۲۱۱/۱): ولو تكلم بعد الفريضة هل تسقط السنة قيل تسقط وقيل لا ولكن ثوابه أنقص من ثوابه قبل التكلم كذا فى النهاية. (نجم الفتاویٰ:۱۲۱/۴)

عصر بعد نکاح پڑھانا غیر اولیٰ نہیں ہے:

سوال: عصر اور مغرب کے درمیان عقد نکاح کرنا خلاف اولیٰ ہے، یا نہیں؟

الجواب ——————————

عصر اور مغرب کے درمیان نکاح غیر اولیٰ مکروہ نہیں ہے۔

لعدم دليل الكراهة،فى الدرالمختار:ويندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه فى مسجد يوم جمعة.(۱)

یوم جمعہ اپنے اطلاق کی وجہ سے تمام یوم کو شامل ہے، بعد عصر کا وقت بھی اس میں داخل ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۴۹/۷)

اوقات مکروہہ میں نکاح:

سوال: اوقات مکروہہ (طلوع شمس، استواء شمس اور غروب شمس) میں نکاح پڑھانا جائز ہے، یا نہیں؟ اس میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں ہے؟

الجواب —————————— وباللہ التوفیق

اوقات مکروہہ میں نماز مکروہ ہے، (۲) نہ کہ نکاح، لہٰذا صورت مسئولہ میں اوقات مکروہہ میں نکاح پڑھایا جاسکتا ہے، شرعاً جائز و درست ہے، اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۳۴/۴)

اوقات مکروہہ میں نکاح:

سوال: اوقات مکروہہ ثلاثہ (عند الطلوع والزوال والغروب) میں کیا عقد نکاح کی بھی ممانعت ہے؟ اگر ہے تو کیسی ہے؟ ہر دو صورتوں کا جواب بالدلیل عنایت فرمائیں۔ (محمد محسن علی مظاہری)

الجواب ——————————

اوقات مکروہہ میں صرف نماز کی کراہت ہے، دوسری عبادات اور اذکار مکروہ نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) الدرالمختارعلى هامش ردالمحتار كتاب النكاح :۲۵۹/۲،ظفير

(۲) (وكره) تحريما...(صلاة) مطلقا...(مع شروق)...(واستواء)... (وغروب). (تنوير الأبصار مع الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۲٤۸/۱-۲٤۹)

کے بارے میں مروی ہے کہ ''یذکر اللّٰہ في کل أحیانه''(۱) نکاح کا معاملہ عام عبادات اوراذکار کے مقابلہ میں اس لحاظ سے کم تر ہے کہ یہ خالص عبادت نہیں ؛ بلکہ عقداور معاملہ بھی ہے،لہذا ان اوقات میں نکاح کرنا درست ہوگا اور کوئی کراہت نہ ہوگی ۔(کتاب الفتاویٰ:۴/۳۱۷)

شادی کے لیے تاریخ ۳/۱۳/۲۳/ کی تعین:

سوال: عام رواج ہے کہ شادی بیاہ کے موقعہ پرلوگ تاریخ رکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مہینہ کی ۳/۱۳/۲۳/ تاریخ نہ ہونا چاہیےاور باقی تاریخیں کوئی بھی رکھی جائیں،اگر کبھی ۲/تاریخ یا، ۷/تاریخ وغیرہ مقرر ہوگئی تو یہ ہوتا ہے کہ نکاح دن میں ہوجائے ،۳/ یا ۸/ نہ ہونے پائے۔اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ رواج شرعاً بے اصل ہے،اس کی پابندی لازم نہیں ۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیو بند۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۱۹۶)

نکاح ہر ماہ، ہر تاریخ میں درست ہے:

سوال: قمری تاریخوں میں کس ماہ،کس دن اور کس تاریخ میں نکاح نا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

کسی ماہ کی کوئی تاریخ اور کوئی شب، یا کوئی دن ایسا نہیں،جس میں نکاح نا جائز ہو، ہر رات، ہر دن، ہر تاریخ میں نکاح جائز ہے۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند،۱۱/۵/۱۳۹۲ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۴۸۵-۴۸۶)

---

(۱) صحیح البخاري: ۱/٦٣٤،صحیح مسلم: ۱/٢٨٢،سنن أبي داؤد : ۱/٨١،سنن ابن ماجة: ۱/٢٠٣

(۲) دونوں کے بارے میں ایسا اعتقاد کہ فلاں فلاں دن منحوس ہے، یہود کا عمل اور طریقہ ہے:

''سئله نفع اللّٰہ بعلومه:السئوال عن النحس والسعد وعن الأیام واللیالی التی تصلح لنحو السفر والانتقال ما یکون جوابه ؟ فأجاب رضی اللہ تعالیٰ عنه : من یسأل عن النحس وما بعده ، لا یجاب إلا بالإعراض عنه، وتسفیه ما فعله ، ویبین له قبحه ، وأن ذلک من سنة الیهود لا من هدی المسلمین المتوکلین علی خالقهم وبارئهم، الذین لا یحسبون وعلی ربهم یتوکلون،وما ینطق من الأیام المنطوقة ونحوها عن علی کرم اللّٰہ وجهه باطل کذب،لا أصل له، فلیحذر من ذلک، واللّٰہ تعالی اعلم''.(الفتاویٰ الحدیثیة لابن حجر الهیثمی رحمه اللّٰہ تعالیٰ،مطلب فی الجواب عن الأیام... وسعید ها ونحیسها،ص: ٤١-٤٢،قدیمی)

(۳) نکاح کے بارے میں قرآن،حدیث اور فقہ کی عبارات مطلق ہیں،کسی معین دن اور تاریخ کی تخصیص نہیں اور مطلق کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ ''المطلق یجری علیٰ اطلاقه. (شرح المجلة: ۱/٤٥، دارالکتب العلمیة بیروت)

محرم میں نکاح کرنا:

سوال: میں اپنی لڑکی کی شادی کی تاریخ محرم کے چہارم کے بعد کسی دن مقرر کرنے والا ہوں۔شرعاً کوئی ممانعت تو نہیں ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شادی بیاہ کے لیے شریعت نے نہ کوئی دن تاریخ مقرر کیا ہے، نہ کسی دن تاریخ کو ممنوع قرار دیا ہے؛ یعنی ہر دن ہر تاریخ میں شادی بیاہ کرنے کی اجازت ہے؛ اس لیے آپ محرم کی ۴ رتاریخ کو کیجئے، یا ۱۰ رکو، یا جس تاریخ کو چاہیے کیجئے، آپ کو اختیار ہے، آپ گنہگار نہیں ہوں گے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۶/۱۲/۱۳۷۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۱۰۰)

محرم کے مہینہ میں نکاح:

سوال: میرے بھائی کی شادی ماہ محرم میں ہے، اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ماہ محرم میں شادی نہیں کرنی چاہیے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پندرہ محرم کے بعد شادی کر سکتے ہیں تو کیا ماہِ محرم میں شادی کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کس تاریخ کے بعد مناسب ہے؟ (افضل حسین، نظام آباد)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

جولوگ ماہِ محرم، یا اس کے بعد کے دنوں میں شادی کرنا ناپسند سمجھتے ہیں، وہ دراصل اسے سوگ اور ماتم کا مہینہ قرار دیتے ہیں، یہ اسلامی روح اور اس کے مزاج کے بالکل خلاف ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، البتہ بیوی شوہر پر چار مہینے دس روز تک سوگ منائے گی۔

" لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلث ليال إلا على زوج أربعة أشهر و عشرا ".(۲)

---

(۱) شریعت اسلامیہ میں کوئی مہینہ منحوس نہیں ہے، تمام مہینوں میں نکاح ہوسکتا ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگ ماہ شوال میں نکاح کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے، حدیث میں اس کی تردید کی گئی، چناں چہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح شوال میں ہوا۔

عن عائشة قالت تزوّجنى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى شوال وبنى بى فى شوال فأىّ نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم كان أحظى عنده منى، قال: وكانت عائشة تستحب أن تدخل نساء ها فى شوال.(صحيح لمسلم،باب استحباب التزوج والتزويج فى شوال واستحباب الدخول فيه: ۴۵۶/۱)

وقد نص أصحابنا على استحبابه واستدلوا بهذا الحديث وقصدت عائشة بهذا الكلام ردّما كانت الجاهلية عليه وما يتخيله بعض العوام اليوم من كراهة التزوّج والتزويج والدخول فى الشوال وهذا باطل لاأصل له.(النووى شرح لمسلم: ۴۵۶/۱)

(۲) صحيح البخارى: ۸۰۳/۲ ،صحيح لمسلم : ۴۸۶/۱

اسلام نے جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا ہے، ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کا خطرہ ہے؛ اس لیے بہتر ہے کہ آپ اپنے بھائی کی شادی اسی ماہ کے کسی تاریخ میں کریں، تاکہ معاشرہ سے غلط رسم مٹ سکے۔

محرم کے مہینہ میں شادی کرنا:

سوال: بعض حضرات محرم کے مہینہ میں شادی کرنا نہیں چاہتے ہیں، تو بتایا جائے کہ اس ماہ میں شادی کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ (نظام الدین، دربھنگہ)

الجواب

اسلام میں کوئی مہینہ، کوئی دن، یا کوئی وقت منحوس اور نامبارک نہیں، اور محرم کا مہینہ تو بہت سی فضیلتوں کا حامل ہے، خود یوم عاشوراء کے بھی بڑے فضائل ہیں، سوء اتفاق ہے کہ اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور محبوب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا دل دوز واقعہ پیش آیا؛ لیکن اس واقعہ کی وجہ سے یہ سمجھ لینا کہ اس دن، یا اس مہینہ میں شادی نہ کی جائے، نہایت ہی غلط ہے؛ کیوں کہ اسلام تو دلیروں اور جاںنثاروں کا دین ہے، کوئی مہینہ اور کوئی تاریخ نہیں، جس میں کسی صحابی، یا اسلام کے کسی بڑے مجاہد اور سپوت کی شہادت کا واقعہ پیش نہ آیا ہو تو کیا پھر اس کی وجہ سے ان تمام مہینوں اور دنوں میں نکاح سے پرہیز کیا جائے گا؟ اسلام سے پہلے شوال کے مہینہ میں عرب شادی بیاہ نہیں کرتے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور شوال ہی میں آپ کی رخصتی ہوئی؛ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس بات کو پسند کرتی تھیں کہ ان کے خاندان کی عورتوں کا نکاح شوال میں ہوا کرے، (۱) اس عمل سے یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ بھی رہا ہوگا کہ یہ بات کہ فلاں خاص مہینہ میں نکاح نہ کیا جائے، لوگوں کے ذہن سے نکل جائے، پس، محرم کے مہینہ میں نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۳۲۵/۴-۳۲۶)

محرم میں نکاح کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ماہ محرم میں نکاح کرنا جائز ہے، یا حرام؟ بینوا توجروا۔

(۱) الجامع للترمذی: ۲۰۷/۱ (عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَّالٍ، وَبَنَى بِي فِي شَوَّالٍ وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَسْتَحِبُّ أَنْ يُبْنَى بِنِسَائِهَا فِي شَوَّالٍ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ. (سنن الترمذی، رقم الحديث: ۱۰۹۳، انیس)

(۲) ایک روایت کے مطابق حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا نکاح سن ۲ر ہجری ماہ محرم الحرام میں ہوا تھا، سیرۃ المصطفی میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اسی سال (یعنی سن ۲ر ہجری میں، اس میں اختلاف ہے کہ مہینہ کون سا تھا، ذوالحجہ، محرم یا صفر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمائی''۔ (سیرۃ المصطفی: ۱۷۱/۲، ط: الطاف سنز، انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

ماہ محرم میں نکاح کرنے کی ممانعت وقباحت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے۔ سال کے دوسرے مہینوں کی طرح اس مہینہ میں بھی نکاح کرنا درست ہے؛ بلکہ شیعی اور رافضی بدعت اور من گھڑت مسئلہ کو ختم کرنے کے لیے عملی کوششیں کرنا ان شاءاللہ موجب اجر ہوں گی۔ (۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار غفراللہ لہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۵۸۰/۴)

ماہ صفر میں نکاح کرنا:

سوال: صفر کے مہینہ میں پہلی تاریخ سے تیرھویں تاریخ تک شادی ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ اگر ممانعت ہے تو کس وجہ سے؟ خلاصہ جواب دیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جاہلوں میں جو یہ مشہور ہے کہ ماہ صفر کی پہلی سے ۱۳ ر تک منحوس تاریخیں ہیں، یہ بالکل بے اصل اور بے ثبوت باتیں ہیں، ایسا اعتقاد رکھنا گناہ ہے، ہر تاریخ میں نکاح ہوسکتا ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس، ۲/۳/۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۰۷/۴)

---

(۱) وفي حديث: أنّ أوّل رحمة نزلت من السماء نزلت يوم عاشوراء لأنّ جبريل نزل علىّ يوم عاشوراء وخلق الله السموات والارض يوم عاشوراء وخلق البراق والحور العين يوم عاشوراء وزوّج الله ابراهيم سارة يوم عاشوراء وأخرج الله سارة من يد ملك حران الطاغي وأعطاها هاجر يوم عاشوراء واتخذ الله ابراهيم خليلا يوم عاشوراء وتزوّج يوسف عليه السلام زليخا يوم عاشوراء وتزوّج محمد صلّى الله عليه وسلم خديجة يوم عاشوراء وكلم اللّٰه موسى يوم عاشوراء ووقع فى بطن أمّه ليلة عاشوراء.

تزوّج على بفاطمة رضى اللّٰه عنها:

وفى هذه السنة تزوّج علىّ بفاطمة رضى اللّٰه عنها وفى الصفوة تزوّجها فى السنة الثانية من الهجرة فى رمضان وبنى بها فى ذى الحجة وفى الوفاء كان ذلك قبل بدر فى رجب على الاصح بعد مقدم رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم المدينة بخمسة أشهر وبنى بها مرجعه من بدر وقيل فى صفر * وفى ذخائر العقبى عن جعفر بن محمد قال تزوّج علىّ فاطمة فى ليال بقين منه وبنى بها فى ذى الحجة على رأس اثنين وعشرين شهرا من التاريخ قال أبو عمرو بعد وقعة أحد وقال غيره بعد بناء النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلم بعائشة بأربعة أشهر ونصف وبنى بها بعد تزوّجها بسبعة أشهر ونصف. (تاريخ الخميس فى أحوال أنفس النفيس: ٣٦١/١، دار صادر بيروت، انيس)

(۲) شریعت اسلامیہ میں کوئی مہینہ اور کوئی دن منحوس نہیں ہے تمام مہینوں اور تمام دنوں میں نکاح ہوسکتا ہے۔

عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: لا عدوىٰ ولاطيرة ولاهامّة ولاصفر. (الصحيح للبخارى كتاب الطب، باب لاهامّة: ٨٥٧/٢، صحيح لمسلم، باب لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر ولا نوء ولا غلول ولا يورد ممرض على مصح، رقم الحديث: ٢٢٢٠، انيس)

رمضان المبارک میں نکاح:

سوال: کیا کوئی شخص ماہ رمضان میں نکاح کرسکتا ہے؟

(سید حفیظ الرحمٰن، نظام آباد)

الجواب

رمضان المبارک میں نکاح کرنے میں کچھ حرج نہیں، روزہ کی حالت میں بھی نکاح کیا جاسکتا ہے، نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے، گویا نکاح زبان کا فعل ہے اور زبان سے صادر ہونے والے الفاظ سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر وہ جائز ہوں تو اس میں کوئی کراہت اور قباحت بھی نہیں ہے۔ ہاں: اگر رمضان المبارک کے بعد تک مؤخر کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور اندیشہ ہو کہ نکاح کے بعد روزہ کا احترام قائم نہیں رکھ سکے گا تو نکاح کو رمضان سے مؤخر کرلینا بہتر ہے۔ واللہ اعلم (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۱۷-۳۱۸)

شوال کے مہینہ میں نکاح کرنا:

مسئلہ: درمیان عیدین کے نکاح کرنا سنت اور موجب برکت ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شوال میں ہوا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے عزیزوں کا نکاح شوال میں کیا کرتی تھیں۔ پس اس نکاح کو منحوس جاننا، جہل وفسق ہے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت اور عداوت ہے، ایسے اقوال بے ہودہ سے توبہ پرضرور(۱) ہے، ورنہ فعل سنت کے برا جاننے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے اور ایسی بات سخت احمق جاہل بکتا ہے، عالم ایسی بات ہرگز نہیں کہتا۔ (۲) واللہ اعلم

رشید احمد گنگوہی (مجموعۂ کلاں، ص:۴۲) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص۲۴۸-۲۴۹)

---

(۱) پرضرور: نہایت ضروری۔ [نور]

(۲) عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَّالٍ، وَبَنَى بِي فِي شَوَّالٍ، فَأَيُّ نِسَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَحْظَى عِنْدَهُ مِنِّي؟، قَالَ: وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَسْتَحِبُّ أَنْ تُدْخِلَ نِسَائَهَا فِي شَوَّالٍ. (صحيح لمسلم، باب استحباب التزوج والتزويج في شوال، رقم الحديث: ١٤٢٣، انيس)

فيه استحباب التزويج والتزوج والدخول في شوال، وقد نص أصحابنا عليه واستدلوا بهذا الحديث، قصدت عائشة رضى الله عنها بهذا رد ما كانت الجاهلية عليه، وما يتخيله بعض العوام اليوم، وكان أهل الجاهلية يتطيرون بذلک؛ لما في اسم شوال من الإشالة والرفع. (شرح الطيبي الكاشف عن حقائق السنن، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط: ٢٢٨٦/٧، مكتبة نزار مصطفى البار، انيس)

قيل: إنما قالت هذا ردًا على أهل الجاهلية؛ فإنهم كانوا لا يرون تيمنًا في التزوج والعرس في أشهر الحج، وقيل: لأنها سمعت بعض الناس يتطيَّرون ببناء الرجل على أهله في شوال فحَكَت ما حكت إنكارًا لذلک وإزاحة للوهم. (شرح المصابيح لابن الملک، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط: ٥٦/٣، إدارة الثقافة الإسلامية، انيس)

ذی قعدہ میں نکاح کرنا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: زید اپنی دختر کا نکاح بکر سے ذی قعدہ میں کرنا چاہتا تھا، لوگ کہتے ہیں کہ دوعیدوں کے درمیان نکاح حرام ہے؟

الجواب

ماہ ذی قعدہ میں نکاح کرنا درست ہے، مانعین کا قول بے اصل ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۵۷)

دوعیدوں کے درمیان شادی:

سوال: کچھ بزرگ کہتے ہیں کہ دونوں عیدوں کے درمیان نکاح ٹھیک نہیں؛ اس لیے عیدالفطر سے پہلے اور عید الاضحیٰ کے بعد شادی کر لینا چاہیے، اگر دونوں عیدوں کے درمیان نکاح کیا تو پھر شادی کامیاب نہیں رہتی؟

الجواب

یہ بزرگ غلط کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی شوال میں ہوئی تھی، ان سے زیادہ کامیاب شادی کس کی ہوسکتی ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶/۴۰۷) ☆

---

(۱) نكح النبي صلى الله عليه وسلم من عائشة رضى الله تعالىٰ عنها في شوال. (أصح السير، ص: ٤١٥، سيرة المصطفى: ٢/٣٩٠)

عائشة أُمُّ الـمُؤْمِنِيْنَ بِنْتُ الإِمَامِ الصِّدِّيْقِ الأَكْبَرِ خَلِيْفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبِي بَكْرٍ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِي قُحَافَةَ عُثْمَانَ بنِ عَامِرِ بنِ عَمْرِو بنِ كَعْبِ بنِ سَعْدِ بنِ تَيْمِ بنِ مُرَّةَ بنِ كَعْبِ بنِ لُؤَيٍّ القُرَشِيَّةُ التَّيْمِيَّةُ المَكِّيَّةُ النَّبَوِيَّةُ أُمُّ الـمُؤْمِنِيْنَ زَوجَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْقَهُ نِسَاءِ الأُمَّةِ عَلَى الإِطْلاَقِ. وَأُمُّهَا هِيَ أُمُّ رُوْمَانَ بِنْتُ عَامِرِ بنِ عُوَيْمِرِ بن عبد شمس بن عتاب ابن أُذَيْنَةَ الكِنَانِيَّةُ، هَاجَرَ بِعَائِشَةَ أَبَوَاهَا وَتَزَوَّجَهَا نَبِيُّ اللّٰهِ قَبْلَ مُهَاجَرِهِ بَعْدَ وَفَاةِ الصِّدِّيْقَةِ خَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ وَذَلِكَ قَبْلَ الهِجْرَةِ بِبِضْعَةَ عَشَرَ شَهْراً وَقِيْلَ: بِعَامَيْنِ وَدَخَلَ بِهَا فِي شَوَّالٍ سَنَةَ اثْنَتَيْنِ مُنْصَرَفَهُ عَلَيْهِ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ مِنْ غَزْوَةِ بَدْرٍ وَهِيَ ابْنَةُ تِسْعٍ. (سير أعلام النبلاء، عائشة أم المؤمنين رضى الله تعالىٰ عنها: ٣/٤٢٦، دارالحديث القاهرة، انيس)

عن عروة عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها، قالت: تزوجنى رسول الله صلى الله عليه وسلم في شوال، وبنى بي في شوال، فأى نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم كان أحظى عنده منى، قال: وكانت عائشة تستحب أن تدخل نساء ها في شوال. (صحيح لمسلم، باب استحباب التزوج والتزويج في شوال، رقم الحديث: ١٤٢٣، انيس)

☆ حدیث ''لانکاح بین العیدین'' ثابت نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام لوگوں کا خیال ہے کہ عیدین کے درمیان نکاح کرنا درست نہیں اور اس پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں: ''لا نكاح بين العيدين''. ==

ایک ہی دن میں دو بہن اور دو بھائی کی شادی:

سوال: میری دو بہنیں ہیں، جن کی شادی دو بھائیوں سے ہو رہی ہے، ہم لوگ یہ دونوں شادیاں ایک ہی دن رکھنا چاہتے ہیں، ہمارے بعض اقربا کا خیال ہے کہ ایک ہی دن دو بہن، یا دو بھائیوں کی شادی کی جائے تو ایک کو تکلیف اور مفلسی آتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ (ایک بہن)

الجواب

یہ محض توہم پر مبنی باتیں ہیں، شادی کے مبارک یا نا مبارک ہونے کا تعلق نہ دن سے ہے، نہ تاریخ سے اور نہ دو شادیوں کے ایک ہی تاریخ، یا الگ الگ تاریخ میں ہونے سے اور نہ اس کی وجہ سے مفلسی آتی ہے۔

ہاں! جس عمل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہوگی، اس میں برکت ہوگی اور جس میں خدا کی نافرمانی کی جائے گی، وہ عمل بے برکت ہوگا؛ اس لیے اس کا اہتمام کریں کہ سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ

== اس مسئلہ اور حدیث کی حقیقت کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالقیوم کا مونکی گجرانوالہ، ۲۷ر رمضان ۱۴۰۵ھ)

الجواب

دونوں عیدوں کے درمیان نکاح بلا ریب اور بلا کراہت جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اسی ماہ میں ہوا ہے۔ نیز "لا نکاح بين العيدين" (نوع آخر: مباشرة النكاح في المساجد مستحب، والنكاح بين العيدين جائز، وكره بعضهم الزفاف والمختار أنه لا يكره لأنه عليه الصلاة والسلام تزوج بالصديقة رضي الله عنها في شوال وبنى بها فيه، وتأويل قوله عليه الصلاة والسلام: "لانكاح بين العيدين" إن صح أنه عليه الصلاة والسلام كان رجع من العيد في أقصر أيام الشتاء إلى الجمعة فعرض له الإنكاح فقاله حتى لايفوته الرواح في الوقت الأفضل إلى الجمعة. (الفتاویٰ البزازية على الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح: ۱۰۱/۱۰، دارالكتب العلمية بيروت، انيس) النِّكَاحُ بَيْنَ الْعِيدَيْنِ جَائِزٌ وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ الزِّفَافَ وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ لِأَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – تَزَوَّجَ بِالصِّدِّيقَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا وَعَنْ أَبَوَيْهَا فِي شَوَّالَ وَبَنَى بِهَا فِيهِ وَتَأْوِيلُ قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا نِكَاحَ بَيْنَ الْعِيدَيْنِ إنْ صَحَّ بِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ رَجَعَ مِنْ صَلَاةِ الْعِيدِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَقْصَرِ أَيَّامِ الشِّتَاءِ فَعَرَضَ عَلَيْهِ الْإِنْكَاحَ فَقَالَهُ حَتَّى لَا يَفُوتَهُ الرَّوَاحُ فِي الْوَقْتِ الْأَفْضَلِ إلَى الْعِيدِ الثَّانِي وَهُوَ الْجُمُعَةُ. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۳۲/۱، دارالمعرفة بيروت، انيس) اولاً حدیث نہیں ہے، یا اس کا مطلب جمعہ اور صلوٰۃ العید ہے اور یہ واقعہ جزئیہ ہے، نہ کہ کلیہ۔

كما في الشامية: ۲۴۸/۲: وتأويل قوله عليه السلام لا نكاح بين العيدين إن صح أنه عليه السلام كان رجع عن صلاة العيد في أقصر أيام الشتاء يوم الجمعة، فقاله حتىٰ لا يفوته الروح في الوقت الأفضل إلى الجمعة. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲۴۸/۲، كتاب النكاح، تحت قوله في مسجد يوم جمعة) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۵/۴)

شادی کی تقریب انجام دیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بابرکت اور معیاری نکاح وہ ہے، جو کم سے کم خرچ سے انجام پائے۔

"**إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة**".(۱)

اس لیے آپ کے عزیزوں نے جو بات کہی ہے، وہ محض وہم ہے،اس کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں،البتہ اس پرضرور توجہ دیں کہ شادی میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو۔(کتاب الفتاویٰ:۴/۳۳۳)

☆ ☆ ☆

(۱) مشكاة المصابيح: ۲/۲۰۴، طبع : بيروت

وعن عائشة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة.(رواه أحمد والطبراني في الأوسط وإسناده ضعيف ويشهد له الحديث بعده)(فتح الغفار الجامع لأحكام سنة نبينا المختار،باب جواز التزويج على القليل:۳/۱۴۵۷،دار عالم الفوائد،انيس)

بارات اوراس سے متعلق رسوم ورواج

بارات کےلغوی وشرعی معنی:

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بارات کسے کہتے ہیں اور اس کی لغوی اورشرعی حقیقت کیا ہے؟ واضح فرمادیں۔

(المستفتی: حمیداللہ دریاپور، بھاگلپور بہار)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بارات کے معنی دولہے کی سواری کا جلوس ہے، جیسا کہ ''فیروز اللغات، ص:۱۹۲'' پرموجود ہےاوراس کاحکم یہ ہے کہ کم سے کم لوگوں کوساتھ میں لےکرلڑکی والوں کے یہاں جانا چاہیے، یالڑکی والوں نے جتنے لوگوں کولے جانے کوکہا ہے، اتنے یااس سے کم لوگوں کو لے جائیں، اس سے زیادہ لوگوں کو لے کر جانا جائزنہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل:۱۲/۱۳۶، میرٹھ۱۷/۳۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ، ۱۰/جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۲۰۸۲)

الجواب صحیح: احقرمحمد سلمان منصورپوری غفرلہ، ۱۰/۶/۱۴۳۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ:۱۲/)

بارات کی شرعی حیثیت:

سوال: بارات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نکاح کا مسنون طریقہ کس طرح ہے؟ کیا بارات دن کے حصے میں جائے، یارات میں جائے؟ اگر یہ رواج داخل کردیاجائے کہ بارات دس بجے رات کودروازہ پرپہونچے اوردن کا کھانا کھلاکرلڑکی کی رخصتی کردی جائےتوکیا یہ عمل شرعاً درست ہوگا، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بارات ایک غیراسلامی رسم ہے، کتاب وسنت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا کوئی رواج نہیں تھا، یہ بعد کی پیداوار اورمشرکین عجم کی تقلید ہے۔(۱) اس غلط رسم کی بناپرلڑکی والوں کو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرناپڑتاہےاورزیربارہوناپڑتاہے، باراتیوں کے بہت سے نازنخرے اوربےجا مطالبے پورے

(۱) ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ (سورة بنی اسرائیل:۲۷) ==

کرنے پڑتے ہیں، جو شرعی لحاظ سے کسی طرح روا نہیں، مروجہ بارات کی رسم لڑکی والوں پر ایک ظلم ہے، جس کا سدِ باب ضروری ہے۔

شادی اگر مقامی ہو تو دونوں فریق کے لوگ مسجد پہنچ کر ایجاب وقبول کریں اور اگر دونوں مقامات کے درمیان فاصلہ ہو تو لڑکے کے ساتھ ایک دو آدمی شامل ہو جائیں اور نکاح کے بعد پہلی فرصت میں رخصتی لے کر لوٹنے کی کوشش کریں، وقت کی کوئی پابندی نہیں ہے، دن اور رات کے جس حصہ میں سہولت ہو جاسکتے ہیں، اگر دن ہی دن میں کام نمٹ جائے تو زیادہ بہتر ہے، جو لوگ جائیں گے ان کو کھانا کھلانا لڑکی والوں پر ضروری نہیں ہے، اخلاقاً اگر ناشتہ اور کبھی کھانا کھلانا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۲۴/۴/۱۴۱۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۲۲/۴)

بارات کا شرعی حکم:

سوال: میرے ایک دوست ہیں جو بہت ہی نیک اور پابند صوم وصلوۃ ہیں، ان کی خواہش رہتی ہے کہ ہر کام سنت کے مطابق کرنا چاہیے، عنقریب ان کی شادی ہے، وہ مصر ہیں کہ شادی میں بارات وغیرہ نہیں جائے گی؛ لیکن گھر والے کہتے ہیں کہ بارات ہال میں جائے گی اور وہیں سے لڑکی کو لائیں گے، لڑکا کہتا ہے میں اکیلا جا کر لڑکی کو لے آؤں گا۔ آپ حضرات سے ان سوالوں کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) شادی میں رخصتی کے لیے بارات لے جانا مسنون ہے، یا اکیلے دولہا جا کر دلہن کو لائے؟

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا اس سلسلے میں کیا معمول تھا؟

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلہن کے گھر بارات لے جانا ثابت ہے، اگر ثابت ہے تو کیا دولہا کے خاندان والے بھی دلہن کو لینے گئے تھے اور اس موقع پر لڑکی والوں نے کھانا کھلایا ہو؟

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شریعت مطہرہ نے شادی کے معاملے کو انتہائی سادگی سے انجام دینے کا درس دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

"إن أعظم النكاح بركة أيسره مونة". (مشكاة، ص: ۲٦٨)(۱)

(سب سے بابرکت نکاح وہ ہے، جس میں خرچ کم ہو۔)

== عن نافع قال: سمع ابن عمر مزماراً، قال: فوضع إصبعيه على أذنيه ونادىٰ عن الطريق وقال لي: يانافع! هل تسمع شيئاً؟ قال: فقلت: لا، قال: فرفع إصبعيه من أذنيه وقال كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمع مثل هذا فصنع مثل هذا. (سنن أبي داؤد، باب كراهية الغناء والزمر: ٢/ ٦٧٤)

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل عن عائشة رضى الله عنه، رقم الحديث: ٢٤٥٢٩، انيس

اسی طرح صحابہ کرام کا معمول اس سلسلے میں نہایت سادگی کا تھا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے:

عن أنس أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأی علی عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة فقال: ما هذا؟ قال: إنی تزوجت امرأة علی وزن نواة من ذهب، قال: بارک اللّٰہ لک، أولم ولو بشاة''. (مشکاۃ، ص: ۲۷۷)(۱)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زرد رنگ کے آثار دیکھے (جو کہ شادی کی علامت ہوتے ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے ایک عورت سے سونے کے ٹکڑے کے عوض شادی کر لی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بارک اللہ'' اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے۔)

اس واقعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شادی کرنا کتنا آسان تھا، دونوں جہانوں کے سردار اور النبی الخاتم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے حد درجے قریب (عشرہ مبشرہ) میں سے ایک صحابی کے نکاح کی اطلاع نہ تھی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بُرا ماننے کے بجائے برکت کی دعا دی، اس سے شریعت کا اصل مزاج سمجھنا آسان ہے۔

شادی کے اندر صرف دعوتِ ولیمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

قال: إذا دعی أحدكم إلی الوليمة فليأتها''. (مشکاۃ، ص: ۲۷۸)(۲)

(تم میں سے کسی کو اگر ولیمہ کا دعوت نامہ ملے تو اسے چاہیے کہ شرکت کرے۔)

نیز ایک اور حدیث میں ہے:

وعن أنس قال: ''ما أولم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی أحد من نسائه ما أولم علی زينب أولم بشاة''. (مشکاۃ، ص: ۲۷۸)(۳)

(حضرت انس سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ کا ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے ذریعہ دعوت ولیمہ کی۔)

لہٰذا ولیمہ کی دعوت تو مسنون عمل ہے، البتہ جہاں تک تعلق ہے شادی میں بارات کا تو اس میں کچھ تفصیل ہے۔ بعض روایات سے جزوی طور پر رخصتی کے وقت (لڑکی والوں کی طرف سے) کھانا کھلانا ثابت ہوتا ہے، اگرچہ ان

---

(۱) مسند الإمام أحمد، رقم الحديث: ۱۳۳۷۰، انیس

(۲) صحيح البخاری، باب حق إجابة الوليمة والدعوة، رقم الحديث: ۵۱۷۳، عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنهما، صحيح لمسلم، باب الأمر بإجابة الداعی علی الدعوة، رقم الحديث: ۱۴۲۹، انیس

(۳) صحيح البخاری، باب الوليمة ولو بشاة، رقم الحديث: ۵۱۶۸، انیس

روایات پر کلام ہے اور بعض رواۃ کوضعیف قرار دیا گیا ہے، چناں چہ ان روایات سے سنیت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا رخصتی کے وقت لڑکی والوں کی طرف سے شرکاء کو کھانا کھلانا وغیرہ اسے سنت قرار نہیں دیا جائے گا۔ نیز بعض صحیح احادیث سے رخصتی کے وقت لڑکی کے گھر کی خواتین اور بچوں کا جانا بھی ثابت ہوتا ہے۔ احادیث یہ ہیں:

(۱) مصنف عبدالرزاق میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا واقعہ ایک تفصیلی حدیث میں ذکر ہے، ان کی رخصتی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

فقال: ''یا بلال إنی زوجت ابنتی ابن عمی وأنا أحب أن یکون من سنة أمتی إطعام الطعام عند النکاح فأت الغنم فخذ شاة... فاجعل لی قصعة لعلی أجمع علیها المهاجرین والأنصار''. (مصنف عبدالرزاق: ٤٨٧/٥)(۱)

(فرمایا: اے بلال! میں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اپنے چچازاد سے کر دیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میری امت کا نکاح کے وقت کھانا کھلانے کا طریقہ کار رہو، جاؤ اور بکری لے کر آؤ۔۔۔ اور ایک برتن میں میرے لیے بناؤ (کھانا تیار کرو) تاکہ میں مہاجرین اور انصار کو جمع کر (کے ان کی دعوت کر) سکوں۔''

اس روایت میں حضرت فاطمہ کے نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کھانے کا انتظام کرنے کا ذکر ہے۔

(۲) بخاری شریف میں امام بخاری نے باب قائم فرمایا ہے: ''باب ذهاب النساء والصبیان الی العرس'' (یہ باب ہے عورتوں اور بچوں کے رخصتی کے لیے جانے کے بیان میں) اور اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں:

"عن أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه، قال: أبصر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نساء وصبیانا مقبلین من عرس، فقام ممتنا، فقال: اللّٰهم أنتم من أحب الناس إلی''. (صحیح البخاری: ٧٧٨/٢)(۲)

(حضرت انس بن مالک سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو دلہن کو رخصت کر کے آتے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرطِ مسرت سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: تم لوگ مجھے اور آدمیوں سے زیادہ محبوب ہو۔)

(۳) مستدرک حاکم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے نکاح کا تفصیلی واقعہ ذکر ہے، ابتداءِ اسلام میں ہی ام حبیبہ حبشہ ہجرت فرما گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ میں ہی انہیں پیغام نکاح بھیجا اور شاہِ حبشہ نجاشی نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا خطبہ پڑھا اور یہ نکاح منعقد کیا گیا، خطبہ نکاح کے بعد کے الفاظ روایت میں اس طرح منقول ہیں:

---

(۱) مصنف عبدالرزاق، تزویج فاطمة رضی اللّٰه عنها، رقم الحدیث: ٩٧٨٢

قال الهیثمی فی المجمع: رواه الطبرانی وفیه یحی بن العلاء وهو متروک. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب منه فی فضلها وتزویجها بعلی رضی اللّٰه عنهما: ٢٠٨/٩-٢٠٩، مکتبة القدسی القاهرة، انیس)

(۲) صحیح البخاری، رقم الحدیث: ٥١٨٠، صحیح لمسلم، باب من فضائل الأنصار رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم، رقم الحدیث: ٢٥٠٨، انیس

"ثم أرادوا أن يقوموا،فقال:اجلسوا،فإن سنة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام إذا تزوجوا أن يؤكل الطعام على التزويج فدعا بطعام فأكلوا ثم تفرقوا".(المستدرک علی الصحيحين: ٤/ ٢٣)(١)

(پھر حاضرینِ مجلس نے (نکاح کے بعد) اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا: بیٹھو انبیاء کا طریقہ ہے کہ جب وہ شادی کرتے

---

(١) عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: قَالَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ: رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ جَحْشٍ زَوْجِي بِأَسْوَإِ صُورَةٍ وَأَشْوَهِهِ فَفَزِعْتُ، فَقُلْتُ: تَغَيَّرَتْ وَاللَّهِ حَالُهُ، فَإِذَا هُوَ يَقُولُ حِينَ أَصْبَحَ: يَا أُمَّ حَبِيبَةَ، إِنِّي نَظَرْتُ فِي الدِّينِ فَلَمْ أَرَ دِينًا خَيْرًا مِنَ النَّصْرَانِيَّةِ وَكُنْتُ قَدْ دِنْتُ بِهَا، ثُمَّ دَخَلْتُ فِي دِينِ مُحَمَّدٍ، ثُمَّ رَجَعْتُ إِلَى النَّصْرَانِيَّةِ، فَقُلْتُ: وَاللَّهِ مَا خَيْرٌ لَكَ وَأَخْبَرْتُهُ بِالرُّؤْيَا الَّتِي رَأَيْتُ لَهُ، فَلَمْ يَحْفَلْ بِهَا وَأَكَبَّ عَلَى الْخَمْرِ حَتَّى مَاتَ، فَأُرِيَ فِي النَّوْمِ كَأَنَّ آتِيًا يَقُولُ لِي: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، فَفَزِعْتُ وَأَوَّلْتُهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَزَوَّجُنِي، قَالَتْ: فَمَا هُوَ إِلَّا أَنِ انْقَضَتْ عِدَّتِي، فَمَا شَعَرْتُ إِلَّا بِرَسُولِ النَّجَاشِيِّ عَلَى بَابِي يَسْتَأْذِنُ، فَإِذَا جَارِيَةٌ لَهُ يُقَالُ لَهَا: أَبْرَهَةَ كَانَتْ تَقُومُ عَلَى ثِيَابِهِ وَدُهْنِهِ، فَدَخَلَتْ عَلَيَّ فَقَالَتْ: إِنَّ الْمَلِكَ يَقُولُ لَكِ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيَّ أَنْ أُزَوِّجَكِ، فَقُلْتُ: بَشَّرَكِ اللَّهُ بِخَيْرٍ، وَقَالَتْ: يَقُولُ لَكِ الْمَلِكُ: وَكِّلِي مَنْ يُزَوِّجُكِ، فَأَرْسَلَتْ إِلَى خَالِدِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ فَوَكَّلَتْهُ وَأَعْطَتْ أَبْرَهَةَ سِوَارَيْنِ مِنْ فِضَّةٍ وَخَدَمَتَيْنِ كَانَتَا فِي رِجْلَيْهَا وَخَوَاتِيمَ فِضَّةً كَانَتْ فِي أَصَابِعِ رِجْلَيْهَا سُرُورًا بِمَا بَشَّرَتْهَا بِهِ، فَلَمَّا كَانَ الْعَشِيُّ أَمَرَ النَّجَاشِيُّ جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَمَنْ هُنَاكَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَحَضَرُوا فَخَطَبَ النَّجَاشِيُّ، فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ حَقَّ حَمْدِهِ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّهُ الَّذِي بَشَّرَ بِهِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيَّ أَنْ أُزَوِّجَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ سُفْيَانَ فَأَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَصْدَقْتُهَا أَرْبَعَمِائَةِ دِينَارٍ، ثُمَّ سَكَبَ الدَّنَانِيرَ بَيْنَ يَدَيِ الْقَوْمِ، فَتَكَلَّمَ خَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ أَحْمَدُهُ وَأَسْتَعِينُهُ وَأَسْتَنْصِرُهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ أَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَوَّجْتُهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ فَبَارَكَ اللَّهُ لِرَسُولِهِ، وَدَفَعَ الدَّنَانِيرَ إِلَى خَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ فَقَبَضَهَا، ثُمَّ أَرَادُوا أَنْ يَقُومُوا، فَقَالَ: اجْلِسُوا فَإِنَّ سُنَّةَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِذَا تَزَوَّجُوا أَنْ يُؤْكَلَ الطَّعَامُ عَلَى التَّزْوِيجِ فَدَعَا بِطَعَامٍ فَأَكَلُوا، ثُمَّ تَفَرَّقُوا، قَالَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ: فَلَمَّا وَصَلَ إِلَيَّ الْمَالُ أَرْسَلْتُ إِلَى أَبْرَهَةَ الَّتِي بَشَّرَتْنِي فَقُلْتُ لَهَا: إِنِّي كُنْتُ أَعْطَيْتُكِ مَا أَعْطَيْتُكِ يَوْمَئِذٍ وَلَا مَالَ بِيَدِي وَهَذِهِ خَمْسُونَ مِثْقَالًا فَخُذِيهَا فَاسْتَعِينِي بِهَا، فَأَخْرَجَتْ إِلَيَّ حُقَّةً فِيهَا جَمِيعُ مَا أَعْطَيْتُهَا فَرَدَّتْهُ إِلَيَّ وَقَالَتْ: عَزَمَ عَلَيَّ الْمَلِكُ أَنْ لَا أَرْزَأَكِ شَيْئًا وَأَنَا الَّتِي أَقُومُ عَلَى ثِيَابِهِ وَدُهْنِهِ وَقَدِ اتَّبَعْتُ دِينَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسْلَمْتُ لِلَّهِ، وَقَدْ أَمَرَ الْمَلِكُ نِسَائَهُ أَنْ يَبْعَثْنَ إِلَيْكِ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُنَّ مِنَ الْعِطْرِ، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ جَائَتْنِي بِعُودٍ وَوَرْسٍ وَعَنْبَرٍ وَزَبَادٍ كَثِيرٍ، وَقَدِمْتُ بِذَلِكَ كُلِّهِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَرَاهُ عَلَيَّ وَعِنْدِي فَلَا يُنْكِرُ، ثُمَّ قَالَتْ أَبْرَهَةُ: فَحَاجَتِي إِلَيْكِ أَنْ تُقْرِئِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِّي السَّلَامَ وَتُعْلِمِيهِ أَنِّي قَدِ اتَّبَعْتُ دِينَهُ، قَالَتْ: ثُمَّ لَطَفَتْ بِي وَكَانَتْ هِيَ الَّتِي جَهَّزَتْنِي، وَكَانَتْ كُلَّمَا دَخَلَتْ عَلَيَّ تَقُولُ: لَا تَنْسَيْ حَاجَتِي إِلَيْكِ، قَالَتْ: فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرْتُهُ كَيْفَ كَانَتِ الْخِطْبَةُ وَمَا فَعَلَتْ بِي أَبْرَهَةُ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَقْرَأْتُهُ مِنْهَا السَّلَامَ، فَقَالَ: وَعَلَيْهَا السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ. (المستدرک للحاكم، ذكر أم حبيبة بنت أبي سفيان رضي الله عنها: ٤/ ٢٢، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

ہیں تو کھانا کھلایا جاتا ہے، پھر نجاشی نے کھانا منگوایا، حاضرین نے تناول کیا اور واپس لوٹ گئے۔)

علامہ ظفر احمد عثمانی نے اعلاء السنن میں اس حدیث سے متعلق تصریح کی ہے کہ نجاشی کا کھانا کھلانا بطورِ ولیمہ نہ تھا؛ بلکہ یہ شادی (نکاح) کا کھانا تھا۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں:

"وليس ذلک بوليمة بل هو طعام التزويج". (إعلاء السنن: ١٦/١١)

(یہ (نجاشی کا کھلانا) ولیمے کے طور پر نہ تھا بلکہ یہ نکاح کا کھانا تھا۔)

(۴) سیر اعلام النبلاء میں سیدہ عائشہ صدیقہ کی رخصتی کا واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے:

روى هشام، عن أبيه، عن عائشة رضى الله عنها قالت: تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم متوفى خديجة، وانا ابنة ست، وأخلت عليه وأنا ابنة تسع، جائني نسوة وأنا ألعب على أرجوحة، وأنا مجممة، فهيأنني، وصنعنني، ثم أتين بي إليه صلى الله عليه وسلم". (سير اعلام النبلاء: ١٢٩/٣)(١)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد مجھ سے نکاح کیا، اس وقت میں چھ سال کی تھی اور مجھے ۹؍سال کی عمر میں رخصت کر دیا گیا، اس کا واقعہ کچھ یوں ہوا کہ کچھ عورتیں میرے پاس آئیں اور میں جھولے پر جھول رہی تھی اور بال بکھرے ہوئے تھے، انہوں نے مجھے تیار کیا اور پھر مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئیں۔)

اس روایت سے عورتوں کا دلہن کو رخصتی کے لیے لے جانا ثابت ہوتا ہے۔ نیز درمختار میں علامہ حصکفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"وهل يكره الزفاف؟ المختار لا، إذا لم يشتمل على مفسدة دينية". (الدر المختار: ٩/٣)

(کیا زفاف مکروہ ہے؟ مختار قول یہ ہے کہ نہیں، اگر کوئی دینی مفسدہ نہ پایا جائے۔)

درمختار کے حاشیہ ردالمحتار میں علامہ ابن عابدین اس عبارت کے تحت رقمطراز ہیں:

"(قوله: وهل يكره الزفاف) هو بالكسر ككتاب اهداء المرأة إلى زوجها، قاموس، والمراد به هنا اجتماع النساء لذلک لأنه لازم له عرفا". (رد المحتار: ٩/٣)(٢)

(مصنف کا قول: کیا زفاف مکروہ ہے؟ اس میں زفاف کا لفظ زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، جیسے کتاب کا لفظ ہے اور زفاف کہتے ہیں عورت کو شوہر کے سپرد کرنا، (قاموس) اور یہاں مراد اس رخصت کرنے کے لیے عورتوں کا جمع ہونا ہے؛ کیوں کہ (رخصتی کے وقت عورتوں کا) یہ جمع ہونا عرفاً لازمی امر ہے۔)

لہٰذا درج بالا روایات اور فقہی نصوص کی روشنی میں لڑکی کی رخصتی کے وقت لڑکی کے گھر پر جمع ہونے اور لڑکی والوں

---

(١) زواجه صلى الله عليه وسلم بعائشة وسودة أمي المؤمنين: ٢٨٩/١، دار الحديث القاهرة، انيس

(٢) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح: ٩/٣، دار الفكر بيروت، انيس

کی طرف سے کھانے وغیرہ کا انتظام کرنے کا جزوی طور پر ثبوت ہوتا ہے۔ نیز اس کے لیےلڑکے والوں کی طرف سے چند افراد کا آ کر لڑکی کو لے جانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، (البتہ اصل یہی ہے کہ لڑکی کے سرپرست خود لڑکی کو لڑکے کے گھر پہنچا دیں) یہ بات مدِ نظر رہے کہ بارات کی مروجہ صورت کا دورِ نبوی میں رواج نہ تھا؛ بلکہ لڑکی کے سرپرست اور گھر کی خواتین خود ہی لڑکی کو لڑکے کے گھر پہنچا دیتے تھے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بارات سے متعلق چند باتیں ذہن نشین رہیں:

(۱) یہ کہ شادی میں صرف دعوتِ ولیمہ مستقل سنت ہے۔

(۲) اگر کسی کے پاس مال وافر مقدار میں موجود ہے؛ لیکن وہ پھر بھی اپنی بیٹی کو خود لڑکے کے گھر رخصت کرآتا ہے تو یہ انتہائی قابلِ تعریف اور معاشرے میں شادی کے معاملے کو آسان بنانے میں بہت مدد ہوگا، البتہ اگر لڑکے والوں کی طرف سے کچھ افراد آ کر لڑکی کو رخصت کر کے لے جائیں تو اس کی گنجائش ہے۔

(۳) لیکن اس موقع پر خلافِ شرع کاموں (تصویر کھنچوانا، گانا بجانا وغیرہ)، نیز مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

(۴) یہ بات ملحوظ رہے کہ رخصتی کے لیے بارات لے جانا شرعاً ضروری نہیں، اگر لڑکی والے خود لڑکی کو پہنچانے کا کہیں تو بارات پر اصرار نہ کیا جائے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے دوست کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کو خوش اسلوبی سے سمجھائے کہ اصل مسنون طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کے سرپرست خود آ کر چھوڑ جائیں، اگر گھر والے سمجھ جاتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ ایک ایسے معاملے میں جس میں شرعاً گنجائش ہے، جھگڑے اور تلخ کلامی کا ماحول پیدا نہ کرے؛ بلکہ چند افراد کے ساتھ جا کر لڑکی کو رخصت کر کے لے آئے، البتہ یہ ملحوظ رہے کہ اس میں دیگر منکرات گانے بجانا، تصویریں کھینچنا وغیرہ نہ پائے جائیں۔

(نجم الفتاویٰ: ۵/۸-۱۲) ☆

☆ بارات کے کھانے کی شرعی حیثیت:

سوال: شادی میں لڑکی والوں کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے، یہ کھانا کھلانا شرعاً درست ہے؟ سنتِ نبوی میں اس کا ثبوت ملتا ہے، یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کے نصوص کے مطابق فقہ حنفی کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب ______ بعون الملك الوهاب

شادی بیاہ میں ولیمہ کا کھانا کھلانا لڑکے والوں کی طرف سے سنت ہے، بشرطیکہ اس میں اسراف نہ ہو اور نہ اس کے لیے اُدھار کا بوجھ سر لیا جائے، ولیمہ کے علاوہ کوئی کھانا شادی کے معاملے میں سنت نہیں، البتہ لڑکی کی رخصتی کے دن جمع شرکاء کو لڑکی والوں کی طرف سے بطور ضیافت کھلا دینے کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا شادی میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کا اہتمام سنت تو نہیں؛ لیکن بطورِ ضیافت اگر شرکاء کو کچھ کھلایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اسے شادی کا جزءِ لازم نہ سمجھا جائے اور اگر کوئی کھانے وغیرہ کا اہتمام نہیں کرے تو اسے طعن وتشنیع کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ ==

بارات کا حکم:

سوال (۱) بارات لے جانا جائز ہے، یانہیں؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، یانہیں؟

(۲) اگر دو چار آدمی لڑکے کی طرف سے نکاح کے لیے لڑکی کے گھر جائیں تو یہ بارات کے حکم میں ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) مجلس عقد میں شرکت کی دعوت ثابت ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت آدمی بھیج کر بلانا ''تاریخ الخمیس'' میں مذکور ہے۔(۱)

(۲) اس کو عرفاً بارات نہیں کہا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۵/۲۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۳۶)

بارات کا شرعی حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ راشد کے والدین چاہتے

== لمافی المشکوة (ص: ٢٦٨): وعن عائشة رضی الله عنها قالت: قال النبی صلی الله علیه وسلم:"إن أعظم النکاح برکة أیسره مؤنة".

وفیه أیضاً(ص: ٢٧٨): وعن عبد الله بن عمر أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال:"إذا دعی أحدکم إلی الولیمة فلیأتها". (متفق علیه)

وفی المصنف لعبد الرزاق (٤٨٧/٥):"فقال یا بلال إنی زوجت ابنتی ابن عمی وأنا أحب أن یکون من سنة أمتی إطعام الطعام عند النکاح فأت الغنم فخذ شاة.... فاجعل لی قصعة لعلی أجمع علیها المهاجرین والأنصار".

وفی المستدرک علی الصحیحین (٢٤/٤):"ثم أرادوا أن یقوموا فقال اجلسوا فإن سنة الأنبیاء علیهم الصلاة والسلام إذا تزوجوا أن یؤکل الطعام علی التزویج فدعا بطعام فأکلوا ثم تفرقوا".

وفی الدرالمختار(٩/٣):وهل یکره الزفاف المختار لا إذا لم یشتمل علی مفسدة دینیة.

وفی الردتحته:(قوله: وهل یکره الزفاف) هو بالکسر ککتاب اهداء المرأة إلی زوجها قاموس والمراد به هنا اجتماع النساء لذلک لانه لازم له عرفا. (نجم الفتاویٰ: ۵/۱۳)

(۱) فلما زوجه، قال له رسول الله صلی الله علیه وسلم: "یاعلی! إنه لا بد للعروس من ولیمة" فقال سعد: عندی کبش وجمع له رهط من الانصار آصعا من ذرة، وکان ذلک ولیمة عرسه". (تارخ الخمیس، باب تزوج علی بفاطمة رضی الله تعالیٰ عنها: ٣٦٢/١، بیروت)

"قال انس: ثم دعانی علیه الصلاة والسلام بعد ایام فقال: ادع لی ابابکر وعمر وعبدالرحمن وعدة من الانصار" فلما اجتمعوا واخذوا مجالسهم، وکان علی غائباء الخ". (شرح العلامة الزرقانی، باب ذکر تزویج علی بفاطمة رضی الله عنهما: ٣٦٢/٢، عباس احمد البازمکة المکرمة)

ہیں کہ ۱۰۰؍آدمیوں کی بارت لے جائیں، شرعاً بارات کا کیا حکم ہے؟ اگر ہے تو شرعاً کتنے آدمی ہوں؟ اور اگر نہیں ہے تو پھر کس طرح نکاح کیا جائے کہ شرعاً صحیح اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

بارات کوئی شرعی چیز نہیں ہے، نام ونمود اور اسراف سے بچتے ہوئے چند لوگ لڑکے کے ساتھ چلے جائیں اور نکاح میں شریک ہوجائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۳/۱۴۱۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸؍)

بارات کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لڑکی والوں کی رضامندی کے باوجود بارات لے جانا درست نہیں ہے، دلائل کی روشنی میں جواب واضح فرمادیں عین نوازش ہوگی۔

(المستفتی: صادق امین، متعلم دارالعلوم دیوبند)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

بارات عرف میں لڑکی کو رخصت کرکے لانے کے لئے جانے والے لوگوں کو کہا جاتا ہے، جو کہ فی نفسہٖ ناجائز نہیں ہے، البتہ لڑکی والے جتنی تعداد متعین کردیں، اتنی ہی تعداد میں لوگ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اس تعداد سے زیادہ لوگ جائیں گے تو بلا اجازت دعوت میں جانا (جو کہ ممنوع ہے) کے دائرہ میں داخل ہوکر ناجائز ہوجائے گا۔

أبو مسعود الأنصاری رضی اللّٰه عنه قال: کان رجل من الأنصار یکنی أبا شعیب، وکان له غلام لحام، فأتی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وهو فی أصحابه، فعرف الجوع فی وجه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، فذهب إلی غلامه اللحام، فقال: إصنع لی طعاما یکفی خمسة، لعلی أدعو النبی صلی اللّٰه علیه وسلم خامس خمسة، فصنع له طعیما، ثم أتاه فدعاه، فتبعهم رجل، فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: یا أبا شعیب! إن رجلا تبعنا، فإن شئت أذنت له، وإن شئت ترکته، قال: لا، بل أذنت له. (صحیح البخاری، الأطعمة، باب الرجل یدعی إلی طعام فیقول: وهذا معی، النسخة الهندیة: ۸۲۱/۲،رقم: ۵۲۵۰، ف: ۵٤٦۱)

عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من دعی فلم یجب، فقد عصی اللّٰه ورسوله، ومن دخل علی غیر دعوة دخل سارقا وخرج مغیرا. (أبوداؤد، کتاب الأطعمة، باب ماجاء فی إجابة الدعوة، النسخة الهندیة: ۵۲۵/۲، دار السلام، رقم: ۳۷٤۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۲؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۲۴/۴۰) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲؍)

بارات کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات لے جانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اوراگر اجازت ہے تو پھر کتنے لوگوں کی اجازت ہے، اس صورت میں جب کہ لڑکی والے مالدار ہوں؟ اوراگر اجازت نہیں ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

(المستفتی: محمد عالم نعمانی، بنگلور)

باسمه سبحانه وتعالی، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

عرف میں بارات لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کو رخصت کرکے لانے کے لیے جانے والوں کو کہا جاتا ہے، اس کی کوئی متعین تعداد شریعت سے ثابت نہیں ہے۔ ہاں البتہ حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ وہ شادی سب سے زیادہ برکت والی ہوتی ہے، جس میں کم خرچ ہو، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة. (مسند أحمد بن حنبل: ٦/٨٢، رقم: ٢٥٠٣٤)

اسی کے پیش نظر کم سے کم تعداد میں لوگوں کو بارات میں جانا چاہیے اور لڑکی والوں کے اوپر دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے، وہ اپنی خوشی سے جتنے لوگوں کو مدعو کریں، اتنی ہی تعداد کے دائرہ میں پہنچنا چاہیے، اس سے زیادہ نہیں، اگر ان کی طرف سے متعین کردہ تعداد سے زائد لوگ جائیں گے تو وہ جائز نہیں ہوگا اور اگر لڑکی والے مالدار ہیں تب بھی متعین کردہ تعداد سے زیادہ لے جانا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی کے یہاں بلا اجازت کھانے کے لیے پہنچ جانا منع ہے، جب تعداد سے زیادہ لوگ پہنچیں گے تو اس ممانعت کے دائرہ میں ہوکر ناجائز ہوجائے گا اور اگر لڑکی والے متوسط درجہ کے ہیں، یا غریب ہیں تو متعین تعداد سے زیادہ لے جاکر جانا دن دھاڑے ڈکیتی اور چوری کے درجے میں ہے؛ اس لیے لڑکی والوں کی طرف سے جو تعداد متعین کی جائے، اس سے زیادہ لوگوں کو لے جانا جائز نہیں ہے۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا يحل مال امرء مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعيب الإيمان للبيهقی، باب فی قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت: ٤/٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

عن ابن عمر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من دعی فلم یجب، فقد عصی الله ورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا. (أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب ماجاء فی إجابة الدعوة، النسخة الهندية: ٢/٥٢٥، دار السلام، رقم: ٣٧٤١)

عن أبی مسعود رضی الله عنه قال: جاء رجل من الأنصار يكنى أباشعيب، فقال لغلام له قصاب: إجعل لی طعاما يكفی خمسة، فإنی أريد أن أدعو النبی صلی الله علیه وسلم خامس

خمسة، فإني قد عرفت في وجهه الجوع، فدعاهم، فجاء معهم رجل، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إن هذا قد تبعنا، فإن شئت ان تأذن له، فأذن له، وإن شئت أن يرجع رجع، فقال: لا، بل قد أذنت له. (صحيح البخاري، البيوع، باب ما قيل في اللحام والجزار، النسخة الهندية: ۲۷۹/۱، رقم: ۲۰۳٤، ف: ۲۰۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۶/ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ (الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۷۱۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۴/۲/۱۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/) ☆

بارات:

سوال: شادی کے لیے بارات لے جانے کا تصور اسلام میں نہیں ہے؛ لیکن آج کل جو شادیاں ہوتی ہیں، اس

☆ بارات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت تھانویؒ بارات کو حرام فرماتے ہیں، کیا اگر مختصر آدمی بارات میں جائیں اور دولہن والے پر کوئی جبر نہ ہو، ما حضر تناول کر کے نکاح کر کے واپس آجائیں اور اس طرح کی بارات میں اہل علم کی شرکت بھی ہو، کیا یہ بارات میں جانے والے سب حرام کام کے مرتکب ہوں گے؟ اس سلسلے میں وضاحت فرما کر اہل علم اور عوام میں جوڑ کی شکل واضح فرمائیں۔ بستی والے امام صاحب کو مولانا صاحب کو لے کر جانے پر اصرار کرتے ہیں، نہ جائیں تو توڑ کی شکل پیدا ہوتی ہے۔

(المستفتی: شعیب احمد، خطیب مدنی جامع مسجد سیڑھا)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بارات کا مسئلہ ایسا حیرت انگیز ہے کہ متعین طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ کتنی تعداد میں بارات میں جانا جائز ہے اور کتنی تعداد میں ناجائز ہے، حضرت تھانویؒ اور دیگر اکابر نے ناجائز ہونے کی جو بات کہی ہے، وہ مفاسد کی بنیاد پر ہے، بہت سے مفاسد ''اصلاح الرسوم'' میں مذکور بھی ہے، مثلاً لڑکی والوں پر دباؤ ڈالنا، اگر لڑکی والے سرمایہ دار نہیں ہیں اور ان کی حیثیت سے زیادہ افراد کو بارات میں لے جایا جائے تو ناجائز ہے، اسی طرح اگر لڑکی والوں نے چالیس افراد لانے کی اجازت دی ہے اور لڑکے والے زیادہ لانے پر دباؤ ڈالیں، تب بھی جائز نہیں، اسی طرح چالیس کی اجازت دی اور لڑکے والے پچاس، ساٹھ آدمی لے آئیں، تب بھی جائز نہیں ہے، نیز اگر لڑکی والے سرمایہ دار ہیں اور ان کو پچاس آدمیوں کی اطلاع دی گئی ہے اور پچاس ہی کے کھانے کا انتظام کیا ہے، پھر لڑکے والے سو ڈیڑھ سو آدمی لے کر چڑھائی کر دیں تو لڑکی والوں کے سرمایہ دار ہونے کے باوجود بدنظمی کی وجہ سے ان کی بے عزتی ہوتی ہے؛ اس لیے ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ الغرض اس قسم کے مفاسد کی وجہ سے بارات کی ممانعت کی گئی ہے، ورنہ اگر لڑکی والوں پر کوئی دباؤ نہ ہو اور وہ بخوشی مثلاً ۴۰/ آدمی لانے کے لیے اجازت دے دیں اور لڑکے والے ۴۰/ کے اندر اندر لانے کی پابندی کریں تو ایسی صورت میں عدم جواز اور قباحت کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ (مستفاد: انوار نبوت، ص: ۶۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۳۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۶/۱۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

میں شادی کرنے والوں کے درمیان کافی دوری رہتی ہے، ایسی صورت میں منکوحین کی مدد کے لیے کچھ لوگوں کا جانا ضروری ہے،اس دلیل میں شرعی نقطۂ نگاہ سے کس حدتک گنجائش ہے؟

(محمدامتیاز،لام،گنٹور)

الجواب ______

رسم کے طور پر بارات کا لے جانا اور بات ہے اور دوری کی وجہ سے ازراہ ضرورت چندآدمیوں کا ساتھ چلاجانا امرآخر ہے،لہٰذااس کی گنجائش ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۳۱۴/۴) ☆

☆ **شادی میں بارات کاحکم:**

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی میں بارات کے جواز وعدمِ جواز پر تفصیلی تحریر مطلوب ہے، کب گنجائش ہے، کب نہیں؟

نیزاس فاصلہ کی قید ہے کہ بعض حضرات کا کہنا ہے (عوام میں سے) کہ اگر مسافت لمبی ہو، مثلاً دہلی سے سہارنپور بارات لے جاسکتے ہیں، کیاایسی وضاحت اکابر کی تحریر میں ہے؟

(المستفتی:محمدعمران کٹیہاری،بہار)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ______ وباللّٰہ التوفیق

شادی میں دولہن خودنہیں آسکتی،اس کولانے کے لیے دولہے کے اعزہ ومتعلقین کوبھی جاناپڑتا ہے،اس کے بغیرکوئی بھی اپنی لڑکی کوخودنہیں پہنچاتا ہے،اس طرح دولہن کورخصت کرکے لانے کے لیے جولوگ جاتے ہیں،اس کوبارات کہتے ہیں،اس میں تعداد کے اعتبار سے کم ازکم افراد کا ہونابہتر ہے،خاص طور پرلڑکی والے بخوشی جتنے افراد جانے کے لیے کہیں اتنے، یااس سے کم ہی لے جانا چاہیے،اس سے زیادہ جاناجائزنہیں اوراس طرح دولہن کولانے کے لیے جولوگ جاتے ہیں،مثلاً سہارنپور کے لوگ وہ دہلی سے بھی شادی کرکے دولہن کولاسکتے ہیں،لکھنو سے بھی لاسکتے ہیں،اس میں مسافت کی کوئی قیدنہیں ہے؛مگرلڑکی والوں پرسفرخرچ کابارنہیں ڈالا جائے گا،وہ صرف اپنے متعین مہمانوں کی مہمانداری کریں گے۔(مستفاد:انوارنبوت،ص:۶۶۷-۶۷۷)فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ،۲۹/جمادی الاولیٰ۱۴۳۴ھ(الف فتویٰ نمبر:۱۱۱۲۹/۴۰)(فتاویٰ قاسمیہ:۱۲/)

بارات میں جاناشرعاً جائز ہے،یاناجائز:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بارات میں جانا شرعاً جائز ہے،یاناجائز؟ غیروں کاطریقہ ہے،یاسنت کے خلاف عمل ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ______ وباللّٰہ التوفیق

بارات میں جانے کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہےاور نہ سنت سے اس کا کوئی ثبوت ہے؛لیکن اگرکوئی شخص دولہا کی دل داری کے لیے ضروری نہ سمجھتے ہوئے بارات میں چلا جائے تو اُس کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔(مستفاد: کفایت المفتی ۶۸/۹، فتاویٰ محمودیہ:۴۱۹/۱۵،بہشتی زیور۴۰/۶)فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ،۱۹/۷/۱۴۲۷ھ۔الجواب صحیح:شبیراحمدعفااللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۸/)

بارات اور جہیز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک سرکاری ملازم ہے اور حج بیت اللہ کی زیارت بھی اس سال نصیب ہوئی ہے، اب اس کے نکاح کا مسئلہ ہے، وہ بغیر جہیز اور بغیر بارات کے کسی دینی مجلس میں نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس کے گھر والے اس بات پر راضی نہیں ہورہے ہیں اور ساتھ ہی بہن کے نکاح کا مسئلہ ہے کہ اس میں بارات آئے گی؛ حالاں کہ موصوف بہن کا نکاح بھی اپنے طریقہ سے چاہتا ہے اور اس کو جہیز دینے کے لیے زید کو ہی پیسہ خرچ کرنا پڑے گا، اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

(المستفتی: محمد عرفان، پینتے پور، ضلع سیتاپور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

شریعت کی نظر میں سب سے بہتر نکاح وہ ہے، جس میں غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کیا جائے، لہٰذا جہاں تک ممکن ہو فضول رسموں میں پیسہ برباد کرنے سے بچنا چاہیے، البتہ اگر لڑکی والوں نے رخصتی کے وقت لڑکے والوں سے کچھ آدمیوں کو ساتھ لانے کو کہا ہو تو اتنے ہی آدمیوں کو ساتھ لے جانا شرعاً منع نہیں ہے، اصل ممنوع بارات وہ ہے، جس میں مقرر شدہ آدمیوں سے زائد لے جایا جائے، اسی طرح اگر لڑکی والے اپنی خوشی سے بیٹی کو کچھ دیتے ہیں تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، البتہ لڑکی والوں سے ان کی رضامندی کے بغیر جہیز کی فرمائش کرنا اور ان پر اس کا دباؤ ڈالنا یہ طریقہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن عائشة رضی اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إن أعظم النکاح برکة أیسره مؤنة. (مسند أحمد: ۸۲/۶، رقم: ۲۵۰۳٤)

عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ... ومن دخل علی غیر دعوة دخل سارقا وخرج مغیرا. (أبوداؤد، کتاب الأطعمة، باب ماجاء فی إجابة الدعوة، النسخة الهندیة: ۵۲۵/۲، دارالسلام، رقم: ۳٤۷۱)

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجة، باب من بنی فی حقه ما یضر بجاره، النسخة الهندیة: ۱۶۹/۱، دارالسلام، رقم: ۲۳۲٤۱، المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی: ۸۶/۲، رقم: ۱۳۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۹/ربیع الاول ۱۴۳۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۶۲۳۱۰/۳۹) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

کیا لڑکی کو لانے کے لیے چند لوگوں کا جانا بارات ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات کی شرعی حیثیت کیا

ہے؟ لڑکے کی طرف سے گھر کے چند افراد کا نکاح کے لیے لڑکی والوں کے گھر جانا، کیا اس پر بھی بارات کا اطلاق ہوگا اوران حضرات کا یا باراتیوں کا لڑکی کے گھر دعوت کھانا شرعاً درست ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: محمد نعیم الدین صدیق لائبریری، پولیس لائن روڈ، گورا بازار، غازی پور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

گھر کے چند افراد کا نکاح کے لیے لڑکی والوں کے گھر جانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، یہ بہت اچھا طریقہ ہے کہ چند افراد جا کر نکاح کے بعد لڑکی کو رخصت کرا کے لے آئیں، بارات کا لفظ اس پر بھی بولا جا سکتا ہے؛ لیکن جس بارات کی ممانعت ہے، مذکورہ طریقہ اس کے دائرہ میں داخل نہ ہوگا، البتہ لڑکی والے جتنے افراد لانے کے لیے کہیں اس سے زیادہ افراد لے جانا جائز نہیں ہے اور یہی ممنوع بارات ہے۔

عبد اللّٰه بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده،أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ... والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذی،الأحكام، باب ماذكر عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى الصلح بين الناس،النسخة الهندية: ۲۵۱/۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

عن ابن عمر رضى اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من دعى فلم يجب، فقد عصى أورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا. (أبوداؤد،كتاب الأطعمة، باب ماجاء فى إجابة الدعوة، النسخة الهندية: ۵۲۵/۲، دار السلام، رقم: ۳۷۴۱) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ، ۱۵رمحرم الحرام ۱۴۳۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۲۱۰۵۹/۳۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۶/۱/۱۴۳۲ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/) ☆

☆ بارات لے جانا اور بارات میں شرکت کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات لے جانا اور بارات میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ (المستفتی: محمد شمیم پرتاب گڑھ)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

لڑکی والوں نے بخوشی جتنے لوگوں کی دعوت دی ہے، اس کی حدود میں اس تعداد کے اندر اندر جانے کی گنجائش ہے اور اس تعداد سے جو افراد زائد ہوں گے، وہ بن بلائے دعوت میں جانے والے اور دن دھاڑے کسی کے گھر پر زور زبردستی ڈاکہ ڈالنے والے اور چوری کرنے والے کے حکم میں ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم: ۱۵۶/۵، جدید مطول، ص: ۴۶۲)

عن ابن عمر رضى اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من دعى فلم يجب، فقد عصى أورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا. (أبوداؤد،كتاب الأطعمة، باب ماجاء فى إجابة الدعوة، النسخة الهندية: ۵۲۵/۲، دارالسلام، رقم: ۳۷۴۱)

عن نافع، عن ابن عمررضى اللّٰه عنهما رفعه قال: من جاء إلى طعام لم يدع إليه، دخل سارقا وأكل حراما. (مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم: ۲۰۶/۱۲، رقم: ۵۸۸۹) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ، ۲۲رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ (الف فتویٰ نمبر: ۷۸۷۶/۳۶) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

بارات میں کتنے لوگ جاسکتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات یعنی بوقت نکاح لڑکے کے ساتھ اس کے اقارب اوراحباب کا لڑکی کے یہاں جانا جن کی تعداد مختلف مقامات اورلوگوں کے اعتبار سے جدا جدا ہوتی ہے، سوڈیڑھ سوڈھائی سواور تین سووغیرہ اس کا حکم شرعاً کیا ہے؟ بار بار ایسا دیکھا جاتا ہے کہ لڑکے والوں کی جانب سے ایک تعداد مقرر کی جاتی ہے، لڑکی والا خوشامد کرتا ہے کہ اتنے کم کرلو یا اسی طرح لڑکے والے کہتے ہیں کہ ہمارے مہمانوں کا خاص خیال رکھنا، جس پر لڑکی والا مجبور ہوتا ہے، یا اگر کہیں یہ صورت نہ ہو؛ بلکہ جانبین سے پورے طور پر رضا مندی ہو، ان سب صورتوں میں حکم یکساں ہے یا کچھ فرق ہے؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اتنی تعداد نہ لے جائیں تو یہ لڑکی کے اعزاز کے خلاف ہے، یا ہم محض نکاح میں شرکت کے لیے جارہے ہیں اور نکاح میں شریک ہونا اچھی بات ہے، ان کی اس تاویل کی کیا حقیقت ہے؟ اگر کوئی صرف نکاح میں شرکت کے لیے بارات کی صورت میں جائے تو اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بارات ہندوانہ رسم ہے، یہ لفظ سنسکرت کا ہے، جس کے معنی لڑکے کی فوج ہے، کیا ان کا یہ قول درست ہے؟ اگر لڑکے کے ساتھ کچھ لوگ جائیں تو ازروئے شرع کتنی تعداد کی گنجائش ہے؟ اوراس کے لیے لفظ بارات استعمال کرسکتے ہیں، یانہیں؟ خیر القرون میں کیا بارات کا ثبوت ملتا ہے؟ ازراہ کرم ان تمام باتوں کا جواب مدلل ومفصل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

(المستفتی: محمد مدثر قاسمی، مدرسہ جامع مسجد کاس گنج)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بارات میں لوگوں کی تعداد کا مسئلہ ایک اضافی چیز ہے، اس میں لڑکی والے اپنی حسب حیثیت جتنے لوگوں کو لے جانے کی اجازت دے دیں، اتنے یا اس سے کم لوگوں کو لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ اپنی مرضی سے اتنے لوگوں کی دعوت کرنے کے لیے خود تیار ہیں اوراگر زیادہ لوگوں کو لے جانے کے لیے لڑکی والوں پر کسی بھی انداز سے دباؤ ڈالا جائے، یا جتنے لوگوں کو لے جانے کی بات لڑکی والوں کی طرف سے طے ہوئی ہے، اس سے زیادہ لوگوں کو لے جاکر اس کے گھر چڑھائی کرنا دن دھاڑے ڈکیتی اور ناجائز اور حرام ہے اورلڑکے والوں کی طرف سے یہ کہنا کہ کم تعداد میں لوگوں کو لے جانے میں لڑکی کے اعزاز کے خلاف ہے، محض من گھڑت اور جہالت کی بات ہے، اس میں سوال کے ہر گوشہ کا جواب آچکا ہے۔

وفي حديث طويل: ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النكاح، فأت الغنم، فخذ شاة، وأربعة إمدادا، وخمسة، فاجعل لي

قصعة لعلى أجمع عليها المهاجرين والأنصار. الحديث. (مصنف عبدالرزاق، تزويج فاطمة رضى الله عنها، المجلس العلمي: ٤٨٧/٥، رقم: ٩٧٨٢، المعجم الكبير للطبراني، دارإحياء التراث العربى: ٤١٠/٢٢، رقم: ١٠٢٢)

عن أبى حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرء مسلم، إلا بطيب نفس منه. (النسنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا فأدخله فى سفينة أو بنى عليه جدارا، دارالفكر: ٥٠٦/٨، رقم: ١١٧٤١)

عن أبى حميد الساعدى أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يحل لامرء أن يأخذ مال أخيه بغير حق، وذلك لما حرم اللّٰه مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل: ٤٢٥/٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: من دعى فلم يجب، فقد عصى أورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا. (أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب ماجاء فى إجابة الدعوة، النسخة الهندية: ٥٢٥/٢، دارالسلام، رقم: ٣٧٤١، السنن الكبرى للبيقهي، النكاح، باب طعام الفجاءة، دارالفكر: ٢١٣/١٠، رقم: ١٣٦٩٨، شعب الإيمان للبيهقي، باب فى إكرام الضيف، فصل فى التكلف للضيف عند القدرة عليه، دارالكتب العلمية بيروت: ١٠٤/٦، رقم: ٩٦٤٧) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۶؍رجب ۱۴۳۳ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۴۹/۳۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۶/۷/۱۴۳۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/) ☆

☆ شادی میں باراتیوں کی تعداد متعین کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات میں کتنے آدمیوں کا جانا مسنون ہے؟ اور اگر لڑکی والا خود سے متعین کردے کہ تم کو اتنے مثلاً ۴۰-۵۰/آدمی آنا ہے تو کیا اس کا متعین کرنا درست ہے؟ اور اتنے باراتی جاسکتے ہیں؟

(المستفتی: فہیم احمد، مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ——————— وباللّٰه التوفيق

شادی میں بارات لے جانے کا بہتر اور افضل طریقہ یہ ہے کہ دولہا کے ساتھ چند مخصوص افراد چلے جائیں، جو نکاح پڑھا کر دولہن کو رخصت کرا کر لے آئیں، اسی کو بارات کہتے ہیں اور اسی بارات میں افراد کی تعداد لڑکی والوں کو متعین کرنا جائز ہے اور لڑکی والے جتنا کہیں اس کے دائرہ میں، یا اس سے کم افراد لے جانے کی گنجائش ہے، اس کے برخلاف لڑکے والوں کا یہ کہنا کہ ہم اتنے آدمی لے کر آئیں گے، یا لڑکی والے جتنا کہیں اس سے زیادہ افراد کو لے کر جانا اور لڑکی والوں پر اس طرح دباؤ ڈالنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۱۹۹/۱۳)

اور حدیث شریف میں اس طریقہ پر دباؤ ڈال کر بارات لے جانے کو چوری اور ڈکیتی سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا کہ لڑکے والوں نے لڑکی والوں پر ڈاکہ ڈالا ہے۔

عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: من دعى فلم يجب، فقد عصى أورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا. (أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب ماجاء فى إجابة الدعوة، النسخة الهندية: ٥٢٥/٢، دارالسلام، رقم: ٣٧٤١) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ (الف فتویٰ نمبر: ۶۱۶۱۶/۳۵)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۴/۴/۱۴۲۱ھ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

باراتیوں کی تعداداورکھانے کا معیار متعین کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکے والے کا لڑکی والے کے گھر بارات لے کر جانا باراتیوں کی تعداد متعین کرنا، کھانا کھلانا اور کھانے کا معیار متعین کرنا کیسا ہے؟

(المستفتی: قاری شکیل احمد، مدرسہ ہدایت العلوم بھگوان پور، ہریدوار)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

دولہے کے ساتھ اس کے خاندانی اور رشتہ دار جو شادی بیاہ کے موقع پر لڑکی والوں کے دعوت دینے پر ان کے یہاں جاتے ہیں اور لڑکی والے ان کو بخوشی حسب حیثیت کھانا کھلائیں تو یہ شکل بلاشبہ جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے؛ لیکن لڑکے والوں کا لڑکی والوں کی مرضی کے بغیر بذات خود باراتیوں کی تعداد متعین کرنا اور کھانے کا معیار طے کرنا یہ قطعاً ناجائز اور لڑکی والوں پر بے جا ظلم وزیادتی ہے، جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: انوار نبوت ۶۶۷-۶۷۷)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلم أخو المسلم، لا يخونه ولا يكذبه، ولا يخذله، كل المسلم على المسلم حرام، عرضه وماله، ودمه. (الحديث)

(سنن الترمذي، باب ماجاء في شفقة السملم على المسلم، النسخة الهندية: ١٤/٢، دارالسلام، رقم: ١٩٢٧، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم: ٣٣٥/١٥، رقم: ١٩٨٨٩١)

وفي استحباب المبادرة إلى الضيف بما تيسر، الخ، وقد كره جماعة من السلف التكلف للضيف، وهو محمول على ما يشق على صاحب البيت مشقة ظاهرة؛ لأن ذلك يمنعه من الإخلاص وكمال السرور بالضيف. (نووی على هامش مسلم، النسخة الهندية: ١٧٧/٢)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم ضيفه. (صحيح البخاري، باب إكرام الضيف وخدمته إياه بنفسه، النسخة الهندية: ٩٠٦/٢، رقم: ٥٨٩٧، ف: ٦١٣٦)

والإطعام ثلاثة أيام في الأول بمقدوره وميسره، والباقي بما حضره من غير تكلف، لئلا يثقل عليه، وعليه نفسه. (مرقاة المفاتيح، باب الضيافة، الفصل الأول، مكتبة إمداديه ملتان: ٢٠١/٨، تحت رقم الحديث: ٤٢٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۵ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۱۲/۳۹) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/ر) ☆

☆ بارات میں کتنے لوگ جائیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ==

== 　آج کل شادیوں میں جو بارات جاتی ہے شرعی اعتبار سے کتنے آدمیوں کو جانا چاہیے اور لڑکی کے وہاں جا کر باراتیوں کا کھانا کھانا کیسا ہے؟ جب کہ صحابہ کرام لڑکی والے کے یہاں کھانا نہیں کھاتے تھے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

بارات میں زیادہ افراد کا جا کر لڑکی والوں پر بوجھ ڈالنا ہرگز درست نہیں ہے، جتنے افراد کا بآسانی لڑکی والے انتظام کر سکتے ہیں اور بخوشی اتنے افراد کی اجازت دے دیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور اس سے زائد لے جا کر شرمندہ کرنا اور زور ڈالنا سب ناجائز اور ممنوع ہے اور لڑکی والے کے یہاں صحابہ کرام کے کھانا کھانے سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے؛ اس لیے کہ حدیث میں صراحت سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر رخصت کرنے سے قبل صحابہ کرام کو باقاعدہ کھانا کھلایا ہے۔ ''مصنف عبد الرزاق'' میں لمبی حدیث شریف موجود ہے، اس کا ایک ٹکڑا ذیل میں درج ہے:

ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النكاح فأت الغنم فخذ شاة وأربعة إمداد أوخمسة فاجعل لي قصعة لعلي أجمع عليها المهاجرين والأنصار، فإذا فرغت منها فأذني بها فانطلق ففعل ما أمره، ثم أتاه بقصعة فوضعها بين يديه فطعن رسول الله صلى الله وسلم في رأسها ثم قال: أدخل على الناس زفّة زفّة ولا تغادرن زفة إلى غيرها يعني إذا فرغت زفّة لم تعد ثانيا، فجعل الناس يردون كلما فرغت زفّة وردت أخرى حتى فرغ الناس، ثم عمد النبي صلى الله عليه وسلم إلى ما فضل عنها فتفل فيه وبارك، وقال: يا بلال! احملها إلى أمهاتك وقل لهن: كلن واطعمن من غشيكن، ثم أن النبي صلى الله عليه وسلم قام حتي دخل على النساء، فقال: إني قد زوجت ابنتي ابن عمي، وقد علمتن منزلتها مني وإني دافعها إليه الآن إن شاء الله. (الحديث) (مصنف عبدالرزاق: ٤٨٧/٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱/ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ (الف فتویٰ نمبر: ۲۴۵۱/۲۷) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

شادیوں میں لمبی لمبی باراتیں لے جانا:

سوال: 　کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ لوگ اپنی شادیوں میں لمبی لمبی باراتیں لے جایا کرتے ہیں، کیا بارات کا مطالبہ کرنا اور اُس کا لے جانا صحیح ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شادیوں میں بارات لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ دولہا کے ساتھ چند مخصوص افراد چلے جائیں، جو نکاح پڑھا کر دلہن کو رخصت کر کے لے آئیں، اس کو بارات کہتے ہیں۔ (بہشتی زیور ۴۲/۶)

اور اِس بارات میں افراد کی تعداد لڑکی والوں کو متعین کرنا جائز ہے، لڑکی والے جتنا کہیں اس کے دائرہ میں لے جانے کی گنجائش ہے، اُس کے برخلاف لڑکے والوں کا زیادہ بارات لانے پر اصرار اور دباؤ ڈالنا قطعاً جائز اور درست نہیں ہے۔ حدیث شریف میں اِس کی سخت ممانعت آئی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹۹/۱۳)

عن نافع قال: قال عبد الله بن عمر رضى الله عنهما: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دُعِيَ فلم يجب فقد عصى اللّٰه ورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقاً وخرج مغيراً. (سنن أبي داؤد: ٥٢٥/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۲/۳/۱۸ھ۔ (کتاب النوازل: ۸/) ==

بارات میں رشتہ داروں کے بجائے جان پہچان کے لوگوں کو لے جانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی کے نام پر جو چند آدمی دولہن کو لینے جاتے ہیں، اپنے آباء واجداد اور خاص رشتہ داروں کو چھوڑ کر اپنی پہچان کے علماء، قراء کو لے جانا جب کہ وہ رشتہ میں خاص نہیں اور جو خاص ہیں یقیناً اُن کے دل پر اپنائیت کے ناطے ٹھیس بھی پہنچتی ہے، کیا شریعت میں قرابت داری کا کوئی حق نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

بارات میں رشتہ داروں کو لے جانا کوئی ضروری نہیں؛ بلکہ یہ لڑکے والوں، یا لڑکے کی اپنی صواب دید پر موقوف ہے، وہ جن کو چاہے لے جائے، جن کو چاہے نہ لے جائے، اِس پر کسی کو شکوہ وشکایت کا شرعاً موقع نہیں، نکاح میں اصل دعوتِ ولیمہ کی ہوتی ہے، اِس میں یقیناً رشتہ داروں کو ترجیح دینی چاہیے۔

قال في الهندية: ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة، وهي إذا بنى الرجل بامرأته ينبغي أن يدعوا الجيران والأقرباء والاصدقاء. (الفتاوى الهندية: ۳۴۳/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۶/۲۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

== لڑکی کی شادی میں ۲۰۰ لوگوں کا بارات میں آنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری لڑکی کی شادی ہے، لڑکی کی سسرال والے بارات میں ۲۰۰ اشخاص لانے کی فرمائش یا خواہش کر رہے ہیں، جبر نہیں کر رہے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر آپ کی حیثیت ہے تو ایسا کریں، میری حیثیت بفضلہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ لوگوں کی خاطر کرنے کی ہے تو میرے لیے مندرجہ بالا مہمانوں کو بلانے میں ناجائز حرام، یا خلافِ سنت فعل تو نہیں ہے، کیا میں بلا سکتا ہوں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

آج کل بارات کے نام سے دولہا کے ساتھ جو دولہن کے گھر جایا جاتا ہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ تعداد کا ہونا قابلِ فخر سمجھا جاتا ہے اور اس میں کم تعداد کا ہونا ذلت اور رسوائی سمجھی جاتی ہے، یہ طریقہ شرعاً قابل مذمت اور ناپسندیدہ ہے۔ ہاں، البتہ دولہا کے ساتھ ان کے خاص آدمی باپ بھائی وغیرہ کچھ افراد بحسبِ اطلاع آجائیں تو اس کی گنجائش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں شادی کی یہ شان نہ تھی، جو آج کل رائج ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعو نہیں کیا؛ بلکہ خبر تک بھی نہیں کی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۹/۱۵، فتاویٰ دار العلوم: ۵۲۱/۷، مجموعۃ الفتاویٰ: ۵۲۸/۱)

عن أنس بن مالك أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى على عبد الرحمٰن بن عوف صفرة، فقال: ما هٰذا؟ قال إني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب، قال بارك الله لك أولم ولو بشاة. (صحيح البخاري: ۷۷۴/۲)

عن جابر قال: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في غزوة فلما كنا قريبًا من المدينة، قلت: يا رسول الله! إني حديث عهد بعرس قال: تزوجت، قلت: نعم. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح الفصل الأول: ۲۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۶/۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

بارات میں افراد کی تعداد اور خواتین کی شرکت:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بارات میں تین افراد کی شرکت مسنون ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں میں باراتیوں کی تعداد کیا تھی؟ نیز خواتین کا بارات میں جانا عہد نبوی سے ثابت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

تلاشِ بسیار کے بعد بھی بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ''بارات میں تین افراد کی شرکت مسنون ہے'' نہ مل سکا۔ دراصل شادی کے معاملے میں شرعاً بارات کی کوئی حقیقت نہیں۔ دورِ نبوی میں لڑکی کے سرپرست خود لڑکی کو لڑکے کے گھر رخصت کرآتے اور پھر لڑکے کی طرف سے مسنون دعوتِ ولیمہ ہوجاتی۔ بارات لے جانے کا رواج بعد میں ہوا ہے، یہ مسنون نہیں، البتہ اگر دیگر مفاسد نہ ہوں تو بارات لے جانے کی گنجائش ہے اور اس میں افراد کی تعداد کی کوئی تعیین نہیں، دونوں فریق آپس میں طے کرسکتے ہیں۔

لمافی صحیح البخاری(۷۷۸/۲) (باب ذهاب النساء والصبيان الى العرس):عن أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه، قال: أبصر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نساء وصبیانا مقبلین من عرس، فقام ممتنا، فقال:اللّٰهم أنتم من أحب الناس إلی.

وفی سیر اعلام النبلاء (۱۹۰/۱،زواجه صلی اللّٰه علیه وسلم بعائشة وسودة أمَّی المومنین): روی هشام، عن أبیه، عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: تزوجنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم متوفی خدیجة، وأنا ابنة ست، وأدخلت علیه وأنا ابنة تسع، جائنی نسوة وأنا ألعب علی أرجوحة، وأنا مجممة، فهیأننی، وصنعننی، ثم أتین بی إلیه صلی اللّٰه علیه وسلم، قال عروة: ومکثت عنده تسع سنین، وهذا حدیث صحیح''. (نجم الفتاویٰ:۱۴/۵)

عقدِ نکاح کا کھانا:

سوال: عقدِ نکاح کا کھانا مستحب ہے، یا نہیں؟ (سید مبین، ناندیر)

الجواب ــــــــــــــــ

عقد نکاح سے متعلق ایک تو دعوتِ ولیمہ ہے، یہ مسنون ہے، اگر کوئی عذر نہ ہو اور دعوت میں کسی شرعی منکر کا اندیشہ بھی نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ اس دعوت میں شریک ہو، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کہ تم میں سے کسی کو ولیمہ میں مدعو کیا جائے تو اس کو اس میں آنا چاہیے۔(۱) اس دعوتِ ولیمہ میں شریک ہونا بشرطیکہ کوئی منکر شرعی نہ پایا جائے، مستحب ہے۔(۲)

---

(۱) سنن أبي داؤد،رقم الحديث:۳۷۳۵

(۲) الهداية:۴۵۵/۴،كتاب الكراهية

آج کل تقریباتِ نکاح میں لڑکی والوں کی طرف سے بھی کھانے کا انتظام کیا جاتا ہے، اگر رسم ورواج کے دباؤ کے تحت وہ کھانے کا نظم کررہا ہو تو یہ درست نہیں، اگر ایسا نہ ہو اور غیر معمولی اہتمام کے بغیر لڑکی والے شرکا کے لیے کھانے کا نظم کردیں تو اس کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے موقع پر کھانے کا نظم فرمایا ہے، یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔(۱) آج کل عام طور پر لڑکی والے سماجی دباؤ اور رسم ورواج کے تحت کھانے کا نظم کرتے ہیں؛ اس لیے اس میں شریک نہ ہونا بہتر ہے؛ تا کہ ایسے رسم ورواج کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۱۶) ☆

شادی کی دعوت میں خواتین کے دسترخوان پر مرد ویٹر:

سوال: خواتین شادی کے موقع سے ویڈیوگرافی سے تو بچ سکتی ہیں؛ لیکن دسترخوان پر کھانا رکھنے کے لیے ویٹر کی خاصی تعداد داخل ہوجاتی ہے، جو خواتین کے انتہائی قریب جا کر جب کہ وہ ٹیبل پر ہوتی ہیں، کھانا رکھتے ہیں، ان میں زیادہ تر غیر مسلم ہوتے ہیں، کیا شادی بیاہ کے موقع پر اس کی گنجائش ہے؟

(محمد فضل اللہ خاں اختر، فرسٹ لانسر)

الجواب

یہ صورت قطعاً درست نہیں، عورت کا غیر محرم کے سامنے عام حالات میں بھی بے پردہ ہونا جائز نہیں اور اس موقع سے تو عورتیں زیبائش اور آرائش کا اہتمام بھی زیادہ کرتی ہیں، لہٰذا فتنہ اور بدنگاہی کا اندیشہ اس صورت میں زیادہ ہے،

---

(۱) مصنف عبد الرزاق: ۴۸۹/۵-۴۸۶، رقم الحدیث: ۹۷۸۲، تزویج فاطمة رضی اللّٰه تعالىٰ عنها

☆ **دلہن والوں کی طرف سے ضیافت:**

سوال: بوقت عقد نکاح دلہن والوں کی طرف سے دعوت طعام دی جاتی ہے، کیا یہ سنت ہے؟ اگر نہیں تو خلاف سنت ہونے پر اس کا شرعی کیا حکم اور اثر ہے؟

(غلام دستگیر، اے سی گارڈ)

الجواب

اصل میں تو نکاح میں مسنون دعوت ولیمہ ہے، جو مرد کو کرنی ہے اور جو میاں بیوی کی یکجائی کے بعد ہے؛ لیکن نکاح کے موقع پر بغیر کسی جبر ودباؤ کے لڑکی والوں کی طرف سے بھی ضیافت کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح پر بکرا ذبح کیا ہے اور اس پر مہاجرین وانصار کو مدعو کیا ہے، جب مرد کھانے سے فارغ ہوگئے تو کھانا ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس بھیجا گیا؛ تا کہ جو خواتین آئیں وہ وہاں کھائیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تفصیل کے ساتھ یہ روایت منقول ہے، جو مصنف عبد الرزاق کے چار صفحات پر مشتمل ہے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۸۹/۵-۴۸۶، رقم الحدیث: ۹۷۸۲) پس یہ دعوت طعام سنت تو نہیں ہے، نہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہ اجمعین میں اس کا عمومی رواج تھا؛ اس لیے اس کو رواج دینا بھی مناسب نہیں، البتہ اس کی گنجائش ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۱۶-۴۱۷)

مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے موقع پر خواتین کے حصہ کے لیے کھانا سپلائی کرنے پر عورتوں کو رکھیں اور نکاح جیسے مبارک موقع پر ایسی حرکت نہیں کی جائے، جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کو دعوت دینے والی ہو۔ (أعا ذالله منه)

(کتاب الفتاویٰ:۴/۷/۴۱۷-۴۱۸)

بارات کو کھانا دینا اور کھانا کیسا ہے:

سوال: زید کے لڑکے کی شادی عمر کی لڑکی سے ہونے والی تھی، عمر حسب رواج برادری کو طعام بارات کھلانا چاہتا ہے زید انکاری ہے اور کہتا ہے کہ رسم وریت کی ترویج مسلمانوں نے ہندوؤں سیکھی ہے اور نیز اس دعوت بارات کا ثبوت قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں نہیں پایا جاتا، لہذا ہم کو بوجہ التزام مالا یلزم اور ہندوؤں کے شعار کی وجہ سے اس سے بچنا ضروری ہے۔ عمر کہتا ہے کہ یہ خیال محض لغو ہے، بارات کا کھانا عقد ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے صاف ثابت ہے؛ کیوں کہ لڑکی کی جانب سے ملک حبش میں دعوت ہوئی تھی، بریں ولیمۃ العرس کا مسنون ہونا ثابت ہے اور عرس کا لفظ مرد وعورت دونوں پر اطلاق ہوتا ہے، لہذا اس دعوت بارات کا کھانا شرعاً جائز ہے، پس از روئے شرع شریف ان دونوں میں سے کس کا قول صحیح ودرست ہے؟ اور بارات کا کھانا عندالشرع کیسا ہے؟ اور حبش میں جو دعوت بوقت عقد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ہوئی تھی، وہ شاہ نجاشی کی طرف سے جو کہ جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وکیل ہوئی تھی، یا خالد بن مسعود حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل کی طرف سے ہوئی تھی؟

الجواب ———————————

یہ ظاہر ہے کہ رسوم کی پابندی جس درجہ پر پہنچ گئی ہے، وہ شرعاً مذموم ہے؛ کیوں کہ ان کو لازم سمجھا گیا ہے، یا بمنزلہ لازم کے ان کے ساتھ معاملہ ہے کہ ان کے ترک کو عار سمجھا جاتا ہے اور گوارا نہیں ہوتا کہ اس عار کو اختیار کیا جائے، اگر چہ قرض کی نوبت آجائے اور اگر چہ سود کے ذریعہ قرض حاصل ہو تو ظاہر ہے کہ اس قسم کی پابندی نامشروع کو شریعت مطہرہ کسی طرح جائز نہیں رکھتی، البتہ اگر بارات کا کھانا محض بطور دعوت احباب واظہار مسرت ہوا تو بشرط عدم ارتکاب منہیات ومحظورات شرعیہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، غرض فی نفسہ اس میں کچھ خرابی نہیں ہے، عوراض مروجہ کی وجہ سے خرابی آتی ہے، باقی ولیمۃ العرس یہ نہیں ہے، اس کے بجائے اگر اس موقعہ پر مسرت کے اظہار کے لیے دعوت کی تو وہ نہ بارات کو کھلانا ہے، نہ ولیمہ کے طور پر ہے، البتہ اس کی اباحت میں بشرط عدم لزوم مفاسد کلام نہیں ہے، ولیمہ جو مسنون ہے، اس کے مخاطب مرد ہیں اور وہ زوج کی طرف سے ہوتا ہے، چنانچہ احادیث وتعامل سے یہ ظاہر ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل اس پر صراحتاً دلالت کرتا ہے، زیادہ تطویل کی اس میں گنجائش نہیں ہے، نہ حاجت ہے، باجماع امت یہ مسلمہ ہے کہ ولیمہ مردوں کی طرف سے ہوتا ہے، نہ عورتیں کہیں اس کی مخاطب ہوئیں، نہ کسی عورت نے اس کو کیا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۷/۵۱۲-۵۲۲)

لڑکی والوں کا برات کو کھانا کھلانا:

سوال (۱) لڑکی والوں کی طرف سے جو برات کا کھانا دیا جاتا ہے۔ وہ شرعاً جائز ہے، یانہیں؟

برات کے لیے بنائے کھانے میں شرکت کرنا کیسا ہے:

(۲) مذکورہ بالا کھانے میں شرکت کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

چنداحادیث کا ترجمہ:

(۳) احادیث ذیل کا ترجمہ اور مفہوم کیا ہے اوران سے برات کے کھانے کا جواز نکلتا ہے، یانہیں؟

"إذا دعا أحدكم اخاه فليجب عرسا كان أو نحوه". (رواه مسلم)(۱)

"من لم يجب الدعوة فقد عصى أبا القاسم". (۲)

"إذا دعا أحدكم إلى طعام فليجب، فإن شاء طعم وإن شاء ترك". (۳)

جائز امر اگر رسم کی صورت اختیار کرلے تو کیا حکم ہے:

(۴) جو کام شرعاً جائز ہواور وہ رسم کی صورت اختیار کرلے تو اس کا کیا حکم ہے؟

ولیمہ کی دعوت میں اقارب اور عام لوگوں میں امتیازی سلوک کیسا ہے:

(۵) ولیمہ کی دعوت میں عام لوگوں کو ایک قسم کا کھانا کھلانا اور اپنے اعزہ کو دوسری قسم کا کھانا کھلانا درست ہے، یانہیں؟

الجواب

(۱) لڑکی والوں کی طرف سے برات کو جو کھانا دیا جاتا ہے، اگر یہ اتفاقی ہو، یاضرورۃً دیا جائے، مثلاً برات باہر سے آئی ہواور کھانے میں بھی اسراف ریاونمود اور پابندی رسم ورواج کو دخل نہ ہوتو ان شرائط کے ساتھ فی حد ذاتہ مباح ہے۔

(۲) شرائط نمبر ایک کے موافق دعوت دی جائے تو اس میں شرکت کرنا جائز ہے۔

(۳) احادیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

(الف) **"إذا دعا أحدكم اخاه فليجب عرسا كان أو نحوه".** (۴)

---

(۱) الصحيح لمسلم: ۴۶۲/۱، قديمي (عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، رقم الحديث: ۱۴۲۹، انيس

(۲) مسند أبي يعلى الموصلي، مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ۵۸۹۱، انيس

(۳) صحيح لمسلم، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، رقم الحديث: ۱۴۳۰، عن جابر رضی الله عنه، انيس

(۴) الصحيح لمسلم، باب الأمر بإجابة الداعي: ۴۶۲/۱، قديمي

(جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی دعوت کرے تو قبول کرلینی چاہیے، شادی کی ہو، یا اسی جیسی اور کوئی تقریب ہو، مثلاً ختنے کی خوشی)۔

(ب) **''من لم يجب الدعوة فقد عصى أبا القاسم''.** (۱)

جس نے دعوت قبول نہیں کی، اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

(ج) **''إذا دعى أحدكم إلى طعامه فليجب فإن شاء طعم وإن شاء ترك''.** (۲)

(جب تم میں سے کسی کو کھانے کے لیے دعوت دی جائے تو اس کو چاہیے کہ داعی کے یہاں چلا جائے، پھر چاہے کھانا کھائے اور چاہے نہ کھائے۔)

ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے، دعوت قبول کرنے سے مطلب یہ ہے کہ داعی کے گھر چلا جائے، کھانا ضروری نہیں، جیسا کہ حدیث نمبر:۳ میں تصریح ہے۔

اجابت دعوت کی تاکید اس حکمت پر مبنی ہے کہ دعورت دینے والے کی دل شکنی نہ ہو اور مدعو اپنے کو اتنا بُرا نہ سمجھے کہ غریب اور کمزور اور کم درجہ لوگوں کی دعوت میں جانے کو اپنے لیے توہین قرار دے، اسی نظریہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یوں منقول ہے:

''ويجيب دعوة العبد''. (۳)

(یعنی: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی غلام بھی دعوت دیتا تو قبول فرماتے تھے۔)

حدیث نمبر:۳ سے اس مضمون پر اور زیادہ روشنی پڑتی ہے کہ جب مدعو داعی کے گھر چلا گیا تو اس نے اپنے طرز عمل سے ثابت کردیا کہ اس داعی کے گھر آنے میں بڑائی، یا تکبر کی وجہ سے تکلف نہیں تھا اور داعی بھی خوش ہوگیا کہ مدعو نے اسے ذلیل وحقیر نہیں سمجھا؛ بلکہ اس کے گھر اس کی دعورت پر آگیا اور جب اجابت کا مقصد حاصل ہوگیا تو اب جی چاہے کھانا کھائے، جی نہ چاہے تو نہ کھائے۔

ان حدیثوں کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ مدعو اپنے مرتبے، یا شان اور تکبر کی راہ سے دعوت رد نہ کرے، اگر داعی کو حقیر سمجھ کر دعورت قبول نہ کرے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور اسوۂ حسنہ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا، پھر دعوت سے بھی وہ دعوتیں مراد ہیں، جو دائرہ شریعت کے اندر ہوں اور ظاہر ہے کہ جن دعوتوں کا مبنیٰ اخلاص پر نہ ہو، محض ریاونمود پر، یا رسم ورواج کی پابندی پر ہو، ان کی اجابت ضروری نہ ہوگی اور ایسی دعورت کا رد کرنا حکمت اجابت کے خلاف نہ ہوگا؛ بلکہ عین منشائے شریعت کے مطابق ہوگا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ

(۱) الهداية، كتاب الكراهية: ٤/٤٥٥، شركة علمية

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب النكاح: ٦٢/١، قديمي

(۳) شمائل الترمذي، باب ما جاء في مواضع رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ٢٢، سعيد

کے تیسرے دن کھانے کو "سمعة" فرما کر اس کے بارے میں "ومن سمع سمع الله به" (۱) فرمادیا ہے اور جو لوگ ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کے لیے دعوت دیں، ان کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے:

"المتبارثان لا يجابان ولا يؤكل طعامهما". (۲)

(یعنی تفاخر اور مقابلہ کی دعورت کرنے والوں کی دعوتوں کی اجابت نہ کی جائے، نہ ان کے یہاں کھانا کھایا جائے۔)

اسی طرح ایک حدیث میں فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے بھی ممانعت مذکور ہے:

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن إجابة طعام الفاسقين". (۳)

(یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔)

خلاصہ یہ کہ ہر دعورت کی اجابت ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اسی دعوت کی اجابت سنت ہے، جو دائرہ شریعت کے اندر ہو اور ترک اجابت اسی حالت میں مذموم ہے کہ براہ استعلا وتکبر ہو، اگر کسی صحیح ومعقول وجہ سے اجابت ترک کی جائے تو مضائقہ نہیں؛ بلکہ بعض صورتوں میں ترک اجابت ہی لازم ہے۔ (۴)

(۴)　جو کام مباح، یا مستحب ہو اور وہ ایک واجب، یا فرض کی طرح لازم کرلیا جائے اور اس کے ساتھ بہت سے منکرات منضم ہوجائیں تو اس کو ترک کردینا لازم ہے، شادی بیاہ کی بہت سی رسوم کی یہی حالت ہے۔ (۵)

(۵)　یعنی اپنے اعزہ اور دوستوں، یا سمدھی کو عمدہ اور بڑھیا اور مختلف اقسام کے کھانے کھلانا اور عام مہمانوں کو ایک کھانا اور وہ بھی معمولی قسم کھا کھلانا کرم ومروت کے خلاف ہے، بالخصوص ایک مقام پر ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسا فرق کرنا تو بہت ہی نازیبا ہے، (۶) اور اگر بہ نیت تحقیر عام مہمانوں کے ساتھ ایسا کیا جائے تو حرام ہے۔ (۷)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۵۳/۵-۱۵۵)

---

(۱)　جامع الترمذی، باب ما جاء فی الوليمة: ۲۰۸/۱، سعيد

(۲)　شعب الإيمان للبيهقی: ۱۲۹/۵، رقم: ۶۰۶۸، دار الكتب العلمية، بيروت

(۳)　شعب الايمان للبيهقی، فصل فی طيب المطعم والملبس: ۶۸/۵، رقم: ۵۸۰۳، دار الكتب العلمية، بيروت

(۴)　ومن الاعذار المسقطة للوجوب أو الندب أن يكون فی الطعام شبهة ... أو لا تليق به مجالسة أو يدعیٰ لدفع شره ... أو ليعاونه على باطل أو هناك منهی عنه كالخمر أو اللهو وغير ذلك. (مرقاة المفاتيح، باب الوليمة: ۲۵۳/۶، امدادية)

(۵)　وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (مرقاة المفاتيح، باب الدعاء فی الشهيد، الفصل الأول: ۳۵۳/۲، امدادية)

(۶)　اگر علاحدہ دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلانے میں امتیاز کرے تو کوئی حرج نہیں۔

كما فی فتح الباری: قال ابن بطال: وإذا ميز الداعی بين الاغنياء والفقراء فاطعم كلاً على حدة لم يكن به بأس. (فتح الباری، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله: ۲۱۲/۹، المطبعة الكبرى مصر)

(۷)　عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلم أخو المسلم لا يخونه ولا يكذبه ==

لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھانے اور کھلانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آگرہ میں مولانا میاں صاحب (خطیب ٹال حبیب اللہ ہینگ کی منڈی) کے حجرہ میں رسالہ ندائے شاہی بابت نومبر۱۹۹۱ء نظر سے گزرا، نام کی صنعت ایہام نے متوجہ کیا، رسالہ دیکھا، ماشاء اللہ ترتیب اور کتابت وطباعت وغیرہ بہت ہی شایان شان نظر آئیں۔ ''دینی مسائل اوران کاحل'' کے زیرعنوان مصنف عبدالرزاق کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے جو بات کہی گئی ہے، وہ محل تامل نظر آئی؛ کیوں کہ مصنف کی اس روایت میں صاحب مصنف کے استاذ اورراوی یحییٰ بن العلاء

== ولا يخذله، كل المسلم على المسلم حرام عرضه وماله ودمه، التقوى ههنا بحسب امرىء من الشر أن يحتقر أخاه المسلم. (جامع الترمذي، باب ما جاء في شفقة المسلم على المسلم: ١٤/٢ ،سعيد،رقم الحديث:١٩٢٧،انيس)

وفي الصحيح لمسلم:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه. (كتاب الايمان: ٥٠/١ ،قديمي،رقم الحديث:٤٧،انيس)

لڑکی والوں کے یہاں کھانے کا انتظام:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا لڑکی والے کے یہاں دعوت کھانا جائز ہے؟ دعوت ولیمہ جس طرح سے لڑکے والے کے یہاں ہوتی ہے، ویسے ہی آج کل لڑکی والے بھی دعوت کرتے ہیں اوراس دعوت میں گاؤں والے مدعو ہوتے ہیں تو کیا لڑکی والے کی دعوت کھانا شرع کی رو سے جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: حاجی نورمحمد ٹکرا عثمان، ضلع بارہ بنکی)

باسمه سبحانه وتعالى، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

لڑکی والے اگر اپنی خوشی سے بلا کسی دباؤ کے کھانا کھلاتے ہیں تو اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں اور دعوت قبول کرنے والوں پر بھی کوئی گناہ نہیں، جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔(مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمی بیروت: ۵/۴۸۷، رقم: ۹۷۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ (الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۵۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۱/ ۱۱/ ۱۴۱۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

لڑکیوں کی شادی میں ولیمہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا لڑکیوں کی شادی میں ولیمہ مسنون اور مباح ہے؟

باسمه سبحانه وتعالى، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کا عام لوگوں کو کھانا کھلانا ضروری، یا مسنون نہیں ہے؛ بلکہ صرف مباح ہے، اِس کی وہ حیثیت نہیں، جو ولیمہ مسنونہ کی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۳۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲/ ۳/ ۱۴۱۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیراحمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

البجلی ہیں، جن کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ''کذاب یضع الحدیث'' راوی نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے ''أنہ لیس بثقۃ'' امام نسائیؒ نے انہیں ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے، ابن العلاء ہی کے بارے میں کہا ہے: ''أحادیثہ موضوعات'' اور ابن حبان نے: ''لا یجوز الاحتجاج بہ'' کا فتویٰ لگا دیا ہے۔

ان اقوال کی روشنی میں روایت کی اسنادی حیثیت بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ یہ روایت اگر موضوع نہ بھی قرار دی جائے، تب بھی شبہ وضع سے تو خالی نہیں ہے۔

اور روایتی حیثیت سے بھی یہ روایت بڑی حد تک مشتبہ ومشکوک ہو جاتی ہے کہ امت کا تلقی بالقبول اور تلقی بالعمل اس کے ساتھ نہیں ہے، یہ تسلیم کہ مصنف عبدالرزاق کے نسخے عام طور پر لوگوں کے پاس نہ تھے؛ اس لیے اس کا علم عام نہ ہو سکا؛ لیکن یہ بات کیسے تسلیم کر لی جائے کہ ساری امت کے علم کا ذریعہ مصنف عبدالرزاق ہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون زندگی کا معاملہ صرف کتب حدیث پر مبنی ومنحصر نہیں ہے؛ بلکہ امت کی تلقی وتوارث بھی اس کے ساتھ رہی ہے۔ اس روایت کو صحیح ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ چودہ سو سال سے یہ سنت (جو ہر مسلمان کی روزمرہ کی زندگی سے متعلق بھی ہے) پردہ خفا میں رہی، نہ حضرات صحابہ کا اس پر عمل درآمد ہو سکا کہ تابعین دیکھتے اور نہ تابعین نے عمل کیا کہ تبع تابعین میں رائج ہو کر منقول ومتوارث ہوتی، ان وجوہ کی بنا پر اس روایت سے استناد واحتجاج کسی طرح صحیح نہیں ہے، حضرت مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم نے اس روایت کا انکشاف فرما کر اس پر فتویٰ دیا تھا، سننے میں آیا ہے کہ انہوں نے بھی بعد میں رجوع فرما لیا تھا؛ اس لیے آپ بھی مزید تحقیق فرمالیں اور اپنی تحقیق سے مجھے بھی مطلع فرما دیں۔ والسلام

(المستفتی: عبدالقدوس رومی، مفتی شہر شاہی جامع مسجد، آگرہ)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ماہنامہ ندائے شاہی شمارہ نومبر ۱۹۹۱ء میں لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھانے اور کھلانے سے متعلق ایک فتوی شائع ہوا تھا اور آج حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ مدیر ندائے شاہی ونائب مفتی کے توسط سے آنجناب کا والا نامہ موصول ہوا، یحییٰ بن العلاء بجلی کے ضعف پر یاد دہانی کا بہت بہت شکریہ ہے اور اسی حدیث کے ذیل میں مصنف عبدالرزاق ۴۸۹/۵ کے حاشیہ پر حضرت اقدس محدث اعظمی دامت برکاتہم نے حافظ بن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے یحییٰ بن العلاء کو متروک لکھا ہے اور آنجناب نے جو حوالے پیش فرمائے ہیں، وہ سب اس کے لیے موید ہیں اور حدیث شریف کا متکلم فیہ ہونا احقر کو پہلے سے معلوم تھا اور خاکسار نے بالقصد نقل کی ہے؛ اس لیے کہ خاکسار نے اس حدیث شریف کے ذریعہ سے مذکورہ فتوی میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانے کو سنت، یا مستحب ثابت نہیں کیا ہے اور نہ ہی مطلقاً جائز ثابت کیا ہے؛ بلکہ سائل نے سوال میں ایک دعویٰ کیا تھا کہ صحابہ کرام لڑکی والوں کے یہاں کھانا نہیں کھاتے تھے،

صرف اس دعوی سے سائل کو باز رکھنے کے لئے مصنف کی مذکورہ حدیث نقل کردی ہے؛ اس لیے کہ صحابہ کو لڑکی والوں نے کھانا کھانے کی دعوت دی ہو اور صحابہ نے اس سے انکار کیا ہو، اس کا ثبوت غالباً ضعیف اور متکلم فیہ روایت سے بھی کہیں ثابت نہیں ہے؛ بلکہ قبول کرنا ثابت ہے، جیسا کہ آگے ''مواہب لدنیہ'' وغیرہ کا حوالہ اس بارے میں آرہا ہے، لہٰذا آنجناب سے گزارش ہے کہ سابق فتوی کو دوبارہ نظر نواز فرمائیں اور آنجناب کو اگر کوئی ضعیف اور متکلم فیہ روایت بھی انکار صحابہ سے متعلق کہیں مل جائے تو براہ کرم خاکسار کو حوالہ کے ساتھ عنایت فرمائیں، بہت بہت شکریہ ہوگا، نیز خاکسار نے اپنے پورے فتوی میں کہیں بھی سنت، یا مستحب، یا علی الاطلاق جائز نہیں لکھا ہے؛ بلکہ بہت سی قیودات وشرائط کے ساتھ مقید کر کے لابأس بہ کا درجہ ثابت کیا ہے، جو مذکورہ فتوی میں مضائقہ نہیں، گناہ نہیں کے الفاظ سے واضح ہے اور اگر کسی کو پھر بھی سنیت، یا استحباب، یا علی الاطلاق جواز سمجھ میں آرہا ہے اور مصنف کی روایت سنیت، یا استحباب کے لیے مستدل سمجھ میں آرہی ہے تو خاکسار اعلان کرتا ہے کہ مصنف کی روایت سے سنت، مستحب، یا علی الاطلاق جواز پر استدلال درست نہیں ہے؛ بلکہ وہ قیودات شامل ہونی چاہئیں، جو سابق فتوی میں موجود ہیں۔

آنجناب نے دو باتیں ایسی تحریر فرمائیں ہیں، جو ندائے شاہی میں شائع شدہ فتوی میں نہیں ہیں:

(۱) یہ بات کیسے تسلیم کر لی جائے کہ ساری امت کے علم کا ذریعہ مصنف عبدالرزاق ہی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ فتوی میں کہیں بھی اس کا دعوی نہیں کیا گیا، نہ عبارۃً، نہ اشارۃً، نہ دلالۃً اور نہ ہی اقتضاءً؛ اس لیے آنجناب سے گزارش ہے کہ براہ کرم مذکورہ فتوی کو دوبارہ نظر نواز فرمائیں اور پھر اپنے تحریری اشکال پر غور فرمائیں کہ دونوں میں کہاں تک انطباق ہے، جب کہ فتاوی عبدالحئی، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، البدایہ والنہایہ وغیرہ میں طریقہ ماثورہ لکھا ہے اور اس زمانہ میں فتنہ اور رسوم ولوازمات کے ہونے کی وجہ سے خاکسار نے اپنے فتوی سے اس کو بھی نظر انداز کیا ہے۔

(۲) آنجناب نے لکھا ہے کہ اس روایت (مصنف عبدالرزاق کی روایت) کو صحیح ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ چودہ سو سال سے یہ سنت جو ہر مسلمان کی روزمرہ کی زندگی سے متعلق بھی ہے، پردہ خفا میں رہی تو اس کا جواب یہ ہے کہ آج سے تقریباً پانچ سو سال قبل مسند الہند شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور تصنیف ''مدارج النبوۃ فارسی: ۵۶۵/۲، اردو قسط: ۱۲۸/۱۱، میں اور ان سے پہلے علامہ شہاب الدین قسطلانی شارح بخاریؒ نے ''المواہب اللدنیہ، قلمی المقصد الثانی، ص: ۱۱۸ میں اور علامہ ابن کثیر نے ''البدایہ والنہایہ: ۱۴۴/۴'' میں حضرت نجاشی کے قول وعمل سے سنت انبیاء ہونا نقل فرمایا ہے، نیز بعد میں حضرت ابوالحسنات مولانا عبدالحئی لکھنویؒ نے ''فتاوی عبدالحئی'' قدیم: ۵۴/۲ میں لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھلانے کو با قاعدہ انبیاء کا طریقہ ماثورہ نقل فرمایا ہے، تو چودہ سو سال سے پردۂ خفا میں کہاں رہی؟ اور مواہب لدنیہ، مدارج النبوۃ، البدایہ والنہایہ اور فتاوی عبدالحئی وغیرہ کی عبارتوں میں بعض صحابہ کرام کا رخصتی سے قبل لڑکی کے یہاں کھانا کھانا ثابت ہے اور مصنف عبدالرزاق کی ضعیف روایت اس کے لیے کسی حد

تک موید بھی ہے؛ اس لیے سابق فتوی میں سائل کو اپنے دعوی سے احقر نے ان الفاظ سے باز رکھنے کی کوشش کی ہے کہ لڑکی والوں کے یہاں صحابہ کرام کے کھانا کھانے سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا اور نیچے مصنف کی روایت نقل کردی ہے اور حدیث کے ضعف پر نشاندہی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی؛ کیوں کہ اباحت میں کوئی تردد نہیں ہے، تاہم احقر نے اپنے پورے فتوی میں کہیں بھی مصنف کی مذکورہ روایت کو صحیح نہیں کہا ہے اور نہ ہی صحیح مانی گئی اور نہ ہی پورے فتوی میں کہیں بھی مذکورہ عمل کو سنت لکھا گیا ہے، لہٰذا گزارش ہے کہ اپنے مکتوب اور ندائے شاہی کے شائع شدہ فتوی میں غور فرما کر دیکھیں کہ کہاں تک انطباق ہوتا ہے، باقی توجہ اور یاددہانی کا تہہ دل سے شکریہ ہے، نیز آنجناب سے گزارش ہے کہ کبھی کوئی قابل اصلاح تحریر نظر نواز ہو تو برائے اصلاح توجہ اور نشاندہی فرمایا کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ قابل رجوع بات ہو تو رجوع کرنے میں خاکسار کو کوئی تأمل نہیں ہے اور اس کے لیے ہمارے سامنے حضرت تھانوی قدس سرہ کی ترجیح الراجح مثالی نمونہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ (الف فتویٰ نمبر: ۲۸؍۴۴؍۲۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ، ۱۱؍۶؍۱۴۲۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲؍)

بارات اور اس کے کھانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) لڑکی کی شادی میں لوگ بہت دھوم دھام سے بارات اور کھانا کھلانے کا انتظام کرتے ہیں اور بہت سارے لوگوں کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں اور اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے ہیں، امیر حضرات تو نام ونمود کے لیے جتنا خرچ کریں کم ہے ایسی دعوتوں میں شرکت کرنا اور کھانا کھانا کیسا ہے؟

(۲) کچھ حضرات مختصر پیمانے پر یعنی دو تین سو آدمیوں کی دعوت کرتے اور کھانا کھلاتے ہیں۔

(۳) کچھ لوگ تو یہ کرتے ہیں کہ دولہا کے ساتھ بارات میں جتنے لوگ آئے ہیں، صرف ان ہی لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

(۴) بعض حضرات یہ کرتے ہیں کہ جو لوگ دولہا کے ساتھ نکاح میں آتے ہیں، صرف انہیں کو شربت وغیرہ پلا کر رخصت کردیتے ہیں، اسی طرح لڑکیوں کو جہیز لینا اور دینا کیسا ہے؟

(۵) کچھ حضرات یہ کرتے ہیں کہ صرف محلے اور رشتہ داروں کی حد تک دعوت کر کے کھانا کھلاتے ہیں۔

دریافت طلب مسائل یہ ہیں کہ نکاح کے موقع پر لڑکے کے رشتہ داروں اور محلے کے لوگوں کو کتنی مقدار میں بارات میں جانا جائز ہے؟ اور لڑکی والوں کو کس حد تک کھانے پینے یا صرف شربت پانی کا انتظام کرنا شریعت کی رو سے ثابت اور جائز ہے؟ نیز دعوت پانے والوں کو کس قسم کی دعوتوں میں شرکت جائز ہے؟ براہ کرم تفصیلاً جواب سے نوازیں۔

(المستفتی: احمد حسین انصاری، بھیونڈی، مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

لڑکے والوں کی طرف سے ولیمہ کا کھانا، یا لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کا کھانا اپنی حیثیت وحدود میں رہ کر جائز ہے اور نام ونمود کے لیے فضول خرچی کرنا نہ لڑکے والوں کے لیے ولیمہ میں جائز ہے اور نہ ہی لڑکی والوں کے لیے شادی کی دعوت میں جائز ہے، اللہ کے یہاں ایک ایک فضول خرچی نام ونمود اور ریا کاری کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اب رہے سوال نامہ کے بقیہ تمام سوالات کے جوابات تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی والوں کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے، وہ مسنون ولیمہ کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ لڑکی کی شادی کی خوشی اور آنے والے مہمانوں کی مہمان داری میں کھلایا جاتا ہے، اس طرح کا کھانا کھلانا حدیث سے بھی ثابت ہے؛ لیکن لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانے میں شریعت کی رو سے کچھ حدود وشرائط بھی ہیں، وہ یہ ہیں کہ لڑکی والوں پر کسی کی طرف سے کوئی دباؤ نہ ہو اور نہ ہی انہیں مہمان داری کے لیے قرض کا بار اٹھانا پڑے؛ بلکہ اپنی حسب حیثیت برضا ورغبت جتنے لوگوں کو کھانا کھلانا چاہے کھلا سکتا ہے اور لڑکے والوں پر یہ لازم ہے کہ لڑکی والے جتنے لوگوں کو لانے کے لیے کہیں اس سے زیادہ ایک فرد بھی ساتھ میں نہ لائیں اور اس سے زیادہ افراد کا لانا ناجائز اور حرام ہے اور آج کل کے زمانہ میں اگر پچاس آدمی لانے کی اجازت دی گئی تو لڑکے والے بجائے پچاس کے سولے آتے ہیں تو گویا کہ جو پچاس آدمی زائد لائیں گے تو اتنے لوگوں کا لڑکی والوں پر ڈاکہ پڑا، یہ دن دھاڑے ڈکیتی کے حکم ہے، جو قطعاً جائز نہیں ہے، اتنے لوگ لا سکتے ہیں، جتنے لڑکی والے کہیں، یا اس سے کم لائیں، ان حدود وشرائط کے تحت میں لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کرنا اور ان کے کھانے میں شریک ہونا جائز اور درست ہے۔

''فتاوی عبدالحیٔ'' میں ہے کہ ''دولہن کے لوگوں کی طرف سے بارات کے لوگوں کو کھانا کھلانا درست ہے؛ بلکہ یہی طریقہ ماثورہ حضرات انبیاء کرام سے ہے''۔ (فتاوی عبدالحیٔ، قدیم:۲/۵۴، مدارج النبوۃ فارسی:۲/۵۶۵، اردو قسط:۱۱/۱۲۸)

اور جیسا کہ اس کا ثبوت ذیل کی روایت سے بھی ہوتا ہے:

ثم دعا بلالا، فقال: یا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن یکون من سنة أمتي، إطعام الطعام عند النکاح، فأت الغنم، فخذ شاة وأربعة إمداد، أو خمسة، فاجعل لي قصعة لعلي أجمع علیها المهاجرین، والأنصار. (مصنف عبدالرزاق، النکاح، باب تزویج فاطمة رضی اللّٰه عنها، المجلس العلمي: ٥/٤٨٧، رقم: ٩٧٨٢، المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي: ٢٢/٤١١، رقم: ١٠٢٢)

نیز جہیز کے لینے دینے کا مسئلہ بھی حدود اور دائرہ میں رہ کر ہے، لڑکے والوں کی طرف سے اس بارے میں کسی قسم کا دباؤ جائز نہیں، جہیز میں جو کچھ دیا جاتا ہے، وہ لڑکی کی ملکیت ہوتی ہے، اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے، لہٰذا لڑکی والے اپنی لڑکی کو اپنی مرضی سے جو کچھ بھی دینا چاہیں دے سکتے ہیں، اس میں کسی کا دخل جائز نہیں ہے اور جہیز میں سامان، یا زیور کا دینا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کے نکاح میں حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے سونے کا جو قیمتی ہار دیا تھا، اس کو غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت ابوالعاص کے

فدیہ میں پیش کیا گیا تھا، جسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے، پھر ابوالعاص کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا تھا۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت: لما بعث أهل مكة فی فداء أسرائهم بعثت زينب فی فداء أبی العاص بمال وبعثت فيه بقلادة لها كانت عند خديجة أدخلتها بها علی أبی العاص. (أبوداؤد، الجهاد، باب فی فداء الاسير بالمال، النسخة الهندية: ۳۶۷/۲، دارالسلام، رقم: ۲۶۹۲، المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی: ۴۲۸/۲۲، رقم: ۱۰۵۰)

نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کچھ چیزیں دینا ثابت ہیں، جیسا کہ حسب ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے:

عن علی أن رسول الله صلی الله عليه وسلم لما زوجه فاطمة بعث معها بخميلة، ووسادة من آدم حشوها ليف، ورحيين وسقاء، وجرتين. (مسند أحمد بن حنبل: ۱۰۴/۱، رقم: ۸۱۹)

نیز صحیح حدیث شریف سے حضرت سعد بن ربیع کی شہادت کے بعد ان کی لڑکیوں کے مسئلہ سے بھی لڑکی والوں کی طرف سے جہیز کا سامان دینا ثابت ہے۔

عن جابر بن عبدالله رضی الله عنه قال: جاء ت امرأة سعد بن الربيع بابنتيها من سعد إلی رسول الله صلی الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله! هاتان ابنتا سعد بن الربيع قتل أبوهما معک يوم أحد شهيدا، وأن عمهما أخذ مالهما فلم يدع لهما مالا، ولا تنكحان إلا ولهما مال. (الحديث) (سنن الترمذی،الفرائض، باب ماجاء فی ميراث البنات، النسخة الهندية: ۲۹/۲،دارالسلام، رقم: ۲۰۹۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲؍صفر ۱۴۳۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۷۴۷۸/۳۶) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نکاح کے بعد لڑکی والوں کا برادری کو کھانا کھلانا:

سوال: نکاح کے بعد لڑکی والوں کی طرف سے برادری کو کھانا دینا کیسا ہے اور برادری کے لوگوں کو وہ کھانا کھانا ازروئے شریعت کیسا ہے؟

(المستفتی: عبدالرحمٰن، فورٹ ولیم کلکتہ، ۲۰/اکتوبر ۱۹۴۳ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ

لڑکی والوں کی طرف سے براتیوں کو، یا برادری کو کھانا دینا لازم، یا مسنون اور مستحب نہیں ہے، اگر بغیر التزام کے وہ اپنی مرضی سے کھانا دے دیں تو مباح ہے، نہ دیں تو کوئی الزام نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۵۷/۵-۱۵۸)

شادی میں برادری کو کھانا کھلانا:

سوال: ایک شخص اپنے لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے اور برادری میں یہ رسم ہے کہ شادی میں اگر پوری برادری کو کھانا کھلادے تو وہ برادری میں رہ سکتا ہے، ورنہ نہیں، حالاں کہ بعض وقت شادی کرنے والے کی حیثیت اتنی بھی نہیں ہوتی کہ پانچ ہی آدمی کو کھانا کھلادے۔ آیا ایسی صورت میں اس کو قرض دام لے کر کھانا کھلانا جائز ہے، یا نہیں؟ جب کہ قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت بھی نہیں؟ جو حکم ہو، ایسے کھانا کھلانے کا؛ یعنی شرعاً مباح ہے، یا واجب، یا حرام؟ تفصیل سے مطلع فرمادیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ایسی حالت میں کھانا کھلانا اوراس کا کھانا شرعاً ناجائز ہے۔ یہ کھانا خوش دلی کے ساتھ نہیں کھلایا جاتا ہے؛ بلکہ برادری کے جبر وتشدد سے مجبور ہوکر کھلایا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

”**لا یحل مال امریء مسلم إلا بطیب نفسه منه**، آه“. (مشکاۃ المصابیح، ص: ۲۵۵)(۱)

یعنی کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی خوش دلی کے حلال نہیں، ایسی رسموں کو توڑنا واجب ہے اور ”اصلاح الرسوم“ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسی رسموں کی شرعی ودنیوی قباحتیں خوب تفصیل سے بیان فرمائی ہیں، بیاہ شادی کے موقع پر خصوصیت سے اس کا دیکھنا بے حد ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۹/۵/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۴۰)

لڑکے والوں سے پیسہ لے کر برادری کو کھانا کھلانا:

سوال: بکر نے اپنی دختر مسماۃ مریم کا نکاح زید کو دیا اور زید سے اپنی لڑکی پر مبلغ پانچ سو روپے لے کر برادری کو کھانا کھلایا، یہ روپیہ لینا اور کھانا کھلانا اور برادری کو یہ کھانا کھانا جائز ہے، یا نہیں؟ قاضی صاحبان بھی یہ کھانا کھاتے ہیں۔

(المستفتی: میاں جی نور محمد، موضع نئی، ضلع گڑگاؤں)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

(۲) لڑکے والوں سے روپیہ لے کر برادری کو کھانا کھلانا ناجائز ہے، وہ روپیہ لڑکے والا واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔ (۳)

---

(۱) ”عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم: ”ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امری إلا بطیب نفس منه“. (رواہ البیهقی فی شعب الإیمان والدر قطنی فی المجتبی)(مشکاۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۲) یہاں عبارت درست نہیں، دراصل ”لڑکے والوں“ ہے؛ اس لیے کہ سوال میں لڑکے والوں کے متعلق پوچھا گیا ہے۔

(۳) أخذ أهل المراۃ شیئًا عند التسلیم فللزوج ان یسترده، لأنه رشوۃ. (الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۵۶، سعید)

قاضی ہو، یا کوئی اور جس کو معلوم ہو کہ لڑکے والے سے روپیہ لے کر کھانا دیا ہے، ان سب کو کھانا ناجائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۸/۵)

بارات کا کھانا:

سوال: بعض مسلمان برادریوں میں شادی کے موقع پر یہ طریقہ رائج ہے کہ لڑکے والے جو بارات لے کر دلہن کے گھر جاتے ہیں تو ان تمام برائیوں کو بشمول عورت ومرد کھانا کھلایا جاتا ہے، جس کو عرف عام میں ''بارات کا کھانا'' کہتے ہیں۔ کچھ لوگ بارات کا کھانا اس لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر برادری میں ان کی قدر ومنزلت نہ رہے گی، یا بدنامی ہوگی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسم بند ہونی چاہئے، یہ اسرافِ بیجا اور غیر شرعی فعل ہے اور اس رسم کے بند ہو جانے سے ان لوگوں کی بھی پردہ پوشی ہوگی جو کہ بارات کا کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتے؛ لیکن اس رسم کی مجبوری سے قرض وغیرہ کی مشکلات میں مبتلا ہوتے ہیں؛ لیکن بعض کا فرمانا ہے کہ یہ فعل مہمان نوازی میں داخل ہے۔

کیا بارات کا کھانا کھلانے کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، یا دیگر بزرگان دین سے یہ فعل صادر ہونا ثابت ہوتا؟ اگر نہیں تو کیا اس فعل کو بند کرنے کی کوشش کرنی چاہیے؟ نیز کوشش کرنے والے مستحق اجر ہوں گے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک وقت میں شادی کی یہ شان نہیں تھی، جو آج کل رائج ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کی حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدعو نہیں کیا؛ بلکہ خبر تک بھی نہیں کی،(۲) اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ کتب حدیث میں مذکور ہے۔(۳)

بارات کا یہ طریقہ بڑے بوڑھوں نے اس لیے رائج کیا تھا کہ لڑکی کو جہیز کثیر مقدار میں دیا جاتا تھا اور ایک ایک جہیز کی

---

(۱) ﴿یٰأیُّھا الذین اٰمنوا لا تاکلو اموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة النساء: ۲۹)

وفی الهندية: أكل الربوا وكاسب الحرام اهدى اليه أو اضافه غالب ماله حرام لا يقبل ولا ياكل مالم يخبر ان ذلك المال اصله حلال. (الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثانی عشر: ۳۴۳/۵، ماجدية)

(۲) عن أنس رضی اللّٰہ عنہ أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأی علی عبد الرحمن رضی اللّٰہ عنہ أثر صفرة، فقال: "ماھذا؟" قال: إنی تزوجت امرأة علی وزن نواة من ذھب، قال: "بارک اللّٰہ لک، أولم ولو بشاة". (متفق علیہ) (مشکاة المصابیح، باب الولیمة، الفصل الأول، رقم الحدیث: ۳۲۱۰، صحیح البخاری، کیف یدعی للمتزوج، رقم الحدیث: ۵۱۵۵، صحیح لمسلم، باب الصداقم، رقم الحدیث: ۱۴۲۷، انیس)

(۳) "حدثنا محارب قال: سمعت جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ یقول: تزوجت، فقال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: "ماتزوجت"؟ فقلت: تزوجت ثیباً، فقال: "مالک وللعذاری ولعابھا". (الحدیث) (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب تزویج الثیبات: ۷۶۰/۲، قدیمی)

پوری نمائش کی جاتی تھی، سفر عام طور پر بیل گاڑی کا ہوتا تھا، ڈاکہ کے حادثات پیش آتے تھے؛ اس لیے بڑی بارات جایا کرتی تھی کہ جہیز وغیرہ کی پوری حفاظت ہوسکے، بارات کی کثرت مستقل فخر کی چیز شمار ہوتی تھی، شادی والا دوسروں سے بڑھ کر اپنے فخر کے لیے بارات کو کھانا کھلاتا ہے، جگہ جگہ اس کا چرچا کیا جاتا ہے، یہ طریقہ شرعاً درست نہیں، نہ حیثیت سے زیادہ جہیز کی ضرورت ہے، نہ اس کی حفاظت کے لیے بڑی بارات کی ضرورت ہے، جو کھانا فخر کے لیے کھلایا جائے، اس کے کھانے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے۔(۱) سواریوں کا انتظام بھی ہوگیا، ریل، بس وغیرہ کا بہت عام رواج ہوگیا، جو کہ پہلے اتنا عام نہ تھیں؛ اس لیے بھی لوگ اس رسم کو بند کرنا چاہتے ہیں، ان کی رائے بہت قابلِ قدر ہے۔

دولہا کے ساتھ اگر ان کے خاص آدمی، باپ بھائی وغیرہ کچھ آجائیں تو مہمان کی حیثیت سے ان کو کھلانا احترام کا تقاضا ہے، بڑی بارات بلا کر قرض لے کر کھلانا جو شاید سودی بھی ہو، ہرگز شرعاً پسندیدہ نہیں۔(۲) سودی قرض لینا شرعاً جائز بھی نہیں، سود کے معاملہ پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے،(۳) جو لوگ شادی کے غلط طریقہ کی اصلاح کر کے اس کو سنت کے طریقہ پر جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ یقیناً اجر عظیم کے مستحق ہیں، حق تعالیٰ ان کی نصرت فرمائے۔ اصلاح الرسوم (۴) میں تفصیل مذکور ہے، اس کو پیش نظر رکھا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۲/۱۱) ☆

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المتباريان لا يجابان ولا يؤكل طعامهما" قال الإمام أحمد: يعني المتعارضين بالضيافة فخراً ورياءً". (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثالث، ص: ۲۷۹، قديمي)

(۲) بسا اوقات ایسے غیر لازم کاموں سے کئی غیر مناسب امور کا وجود لازم آتا ہے، من جملہ ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی آسانی مشکل اور تنگی میں تبدیلی ہوتی ہے، ایک غیر اہم کے لیے اہم کو چھوڑا جاتا ہے، بعض اوقات ایک مندوب پر التزام کی وجہ سے حرام کا ارتکاب ہوتا ہے اور واجبات وفرائض کا ترک لازم آتا ہے، بعض اوقات نفس اس کام سے کراہیت محسوس کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ نہ کرنا تو بہتر اور نتیجہ ان سب کاموں کا ملال ہی ہے۔

قال العلامة الشاطبي رحمه الله تعالىٰ: "فصل: إذا ثبت هذا، فالدخول في عمل على نية الالتزام له إن كان في المعتاد بحيث إذا دوام عليه، أورث مللاً ينبغي أن يعتقد أن هذا الالتزام مكروه ابتداء؛ إذ هو مؤد إلى أمور جميعها منهي عنه: أحدها: أن الله ورسوله أهدىٰ في هذا الدين التسهيل والتيسير، وهذا الملتزم يشبه من لم يقبل هديته، وذلك يضاهي ردها على مهديها وهو غير لائق بالمملوك مع سيده، فكيف يليق بالعبد مع ربه، والثاني: خوف التقصير أو العجز عن القيام بما هو أولىٰ وآكد في الشرع ... والواجب أن يعطى كل ذي حق حقه، وإذا التزم الإنسان أمراً أو أمرين أو ثلاثة، فقد يصده ذلك عن القيام بغيرها... فيكون ملوماً، والثالث: خوف كراهية النفس لذلك العمل الملتزم؛ لأنه قد فرض من جنس ما يشق الدوام عليه ... والنفس تشمئز منه وتود لو لم تعمل، أو تتمنى لو لم تلتزم". (الاعتصام للشاطبي، باب في أحكام البدع الحقيقية والإضافية، ص: ۴۴۷-۴۴۹، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "عن جابر رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربا وموكله وشاهديه وقال: "هم سواء". (صحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲۷/۲، قديمي)

(۴) اصلاح الرسوم، لحکیم الأمۃ التھانوی رحمۃ اللہ علیہ ==

== ☆ لڑکی والوں کے یہاں دعوت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی والوں کے یہاں دعوت کھانا کیسا ہے؟ جب کہ لڑکی والوں پر کسی طرف سے دباؤ کا مطالبہ نہیں ہے، وہ اپنی لڑکی کی خوشی کے موقع پر احباب اور باراتیوں کو اپنی خوشی سے کھانا کھلاتے ہیں، یہ جائز ہے، یا نا جائز؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

جب لڑکی والے بغیر کسی دباؤ اور مطالبہ کے از خود اپنی لڑکی کی خوشی کے موقع پر اپنے دوست واحباب اور رشتہ دار و متعلقین اور باراتیوں کو بطیبِ خاطر کھانا کھلاتے ہیں تو یہ شرعاً جائز اور مباح ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (انوار نبوت، ص:۶۷۵، محمودیہ ڈابھیل:۱۲/۱۴۳، میرٹھ:۱۷/۳۹۴، رشیدیہ، ص:۲۹۷، کتاب الفتاوی:۴/۴۱۶، ریاض العلوم:۱/۳۹۳، آپ کے مسائل اوران کا حل:۶/۳۱۴، مدارج النبوۃ فارسی:۲/۵۶۵، فتاوی عبدالحئ جدید، ص:۱۴۵، قدیم:۲/۵۴)

عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنه قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا دعا أحدكم أخاه فليجب عرسا كان أونحوه. (صحيح لمسلم،باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، النسخة الهندية: ٤٦٢/١، بيت الأفكار، رقم: ١٤٩٢، سنن أبى داؤد،كتاب الأطعمة، باب ماجاء فى إجابة الدعوة، النسخة الهندية: ٥٢٥/٢، دارالسلام، رقم:٣٧٨٣، مسند أحمد بن حنبل: ١٤٦/٢، رقم:٦٣٣٧)

عن أبى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم ضيفه. (صحيح البخارى،باب إكرام الضيف وخدمته إياه بنفسه، النسخة الهندية: ٩٠٦/٢، رقم:٥٨٩٧، ف:٦١٣٦)

فانطلق على فقال: يا رسول الله! متى تبنيني؟ قال: الليلة إن شاء الله، ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إنى زوجت ابنتى ابن عمى، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتى إطعام الطعام عند النكاح. (مصنف عبدالرزاق، النكاح، باب تزويج فاطمة رضى الله عنها، المجلس العلمى: ٤٨٧/٥، رقم: ٩٧٨٢، المعجم الكبير للطبرانى، دار إحياء التراث العربى: ٤١١/٢٢، رقم: ١٠٢٢، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت: ٢٠٧/٩، طبقات ابن سعد بيروت: ٧٨/٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴۳۴/۱۱/۲۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۱/۴۰) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی کے نکاح کے موقع پر لڑکی والوں اور لڑکے والوں کی طرف سے آنے والے مہمانوں کو کھانا کھلانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے، یا صحابہ کرام سے اس سلسلہ میں کوئی عمل منقول ہے؟

(المستفتی: محمد احمد جوالہ پور)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

لڑکے والوں کے یہاں ولیمہ کے کھانا کھلانے کے متعلق جس درجہ کی روایت حدیث شریف سے ثابت ہے، اسی درجہ کی روایت لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھلانے سے متعلق ثابت نہیں ہے، البتہ اس سے نیچے درجہ کی روایت ثابت ہے۔ ==

شادی میں لڑکی والے کے یہاں کھانا کھانا:

سوال: زید لڑکی کے عقد میں اپنے عزیز واقارب میں کھانے کی دعوت کرنا ہے تو عمر کہتا ہے کہ لڑکی کی طرف سے کھانا جائز نہیں ہے، لہذ الڑکی والوں کے یہاں کھانا کیسا ہے؟ کیوں کہ باراتی ہوٹل میں کھانا کھائیں اور لڑکی کے یہاں نہ کھائیں، یہ تو ہندوؤں کی رسم ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ صحیح ہے کہ ولیمہ لڑکا، یا اس کے اولیا کریں گے؛(۱) لیکن جو لوگ لڑکی والے کے مکان پر مہمان آتے ہیں اور ان کا مقصود شادی میں شرکت کرنا ہے اور ان کو بلایا بھی گیا ہے تو آخر وہ کھانا کہاں جا کر کھائیں گے اور اپنے مہمان کو کھلانا تو شریعت کا حکم ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے،(۲)

البتہ لڑکے والے کی طرح مقابلہ پر ولیمہ لڑکی کی طرف سے ثابت نہیں ہے، حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے مکان پر تشریف لے جاتے تو بیٹی کا بھی خاطر کرنا ثابت ہے۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۴/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۴۲-۱۴۳)

== ''مصنف عبدالرزاق: ۵/۴۸۷، حدیث: ۹۷۸۲'' اور ''المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۲/۴۱۱، حدیث: ۱۰۲۲'' میں اس بارے میں مفصل روایت موجود ہے؛ مگر روایت نچلے درجہ کی ہے؛ اس لیے لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھلانے کو مسنون نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں البتہ مباح اور جائز ہے جو لڑکی والوں کے لیے اختیاری عمل ہے، وہ اپنی حسب استطاعت اپنی مرضی سے جو چاہیں کھلائیں، کسی کو مطالبہ کرنے یا دباؤ ڈالنے کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: انوار نبوت: ۶۷۵)

وفي حديث طويل: قال علي: يا رسول الله! متى تبنيني؟ قال: الليلة إن شاء الله، ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني قد زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي الطعام عند النكاح، فأت الغنم. (المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي: ۲۲/۴۱۱، رقم: ۱۰۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۹/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۴۷/۴۰) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

(۱) **فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أولم ولو بشاة". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الوليمة ولو بشاة: ۲/۷۷۷، قديمي)**

"والوليمة في أول يوم حق، وفي الثاني معروف، وفي الثالث رياء وسمعة ... وعن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعا: "الوليمة حق وسنة". (الحديث) (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الوليمة حق: ۲۰/۲۱۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ..."من كان يؤمن بالله واليوم الاخر، فليكرم ضيفه". (صحيح البخاري، كتاب الادب، باب اكرام الضعيف وخدمته اياه بنفسه: ۲/۹۰۶، قديمي)**

"والضيافة من سنن المرسلين وعباد الله الصالحين". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب حق الضعيف: ۲۳/۲۷۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) **عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها قالت: مارأيت احد اشبه سمعا ودلا وهديا برسول الله في قيامها ==**

لڑکے والوں سے بارات کو کھانا کھلانے کے لیے رقم لینا:

سوال: ہمارے یہاں کا عرف ہے کہ ''دلہن والے دولہا سے قبل از عقد، یا بعد العقد کچھ روپے لیتے ہیں، جس سے برات والوں اور دیگر خویش واقربا اور ہمسایہ والوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، بعضے تو ماخوذہ رقم کو مہر میں شمار کرتے ہیں اور بعضے نہیں کرتے؛ بلکہ اسے مہر سے علاحدہ محسوب کرتے ہیں، اکثر علماء اس فعل کو نظر استحسان نہیں دیکھتے؛ بلکہ اسے ناجائز اور بے اصل بتاتے ہیں۔ان کی دلیل یہ ہے:

''ومن السحت ما ياخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتى لو كان بطلبه يرجع الختن به،مجتبى''. (شامی:۳۱۰/۵) (۱)

''ولو أخذ أل المرأة شيئًا عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة''. (الهندية،ص: ۳٤٠، وغيرهما)(۲)

مگر زید اس کا جواز علامہ شامی کی عبارت سے ثابت کرتا ہے اور وہ یہ ہے:

وَنَظِيرُ مَا فِي الْخَانِيَّةِ مَا هُوَ مَعْرُوفٌ بَيْنَ النَّاسِ فِي زَمَانِنَا مِنْ أَنَّ الْبِكْرَ لَهَا أَشْيَاءُ زَائِدَةٌ عَلَى الْمَهْرِ: مِنْهَا مَا يُدْفَعُ قَبْلَ الدُّخُولِ كَدَرَاهِمَ لِلنَّقْشِ وَالْحَمَّامِ وَثَوْبٍ يُسَمَّى لِفَافَةَ الْكِتَابِ وَأَثْوَابٍ أُخَرَ يُرْسِلُهَا الزَّوْجُ لِيَدْفَعَهَا أَهْلُ الزَّوْجَةِ إلَى الْقَابِلَةِ وَبَلَّانَةِ الْحَمَّامِ وَنَحْوِهَا،وَمِنْهَا مَا يُدْفَعُ بَعْدَ الدُّخُولِ كَالْإِزَارِ وَالْخُفِّ وَالْمِكْعَبِ وَأَثْوَابِ الْحَمَّامِ، وَهَذِهِ مَأْلُوفَةٌ مَعْرُوفَةٌ بِمَنْزِلَةِ الْمَشْرُوطِ عُرْفًا؛ حَتَّى لَوْ أَرَادَ الزَّوْجُ أَنْ لَا يَدْفَعَ ذَلِكَ يَشْتَرِطُ نَفْيَهُ وَقْتَ الْعَقْدِ أَوْ يُسَمِّي فِي مُقَابَلَتِهِ دَرَاهِمَ مَعْلُومَةً يَضُمُّهَا إلَى الْمَهْرِ الْمُسَمَّى فِي الْعَقْدِ، وَقَدْ سُئِلَ عَنْهَا فِي الْخَيْرِيَّةِ فَأَجَابَ بِمَا حَاصِلُهُ أَنَّ الْمُقَرَّرَ فِي الْكُتُبِ مِنْ أَنَّ الْمَعْرُوفَ كَالْمَشْرُوطِ يُوجِبُ إلْحَاقَ مَا ذُكِرَ بِالْمَشْرُوطِ، وَإِنْ عُلِمَ قَدْرُهُ لَزِمَ كَالْمَهْرِ وَإِلَّا وَجَبَ مَهْرُ الْمِثْلِ لِفَسَادِ التَّسْمِيَةِ إنْ ذَكَرَ أَنَّهُ مِنْ الْمَهْرِ، وَإِنْ ذَكَرَ عَلَى سَبِيلِ الْعِدَّةِ فَهُوَ غَيْرُ لَازِمٍ بِالْكُلِّيَّةِ، وَالَّذِي يَظْهَرُ الْأَخِيرُ، وَمَا فِي الْخَانِيَّةِ صَرِيحٌ فِيهِ ثُمَّ ذَكَرَ عِبَارَةَ الْخَانِيَّةِ الْمَارَّةِ وَمَا تَقَدَّمَ مِنْ اعْتِرَاضِهِ عَلَى الْبَحْرِ:وَأَنْتَ خَبِيرٌ بِأَنَّ هَذِهِ الْمَذْكُورَاتِ تُعْتَبَرُ فِي الْعُرْفِ عَلَى وَجْهِ اللُّزُومِ عَلَى أَنَّهَا مِنْ جُمْلَةِ الْمَهْرِ، غَيْرَ أَنَّ الْمَهْرَ مِنْهُ مَا يُصَرِّحُ بِكَوْنِهِ مَهْرًا وَمِنْهُ مَا يَسْكُتُ عَنْهُ بِنَاءً عَلَى أَنَّهُ مَعْرُوفٌ لَا بُدَّ مِنْ تَسْلِيمِهِ، بِدَلِيلِ أَنَّهُ عِنْدَ عَدَمِ إرَادَةِ تَسْلِيمِهِ لَا بُدَّ مِنْ

== وقعودها من فاطمة بنت رسول الله صلى الله وعليه وسلم، قالت:وكانت إذادخلت على النبى صلى الله عليه وسلم قام إليها فقبلها واجلسها فى مجلسه، وكان النبى صلى الله تعالىٰ وعليه وسلم إذا دخل عليها، قامت من مجلسها فقبلته واجلسته فى مجلسها،الخ.(جامع الترمذى،أبواب المناقب،باب ماجاء فى فضل فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها: ۲۲٦/۲،سعيد)

(۱) رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٤٢٤/٦، سعيد

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر: ۳۲۷/۱، ماجدية

اشْتِرَاطِ نَفْيِهِ أَوْ تَسْمِيَةِ مَا يُقَابِلُهُ كَمَا مَرَّ، فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَشْرُوطِ لَفْظًا فَلا يَصِحُّ جَعْلُهُ عِدَّةً وَتَبَرُّعًا، وَكَوْنُ كَلَامِ الْخَانِيَّةِ صَرِيحًا فِيهِ قَدْ عَلِمْت مَا يُنَاقِضُهُ وَيُنَافِيهِ،وَقَدْ رَأَيْت فِي الْمُلْتَقَطِ التَّصْرِيحِ بِلُزُومِهِ كَمَا قُلْنَا حَيْثُ ذَكَرَ فِي مَسْأَلَةِ مَنْعِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا حَتَّى تَقْبِضَ الْمَهْرَ فَقَالَ: ثُمَّ إنْ شَرَطَ لَهَا شَيْئًا مَعْلُومًا مِنْ الْمَهْرِ مُعَجَّلًا فَأَوْفَاهَا ذَلِكَ لَيْسَ لَهَا أَنْ تَمْنَعَ نَفْسَهَا، وَكَذَلِكَ الْمَشْرُوطُ عَادَةً كَالْخُفِّ وَالْمِكْعَبِ وَدِيبَاجِ اللِّفَافَةِ وَدَرَاهِمِ السَّكَرِ عَلَى مَا هُوَ عَادَةُ أَهْلِ سَمَرْقَنْدَ، وَإِنْ شَرَطُوا أَنْ لَا يُدْفَعَ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ لَا يَجِبُ، وَإِنْ سَكَتُوا لَا يَجِبُ إلَّا مَنْ صَدَّقَ الْعُرْفَ مِنْ غَيْرِ تَرَدُّدٍ فِي الْإِعْطَاءِ لِمِثْلِهَا مِنْ مِثْلِهِ وَلِلْعُرْفِ الضَّعِيفِ لَا يَلْحَقُ الْمَسْكُوتُ عَنْهُ بِالْمَشْرُوطِ،آہ.(۱)

اور زید کا عبارت مذکورہ سے استدلال کرنا اگر صحیح ہے تو مانعین کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟

(المستفتی:۱۲۱،ابو یوسف محمد یعقوب، مہتمم مدرسہ عالیہ، ڈاکخانہ کاسباڑن، ضلع سلہٹ، ۲۹؍رجب ۱۳۵۲ھ، ۱۹؍نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

یہ رقم جو زوج سے قبل از عقد، یا بعد از عقد اس غرض سے اور اس نام سے لیتے ہیں کہ اس سے برات کو اور اعزہ واقربا کو کھانا دیا جائے گا ناجائز ہے اور اس کا حکم وہ ہے، جو اس عبارت میں مذکور ہے:

”ولو أخذ أهل المرأة شيئًا عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة“.(۲)

اور اشیائے معروفہ کدراہم النقش والحمام وغیرہ کا جو حکم شامی میں مذکور ہے، یہ تمام وہ اشیاء ہیں، جو زوجہ کے مہر میں محسوب ہوتی ہیں اور اسی لیے ان کو بقدر، یا بعجل من المہر کے وجوب تقدیم کے حکم کے ضمن میں بیان کیا ہے اور ان چیزوں کا زوجہ کے لیے ہونا ظاہر اور اس بنا پر مہر میں محسوب ہونا یقینی ہے اور ان کا وجوب علی أنها من المهر جب ہی ہے کہ عرف مین ثابت ہو اور زوج بھی اسے تسلیم کرے، ورنہ یہ بھی غیر لازم ہیں۔

اور پہلی رقم جو کھانا دینے کے لیے لی جاتی ہے، اس کا مہر بھی محسوب نہ ہونا؛ بلکہ نہ ہوسکنا ظاہر ہے کہ مہر کی رقم کو برات اور قرابت داروں پر خرچ کردینے کا اولیاء زوجہ کو کوئی حق نہیں ہے اور زوجہ کے کام میں نہ آنا اس کا ظاہر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی:۱۱۴/۵)

بارات کے کھانے میں شرکت پر سخت رویہ اپنانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا تعلق ایک دین دار گھرانے سے ہے، زید کے والد کا کہنا ہے کہ بارات کا کھانا جو آج کل رائج ہے، یہ رسم ہے، شریعت میں اِس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے، اس لیے اُنھوں نے کسی بھی بارات کھانے میں تقریباً ۲۰؍سال سے شرکت نہیں کی، خواہ وہ تقریب

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح:۱۳۰/۳، سعید

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل السادس عشر:۳۲۷/۱، ماجدية

اُن کے اپنے عزیز کی ہی کیوں نہ ہو؟ اُن کی دیکھا دیکھی ان کے بعض رشتہ داروں نے بھی اپنے بچہ اور بچیوں کی شادی میں نہ ہی بارت کا کھانا دیا اور نہ لیا، صرف اپنے گھروں میں اپنے رشتہ داروں کو بلا کر دعوت دے دی۔ اَب زید کا رشتہ اُنہیں کی برادری میں طے ہوا ہے؛ اس لیے زید کے والد کا کہنا ہے کہ ہم بارات کا کھانا نہیں لیں گے اور صرف نکاح کر کے لڑکی کو گھر لے آئیں گے؛ لیکن لڑکی والوں کا کہنا ہے کہ ہم نکاح کے بعد بارات کا کھانا بھی دیں گے اور صرف برادری کے لوگوں کو اس میں مدعو کریں گے اور لڑکے والے کو مدعو کریں گے اور اس پر حد درجہ مصر ہیں۔

واضح رہے کہ لڑکی بن ماں کی ہے اور وہ اپنے ماموں جو کہ صاحبِ حیثیت ہے، اُن کے پاس رہتی ہے اور ماموں کا کہنا ہے کہ ہماری بھی لڑکیاں ہیں، ہم مستقبل میں اُن کی شادی میں تو بارات کا کھانا دیں گے، اب اگر بھانجی کی شادی میں دعوت (یعنی بارات کا کھانا) نہیں کیا تو کل کو لوگ طعن کریں گے کہ اپنی بیٹی کی شادی میں تو خرچ کیا؛ لیکن بھانجی جو بیچاری بن ماں کی ہے، اُس کو سستے میں رخصت کر دیا؛ اس پر زید کے والد کا کہنا ہے کہ اگر آپ دعوت کرنا چاہتے ہیں تو نکاح کے بعد آپ اپنے عزیز واُقارب کی دعوت کر دیں اور ہم اپنے عزیز واقارب کی دعوت کر دیں؛ لیکن اس پر بھی وہ لوگ تیار نہیں ہیں اور بارات کا کھانا دینے پر مصر ہیں، ایسی صورت میں زید کے والد کیا کریں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

بارات کا کھانا واجب، یا سنت تو نہیں ہے؛ لیکن ناجائز بھی نہیں ہے؛ بلکہ اگر رسومات اور تکلفات سے خالی ہو تو محض مباح ہے، لہٰذا اُس میں شرکت میں شرعاً کوئی حرج نہیں، آپ کے والد صاحب کو چاہیے کہ اِس معاملہ میں زیادہ سخت رویہ نہ بنائیں اور بارات کے کھانے میں شرکت سے انکار نہ کریں۔ (مستفاد: انوار نبوت: ۶۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۵/۵/۱۴۳۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/) ☆

☆ نکاح میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح لڑکی کے گھر کے پاس ہوا اور جس میں شرکت کے لیے دونوں جانب سے لوگ آتے ہیں، لڑکی والوں کے یہاں کیا لڑکے والے بھی کھانا کھا سکتے ہیں؟ اگر ہاں، تو کیا یہ بارات کی شکل نہ ہوگی؟ اِس میں اَفضل کیا ہے؟ اِجازت کیا ہے اور ممانعت کیا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

لڑکی والے اگر نکاح کے موقع پر نام ونمود اور اِسراف سے بچتے ہوئے بلا کسی جبر واِکراہ کے اپنے پڑوسیوں اور متعلقین کو کھانے پر مدعو کریں تو یہ ناجائز نہیں ہے؛ اِس لیے مسئولہ صورت میں جو بھی مدعوئین ہیں، خواہ وہ لڑکے کے ساتھ آئے ہوں، یا لڑکی والوں نے بلایا ہو، سب کے لیے اس دعوت میں شرکت جائز ہے، البتہ یہ دعوت اِس طرح مسنون نہیں، جس طرح ولیمہ کی دعوت مسنون ہوتی ہے، صرف جواز کی حد تک ہے۔ بعض ضعیف روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے؛ مگر ان سے سنیت کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔

(المعجم الکبیر: ۲۲/۴۱۱، رقم: ۱۰۲۲، مصنف عبدالرزاق: ۵/۴۸۷ رقم: ۹۷۸۲) ==

’’چوٹی‘‘ کا کھانا کھانا کیسا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ فتاوی رشیدیہ،ص: ۸۶۵ پر سوال لکھا ہے:’’ شادی سے پہلے کھانا کرنا جیسا رواج ہے اوراس کو چوٹی کا کھانا کہتے ہیں، کیسا ہے؟ اوراس کھانے کی

== وفي حديث أنس رضي الله عنه خطبها علي بعد أن خطبها أبو بكر (إلى قوله) فقال:أدع لي أبا بكر وعمر وعثمان وعبد الرحمن بن عوف وعدة من الأنصار فلما اجتمعوا وأخذوا مجالسهم. (شرح الزرقاني مع المواهب اللدنية: ۲/۲-۳،بیروت، بحوالہ: فتاویٰ محمودیہ۳۸۹/۱۷،میرٹھ)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴۳۳/۱/۱۴ھ۔(کتاب النوازل:۸/)

نکاح کی دعوت کھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) ہماری برادری میں نکاح کے سلسلے میں یہ طریقہ راج ہے کہ نکاح مسجد میں پڑھا جاتا ہے،اس کے بعد وقت مقرر پر متعینہ جگہ (شادی ہال) میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت ہوتی ہے اور لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ اِس دعوت میں شرکت کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) لڑکے والے اپنے اعزاء واقارب کو لے کراس کھانے میں شرکت کے لیے جاتے ہیں،جس میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں جو کھانے کے بعد لڑکی کو رخصت کرا کرلے آتی ہیں؟ شرعاً اس طرح کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱) لڑکی والے اگر نکاح کے موقع پر نام ونمود اور اِسراف سے بچتے ہوئے دعوت کا انتظام کریں تو مدعوین خواہ وہ لڑکے کے ساتھ آئے ہوں، یا لڑکی والوں نے بلایا ہو،سب کے لیے اس دعوت میں شرکت کرنا جائز ہے؛ لیکن یہ دعوتِ ولیمہ کی طرح مسنون نہیں ہے۔(مستفاد: دینی مسائل اوراُن کا حل:۲۲۱)

(۲) آج کل جس طرح مردوں اور عورتوں کے بڑے مجامع کے ساتھ باراتیں لے جائی جاتی ہیں، وہ بہت سے منکرات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں،سلف صالحین سے ان کا ثبوت نہیں ملتا ہے،البتہ نام ونمود اور رسومات کے بغیر شرعی حدود اور پردے کی مکمل رعایت رکھتے ہوئے مختصر تعداد میں لڑکی کو اپنے ساتھ لانے کے لیے اپنے محرم مردوں کے ہمراہ کچھ عورتیں بھی چلی جائیں؛ تاکہ اُنسیت میں اضافہ ہوتو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔(مستفاد: دینی مسائل اوران کا حل:۲۱۹،کفایت المفتی:۸۶/۹،زکریا،آپ کے مسائل اوران کا حل:۴۰۸/۶،فتاویٰ محمودیہ:۳۲۱/۱۱،ڈابھیل)

عن نافع عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دعى إلى عرس أو نحوه فليجب. (صحيح لمسلم: ٤٦٢/١)

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا دُعِيَ أحدكم إلى طعام فليجب، فإن شاء طعم وإن شاء ترك. (صحيح لمسلم: ٤٦٢/١)

عن نافع عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إئتوا الدعوة إذا دعيتم. (صحيح لمسلم: ٤٦٢/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری،۱۴۳۳/۱۰/۲۵ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۴۶۱/۸-۴۶۳)

دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟ جواب میں لکھا ہے کہ خوشی میں عزیزوں دوستوں کو کھانا کھلانا درست ہے، جب تک فخر وریا نہ ہو اور نہ اس کو رسم جیسی واجب جانے''۔اس سوال وجواب سے کیا یہی کھانا مراد ہے،جس کا اوپر کے سوال میں ذکر ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

دولہا کو تیار کرتے وقت جو کھانا کھلایا جاتا ہے،اُس کو''چوٹی کا کھانا'' کہتے ہیں،اِس بارے میں فتاویٰ رشیدیہ میں جو فتویٰ لکھا ہے، وہ اپنی جگہ درست ہے۔(مستفاد: اِصلاح الرسوم:۳۳،بہشتی زیور:۲۶/۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۲/۶/۱۴۲۹ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۸/)

نکاح میں دور دراز کے لوگوں کو دعوت:

سوال: شادی بیاہ میں عام طور پر تمام رشتہ داروں کو مدعو کیا جاتا ہے،اس سے داعی تو معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہو ہی جاتا ہے،خود مدعووین کو کافی لمبے سفر کا بار بھی سہنا پڑتا ہے، کیا یہ اسراف کے زمرہ میں نہیں آتا؟ کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایسا ہوتا تھا؟ تاہم اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اس زمانے میں خاندان کے لوگ ایک جگہ پر ہی رہتے تھے؛اس لیے انہیں ایسی ضرورت نہ تھی؛لیکن آج جب کہ احباب واقارب دور دور بسے ہیں، ملاقات کا یہ موقع کیسے ہاتھ سے جانے دیا جائے؟ شادی کے سلسلہ میں تمام لوگوں کو خبر ہو جائے، یہ بات تو حدیث میں بھی ہے؛اس لیے اعزا واقارب کو دور سے بلانا شرعی نقطہ نظر سے کیسا ہے؟

(محمد طیب، لام، گنٹور)

الجوابــــــــــــــــ

نکاح کے موقع سے نویداور دور دراز کے رشتہ داروں اور اہلِ تعلق کو دعوت دینا خلافِ سنت ہے اور اسراف بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ (جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم باپ کا درجہ دیتے تھے) مکہ میں موجود تھے؛ کیوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح غزوۂ احد کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا،(۱) اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت اسلام قبول نہیں کئے تھے، وہ مکہ میں مقیم تھے اور فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے؛(۲) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت دینے کے سلسلہ میں کوئی تکلف نہیں فرمایا۔(کتاب الفتاویٰ:۴/۴۱۳-۴۱۴)

(۱) ”ومن طريق عمر بن علي قال: تزوج علي فاطمة في رجب سنة مقدمهم المدينة و بنى بها مرجعة من بدر ولها يومئذ ثمان عشرة سنة ... فهذا يدفع قول من زعم أن تزوجه بها كان بعد أحد“.(الإصابة لابن حجر :۳۷۸/٤،حرف الفاء،القسم الأول

(۲) صفة الصفوة لابن الجذري: ۲۳۹/۱

لڑکی کی شادی میں رشتہ داروں کی دعوت کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی کی شادی میں اپنے اعزہ واقربا کو مدعو کرنا اور کھانا کھلانا اور کھانے کا انتظام کرنا جب کہ بہت سے علماء کرام کہتے ہیں کہ لڑکی کی شادی میں دعوت کرنا اور اس میں شرکت کرنا جائز نہیں، مثلاً داماد، لڑکی جس کی شادی ہوچکی ہے، یا بہن بہنوئی اور حقیقی بھائی اور دوسرے رشتہ داروں کو لڑکی کی شادی میں مدعو کرنا اور کھانا کھلانا، اسی طرح بہن وغیرہ کے یہاں لڑکی کی شادی میں جانا اور وہاں پر کھانا کھانا، جب کہ نہ کھانے کی صورت میں ناراضگی کا اندیشہ ہے، کیسا ہے؟ حالات کو سامنے رکھ کر مسئلہ کی وضاحت مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

(المستفتی: ظہیرالدین قصبہ بڑھاپور، بجنور)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

لڑکی کی شادی کے موقع پر اپنے اعزہ واقربا رشتہ داروں کو کھانا کھلانا اور اس کے لیے بخوشی مدعو کرنا اور لوگوں کا دعوت قبول کرنا اور ان کے یہاں آکر کھانا کھانا شرعاً درست ہے؛ البتہ زور دباؤ اور نام ونمود کی خاطر دعوت کرنا کرانا درست نہیں ہے، بیٹی کی شادی کے موقع پر کھانا کھلانا اور کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو کھانا کھلایا ہے۔

ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النكاح، فأت الغنم فخذ شاة ... فانطلق ففعل ما أمره، ثم أتاه بقصعة فوضعها بين يديه، فطعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في رأسها، ثم قال: أدخل على الناس زفّة كلما فرغت زفّة وردت أخرى، حتى فرغ الناس. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي: ۵/ ۴۸۷، رقم: ۹۷۸۲، المعجم الكبير بيروت: ۲۲/ ۴۱۱، رقم: ۱۰۲۲، ۴۲/ ۱۳۳، رقم: ۳۶۲)(۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۵ر محرم الحرام ۱۴۲۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۵ر ۶۹۹۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱/۵/ ۱۴۲۲ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

---

(۱) عَنْ يَحْيَى بْنِ الْعَلَاءِ الْبَجَلِيِّ، عَنْ عَمِّهِ شُعَيْبِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ سَمُرَةَ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَتْ فَاطِمَةُ تُذْكَرُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَا يَذْكُرُهَا أَحَدٌ إِلَّا صَدَّ عَنْهُ حَتَّى يَئِسُوا مِنْهَا، فَلَقِيَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ عَلِيًّا فَقَالَ: إِنِّي وَاللَّهِ مَا أَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْبِسُهَا إِلَّا عَلَيْكَ قَالَ: فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ: لِمَ تَرَى ذٰلِكَ؟ قَالَ: فَوَاللَّهِ مَا أَنَا بِوَاحِدٍ مِنَ الرَّجُلَيْنِ: مَا أَنَا بِصَاحِبِ دُنْيَا يَلْتَمِسُ مَا عِنْدِي، وَقَدْ عَلِمَ مَالِيَ صَفْرَاءُ وَلَا بَيْضَاءُ، وَلَا أَنَا بِالْكَافِرِ الَّذِي يَتَرَفَّقُ بِهَا عَنْ دِينِهِ يَعْنِي يَتَأَلَّفُهُ بِهَا إِنِّي لَأَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ فَقَالَ سَعْدٌ: فَإِنِّي أَعْزِمُ عَلَيْكَ لَتُفَرِّجَنَّهَا عَنِّي، فَإِنَّ فِي ذٰلِكَ فَرَجًا قَالَ: فَأَقُولُ مَاذَا؟ قَالَ: تَقُولُ جِئْتُ خَاطِبًا إِلَى اللَّهِ وَإِلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَانْطَلَقَ عَلِيٌّ فَعَرَضَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ==

== وَهُوَ يُصَلِّي بِنَفْلٍ حُصِرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَأَنَّ لَكَ حَاجَةً يَا عَلِيُّ؟ قَالَ: أَجَلْ، جِئْتُ خَاطِبًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَاطِمَةَ ابْنَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ له النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَرْحَبًا كَلِمَةً ضَعِيفَةً ثُمَّ رَجَعَ عَلِيٌّ إِلَى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فَقَالَ لَهُ: مَا فَعَلْتَ؟ قَالَ: فَعَلْتُ الَّذِي أَمَرْتَنِي بِهِ، فَلَمْ يَزِدْ عَلَى أَنْ رَحَّبَ بِي كَلِمَةً ضَعِيفَةً، فَقَالَ سَعْدٌ: أَنْكَحَكَ وَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ، إِنَّهُ لَا خُلْفَ الْآنَ وَلَا كَذِبَ عِنْدَهُ، عَزَمْتُ عَلَيْكَ لَتَأْتِيَنَّهُ غَدًا فَتَقُولَنَّ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، مَتَى تَبْنِينِي؟ قَالَ عَلِيٌّ: هَذِهِ أَشَدُّ مِنَ الْأُولَى، أَوَلَا أَقُولُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ حَاجَتِي؟ قَالَ: قُلْ كَمَا أَمَرْتُكَ، فَانْطَلَقَ عَلِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى تَبْنِينِي؟ قَالَ: الثَّالِثَةَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ دَعَا بِلَالًا، فَقَالَ: يَا بِلَالُ إِنِّي زَوَّجْتُ ابْنَتِي ابْنَ عَمِّي، وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ يَكُونَ مِنْ سُنَّةِ أُمَّتِي، إِطْعَامُ الطَّعَامِ عِنْدَ النِّكَاحِ، فَأْتِ الْغَنَمَ فَخُذْ شَاةً وَأَرْبَعَةَ أَمْدَادٍ أَوْ خَمْسَةً، فَاجْعَلْ لِي قَصْعَةً لَعَلِّي أَجْمَعُ عَلَيْهَا الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارَ، فَإِذَا فَرَغْتَ مِنْهَا فَآذِنِّي بِهَا، فَانْطَلَقَ فَفَعَلَ مَا أَمَرَهُ، ثُمَّ أَتَاهُ بِقَصْعَةٍ فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَطَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَأْسِهَا، ثُمَّ قَالَ: أَدْخِلْ عَلَيَّ النَّاسَ زَفَّةً زَفَّةً، وَلَا تُغَادِرَنَّ زَفَّةً إِلَى غَيْرِهَا – يَعْنِي إِذَا فَرَغَتْ زَفَّةٌ لَمْ تَعُدْ ثَانِيَةً – فَجَعَلَ النَّاسُ يَرِدُونَ، كُلَّمَا فَرَغَتْ زَفَّةٌ وَرَدَتْ أُخْرَى، حَتَّى فَرَغَ النَّاسُ، ثُمَّ عَمَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَا فَضَلَ مِنْهَا، فَتَفَلَ فِيهِ وَبَارَكَ وَقَالَ: يَا بِلَالُ احْمِلْهَا إِلَى أُمَّهَاتِكَ، وَقُلْ لَهُنَّ: كُلْنَ وَأَطْعِمْنَ مَنْ غَشِيَكُنَّ، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ: إِنِّي قَدْ زَوَّجْتُ ابْنَتِي ابْنَ عَمِّي، وَقَدْ عَلِمْتُنَّ مَنْزِلَتَهَا مِنِّي، وَإِنِّي دَافِعُهَا إِلَيْهِ الْآنَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، فَدُونَكُنَّ ابْنَتَكُنَّ، فَقَامَ النِّسَاءُ فَغَلَّفْنَهَا مِنْ طِيبِهِنَّ وَحُلِيِّهِنَّ، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ، فَلَمَّا رَآهُ النِّسَاءُ ذَهَبْنَ وَبَيْنَهُنَّ وَبَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُتْرَةٌ، وَتَخَلَّفَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ...: عَلَى رِسْلِكِ مَنْ أَنْتِ؟ قَالَتْ: أَنَا الَّذِي حَرَسَ ابْنَتَكَ، فَإِنَّ الْفَتَاةَ لَيْلَةَ يُبْنَى بِهَا لَا بُدَّ لَهَا مِنِ امْرَأَةٍ تَكُونُ قَرِيبًا مِنْهَا، إِنْ عَرَضَتْ لَهَا حَاجَةٌ، وَإِنْ أَرَادَتْ شَيْئًا أَفْضَتْ بِذَلِكَ إِلَيْهَا قَالَ: فَإِنِّي أَسْأَلُ إِلَهِي أَنْ يَحْرُسَكِ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكِ، وَمِنْ خَلْفِكِ، وَعَنْ يَمِينِكِ، وَعَنْ شِمَالِكِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، ثُمَّ صَرَخَ بِفَاطِمَةَ فَأَقْبَلَتْ، فَلَمَّا رَأَتْ عَلِيًّا جَالِسًا إِلَى جَنْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَفِرَتْ وَبَكَتْ، فَأَشْفَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكُونَ بُكَاؤُهَا لِأَنَّ عَلِيًّا لَا مَالَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا يُبْكِيكِ؟ فَمَا أَلَوْتُكِ فِي نَفْسِي، وَقَدْ طَلَبْتُ لَكِ خَيْرَ أَهْلِي، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ زَوَّجْتُكِهِ سَعِيدًا فِي الدُّنْيَا، وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ، فَلَازَمَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ائْتِينِي بِالْمِخْضَبِ فَامْلَئِيهِ مَاءً، فَأَتَتْ أَسْمَاءُ بِالْمِخْضَبِ، فَمَلَأَتْهُ مَاءً، ثُمَّ مَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ وَغَسَلَ فِيهِ قَدَمَيْهِ وَوَجْهَهُ، ثُمَّ دَعَا فَاطِمَةَ فَأَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَضَرَبَ بِهِ عَلَى رَأْسِهَا، وَكَفًّا بَيْنَ ثَدْيَيْهَا، ثُمَّ رَشَّ جِلْدَهُ وَجِلْدَهَا، ثُمَّ الْتَزَمَهَا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّهَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهَا، اللَّهُمَّ كَمَا أَذْهَبْتَ عَنِّي الرِّجْسَ وَطَهَّرْتَنِي فَطَهِّرْهَا، ثُمَّ دَعَا بِمِخْضَبٍ آخَرَ، ثُمَّ دَعَا عَلِيًّا فَصَنَعَ بِهِ كَمَا صَنَعَ بِهَا، وَدَعَا لَهُ كَمَا دَعَا لَهَا، ثُمَّ قَالَ: أَنْ قُومَا إِلَى بَيْتِكُمَا، جَمَعَ اللَّهُ بَيْنَكُمَا، وَبَارَكَ فِي سِرِّكُمَا وَأَصْلَحَ بَالَكُمَا، ثُمَّ قَامَ فَأَغْلَقَ عَلَيْهِمَا بَابَهُ بِيَدِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَأَخْبَرَتْنِي أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ أَنَّهَا رَمَقَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَا فَضَلَ مِنْهَا، فَتَفَلَ فِيهِ وَبَارَكَ وَقَالَ: يَا بِلَالُ احْمِلْهَا إِلَى أُمَّهَاتِكَ، وَقُلْ لَهُنَّ: كُلْنَ وَأَطْعِمْنَ مَنْ غَشِيَكُنَّ، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ: إِنِّي قَدْ زَوَّجْتُ ابْنَتِي ابْنَ عَمِّي، وَقَدْ عَلِمْتُنَّ مَنْزِلَتَهَا مِنِّي، وَإِنِّي دَافِعُهَا إِلَيْهِ الْآنَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، فَدُونَكُنَّ ابْنَتَكُنَّ، فَقَامَ النِّسَاءُ فَغَلَّفْنَهَا مِنْ طِيبِهِنَّ وَحُلِيِّهِنَّ، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ، فَلَمَّا رَآهُ النِّسَاءُ ذَهَبْنَ وَبَيْنَهُنَّ وَبَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُتْرَةٌ، وَتَخَلَّفَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَى رِسْلِكِ مَنْ أَنْتِ؟ قَالَتْ: أَنَا الَّذِي حَرَسَ ابْنَتَكَ، فَإِنَّ الْفَتَاةَ لَيْلَةَ يُبْنَى بِهَا لَا بُدَّ لَهَا مِنِ امْرَأَةٍ ==

شادی کے دعوت نامہ میں والد کے بجائے دوسرے شخص کا نام:

سوال: ایک لڑکے نے اسلام قبول کرلیا ہے، پہلے اس کا نام ستیّا تھا، اب اس کا نام عبدالرحیم ہے، اس لڑکے کی شادی ہوئی تو رقعہ میں والد صاحب کے نام کی جگہ اس کے سیٹھ نے اپنا نام لکھ دیا، کیا یہ درست ہے اور اس طرح نکاح ہو جائے گا؟

(محمد عرفان، پھول باغ)

الجواب

اگر سیٹھ صاحب نے داعی کی حیثیت سے اپنا نام لکھا ہے، نہ کہ والد کی حیثیت سے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگر والد کی حیثیت سے لکھا ہے؛ یعنی عبدالرحیم ولد فلاں تو اس طرح لکھنا درست نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولدیت کے معاملہ میں غلط نسبت کی خصوصی طور پر مذمت فرمائی ہے،(۱) البتہ ایسے مواقع پر ازراہ ''توریہ'' والد کے نام کی جگہ ''عبداللہ'' لکھا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ ہر شخص اللہ کا بندہ ہے اور بعض اوقات ولدیت میں غیر مسلم کا نام دیکھ کر لوگوں کے ذہن میں تحقیر پیدا ہوتی ہے، جب خود اس شخص کا نام درست تھا اور وہ خود بھی محفل عقد اور لوگوں کے دلوں میں متعین تھا تو نکاح درست ہو گیا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۱۵)

== تَكُونُ قَرِيبًا مِنْهَا، إِنْ عَرَضَتْ لَهَا حَاجَةٌ، وَإِنْ أَرَادَتْ شَيْئًا أَفْضَتْ بِذَلِكَ إِلَيْهَا قَالَ: فَإِنِّي أَسْأَلُ إِلَهِي أَنْ يَحْرُسَكِ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكِ، وَمِنْ خَلْفِكِ، وَعَنْ يَمِينِكِ، وَعَنْ شِمَالِكِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، ثُمَّ صَرَخَ بِفَاطِمَةَ فَأَقْبَلَتْ، فَلَمَّا رَأَتْ عَلِيًّا جَالِسًا إِلَى جَنْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَفِرَتْ وَبَكَتْ، فَأَشْفَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكُونَ بُكَاؤُهَا لِأَنَّ عَلِيًّا لَا مَالَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا يُبْكِيكِ؟ فَمَا أَلَوْتُكِ فِي نَفْسِي، وَقَدْ طَلَبْتُ لَكِ خَيْرَ أَهْلِي، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ زَوَّجْتُكِهِ سَعِيدًا فِي الدُّنْيَا، وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ، فَلَازَمَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ائْتِينِي بِالْمِخْضَبِ فَامْلَئِيهِ مَاءً، فَأَتَتْ أَسْمَاءُ بِالْمِخْضَبِ، فَمَلَأَتْهُ مَاءً، ثُمَّ مَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ وَغَسَلَ فِيهِ قَدَمَيْهِ وَوَجْهَهُ، ثُمَّ دَعَا فَاطِمَةَ فَأَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَضَرَبَ بِهِ عَلَى رَأْسِهَا، وَكَفًّا بَيْنَ ثَدْيَيْهَا، ثُمَّ رَشَّ جِلْدَهُ وَجِلْدَهَا، ثُمَّ الْتَزَمَهَا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّهَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهَا، اللَّهُمَّ أَذْهَبْتَ عَنِّي الرِّجْسَ وَطَهَّرْتَنِي فَطَهِّرْهَا، ثُمَّ دَعَا بِمِخْضَبٍ آخَرَ، ثُمَّ دَعَا عَلِيًّا فَصَنَعَ بِهِ كَمَا صَنَعَ بِهَا، وَدَعَا لَهُ كَمَا دَعَا لَهَا، ثُمَّ قَالَ: الْآنَ قُومَا إِلَى بَيْتِكُمَا، جَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَكُمَا، وَبَارَكَ فِي سِرِّكُمَا وَأَصْلَحَ بَالَكُمَا، ثُمَّ قَامَ فَأَغْلَقَ عَلَيْهِمَا بَابَهُ بِيَدِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَأَخْبَرَتْنِي أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ أَنَّهَا رَمَقَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَزَلْ يَدْعُو لَهُمَا خَاصَّةً لَا يُشْرِكُهُمَا فِي دُعَائِهِ أَحَدًا حَتَّى تَوَارَى فِي حُجْرِهِ. (مصنف عبدالرزاق، تزويج فاطمة رضي الله عنها، رقم الحديث: ۹۷۸۲) قال الهيثمي في المجمع: رواه الطبراني وفيه يحي بن العلاء وهو متروك. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب منه في فضلها وتزويجها بعلي رضي الله عنهما: ۹/۲۰۸-۲۰۹، مكتبة القدسي القاهرة، انيس

(۱) ''عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من انتسب إلى غير أبيه أو تولى غير مواليه فعليه لعنة الله و الملائكة و الناس أجمعين''. (سنن ابن ماجة، ص: ۱۸۷، كتاب الحدود)

نیز قرآن مجید میں بھی اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، چناں چہ ارشاد ہے:

﴿ادعوهم لأبائهم هو اقسط عند الله﴾ (سورة الأحزاب: ۵)

شادی کی تقریبات سادہ اور سنت کے مطابق ہونی چاہئیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض دیہاتوں میں شادی کا طریقہ کار یوں ہے کہ پہلے دن شام کو لوگ (اقارب ورشتہ دار) جمع ہوتے ہیں اور بعض چھوٹے بڑے مہندی لگاتے ہیں، دولہا دلہن بھی مہندی لگایا کرتے ہیں، اس کو مہندی کی شام کہتے ہیں، دوسرا دن اصل شادی کا دن ہوتا ہے، دولہا تیار کیا جاتا ہے، پھر دولہا کیساتھ تقریباً ۴۰-۵۰ نفری مل کے دلہن کے گھر جاتے ہیں، وہاں ان کو کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے اور دلہن تیار کی جاتی ہے، سجاوٹ وغیرہ کر کے اس کے بعد دلہن کے ساتھ دلہن کے باپ، چچا، بھائی ودیگر رشتہ دار تقریباً ۳۰-۴۰ نفری ہوتی ہے، دولہا کے ساتھ جو تھے وہ بھی بمع دولہا اور دلہن کے ساتھ، اقارب ورشتہ دار ۳۰-۴۰/ نفری سب مل کر دولہا کے گھر آجاتے ہیں، دلہن اور اقارب کے لیے الگ مکان دیا جاتا ہے، وہاں شام کو ٹھہرتے ہیں، اس رات دولہا دلہن سے نہیں مل سکتا ہے، یہ دو دن تمام شرکا کے لیے کھانے وغیرہ کا انتظام مہندی کی رات سے اب تک کیا جاتا ہے، پھر صبح دلہن کے اقارب دلہن کو چھوڑ کر واپس چلے جاتے ہیں، تین دن کی دعوت کے بعد آنے والی شام کو دولہا دلہن سے مل سکتا ہے۔ کیا شادی کا یہ طریقہ شریعت میں صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں ہے تو کس حد تک قباحت ہے؟ نیز شادی بیاہ کا شرعی طریقہ کار کیا ہے؟ واضح طور پر بیان فرمائیں؛ تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ کے سمجھنے سے قبل یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مومن (مسلمان) کے اعمال عنداللہ اسی وقت مقبول ہوتے ہیں، جب کہ انہیں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق انجام دیا جائے اور شادی بیاہ میں سنت طریقہ سادگی اپنا کر فخر ونمود، بدعات اور رسم ورواج سے بچنا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں مہندی کی رات میں مردوں کا مہندی لگانا ناجائز ہے اور دعوتِ ولیمہ کا رخصتی سے پہلے کرنا بھی خلاف سنت ہے۔ اسی طرح دلہن والوں کا اتنی مقدار میں دولہا کے گھر والوں پر بوجھ بنے رہنا محض رسم ورواج ہے، شریعت کا اس سے کوئی تعلق نہیں، ان امور سے بچنا ضروری ہے۔ شادی بیاہ کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اولاً نکاح کے بعد لڑکی (دلہن) کو رخصت کیا جائے، اس کے بعد دوسرے دن (شبِ زفاف گزرنے کے بعد) ولیمہ کی دعوت کی جائے۔ ولیمہ میں اگر چہ خاص رشتہ داروں، دوست احباب وغیرہ کو بھی مدعو کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اس میں فقرا کو آنے سے منع نہ کیا جائے؛ کیوں کہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور اگر کوئی صاحب حیثیت ہو تو دوسرے اور تیسرے دن بھی ولیمہ کی دعوت کر سکتا ہے، جب کہ ریا کاری اور نمائش مقصود نہ ہو۔

لمافي مشكوة المصابيح (ص:۲۷۷): عن أنس رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم رأى على عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة فقال: ما هذا؟ قال: إنى تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب قال: بارك الله لك أولم ولو بشاة.

وفيه أيضاً (ص: ۲۷۸): وعن عبد الله بن عمر رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه

وسلم قال:إذا دعی أحدکم إلی الولیمة فلیأتها. (متفق علیه)

وعن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی علیه وسلم:شر الطعام طعام الولیمة یدعی لها الأغنیاء ویترک الفقراء ومن ترک الدعوة فقد عصی اللّٰه ورسوله.

وفی إعلاء السنن (۱۱/۱۰): باب استحباب الولیمة وکون وقته بعد الدخول والمنقول من فعل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنها بعد الدخول کانه یشیر الی قصة زینب بنت جحش رضی اللّٰه عنها.

وفیه أیضاً (۱۱/۱۳): باب جواز الولیمة الی أیام ان یکن فخرا، عن أنس رضی اللّٰه عنه قال: تزوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم صفیة، وجعل عتقها صداقها وجعل الولیمة ثلاثة أیام.

وفی الهندیة (۳۴۳/۵): وولیمة العرس سنة وفیها مثوبة عظیمة وهی إذا بنی الرجل بامرأته ینبغی أن یدعو الجیران والأقرباء والأصدقاء ویذبح لهم ویصنع لهم طعاما وإذا اتخذ ینبغی لهم أن یجیبوا فإن لم یفعلوا أثموا، قال علیه السلام: من لم یجب الدعوة فقد عصی اللّٰه ورسوله ... ولابأس بأن یدعو یومئذ من الغد وبعد الغد، ثم ینقطع العرس والولیمة، کذا فی الظهیریة.

وفی الشامیة (۴۲۲/۶):(قوله:خضاب شعره ولحیته) لایدیه ورجلیه فإنه مکروه للتشبه بالنساء. (نجم الفتاویٰ:۳۲۶/۴-۳۲۷)

شادی کی تقریب میں دعوت پر جانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرے عزیز، یا دوست کی لڑکی یا بہن کی شادی ہے، اس میں مجھے انہوں نے کھانے کی دعوت دی ہے، اس شادی میں شرکت کرنا اور کھانا کھانا جائز ہے، یا نہیں؟ یہ فعل خلافِ سنت تو نہیں ہوگا؟

باسمه سبحانه وتعالٰی، الجواب ———————— وباللّٰه التوفیق

آپ کے دوست جنہوں نے آپ کو اپنی لڑکی، یا بہن کی شادی کی تقریب میں مدعو کیا ہے، اگر اس تقریب میں کوئی منکرات نکاح اور معصیت کا کام نہ ہونے کا یقین ہے تو اس میں آپ کا شریک ہونا درست ہے، یہ فعل خلافِ سنت نہ ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تمہیں کسی دعوت میں بلایا جائے تو تم اسے قبول کرو۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۴۷۲)

عن نافع عن عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إئتوا الدعوة إذا دعیتم. (صحیح لمسلم: ۴۶۲/۱)

لو دُعِی إلی دعوة فالواجب أن یجیبه إن لم یکن هناک معصیة ولا بدعة إن لم یجب کان عاصیاً والامتناع أسلم فی زماننا إلا إذا علم یقینا بأنه لیس فیها بدعة ولا معصیة، کذا فی الینابیع. (الفتاویٰ الهندیة: ۳۴۳/۵، الموسوعة الفقهیة: ۲۳۷/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۳/۶/۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

لڑکی والوں کا بارات کو ناشتہ کرانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی کے موقع پر نکاح کرنے کے لیے دولہا کے ساتھ جو آدمی جاتے ہیں، جس کو بارات کہا جاتا ہے، جب دولہا اوراس کے ساتھی دولہن کے گھر پہنچتے ہیں تو دولہا کے اصرار کئے بغیر لڑکی والے اپنے مہمانوں کو اولاً ناشتہ کراتے ہیں، چاہے بارات ایک بجے پہنچے، پھر بعد میں کھانا کھلاتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح کے موقعوں پر بارات کو ناشتہ کرانا کیا از روئے شرع ممنوع ہے، لڑکی والے مہمان نوازی کے طور پر ناشتہ کرائیں، یا لڑکے والے دولہن کے والدین پر ناشتہ اور عمدہ کھانے کی ترغیب دیں، دونوں کا حکم کیا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شادی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے بلا جبر اپنی خوشی سے باراتیوں کو اور مہمانوں کو ناشتہ کرانا فی نفسہ جائز ہے، البتہ اسراف، ناموری اور رسومات سے بچنا ہر حالت میں لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱۵۶/۵)

قال الله تعالیٰ: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ (بنی اسرائیل:۲۷)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه. (صحيح البخاري، الأدب، باب إكرام الضيف: ۹۰۶/۲)

والضيافة من سنن سيد المرسلين وعباد الله الصالحين. (عمدة القاري، الأدب ،باب حق الضيف: ۲۷۰/۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

عن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سمّع سمع الله به، ومن يرائي يرائي به. (متفق عليه)(مشكاة المصابيح،باب الريا والسمعة: ٤٥٤)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤونة. (مشكاة المصابيح، الفصل الثالث: ۲٦۸)

عن غضيف بن الحارث الشمالي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة، فتمسك بسنة خير من أحداث بدعة. (رواه أحمد، كذا في مشكاة المصابيح ،باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱/۱۱/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

لڑکی کی طرف سے دعوت خلافِ سنت ہے، یا نہیں:

سوال: لڑکی والوں کی طرف سے شادی میں دعوتِ ولیمہ سنت ہے، یا نہیں؟ میرے ایک دوست کا خیال ہے کہ ولیمہ لڑکی کی طرف سے بھی سنت ہے اور تائید میں یہ حوالے پیش کرتا ہے:

حوالہ اوّل: حضرت مولانا ادریس کاندھلوی علیہ الرحمہ زرقانی (۲۲۱/۳) کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایجاب وقبول کے بعد ایک گائے ذبح کی اور لوگوں کی بھی دعوت کی گئی۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۲۰۰/۳)

حوالہ دوم: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت ایک بکرا ذبح کر کے مہاجرین وانصار کو دعوت دی تھی اور فرمایا کہ اس طرح کی حدیث مصنف ابن ابی شیبہ (۸۹/۵-۴۸۶) میں مفصل مذکور ہے۔ (کتاب الفتاوی: ۴۱۷/۴)

ان دو حوالوں کے پیش نظر یہ کہنا کہ لڑکی کی طرف سے بھی دعوت ولیمہ سنت ہے کس حد تک درست ہے؟ اور اگر درست نہیں تو خلافِ سنت ہونے کی وجوہات ذکر کر دیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

ولیمہ کھانے کی وہ دعوت ہے جو مرد شبِ زفاف کے بعد کرتا ہے، جیسا کہ خانیہ میں ہے:

''**رجل بنى بامرأة قالوا: ينبغي أن يتخذ وليمة و يدعو الجيران و الأقرباء و الأصدقاء و يصنع لهم طعاما و يذبح لقوله عليه الصلاة و السلام أولم و لو بشاة**''. (الخانية: ٣٦٥/٤)

(فقہاء فرماتے ہیں ایک شخص شب زفاف منائے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ ولیمہ کی دعوت کرے، پڑوسیوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو بلائے اور ان کے لیے کھانا تیار کرے اور جانور ذبح کرے؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، کا ارشاد ہے: ولیمہ کرو اگرچہ بکری ذبح کر کے۔)

ولیمہ صرف لڑکے کی طرف سے سنت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبری اور حضرت فاطمۃ الزہراء کے نکاح کی جو روایات ذکر کیں، ان سے صرف ایسے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے ضیافت کا ثبوت ملتا ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس میں کوئی جبر واکراہ نہ ہو، نیز حضرت فاطمۃ الزہراء کے نکاح کی روایت پر محدثین نے کلام بھی کیا ہے، نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں تلاشِ بسیار کے باوجود ہمیں یہ روایت نہ ملی، البتہ مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت موجود ہے۔ آپ نے جو کتاب الفتاویٰ کا حوالہ نقل کیا ہے، اس جلد کے اسی صفحے پر یہ بات موجود ہے کہ ولیمہ لڑکی کی طرف سے سنت نہیں۔ اقتباس پیش خدمت ہے:

''اصل میں تو نکاح میں مسنون دعوت ولیمہ (وہ) ہے، جو مرد کو کرنی ہے اور جو میاں بیوی کی یکجائی کے بعد ہے؛ لیکن نکاح کے موقع پر بغیر کسی جبر واکراہ کے لڑکی والوں کی طرف سے بھی ضیافت کی گنجائش ہے۔۔۔ پس یہ دعوتِ طعام سنت تو نہیں ہے، نہ عہد صحابہ میں اس کا عمومی رواج تھا؛ اس لیے اس کو رواج دینا بھی مناسب نہیں، البتہ اس کی گنجائش ہے''۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۱۷/۴)

پس آپ کے دوست کا یہ کہنا کہ ''ولیمہ لڑکی کی طرف سے سنت ہے'' درست نہیں۔ (نجم الفتاویٰ: ۴/۵، ۵)

دولہا والوں سے جبراً مٹھائی وغیرہ وصول کرنا:

سوال: کسی جگہ شادی کی رسم یہ ہے کہ دولہا اپنے گھر سے مع برات دلہن کی بستی کی طرف جاتے ہیں، راستہ میں جو کوئی بستیاں واقع ہوتی ہیں، ان کے باشندگان دولہا والوں سے انہیں پکڑ کر مٹھائی وغیرہ لینے کے لیے سخت زور لگاتے ہیں، نہ دینے کی صورت میں پالکی وغیرہ توڑ دینے کی دھمکیاں دیتے ہیں، ودلہا والے مارے شرم کے مجبوراً باشندگان کو مٹھائی وغیرہ دے کر چھٹکارا حاصل کرتے ہیں۔

ان باشندگان کا کہنا ہے کہ دولہا والوں سے اس قسم کی مٹھائی وغیرہ لینا ہمارا ملکی رسم ورواج ہے، خدا خدا کر کے دولہا والے جب دلہن کے مکان پر پہونچتے ہیں تو دلہن والے آ کر انہیں گھیر لیتے ہیں اور اپنے حسبِ عادت ان سے مٹھائی وغیرہ لینے کا سخت مطالبہ کرتے ہیں، نہ دینے کی صورت میں دلہن کے مکان میں جانے سے روک لیتے ہیں۔

دلہن والوں کی دوسری اور ایک عادت ہے کہ قبل عقد دولہا والوں سے اپنے پبلک فنڈ کے لئے کچھ معین نقود کا مطالبہ کرتے ہیں، مگر اس میں عدمِ ادائیگی کی صورت میں عقدِ نکاح نہ کرنے کا خوف دلاتے ہیں، دولہا والے مجبوراً مطلوبہ روپیہ دیتے ہیں، مگر اس میں سے نصف روپیہ پبلک فنڈ میں رکھ کر باقی روپیوں کی مٹھائی خریدتے ہیں، اور اگر کوئی دیندار آدمی بستی والوں اور دلہن والوں سے یہ کہے کہ اس قسم کی مٹھائی اور روپیہ شرعاً جائز نہیں ہے تو یہ لوگ نہایت بےباکانہ جواب دیتے ہیں کہ ایسا لینا ہماری قدیم رسوم میں سے ہے، ہم ضروری اس کی پابندی کریں گے، اگر چہ اس کا ارتکاب حرام ہی کیوں نہ ہو۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دولہا والوں کا مجبوراً ایسا دینا اور بستی والوں کا ایسا لینا اور ملکی رسم ورواج کی اس قدر سختی سے پابندی کرنا کہ ارتکابِ حرام کی پرواہ بھی نہ ہو۔ شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہ رسم اور نقد و مٹھائی وغیرہ لینا اور جبر کرنا شرعاً ممنوع ہے اور ناجائز ہے۔

"لا يحل مال امرئى مسلم إلا بطيب نفس منه". (الحديث)(۱)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى، آه". (البحر: ٤٤/٥)(۲)

"أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة، آه". (الدر المختار: ٥٠٣/٢)(۳)

---

(۱) "عن أبى حرة الرقاضى عن عمه، قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرى إلا بطيب نفس منه". (رواه البيهقى فى شعب الإيمان والدار قطنى فى المجتبى) (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى، ص: ٢٥٥، قديمى

(۲) البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فى التعزير: ٦٨/٥، رشيديه

(۳) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، قبيل مطلب فى دعوى الأب أن الجهاز عارية: ١٥٦/٣، سعيد

شرعی حکم کے مقابلہ میں رسم کی پابندی کرنا اور شرعی حکم کو نہ ماننا سخت گناہ ہے؛ بلکہ یہ مقابلہ بہت خطرناک ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ربیع الثانی/۱۳۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ربیع الثانی/۱۳۶۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۳۷)

عقدنکاح میں بارات باجہ کے ساتھ چڑھانا جائز نہیں:

سوال(۱) عقدنکاح میں برات باجہ وغیرہ کے ساتھ چڑھانا اور سہرا وغیرہ زیب کرنا اور مقنع ڈالنا اور ناچ رنگ کرانا جائز ہے، یا نہیں؟

شوہر مہر کی جس رقم کو ادا نہیں کرسکتا اسے مقرر کرنا کیسا ہے:

(۲) بروقت نکاح نوشاہ کی ہستی سے زیادہ کہ جس رقم کو کسی ال میں بھی ادا نہیں کرسکتا، اس سے زبردستی تسلیم کرانا اور جب دلہن گزر جائے تو دولہا سے اور دولہا گزر جائے تو اس کے وارثوں سے اس کثیر رقم کو جو وہ ادا نہیں کرسکتے، جھوٹے الزام لگا کر اور فوجداری مقدمہ چلا کر اور ہر ایک ناجائز طریقہ سے جبراً وصول کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

والدین بے شرائط کی وجہ سے لڑکیوں کی شادی نہ کریں تو وبال کس پر ہوگا:

(۳) شادی کے وقت یہ بھی رسم ہے کہ لڑکی والے جب تک چڑھاوا زیور طلائی ونقرئی وغیرہ اور جوڑا وغیرہ لڑکے والوں سے نہ چڑھوالیں جس میں رقم کثیر خرچ ہوتی ہے جو غریب نہیں خرچ کرسکتا اور غریب ہر قوم میں زیادہ ہوتے ہیں اس وجہ سے لڑکیاں عمر میں حد سے گزر جاتی ہیں اور ان کی شادی ان کے ماں باپ نہیں کرتے، اس کا عذاب کس کے ذمہ ہے؟

شادی قرار پانے کے وقت لڑکی والوں کا پیسہ وصول کرنا ناجائز ہے:

(۴) اکثر دیہات میں اور خاص کر ہماری برادری میں یہ چلن ہے کہ اگر ان کی لڑکی کی شادی کہیں قرار پاتی ہے تو لڑکی پر سو روپے یا دوسو یا ہزار جتنے جس کا دل چاہے لے لیتا ہے، جب وداع کرتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) نکاح، یا اور کسی تقریب کے موقع پر باجہ وغیرہ بجوانا، سہرا باندھنا، ناچ رنگ کرانا ناجائز ہے، (۱) سنت کے

(۱) وفی السراج: ودلت المسئلة أن الملاهی كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم لانكار المنكر، قال ابن مسعود رضی الله عنه: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق فی القلب كما ينبت الماء النبات. قلت: وفی البزازية: استماع موت الملاهی كضرب قصب ونحوه حرام، لقوله عليه الصلاة والسلام: استماع الملاهی معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ٣٤٨/٦، سعيد)

خلاف جو کام کیا جاتا ہے، اس میں خدا کی مدد شامل نہیں ہوتی اور برکت زائل ہو جاتی ہے، مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ ہر موقع پر شادی ہو، یا غمی جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر پر عمل کریں اور اسی کو اپنے لیے وسیلۂ نجات سمجھیں۔

(۲) مہر دولہا کی حیثیت کے موافق باندھنا چاہیے،(۱) محض نام ونمود کے لیے بڑے بڑے مہر باندھنا بُری بات ہے۔(۲)

(۳) چڑھاوا بھی حیثیت کے موافق لینا چاہیے اور بڑے بڑے چڑھاوے نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کو زیادہ عمر تک بٹھائے رکھنا گناہ کی بات ہے۔(۳)

(۴) مہر اور چڑھاوے کے علاوہ دلہن والے جو سو دوسو روپے دولہا سے لے لیتے ہیں، جب لڑکی دیتے ہیں، یہ رشوت ہے اور حرام ہے، لینا اور کھانا اس کا قطعاً ناجائز ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۷/۵-۱۳۸)

شادی کی رسم:

سوال: ضلع اٹک کے دیہات کے مسلمانوں میں بوقتِ شادی رسوماتِ ذیل ہوتی ہیں:

نکاح سے ایک روز پہلے برادری کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور دولہا کے دائیں ہاتھ میں چاندی کا ایک کڑا پہنایا جاتا ہے اور اس ہاتھ میں ایک رنگین ڈورا بھی باندھا جاتا ہے، جس کو وہ ''گانا'' کہتے ہیں، اس میں ایک چھلہ لوہے کا پڑا ہوتا ہے، پھر میراثی گانا شروع کرتے ہیں، اس کے گانے کے ساتھ برادری کی عورتیں ناچتی ہیں اور برابر ڈھولکی وغیرہ بجتی رہتی ہے، پھر شام کو دولہا اور برادری کے مرد اور عورتیں ان کے آگے میراثی ہوتے ہیں، یہ لوگ گاتے ہوئے گاؤں کا چکر لگاتے ہیں، اس کو وہ لوگ ''چانولہ'' کہتے ہیں، اس کے بعد واپس جا کر دلہن کو مرد اور عورتیں مہندی لگاتے ہیں، پھر صبح نکاح کیا جاتا ہے، لہذا علمائے کرام سے دریافت کیا جاتا ہے کہ یہ رسوم شرعاً درست ہے، یا نہیں؟ ان عورتوں کے مرد دیوث ہیں، یا نہیں؟

---

(۱) عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إن اعظم النکاح برکة أیسره مؤونة. (شعب الایمان للبیهقی، کتاب النکاح، باب الاقتصاد فی النفقة: ٥/٢٥٤، رقم: ٦٥٦٦، دار احیاء تراث العربی بیروت)

(۲) عن أبی سعید قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من یرائی یرائی اللّٰه به ومن یسمع یسمع به. (جامع الترمذی، باب ما جاء فی الریاء والسمعة: ٦٣/٢، سعید)

(۳) عن أبی سعید وابن عباس قالا: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من ولد له ولد فلیحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فلیزوجه، فإن بلغ ولم یزوجه فأصاب اثما فإنما اسمه علی أبیه. (شعب الایمان للبیهقی، حقوق الأولاد والأهلین، رقم الحدیث: ٦٢٩٩، انیس)

(۴) أخذ أهل المرأة شیئًا عند التسلیم فللزوج أن یسترده، لأنه رشوة، الخ. (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر: ١٥٦/٣، سعید)

کیا وہاں کے علمائے کرام کا فرض نہیں ہے کہ ان رسوم کے چھڑانے میں کوشش کریں؟ ونیز کیا علماء کوحق ہے کہ ان رسوم میں ان کے ساتھ شریک رہیں، ونیز کیا علماء کا فرض نہیں کہ ایسی منہیات سے روکیں؟ اگر وہ باز نہ آویں تو کیا علماء کو جائز ہے کہ ان کا نکاح نہ پڑھاویں اور نہ ان کی دعوت میں شریک ہوں، چناں چہ ایک مرتبہ ایک عالم کے سمجھانے پر سب نے ان بدعات سے بچنے پر عہد و پیمان کیا اور یہ طے پایا کہ جو شخص ان محرمات کا مرتکب ہوا، امام اس کی دعوت قبول نہ کرے اور نہ نکاح پڑھاوے؛ لیکن امام صاحب جو اس عہد و پیمان میں شریک ہیں، بعد میں انہوں نے عہد شکنی کی اور ایسے شخص کے یہاں نکاح بھی پڑھایا اور دعوت بھی کھائی، لہذا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے، یا نہیں؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہ رسوم خلافِ شرع اور نا جائز ہیں، مرد کو چاندی کا زیور پہننا حرام ہے، (۱) ڈھولکی بجا کر اس طرح گانا، ناچنا، (۲) اور گاؤں کا طواف کرنا، عورتوں کا نامحرموں کے ساتھ آنا سب بے حیائی اور جہالت کی رسمیں ہیں، ان کو مٹانے کی کوشش ہر شخص کے ذمہ ہے، حسب حیثیت لازم ہے، خاص کر علما کے ذمہ یہ فریضہ زیادہ ہے، جس مجلس میں رسومِ مذکورہ ہوتی ہیں اس میں شرکت ممنوع ہے، خاص کر ائمہ اور علماء کو بہت زیادہ ایسی مجلس کی شرکت سے اجتناب لازم ہے۔ (۳) خاص کر جب کہ وہاں کے عوام کو علما کے ساتھ اس قدر تعلق ہو کہ ان کہنے سے اصلاح کی بہت زیادہ توقع ہے تو ان کو ہرگز ایسی مجالس میں شریک نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ نکاح پڑھنے اور شریک ہونے کے لیے اولاً شرط کر لی جائے کہ ان رسوم کو ترک کر کے توبہ کرو اور شریعت کے مطابق شادی کرو تو ہم شریک ہوں گے، ورنہ نہیں، جو شخص اس

---

(۱) "ولا يتحلى الرجل بذهب وفضة مطلقاً". (الدر المختار) "أي لا يتزين ... سواء كان في حرب أو غيره". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ٦/ ٣٥٨-٣٥٩، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع". (رواه البيهقي في شعب الإيمان) (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، قبيل باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، ص: ٤١١، قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ تحته: قال النووي في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه وسماعه مكروه وإن كان سماعه من الأجنبية، كان أشد كراهة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث: ٨/ ٥٥٧، رقم الحديث: ٤٨١٠، رشيديه)

"وكره كل لهو". (الدر المختار)

وقال ابن عابدين: "والإطلاق شامل لنفسي الفعل و استماعه، كالرقص والسخرية والتصفيق ... فإنها كلها مكروهة، لأنها زي الكفار". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/ ٣٩٥، سعيد)

(۳) من دعي إلى وليمة، فوجد ثمة لعباً أو غناءً ... إذا كان (مقتدى به) ولم يقدر على منعهم، فإنه يخرج ولا يقعد، ولو كان ذلك على المائدة، لا ينبغي أن يقعد وإن لم يكن مقتدى به، وهذا كله بعد الحضور، وأما إذا علم قبل الحضور فلا يحضر. (الفتاوىٰ العالمگيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني في الهدايا والضيافات: ٥/ ٣٤٣، رشيديه)

قسم کا عہد کر کے بلا کسی مجبوری کے عہد شکنی کرے وہ گناہ گار ہے، اس کو توبہ لازم ہے،(۱) ایسے رسوم کے پابند عوام کی نماز ایسے عہد شکن امام کے پیچھے درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۱۹۸)

شادی کی رسوم:

سوال: ہمارے یہاں شادیوں میں بارات کا طریقہ ہے، جو گھوڑا جوڑا توڑا سہرا گولا، فوٹو کشی وغیرہ کرتے ہوئے لڑکی والوں کے یہاں جاتے ہیں اور اعلانِ نکاح گولا باریوں سے ہوتا ہے۔ سہرا بھی لفظ ''سہرا'' کی صراحت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ دولہا اپنے چند دوستوں کو لڑکی کے گھر لے جاتا ہے، نامحرموں سے ہنسی مذاق وغیرہ کیا کیا ہوتا ہے، سہیلیاں رومال آئینہ وغیرہ دیتی ہیں۔ جہیز بھی ایک نمائش، اظہار مالداری، غریب لڑکیوں کی دل آزاری ہی دے دیا جاتا ہے۔

لڑکی والے کے یہاں شادی کے موقع پر اکثر جہیز لے کر آتے ہیں، تب ہی دکھاتے ہیں۔ جہیز کپڑا، غلہ یا پیسے کی شکل میں ہوتا ہے، جو صورۃً تعاون حقیقۃً قرضہ ہوتا ہے، جو دینے والے کو اس کی بیٹی کی شادی کے موقع پر وصول ہو جاتا ہے۔ ایسی شکل میں بارات جانے اور لڑکی والوں کے یہاں شادی کے موقع پر کھانا کھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نکاح ایک شرعی حکم ہے، جس کو ادائے سنت کے لیے ماثور طریقہ پر کرنا چاہیے اور جو کچھ آپ نے سوال کیا ہے، یہ مجموعہ خرافات وغلط رسومات اس قابل نہیں کہ اس کو اختیار کیا جائے، ایسی بارات میں شامل ہونا بھی غلط ہے، اس سے پورا پرہیز کیا جائے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۶ ۱۴۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۱۹۹)

شادی کی بعض رسوم:

سوال(۱) استفتاء ہماری برادری میں حسب تفصیل امور پنچایت محلّہ پلکھن تلہ سہارنپور نے اس تقریب میں

---

(۱) " عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:"آية المنافق ثلاث : إذا حدث كذب،وإذا وعد أخلف،وإذا ؤتمن خان".

وعن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها:إذا اؤ تمن خان،وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر وإذا خاصم فجر.(الحديث)(صحيح البخاري،كتاب الإيمان،باب علامة المنافق:١/١٠،قديمي)

(۲) ﴿وأن هذا صراطي مستقيماً ،فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله﴾(سورة الأنعام:١٣٤ـ١٣٥)

قال العلامة الآلوسي تحتها:إشارة إلى شرعه عليه الصلاة والسلام :ولا تتبعواالسبل:أي الضلال ... وأخرج ابن المنذر وعبد بن حميد وغيرهما أنها البدع والشبهات.(روح المعاني:٥٦/٨ـ ٥٧، دار احياء التراث العربي بيروت)

بجائے مکانیہ کھانا کھلانے کے بوڑھے، بچہ، مرد، عورت کا کھانا بطور ہبہ کے ہر شخص کے مکان پر پہنچادے اور کھانے کی رکابی میں کھانا، چاول، پلاؤ وغیرہ فی کس ڈیڑھ سیر پختہ وزن گھی سے کم نہ ہو اور یہ بھی قرار دیا کہ اہل شادی کو لازم ہوگا کہ اگر کھانا پلاؤ کا ہوگا تو پلاؤ میں فی دیگ ڈھائی سیر پختہ گھی اور زردہ میں پانچ سیر گھی، دال میں سوا سیر پختہ گھی، شوربہ میں سوا سیر سے کم نہ ہوگا، یہ امر ضروری ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جس شخص کے یہاں اہل شادی کھانا پہنچائے گا، اس شخص کو لازم ہوگا کہ وہ اہل شادی کے یہاں نوتہ ضرور دے، اس وجہ سے اہل شادی نے قرضہ لے کر کھانا تقسیم کیا ہو تو وہ نوتہ لے کر اپنا قرض ادا کردے۔

(۲)　ہر شخص اہل برادری کو لڑکا، یا لڑکی کی شادی کرنے سے پہلے بھاجی کا ایک مرتبہ کرنا لازمی ہے، بھاجی کا طریقہ یہ ہے کہ فی کس مرد، عورت، بچہ، بوڑھا کے لیے وزنی آدھ سیر پختہ چاول خام اور آدھ پاؤ پختہ دال خام دینی ہوگی۔ اگر پکے ہوئے کھانے کی تقسیم کرے گا تو مطابق سوال نمبر (۱) کے کھانا دینا ہوگا۔

(۳)　ایک رسم بری کی ہے، جو لڑکے والے کی طرف سے لڑکی کے یہاں دی جاتی ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

سہاگ پوڑہ	کھانڈ پونڈ	ہندی	ڈوری	کھیلیں	میوہ	کنگھی	سرمہ دانی	شکر	بڑے پان	عطر	جوڑہ کپڑے
ایک	ایک	۱/ماء	۲/ماء	۵/ماء	۵/ماء	ایک	ایک	۲۵/پختہ	۱۰۰/عدد	ایک شیشی	۱۱/عدد

میں نے بوجہ جنگ وجدال بروقت پنچایت ان امور مندرجہ بالا میں کچھ دخل نہیں دیا، جب کہ ان امور کا ایک شادی میں اجرائے دستور مقررہ ہو تو میں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا تو مجھ کو اہلِ برادری نے علاحدہ کردیا اور میری ایذا رسانی کے درپے ہیں تو شرعاً جملہ برادری کا ان امور کو لازمی قرار دینا کیسا ہے اور میرا ان امور پر عمل نہ کرنا کیسا ہے؟ فقط

(مستاق احمد خان، اسسٹنٹ سپرنڈنٹ ٹیکہ، ضلع سہارنپور)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

امور مذکورہ کی پابندی شرعاً کسی پر واجب نہیں، جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے، اس میں برادری، یا کسی اور کی اطاعت جائز نہیں۔

”لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“.(۱)

---

(۱)　فیض القدیر: ۶۴۸۶/۱۲،رقم الحدیث : ۹۹۰۳،مکتبہ نزار مصطفی الباز ، مکة مکرمة

وعن النواس بن سمعان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم:”لا طاعة لمخلوق“.(الحدیث رواہ فی شرح السنة)(مشکاة المصابیح ،کتاب الإمارة والقضاء،الفصل الثانی،ص:۳۲۱، قدیمی)

قال الملا علی القاری رحمہ اللّٰہ تعالیٰ تحت الحدیث:”وقال محمد بن الحسن: لا یسع المأمور أن یفعلہ حتی یکون الذی أمرہ عدلاً ،وحتی یشهد عدل سواہ علی أن علی المأمور ذلک ...　==

یہ امور بدعت ناجائز اور گناہ ہیں، (۱) ان پر اصرار گناہ ہے، (۲) ایسی دعوت کا کھانا کسی طرح جائز نہیں۔

”لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كذا في البحر“. (عالمگیری) (۳)

جو شخص برادری کے اس قانون کو توڑے گا، وہ اجر کا مستحق ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۱۳۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۱/۱۱)

شادی میں بھات:

سوال: ہندوستان میں بھانجی کو بھات دیا جاتا ہے؛ یعنی شادی کے موقعہ پر سامان ماموں اپنی ہمت کے موافق بھانجی کو دیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ اگر یہ جائز نہیں تو کون سی صورت بھانجی کو اشیا دینے کی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

بھانجی وغیرہ کے ساتھ صلہ رحمی کرنا مباح؛ بلکہ مستحسن ہے؛ لیکن جس طرح پر ہندوستان میں بھات دینے کا رواج ہے، وہ محض ہندوانہ رسم ہے، (۴) اور نمائش ہے، جو اصل مقصود یعنی صلہ رحمی ہے، اس کا ذہن میں تصور تک نہیں آتا؛ بلکہ نام و نمود کی امید اور خلقت کی طعن و تشنیع اور برادری میں ناک کٹنے کے خوف سے دیا جاتا ہے، اگر پاس موجود نہ ہو تو قرض لے کر دیا جاتا ہے اور بسا اوقات قرض لے کر ہی دیا جاتا ہے، جو کسی طرح درست نہیں۔

== عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: دعائي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ... قال: فقال: على كرم الله تعالىٰ وجهه ... ولكني أعمل بكتاب الله وسنة رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ما استطعت له، فما أمرتكم من طاعة الله، فحق عليكم طاعتي فيما أحببتم أو كرهتم، وما أمرتكم بمعصية الله أنا أو غيري، فلا طاعة لأحد في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف“. حديث حسن رواه الحاكم في صحيحه وقال: صحيح الإسناد ولم يخرجاه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني: ٢٧٤/٧، رشيديه)

(۱) وعن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ” من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد“. (مشكاة المصابيح، كتاب الأيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ٢٧، قديمي)

(۲) کسی مندوب، یا مستحب کام پر اصرار اور اس کو لازم سمجھنے سے کراہت کی حد تک پہنچ جاتی ہے، چہ جائے کہ کوئی کام سرے سے ثابت ہی نہ ہو۔ ”الإصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع“. (السعاية، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ٢٦٥/٢، سهيل اكادمي لاهور)

(۳) الفتاى العالمگيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ١٦٧/٢، رشيديه

(۴) ”عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”من تشبه بقوم، فهو منهم“. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ٥٩/٢، مكتبة دار الحديث ملتان)

قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار، ولما كان الشعار أظهر في الشبه، ذكر في هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ١٥٥/٨، رقم الحديث: ٤٣٤٧، رشيديه)

اگر امورِ مذکورنہ ہوں؛ بلکہ محض صلہ رحمی کی نیت سے کوئی شخص دے، تب بھی چوں کہ عام رواج پڑ چکا ہے؛ اس لیے اس طرز پرنہیں دینا چاہیے؛ بلکہ شادی سے پہلے، یا کسی دوسرے وقت ضرورت کا احساس کرتے ہوئے جس شئے کی ضرورت ہو، نقد یا جنس غلہ وغیرہ، بلا ریا کاری اور بلا کسی کو اطلاع کئے ہوئے دے دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷؍۴؍۱۳۵۴ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲؍ربیع الاول ۱۳۵۴۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۹/۱۱)

شادی وغیرہ میں رسوم مروجہ:

السوال: الرسوم المروجة فى النكاح والعقيقة وسائر الأفراح مخالفة المأثور عن السلف الصالحين المختلفة باختلاف عادات الناس كلها باطلة، يجب قلعها وقمعها وردها إلى ماهو المتوارث عن السلف؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

البدعات والرسوم الغير الثابتة التى يلتزم منعها مثل العبادات باطلة، يجب ردها وقلعها، سواء كانت متعلقة بالعبادات أم بالمعاملات والمعاشرات وغيرها.(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۲/۱۱)

شادی میں دلہن کے لیے سرخ جوڑا:

سوال: بعض جگہوں کا دستور ہے کہ شادی میں شوہر کی طرف سے دلہن کے لیے سرخ رنگ کا پورا جوڑا یعنی دوپٹہ، پائجامہ، قمیص سب سرخ رنگ ہی کا ہوتا، جس دن شادی ہوتی ہے تو عورت کو وہی کپڑا پہنایا جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں افضل یہی ہے کہ دوسرا؟ جو افضل ہو اس کو تحریر فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

یہ دستور التزام مالا یلزم ہے، افضلیت کی تصریح نہیں دیکھی۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ دارالعلوم دیوبند، ۲۴؍۱۲؍۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۳/۱۱)

---

(۱) وفيه أن من أصر على أمر ندوب وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح، باب الدعاء فى التشهد، الفصل الأول: ۳۱/۳، رقم الحديث: ۹۴۶، رشيديه)

الإصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التى لا أصل لها فى الشرع. (السعاية، باب صفة الصلاة، قبيل فصل فى القرأة: ۲۶۵/۲، سهيل اكادمى لاهور)

(۲) "نعم الجهر المفرط ممنوع شرعاً... أو التزم كا لتزام الملتزمات، فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً". (سباحة الفكر فى الجهربالذكر: ۳۴/۳، إدارة القرآن كراتشى)

شادی میں اشعار، باجہ، دف:

سوال: شادی اور خوشی کے موقع پر دف کے ساتھ مستورات کچھ شعر واشعار گا سکتی ہیں، یا نہیں؟ اور بارات کے موقع پر انگریزی باجہ، یا دھپڑے، یا تاشے وغیرہ میں سے کوئی باجہ بجوا سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ان میں سے اعلانِ نکاح کے لیے صرف دف بجانا جائز ہے،(۱) اور کوئی چیز جائز نہیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ جمادی الاولی/ ۱۳۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ جمادی الاولی/ ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۹/۱۱)

بارات میں ڈھول:

سوال: ہمارے گاؤں میں شادی وغیرہ کی تقاریب پر ڈھول بجانا منع قرار دیا گیا ہے اور سب بزرگانِ گاؤں ڈھول بجانے کے خلاف ہیں؛ مگر ایک آدمی کے بھائی کی شادی تھی اور اس آدمی نے دعوت والے دن ڈھول نہیں بجایا اور جب بارات دلہن لانے کے لیے روانہ ہوئی تو صاحب خانہ نے ڈھول ناچ وغیرہ شروع کرایا اور دلہن واپس لانے تک جاری رکھا۔ ایسی صورت میں صاحب خانہ اور ان لوگوں کے لیے جو شامل بارات ہوئے تحت شریعت کیا جرم لازم ہے؟ اگر کوئی مولوی اس بارات میں شامل ہو، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جس شخص نے ڈھول اور ناچ وغیرہ کرایا، اس نے گناہ کیا، برادری کے قانون کو بھی توڑا اور شریعت کے قانون کو بھی توڑا اور جس نے اس کا ساتھ دیا، وہ بھی گناہ میں مددگار ہوا، سب کو اپنی غلطی کا اقرار اور توبہ لازم ہے، ورنہ ایسا شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو اپنی تقریبات میں شریک نہ کیا جائے، نہ اس کی تقریبات میں شرکت کی جائے،(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۲۰/۱۱)

---

(۱) جواز ضرب الدف فيه خاص بالنساء لما في البحر عن المعراج بعد ذكره: أنه مباح في النكاح، وما في معناه من حادث السرور، قال: وهو مكروه للرجل على كل حال للتشبه بالنساء. (ردالمحتار، كتاب الشهادة، باب القبول وعدمه: ٤٨٢/٥، سعيد)

(۲) "ومغنية ولو نفسها، لحرمة رفع صوتها". (الدر المختار، كتاب الشهادة، باب القبول وعدمه: ٤٧٩/٥، سعيد)

وفي المضمرات: الغناء حرام في جميع الأديان. (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الأجارة الفاسدة: ٣٦/٨، رشيديه)

وفي السراج: ودلت المسئلة أن الملاهي كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذ نهم لإنكار المنكر، قال ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس: ٣٤٨/٦، سعيد)

(۳) تقدم تخريجه تحت عنوان "شادی میں اشعار، باجہ، دف"۔ وعنوان "شادی کی رسوم"

شادی میں گانا بجانا:

سوال: شادی میں گانا بجانا اور دف کا بجانا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت:قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"أعلنوا هذا النكاح ،واجعلوا فى المساجد ،واضربوا عليه ،بالدفوف". (رواه الترمذى)(مشكاة،ص:٢٧٢)(١)

"يا عائشة ! ألا تغنين ،فإن هذا الحى من الأنصار يحبون الغناء". (مشكاة،ص:٢٧٢)(٢) بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

چھوٹی بچیاں خوشی کے وقت کچھ گیت گایا کرتی تھیں، جو کہ قواعدِ موسیقی کے طور پر نہیں ہوتے تھے، ان میں کوئی فتنہ بھی نہیں ہوتا تھا اور ان کا مضمون بھی خراب نہیں ہوتا تھا اور جو مضمون خراب ہوتا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو منع فرمادیتے تھے جیسا کہ "وفينا نبى يعلم ما فى غد" کو منع فرمادیا تھا۔ (كذا فى شرح البخارى)(٣)

اس قسم کے گیت کی اب بھی اجازت ہے، (٤) بایں ہمہ اس کو آپ نے شیطان کا اثر بھی فرمایا، (٥) فقہاء کی جزئیات ممانعت میں مصرح ہیں، لہذا متعارف گانا بجانا قطعاً ناجائز ہے۔

"فى النهاية:التغنى والتصفيق والربط والدف وما يشبه ذلك كله حرام ومعصية،روى

---

(١) مشكاة المصابيح ،كتاب النكاح،باب أعلان النكاح،الفصل الثانى،ص:٢٧٢،قديمى

(٢) عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كانت عندى جارية من الأ نصار، زوجتها ،فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"ياعائشة"...الحديث. (مشكاة المصابيح،المصدر السابق)

(٣) "قالت الربيع بنت معوذ بن عفراء رضى الله تعالىٰ عنها : جاء النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،فدخل حين بنى على ، فجلس على فراشي كمجلسك منى،فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف ، ويندبن من قتل من آبائى يوم بدر إذ قالت إحداهن:وفينا نبى يعلم ما فى غد،فقال:دعى هذه،وقولى بالذى كنت تقولين". (صحيح البخارى،كتاب النكاح،ضرب الدف فى النكاح والولمية:٧٧٣/٢،قديمى)

قال العلامة اليعنى تحته: "قوله :(إذ قالت إحد اهن)... قوله : قال:"دعى":أى قال النبى صلى الله عليه وسلم لتلك الجارية التى قالت: وفينا نبى يعلم ما فى غد:"دعى":أتركى هذا القول؛لأن مفاتيح الغيب عند الله تعالىٰ لا يعلمها إلا هو،قوله:"وقولى بالذى كنت تقولين"يعنى اشتغلى بالأ شعار التى تتعلق بالمغازى والشجاعة ونحوها". (عمدة القارى،كتاب النكاح،باب ضرب الدف فى النكاح والوليمة: ١٣٥/٢٠،إدارة الطباعة المنيرية،بيروت)

(٤) "المراد الترغيب على إعلان أمر النكاح بحيث لا يخفى على الأباعد،فالسنة إعلان النكاح بضرب الدف،وأصوات الحاضرين بالتهنئة أو النغمة فى إنشاد الشعر المباح". (مرقاة المفاتيح،كتاب النكاح، باب إعلان النكاح:٣١٤/٦،رشيديه)

(٥) وعنه (أبى هريرة رضى الله عنه) أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:الجرس مزامير الشيطان. (مشكاة المصابيح،كتاب الجهاد ،باب آداب السفر،ص:٣٣٨،قديمى)

الطبرانی عن عمر الفاروق رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ، عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: "ثمن القینة سحت، وغناء ھا حرام، والنظر إلیھا حرام، وثمنھا ثمن الکلب، وثمن الکلب سحت، وإن نبت لحمه علی السحت، فالنار أولی به". (۱)

دف کی اجازت اعلان کے لیے دی گئی ہے، بشرطیکہ ہیئۃ الطرب پر نہ ہو اور بغیر جلاجل کے ہو۔ (کما فی ردالمحتار) (۲) اور جب اعلان بغر دف کے ہو جائے تو پھر دف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳ر جمادی الثانیۃ ۱۳۶۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۲۳)

نکاح میں تاشے بجانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ شادی کی تقریب پر تاشوں کا بجوانا کیسا ہے؟ تحفۃ المشتاق میں جواز لکھا ہے اور تحفۃ الزوجین میں عدم جواز کے متعلق درج ہے، ایک مرتبہ یہاں پر حضرت مولانا مولوی شیخ حسین صاحب عرف انصاری بھوپال سے تشریف فرما ہوئے تھے، اس موقعہ پر تاشے پیش کر کے دریافت کیا گیا تھا تو جواز ہی کا حکم فرمایا تھا، آپ اس کے متعلق کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ چوں کہ میرے نزدیک خصوصاً اور یہاں کے لوگوں کے نزدیک عموماً آپ کا فتویٰ معتبر ہے، فلھذا اس کے متعلق جواب شافی تحریر فرمادیں۔

الجواب

چوں کہ مجھ کو کبھی اہتمام کے ساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کا اتفاق نہ ہوا تھا؛ اس لیے بنا بر قول مشہور مذکور علی لسان الجمہور یہ سمجھا تھا کہ شادی میں دف بجانا جائز ہے، دوسرے باجے ناجائز؛ مگر تھوڑا زمانہ ہوا کہ ایک مضمون جو ضمیمہ اخبار امرتسر ۵ر نومبر ۱۹۱۹ء میں بعنوان "باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ" شائع ہوا ہے، نظر سے گزرا، تب سے متعارف ضرب دف کے جواز میں بھی شبہ ہو گیا اور احتیاطاً ترک اور منع کا عزم کر لیا، افادۂ عامہ کے لیے اس کی نقل کی جاتی ہے، وہو ہذا:

باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ:

کس قدر افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ حضور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام تو فرمائیں کہ خدا نے مجھے ہدایت کے

---

(۱) لم أطلع علی ھذہ العبارۃ، قال ابن عابدین: "(وکرہ کل لھو) ...واستماعه کالرقص والسخریة والتصفیق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنھا کلھا مکروھة، لأنھا زی الکفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغیرہ ذلک حرام، وإن سمع بغتة یکون معذوراً، ویجب أن یجتھد أن لا یسمع". (رد المحتار، کتاب الحظر والأباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۹۵، سعید)

(۲) "وعن الحسن: لا بأس بالدف فی العرس لیشتھر: وفی السراجیة: ھذا إذا لم یکن له جلاجل، ولم یضرب علی ھیئة التطرب، آہ". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی اللبس: ۶/۳۵۰، سعید)

واسطے رسول بنایا اور حکم دیا کہ تمام جہاں سے راگ راجہ باجہ مٹادوں۔ (رواہ ابوداؤد الطیالسی واللفظ لہ واحمد بن منیع واحمد بن حنبل والحارث)(۱) اور یہ بھی فرمایا کہ میری امت سے ایک قوم آخر زمانہ میں مسخ ہوکر سور بندر ہوجائیں گے، اصحاب نے پوچھا کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے، یا کون؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، یہ سب مسلمان ہوں گے، خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کی شہادت دیتے ہوں گے اور روزہ بھی رکھتے ہوں گے؛ مگر آلات لہو یعنی باجہ اور دف بجاویں گے اور گانا سنیں گے اور شراب پئیں گے تو مسخ کردیئے جاویں گے۔ (رواہ منذر وابن حبان عن ابی ہریرۃ)(۲)

ان احادیث کی رو سے تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ حضرات علماء جو شریعت کے حامل اور نائب رسول تھے، یہ لوگ پوری کوشش کر کے کل راگ وباجہ اٹھادیتے؛ مگر بجائے اس کے الٹی کوشش کی، کسی نے ڈھولک وسارنگی کو قوالی کے ساتھ جائز کیا اور کسی نے دف کو مطلقاً جائز سمجھا اور تحریراً تقریراً اس کا جواز شائع کیا اور مولوی وحید الزماں سرگروہ غیر مقلدین نے تو اور غضب ڈھایا، اپنی کتاب نزل الابرار جو باہتمام مولوی ابوالقاسم بنارسی میں چھپی ہے، اس کے صفحہ تین میں صاف لکھدیا ہے کہ شادیوں میں ہر طرح کا باجہ وگانا بہتر ہی نہیں؛ بلکہ واجب اور ضروری ہے اور جو حرام کہتا ہے، وہ گمراہ

---

(۱)　حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَرَجُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَوْلَى يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ بَعَثَنِي هُدًى وَرَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَأَمَرَنِي بِمَحْقِ، الْمَعَازِفِ، وَالْمَزَامِيرِ، وَالْأَوْثَانِ وَالصُّلُبِ وَأَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، وَحَلَفَ رَبِّي بِعِزَّتِهِ وَجَلَالِهِ أَوْ يَمِينِهِ:لَا يَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عِبَادِي جَرْعَةً مِنْ خَمْرٍ مُتَعَمِّدًا فِي الدُّنْيَا إِلَّا سَقَيْتُهُ مَكَانَهَا مِنَ الصَّدِيدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْفُورًا لَهُ أَوْ مُعَذَّبًا، وَلَا يَسْقِيهِ صَبِيًّا ضَعِيفًا مُسْلِمًا إِلَّا سَقَيْتُهُ مَكَانَهَا مِنَ الصَّدِيدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْفُورًا لَهُ أَوْ مُعَذَّبًا وَلَا يَتْرُكُهَا مِنْ مَخَافَتِي إِلَّا سَقَيْتُهُ إِيَّاهَا فِي حَظِيرَةِ الْقُدُسِ، لَا يَحِلُّ بَيْعُهُنَّ وَلَا شِرَاؤُهُنَّ وَلَا التِّجَارَةُ فِيهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ.(مسند أبي داؤد الطيالسي،أحاديث أبي أمامة الباهلي،رقم الحديث: ۱۲۳۰،انیس)

حَدَّثَنَا يَزِيدُ، أَنْبَأَنَا فَرَجُ بْنُ فَضَالَةَ الْحِمْصِيُّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي رَحْمَةً وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ، وَأَمَرَنِي أَنْ أَمْحَقَ الْمَزَامِيرَ وَالْكِنَّارَاتِ،يَعْنِي الْبَرَابِطَ وَالْمَعَازِفَ، وَالْأَوْثَانَ الَّتِي كَانَتْ تُعْبَدُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَأَقْسَمَ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ بِعِزَّتِهِ: لَا يَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِيدِي جَرْعَةً مِنْ خَمْرٍ إِلَّا سَقَيْتُهُ مَكَانَهَا مِنْ حَمِيمِ جَهَنَّمَ مُعَذَّبًا أَوْ مَغْفُورًا لَهُ، وَلَا يَسْقِيهَا صَبِيًّا صَغِيرًا إِلَّا سَقَيْتُهُ مَكَانَهَا مِنْ حَمِيمِ جَهَنَّمَ مُعَذَّبًا أَوْ مَغْفُورًا لَهُ، وَلَا يَدَعُهَا عَبْدٌ مِنْ عَبِيدِي مِنْ مَخَافَتِي إِلَّا سَقَيْتُهَا إِيَّاهُ مِنْ حَظِيرَةِ الْقُدُسِ، وَلَا يَحِلُّ بَيْعُهُنَّ وَلَا شِرَاؤُهُنَّ، وَلَا تَعْلِيمُهُنَّ، وَلَا تِجَارَةٌ فِيهِنَّ، وَأَثْمَانُهُنَّ حَرَامٌ لِلْمُغَنِّيَاتِ.(مسند الإمام أحمد،حديث أبي أمامة الباهلي،رقم الحديث:۲۲۲۱۸،مسند الحارث،رقم الحديث: ۷۷۱،انیس)

(۲)　عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ فِي أُمَّتِي خَسْفٌ ومسخ وقذف.(صحيح ابن حبان،ذكر الخبر المدحض قول من نفى كون المسخ في هذه الأمة،رقم الحديث:۶۷۵۹،انیس)

قَالَ:أَبُو مَالِكٍ الْأَشْعَرِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:يَشْرَبُ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ، يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا، يُضْرَبُ عَلَى رُءُوسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْقَيْنَاتِ، يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ.
(صحيح ابن حبان،ذكر الخبر المدحض قول من نفى كون المسخ في هذه الأمة،رقم الحديث:۶۷۵۸،انیس)

ہے۔(إنا للّٰه وإنا إليه راجعون) اہل حدیث کا دعویٰ اور حدیث کی یہ قدر کی اور کھلم کھلا مخالفتِ رسول پر کمر باندھی ہے، چوں کہ ہمارے علماء احناف کل باجے وگانے کو حرام کہتے ہیں اور اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے، البتہ سماع کے ساتھ ڈھولک اور شادیوں میں دف بجانے میں اختلاف ہے، لہٰذا ضرورت معلوم ہوئی کہ اس مسئلہ پر تحقیق کی پوری روشنی ڈالی جائے؛ تاکہ حق اور باطل میں فیصلہ ہوجائے اور برادران سنی حنفی کو اپنا مذہب معلوم ہوجائے۔

پہلی روشنی:

مذہب حنفی میں کل باجے حرام ہیں، ہدایہ شریف میں ہے:

”أن الملاهی کلها حرام حتی التغنی بضرب القصب“.(۱)

ونیز بزازیہ ودرمختار میں ہے:”استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام“.(۲)

بخلاف مذہب شافعی کے کہ ان کے یہاں مباح اور ترک اولیٰ ہے، چناں چہ آگے معلوم ہوتا ہے۔

دوسری روشنی:

دف بھی چوں کہ باجہ ہے، لہٰذا حنفیہ نے تصریح وتشریح کردی کہ دف بھی حرام ہے، شامی میں ہے:

”واستماع ضرب الدف والمزمار وغیرذلک حرام“.(۳)

شرح نقایہ میں ہے:

”وأما الاستماع فکاستماع ضرب الدف والمزمار والغناء وغیرذلک فإنه حرام“.(۴)

ابوالمکارم میں ہے:”کره تحریما لهو کضرب الدف والمزمار“.

مجموعہ فتاویٰ عزیزی رسالہ غناء میں کئی عبارتیں منقول ہیں:

غناء وضرب بربط ودف واوتار وطنبور است وآں ہم بایں نص حرام اند،التغنی والتصفیق واستماعها کل ذلک حرام ومستحلها کافر.(۵)

وفی فتاویٰ البیهقی:”التغنی واستماعه وضرب الدف وجمیع أنواع الملاهی حرام ومستحلها کافر“.(۶)

---

(۱) الهدایة،فصل فی الأکل والشرب:٣٦٥/٤،دار إحیاء التراث العربی بیروت،انیس

(۲) الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة:٦٥٢/١،دارالکتب العلمیة بیروت،انیس

(۳) ردالمحتار،فصل فی البیع:٣٩٥/٦،دارالفکربیروت،انیس

(۴) جامع الرموز، کتاب الکراهیة:٤٤٠/٣،مکتبه نول کشور لکهنؤ،انیس

(۵) فتاویٰ عزیزی، اردو، ص:۲۱۷

(۶) أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْحَافِظُ، حَدَّثَنِی أَبُو مُسْلِمٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مِهْرَانَ الْحَافِظُ الزَّاهِدُ، حَدَّثَنِی أَبُو الْفَضْلِ الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ قُتَيْبَةَ، نا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِسْرَائِيلَ، صَاحِبُ اللِّوَاءِ، نا عَمْرُو بْنُ أَبِی عُثْمَانَ الرَّقِّیُّ،==

وفی النهاية: ”التغنی بالطنبور والبربط والدف ومايشبه ذلک حرام“.(۱)

مالا بدمنہ میں ہے:

ملاہی ومزامیر وطنبور ودہل ونقارہ ودف وغیرہ باتفاق حرام اند۔

تیسری روشنی:

مذہب شافعی بموقعہ شادی وختنہ دف بجانا مباح ہے اور سوائے شادی وختنہ میں حرام کہا، چناں چہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب ’**کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع**‘، مطبوع مصر، ص:۷۳، **علی هامش الزواجر** میں لکھتے ہیں:

”القسم الرابع فی الدف: المعتمد من مذهبنا أنه حلال بلاكراهة فی عرس وختان وتركه أفضل وهكذا احكمه فی غيرهما، فيكون مباحاً أيضاً على الاصح وفی المنهاج وغيره: وقال جمع من أصحابنا أنه فی غيرهما حرام“.(۲)

اور پیشوائے طریقہ سہروردیہ حضرت عارف باللہ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی شافعی علیہ الرحمہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں:

”فأما الدف والشبابة وإن كان فيهما فی مذهب الشا فعی فسحة، الأولىٰ تركها والأخذ بالأحوط والخروج من الخلاف“.

یعنی باوجودیکہ ہمارے مذہب شافعی میں دف کو جھانجھ کے ساتھ بھی بجانا مباح ہے اور ہمارے مذہب میں اس میں بڑی وسعت ہے، مگر اس کا ترک کردینا بہتر ہے اور بہتری واحتیاط اسی میں ہے کہ دف بالکل ترک کردیا جائے۔

دیکھو شیخ سہرورویؒ کا یہ کتنا نفیس خیال ہے کہ جب ہمارے مذہب میں مباح ہے، نہ مستحب کہ بجانے سے ثواب ملے اور نہ واجب کہ ترک کردینے سے گناہ ہو، پس خیریت اس کے ترک کردینے میں ہے؛ کیوں کہ اور مذاہب جیسے حنفیہ وغیرہ میں حرام ہے اور حرام سے گناہ ہوتا ہے تو خطرات شبہ سے خالی نہیں اور شبہ کی چیزوں کا ترک کردینا تاکیدی حکم ہے۔

== نا أَبُوالْمَلِيحِ الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ نافِعٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِی سَفَرٍ، فَسَمِعَ صَوْتَ مِزْمَارٍ، فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى أُذُنَيْهِ، وَتَنَحَّى حَيْثُ لَا يَسْمَعُ، وَقَالَ: هَكَذَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَصْنَعُ إِذَا سَمِعَ مِثْلَ هَذَا تَابَعَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّیُّ، عَنْ أَبِی الْمَلِيحِ، فَرُوِّينَا مِنْ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى، وَالْمُطْعِمِ بْنِ الْمِقْدَامِ، عَنْ نافِعٍ وَقَالَ: ذَكَرْنَا الرُّخْصَةَ فِی الضَّرْبِ بِالدُّفُوفِ لِلنِّكَاحِ، قَالَ الْحَلِيمِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: ثُمَّ إِنَّ الدُّفَّ كَمَا فَارَقَ ضَرْبُهُ لِلْغِنَاءِ ضَرْبَهُ لِلنِّكَاحِ، فَكَذَلِكَ الطَّبْلُ يُفَارِقُ ضَرْبُهُ لِلْغِنَاءِ ضَرْبَهُ لِرُكُوبِ الْغُزَاةِ، وَلِحَمْلِ الْحَجِيجِ أَوْ نُزُولِهِمْ، أَوْ لِأَجْلِ الْعِيدِ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ لِلَّهْوِ، وَمَا خَلُصَ لِلَّهْوِ، فَذَلِكَ هُوَ الْمَمْنُوعُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، قَالَ الْحَلِيمِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: إِلَّا أَنَّ ضَرْبَ الطَّبْلِ إِذَا حَلَّ حَلَّ لِلرِّجَالِ، وَضَرْبَ الدُّفِّ لَا يَحِلُّ إِلَّا لِلنِّسَاءِ، لِأَنَّهُ فِی الْأَصْلِ مِنْ أَعْمَالِهِنَّ.(شعب الإيمان للبيهقی، رقم الحديث: ٤٧٦٠، انيس)

(۱) كذا فی جامع الرموز، كتاب الكراهية: ٤٤٠/٣، مكتبه نول كشور لكهنؤ، انيس

(۲) كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، ص: ٧٧، نسخة المحقق عبدالحميد الأزهری، انيس

قال علیه الصلاة والسلام: "فمن اتقی الشبهات فقد استبرء لدینه عرضه". (۱)

وقال: "دع ما یریبک إلٰی ما لا یریبک". (۲) پر شیخ سہروردیؒ نے فرمایا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دف بجانا مسلمانوں کا طریقہ نہیں۔

عن الحسن أنه قال: "لیس الدف من سنة المسلمین". (۳)

چوتھی روشنی:

مذہب شافعی میں جو بتقریب نکاح وختنہ دف کا مباح ہونا لکھا ہے، وہ مطلقاً مباح نہیں ہے؛ بلکہ چند قیود وشرائط کے ساتھ مقید ومشروط ہے، ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے، ورنہ اباحت نہ رہے گی اور صاف حرمت آجائے گی۔ علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ نے ان شرائط کو اپنے رسالہ کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع میں مفصلاً تحریر فرمایا ہے، اس کا ضروری خلاصہ درج کیا جاتا ہے اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ احناف کے لیے بھی یہ شرائط قابل لحاظ ہیں۔

اوّل شرط: یہ ہے کہ خاص عورتیں اورلڑکیاں دف کے بجانے والی ہوں اور حکم اباحت خاص انھیں کے بجانے میں ہے، نہ مردوں کے، پس اگر تقریب نکاح، یا ختنہ میں مرد بجائے گا تو جائز نہ ہوگا اور وہ مرد بوجہ تشبہ بالنساء کے ملعون ہوگا؛ کیوں کہ سلف میں کسی مرد کا بجانا ثابت نہیں ہوا، دف کے بجانے میں جس قدر احادیث وآثار ثابت ہیں، سب میں صرف عورتوں، یا لڑکیوں کا ذکر ہے، چناں چہ عبارت یہ ہے:

"أنا إذا أبحنا الدف فإنما نبیحه للنساء خاصة". (۴)

وعبارت منہاج: "وضرب الدف لایحل إلا للنساء، لأنه فی الأصل من أعمالهن وقد لعن رسول

---

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: وَأَهْوَى النُّعْمَانُ بِإِصْبَعَيْهِ إِلَى أُذُنَيْهِ، إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ، وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ، صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ، فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (صحیح لمسلم، باب أخذ الحلال وترک الشبهات، رقم الحدیث: ۱۵۹۹، انیس)

(۲) حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِدْرِيسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيِّ، قَالَ: قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ: مَا حَفِظْتَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ، وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيبَةٌ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ. وَأَبُو الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيُّ اسْمُهُ: رَبِيعَةُ بْنُ شَيْبَانَ. وَهَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ. (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۱۸، انیس)

(۳) موسوعة ابن أبی الدنیا: ۲۹/۵، انیس

(۴) کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، ص: ۸۲، نسخة المحقق عبدالحمید الأزهری، انیس

اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المتشبهين بالنساء (إلٰى قوله) لم يحفظ عن أحد من رجال السلف أنه ضرب به وبأن الأحاديث والآثار إنما وردت فى ضرب النساء والجوارى به،انتهٰى ملخصا.(۱)

دوسری شرط: یہ ہے کہ چھانجھ نہ ہواور بجانے میں کوئی تکلف اور تصنع نہ کیا جاوے کہ طرب؛ یعنی خوش آوازی معلوم نہ ہو؛ بلکہ بالکل سادگی کے ساتھ ہاتھوں سے پیٹا جاوے، چناں چہ فرماتے ہیں:

”وخلا عن الضنج ونحوه وعن التانق والتصنع فى الضرب بأن يكون الضرب بالكف“.(۲)

پھر لکھتے ہیں کہ دف اسی طریقہ سے مباح ہے، جیسا عرب لوگ بجاتے ہیں کہ اس میں رقص وسرور نہ پایا جاوے اور نہ انگلی کے سرے سے بجایا جاوے کہ اس میں بھی ایک طرح کی صنعت طرب ہے۔عبارت یہ ہے کہ:

”وإنما يباح الدف الذى تضرب به العرب من غير زفن أى رقص فأما الدف الذى يزفن به وينقرأى برؤوس الأنامل ونحوها على نوع من الإيقاع فلايحل الضرب به“.(۳)

تیسری شرط: یہ ہے کہ وقت نکاح، یاوقت زفاف، یااس کے بعد تھوڑی دیر تک عورتیں دف بشرائط مذکورہ بجاویں، چناں چہ لکھتے ہیں:

”والمعهود عرفاً أنه يضرب به وقت العقد ووقت الزفاف أوبعده بقليل“.(۴)

پانچویں روشنی:

علامہ ابن حجر نے ماوردی کا قول لکھا ہے کہ اب ہمارے زمانہ میں استعمال دف مکروہ ہے؛ کیوں کہ بے وقوفی اور سفاہت پائی جاتی ہے،عبارت یہ ہے:

”وأما فى زماننا قال:فيكره فيه لأنه أدى إلى السحف والسفاهة“.

اس پر علامہ نے لکھا ہے کہ ہمارے اور ماوردی کے زمانہ میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہے،اب تواس سے زیادہ خرابی آ گئی ہے،میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن حجر کو بھی گزرے ہوئے قریب چار سو برس ہوئے،سوائے شروفساد خیروصلاح کا نام نہیں ہے،اب تو باوجود لحاظ شرائط مذکورہ ترک کردینا چاہیے۔

چھٹی روشنی:

اصل مذہب حنفیوں کا تو پہلی اور دوسری روشنی کے ذیل میں جو عبارات لکھی گئی ہیں،ان سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عموماً باجہ اور خصوصاً دف بھی حرام ہے،اب بعض علماء حنفیہ جو اپنی کتابوں میں اعلان نکاح کے واسطے دف بجانا لکھتے ہیں تو

---

(۱) كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع،ص:۸۳،نسخة المحقق عبدالحميد الأزهرى،انيس

(۲) كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع،ص:۸۰،نسخة المحقق عبدالحميد الأزهرى،انيس

(۳) كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع،ص:۸۲،نسخة المحقق عبدالحميد الأزهرى،انيس

(۴) كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع،ص:۸٤،نسخة المحقق عبدالحميد الأزهرى،انيس

اصل میں یہ قول ظاہر روایت کے خلاف ہے اور کچھ تعجب نہیں جو علماء حنفیہ کو روایات شافعیہ سے دھوکا ہو گیا ہو اور اس کے نظائر و امثال کتب حنفیہ میں کثرت سے ملتے ہیں کہ کسی ایک کتاب میں کوئی قول دوسرے مذہب کا کسی مصنف نے لکھا اور دوسروں نے اس کی دیکھا دیکھی اعتماد کر کے اپنی تصنیف میں درج کر دیا اور وہ یوں ہی نقل ہوتا چلا آیا، حتی کہ دس بیس کتب میں منقول ہوا، اب کس عالم کو شبہ ہوسکتا ہے کہ مذہب حنفی کا یہ مسئلہ نہیں ہے؟ مگر بوقت تحقیق معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ قول خلاف مذہب نقل در نقل ہوتا آیا ہے، دیکھو! علامہ ابن ہمام فتح القدیر، باب نکاح الرقیق میں فرماتے ہیں:

’’**فهذا هو الوجه و كثيراً ما يقلد الساهون الساهين**‘‘ ؛یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کر لیتے ہیں۔

البحر الرائق، کتاب البیوع، باب المتفرقات میں لکھتے ہیں:

’’**وقد يقع كثيراً أن مؤلفا يذكر شيئاً خطأً فى كتابه فيأتى من بعده من المشايخ فينقلون تلك العبارة من غير تغيير ولا تنبيه، فيكثر الناقلون لها وأصلهالواحد مخطى، كما وقع فى هذا الموضع**‘‘ ؛یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک مؤلف کسی مسئلہ کے لکھنے میں خطا کر جاتا ہے، اس کے بعد علماء مشائخ اس کی دیکھا دیکھی لکھتے چلے جاتے ہیں، حالاں کہ خطا کرنے والا ایک ہی تھا۔

دیکھو! صاحب درمختار نے بہ تبعیت صاحب النہر الفائق و البحر الرائق لکھ دیا کہ ﴿**اقيموا الصلاة واٰتوا الزكاة**﴾ قرآن میں ۸۲ رجگہ ہے، حالانکہ یہ شمار غلط ہے، صرف اعتماداً یہ غلط شمار منقول ہوتا گیا ،قرآن عظیم موجود ہے، دیکھ لیجئے ،صرف ۳۲ رجگہ یہ جملہ ملے گا، پس ہماری کتبِ فقہیہ حنفیہ میں جو دف کا جواز اعلانِ نکاح واسطے لکھا ہوا ہے، وہ اصل مذہب اور ظاہر روایت کے خلاف ہے، پس منشاء تقلید ہرگز یہ نہیں ہے کہ دف کو جائز سمجھا جاوے، پس کسی عالم حنفی کی تصنیف، یا فتاویٰ میں جواز لکھنے سے حقیقت میں جائز نہ ہوگا؛ بلکہ ان حضرات علماء احناف محققین کا اپنی تصانیف وفتاویٰ میں لکھنا اسی پر محمول ہوگا کہ یہ ایک غلطی ہے، جو نقل در نقل ہوتی گئی، جس کا اصل مذہب میں پتہ نہیں، اسی وجہ سے علاّمہ تورپشتی نے فرمایا کہ دف اکثر مشائخ کے نزدیک حرام ہے اور اس حدیث کا جس میں اعلان نکاح کے واسطے دف بجانے کا ذکر آیا ہے ہمارے مشائخ حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ دف بجانے سے مراد اعلان ہے، نہ حقیقت میں باجہ دف بجانا، چناں چہ شرح نقایہ اور نصاب الاحتساب وبستان العارفین میں یہ جواب مذکور ہے۔عبارت شرح نقایہ یہ ہے:

قال التورپشتي:في التحفة أنه حرام علىٰ قول أكثر المشائخ وما ورد من ضرب الدف في العرس كناية عن الإعلان وتمامه في البستان‘‘.(۱)

جب حدیث میں ضرب دف سے مراد اعلان اور تشہیر ہے تو پھر متأخرین علماء حنفیہ کا جائز کہنا اور اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا صحیح نہیں؛ بلکہ بے محل ہے اور ضرب دف سے اعلان اور تشہیر کے مراد ہونے پر بڑا زبردست قرینہ

(۱) جامع الرموز، كتاب الكراهية: ۳/ ۴۴۰،نول كشور لكهنؤ،انيس

یہ ہے کہ اب تک کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہ ہوا کہ زمانہ رسالت میں کسی صحابی نے اعلان نکاح کے لیے دف بجا کر اس حدیث کی تعمیل کی ہو، حالاں کہ صحابہ کرام کو اتباعِ سنت میں جو شغف تھا وہ علماء پر مخفی نہیں اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح اپنا اور اپنی صاحبزادیوں کا فرمایا، کبھی کسی نکاح میں آپ نے دف بجانے کا حکم نہیں دیا، **من ادعی فعليه البيان**، زیادہ سے زیادہ بخاری شریف کی حدیث ربیع بنت معوذ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چند نابالغ لڑکیوں نے بعد زفاف کے دف بجایا تھا، اس حدیث سے بالغ کے دف بجانے کا جواز سمجھنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ لڑکیاں غیر مکلّف تھیں، اگر کسی روایت سے بالغ عورتوں کا بجانا ثابت بھی ہوجائے تو اس کے جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کافی ہے۔

”**أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ضرب الدف ولعب الضنج وضرب الزمارة**“.

یعنی: اس حدیث کی رو سے یہ کہا جائے گا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہوگی تو پھر منع فرمادیا، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظاہر فرمایا، علاوہ اس کے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دف کو مزمارۃ الشیطان کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔

خیال فرمایا جائے کہ اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دف کو مزمارۃ الشیطان فرمانا بجا اور صحیح نہ ہوتا تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور منع فرماتے پس بموجب اس روایت کے جب دف مزمارۃ الشیطان ٹھہرا تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے اعلان نکاح کرتے، پس اکثر مشائخ حنفیہ کا حدیث ضرب دف سے اعلان اور تشہیر مراد لینا بہت بجا ہے؛ کیوں کہ زبانِ عربی اور فارسی کے محاورہ میں ضرب دف بول کر اعلان اور تشہیر مراد ہوا کرتی ہے، زبانِ عربی کی حالت ابھی علامہ تورپشتی اور علامہ فقیہہ امام الہدیٰ ابواللیث سمرقندی اور علامہ عمر بن محمد بن عوض سنامی رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال سے معلوم ہو چکا، فارسی میں بھی دف زدن کے معنی اعلان کردن وشہرت دادن کے ہیں، نظیر کے طور پر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا شعر جو بستاں میں ملاحظہ فرمائیے:

یکے را چو من دل بدست کسے — گرد بود وے بردخواری بسے

پس از ہوشمندی وفرزانگی — بدف برزدندش بدیوانگی

مصرعہ اخیر کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کی دیوانگی کا دف بجایا؛ یعنی اس کو دیوانہ مشہور کیا، پس جس طرح یہاں دف بجانے سے مشہور کرنا مراد ہے، اسی طرح حدیث کا مطلب ہے کہ نکاح کو علانیہ کرو اور خوب مشہور کرو۔

ساتویں روشنی:

تنزل کے درجہ پر اگر بعض علماء احناف متأخرین کا استدلال صحیح مان لیا جاوے کہ اعلان نکاح کے واسطے دف بجانا کچھ مضائقہ نہیں؛ بلکہ مباح ہے تو ان شرائط وقیود کا لحاظ ضروری ہے، جن کو مباح سمجھنے والوں نے بیان کیا ہے: (شرط

اول) جھانجھ نہ ہو (شرط دوسری) تطریب نہ ہو، چناں چہ شامی اور فتاویٰ شراجیہ اور شرح ابوالمکارم اور شرح نقایہ چاروں میں ہے:

هذا إذا لم يلن لم جلاجل ولم يضر ب علٰى هيئة التطريب".

(تیسری شرط) یہ ہے کہ بہت تھوڑی دیر تک بجایا جاوے، لمعات میں ہے:

"دل الحديث علٰى إباحة مقدار اليسير".

مجمع البحار میں ہے:

"أقر على القدر اليسير فى نحو العرس والعيد،الخ".

پس آج کل جو جائز سمجھا جاتا ہے کہ متعدد دف برات کے ساتھ لے کر چلتے ہیں اور بجانے والے بھی کاریگر ہوتے ہیں، جو کچھ دنوں تک بجانا سیکھتے ہیں، جس میں صاف تطریب ہوتی ہے، یہ کیوں کر جائز ہوگا، جائز ہونے کی صورت حسبِ تصریحات ان علماء کے صرف یہ ہوسکتی ہے کہ بعد نکاح چند مرتبہ ہاتھ سے دف، یا اور کوئی باجہ پیٹ دیا جاوے؛ تاکہ معلوم ہوجاوے کہ نکاح ہوگیا، پس قبل نکاح کے برات کے ساتھ دف لے جانا اور اس کو شرعی برات قرار دینا نہایت قبیح اور مذموم ہے اور اس میں شرعاً چند قباحتیں ہیں: اول لہو؛ کیوں کہ نکاح ابھی ہوا نہیں، یہ اعلان کیسا؟ دوسرے نمائش؛ کیوں کہ برات کے ساتھ دف لے جانے میں سوائے نمائش کے دوسرے غرض شرعی نہیں ہوسکتی اور نمائش خود حرام ہے۔ تیسری اسراف؛ کیوں کہ بے محل بجایا، محل اس کا بعد نکاح ہے، لہذا ناجائز، پس جس صورت کے ساتھ علماء متأخرین نے خلاف مذہب دف کے جواز کی صورت لکھی ہے، وہ طریقہ مروج نہیں اور جو مروج ہے، وہ خود ان کے نزدیک جائز نہیں، علاوہ اس کے سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ اعلان نکاح کے واسطے صرف دف کو لوگ جائز سمجھتے ہیں اور دوسرے باجوں کو ناجائز جانتے ہیں، یہ ایک نہایت نامعقول بات ہے، جن علماء متأخرین نے اعلان نکاح کے واسطے اپنے مذہب کے خلاف دف کی اجازت دی ہے وہی علماء لکھتے ہیں کہ اعلان نکاح کے واسطے دف کی تخصیص نہیں، جس باجہ سے ممکن ہو، اعلان کرسکتے ہیں؛ مگر جو باجہ ہو تینوں شرائط مذکورہ جو ابھی لکھی گئی ہیں، ان کا لحاظ کرنا بہرحال لازم ہے۔

اب ان عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں جن سے دف کی خصوصیت نہیں ثابت ہوتی، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رسالہ سماع میں فرماتے ہیں:

"چوں ضرب دف برائے اعلانِ نکاح حلال، یا مستحب باشد دہل وطنبورہ ونقارہ راازدف چہ تفاوت است برائے شہرت ہمہ حرام است وبائے غرض صحیح ہمہ حلال باشد اعلان از ہر یک می شود فرق کردن در دف وغیرہ آں امریست غیر معقول"۔

اور اسی عدم خصوصیت کی وجہ سے علاوہ طحطاویؒ نے طبلہ کو اعلان نکاح کے واسطے جائز لکھا ہے، عبارت یہ ہے:

"وطبل العروس فيجوز".

حضرت شاہ احمد سعید صاحب نقشبندی مجددی تحقیق الحق المبین میں فرماتے ہیں:

''پس برقولِ مجیب حکم دہل وتاشہ وغیرہ نیز موافق طبل قیاس کن''۔

علامہ شامی نے ردالمحتار میں ایک قاعدہ کلیہ تحریر فرمایا ہے، جس سے کل باجوں کا اعلان نکاح کے واسطے بجانا ثابت ہے۔عبارت یہ ہے:''إن آلة اللهو ليست محرمة بعينهابل لقصد اللهو''.

دیکھو! آلہ لہو کو عموماً لکھا ہے کہ بقصد لہو حرام اور بغرض صحیح جائز؛ کیوں کہ دف اور غیر دف باجہ ہونے میں برابر ہے۔

پس خلاصہ تحریر یہ ہے کہ اصل مذہب حنفی:

یہ ہے کہ دف وغیرہ باجے حرام ہیں، شادی اور غیر شادی میں کسی وقت جائز نہیں، ہاں مذہب شافعی میں صرف ختنہ ونکاح وغیرہ بعض مواقع سرور میں بہ پابندی شرائط مذکورۂ ذیل چوتھی روشنی مباح ہے اور ترک اولیٰ اور جو علماء احناف متأخرین خلاف مذہب جائز لکھتے ہیں، وہ دف کی خصوصیت نہیں کرتے؛ بلکہ کل باجوں کو بقصد لہو حرام اور بقصدِ صحیح مباح کہتے ہیں اور جن صورتوں سے مباح ہے، وہ مروج نہیں۔پس مقلدین احناف امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے لیے خیریت اسی میں ہے کہ ہرگز اس کو اختیار نہ کریں، ورنہ سخت خطرہ میں مبتلا ہوں گے۔

(احقر ابوالاسحاق انصاری محمد آبادی) (تتمہ خامس،ص:۱۴۱۔(امدادالفتاویٰ:۲/۲۷۸۔۲۸۵)

باجے والی بارات میں شرکت:

سوال: ایک عالم صاحب ہیں، وہ کسی بھی بارات میں جہاں باجہ وغیرہ ہوتا ہے، شرکت نہیں کرتے ہیں اور نہ اس تقریب میں جاکر کھانا کھاتے ہیں، ان کا یہ فعل درست ہے، یا نہیں؟ ان کے عزیز واقارب اور دوست واحباب ان پر معترض ہیں کہ بڑے بڑے علماء کو باجہ والی بارات میں کھانے کھاتے دیکھا ہے؛ لیکن وہ ان باتوں کی طرف دھیان بھی نہیں دیتے ہیں اور شرکت سے صاف منع کردیتے ہیں، ایسے شخص کو قوم اپنا پیشوا مان سکتی ہے، یا نہیں؟ اور ایسا شخص تعظیم کے قابل ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

ان عالم صاحب کی روش بہت ٹھیک ہے، ایسا ہی چاہیے، ایسا ہی عالم پیشوا ماننے کے لائق ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۹۰ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۲۲۴)

---

(۱) ''ومن دعى إلى وليمة وثمة لعب وغناء يقعد ويأكل''.(كنز الدقائق)

وقال ابن النجيم :يغنى إذا أحدث اللعب و الغناء بعد حضوره ، يقعد ويأكل، آه ... ولو علم قبل الحضور، لا يقبله ... فإن كان ممن يقتدى به ، فلم يقدر عل منعهم، خرج ولم يقعد ؛ لأن فی ذلک شين الدين، وفتح باب المعصية على المسلمين.(البحرالرائق ، كتاب الكراهية ، قبيل فصل فى اللبس:۸/۳۴۵۔۳۴۶،رشديه)

اگر شادی میں منکرات ہوں:

سوال: جس شادی میں گانا بجانا، ویڈیو گرافی ہو، کیا ایسی شادی میں شرکت کرنا جائز ہے؟

(عثمان علی، گنگارم وقار آباد)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

گانا بجانا، ویڈیو گرافی، نیز فوٹو گرافی گناہ اور معصیت ہے اور جس دعوت میں معصیت کا ارتکاب ہو، اس میں شرکت جائز نہیں۔ مشہور فقیہ علامہ شامیؒ نے اپنے زمانہ میں فسق وفجور کی کثرت کو دیکھتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں جب تک معلوم نہ ہو کہ دعوت میں معصیت وبدعت نہیں ہوگی، اس وقت تک اس میں شرکت نہیں کرنی چاہیے۔

"والامتناع أصل في زماننا إلا إذا علم يقينا أن لابدعة ولامعصية". (۱)

ہمارے اس عہد میں تو بدرجہ اولی جب تک ایسی دعوتوں کے منکرات سے خالی ہونے کا اطمینان نہ ہو جائے، شرکت نہیں کرنی چاہیے، اگر سماج کے سمجھ دار اور باشعور لوگ اپنے آپ کو ایسی دعوتوں سے دور رکھیں تو شاید معاشرہ کی کچھ اصلاح ہو سکے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۱۴-۴۱۵)

شادی میں باجا بجانا:

سوال: آج کل شادیوں میں باجے رکھنا عام ہو گیا ہے، کیا باجے والی شادی میں شریک ہوا جا سکتا ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

جن شادیوں میں گانا بجانا ہوتا ہو، اس میں شریک ہونا درست نہیں، (۲) گانا بجانا گناہ ہے اور گناہ کی حوصلہ شکنی واجب ہے۔ واللہ اعلم (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۳۱)

نکاح میں گانا بجانا:

سوال: نکاح میں اکثر جگہ گانا بجانا ہوتا ہے، کیا خوشی کی مناسبت سے اس موقعہ پر گانے بجانے کی گنجائش ہے؟

(نگینہ بانو، بیگم پیٹ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ایک صاحب ایمان کے لیے خوشی کے اظہار کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی اچھی بات پیش آئے تو اللہ کا شکر ادا

---

(۱) ردالمحتار: ۹/۵۰۱

(۲) الدر المختار مع رد المحتار: ۹/۵۰۱

کرے، نہ یہ کہ وہ کچھ کرے، جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہو، جس خوشی میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کا خیال نہ کیا جائے، اندیشہ ہے کہ وہ خوشی ناپائیدار ہوگی، باجا یا باجے سے ہم آواز گانا، یا ایسا گانا جو مفسد اخلاق مضامین پر مشتمل ہو، قطعا جائز نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے اور فقہا نے بالقصد اس کے سننے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

"استماع صوت الملاهی کالضرب بالقصب وغیرہ حرام،لأنه من الملاهی". (۱)(کتاب الفتاویٰ:۴/۴۴۶-۴۴۷)

گانا بجنے والی شادی میں شرکت:

سوال: دوست کے بھائی کی شادی میں باجا وغیرہ تھا؛اس لیے میں نہیں گیا،بعض لوگوں کو اس پر اعتراض ہے تو کیا تعلق باقی رکھنے کے لیے ہمیں چلا جانا چاہیے تھا؟

(شہباز احمد،تاڑبن)

الجواب

گانا بجانا حرام ہے اور جس شادی کے بارے میں پہلے سے معلوم ہو کہ اس میں گانا بجانا ہوگا،اس میں شرکت جائز نہیں،(۲) مسلمان کے شایان شان نہیں کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو راضی کرنے کے لیے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرلے،غور کیجئے کہ کیا اس سے بڑھ کر نقصان کی تجارت ہوسکتی ہے؟(کتاب الفتاویٰ:۴/۴۴۷)

باجا وغیرہ سے نکاح میں فساد آتا ہے، یا نہیں:

سوال: جس نکاح میں باجا وغیرہ ہو،وہ نکاح ہوجاتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

نکاح ہوجاتا ہے۔فقط

(مگر باجا وغیرہ بجانا ناجائز اور گناہ ہے اور غیر مسلموں کی رسم ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔ظفیر)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۷/۱۵۶)

باپ شادی میں باجہ وغیرہ پر مصر ہو تو لڑکا کیا کرے:

سوال: ایک لڑکا بالغ اپنی شادی سنتِ نبوی کے مطابق کرنا چاہتا ہے؛ مگر اس کے والد کہتے ہیں کہ شادی مع مراسم ہوگی (باجہ وغیرہ بھی شامل ہوگا)،ایسی صورت میں وہ لڑکا کیا کرے؟

---

(۱) خلاصة الفتاوی:٤/٣٤٥

(۲) دیکھئے: الدرالمختار مع رد المحتار: ٥٠١/٩ (وفی البزازیة:استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام،لقوله علیه الصلاة والسلام:استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذبها کفر،الخ.(الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة:٣٤٩/٦،دارالفکربیروت،انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، والد کو کسی بزرگ کے ذریعہ تفہیم کرائے، اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۳/۳/۲۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۱۸۰)

شادی میں باجہ، بینڈ بجانا اور ایسی شادی میں شرکت کرنا:

سوال: شادی میں باجہ بجانے کی مذہب اسلام اجازت دیتا ہے، یا نہیں؟ اگر صرف دف بجانے کی اجازت دیتا ہے تو کسی مصلحت سے؟ دف نہ ملنے کی صورت میں بخیال اعلان شادی واظہار مسرت وخوشی ترقی یافتہ باجہ مثلاً بینڈ، یا مشک کا باجہ بجایا جائے تو کیسا ہے؟ جس شادی میں باجہ بجایا جارہا ہو، اس کی دعوت طعام وغیرہ میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ باجہ اگر کسی وقت بند کردیا جائے، اس وقت شریک ہونا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

شادی میں نکاح کے وقت اعلان کی غرض سے دف بجانے کی نہ صرف اجازت؛ بلکہ تاکیدی ہدایت ہے۔

"أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف" أو كما قال. (۲)

حدیث شریف کا مضمون ہے؛ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نکاح اعلان کے ساتھ کیا کرو اور مسجد میں مجلس نکاح منعقد کرو اور دف بجاؤ۔ دف نہ ہو تو نقارہ، یا ڈھول دف کا قائم مقام ہوسکتا ہے۔ بینڈ، یا اور کوئی باجہ بجانا مکروہ اور خلاف متوارث ہوگا۔(۳)

جس شادی میں بینڈ، یا اور کوئی باجہ ہو یعنی صرف باجہ ہو ناچ گانا نہ ہو، اس میں شرکت حرام نہیں، نہ (کہ) دعوت کھانا حرام ہے، (۴) اور باجہ بند ہوجانے کے بعد شریک ہونے میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی:۵/۱۵۲)

نکاح میں باجہ:

سوال: شادی کے موقع پر باجا بجانا درست ہے، یا نہیں؟ ترمذی، نسائی، ابوداؤد، بخاری شریف وغیرہ میں

---

(۱) "فرع: في فصول العلامي: إذا رأى منكراً من والديه يأمرهما مرةً، وأن كرها سكت عنها، واشتغل بالدعاء والاستغفار، فإن الله تعالىٰ يكفيه ما أهمه من أمرهما". (ردالمحتار، كتاب الحدود، فصل في التعزير، مطلب في تعزير المتهم: ٤/٧٨، سعيد)

(۲) جامع الترمذي، ابواب النكاح، باب ما جاء في إعلان النكاح

(۳) وكره كل لهو ... والاطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص... التصفيق وضرب الأوتار من الطيور والبريط والرباب ... واستماع ضرب الدف والمزمار حرام. (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٩٥، سعيد)

(۴) ومن دعي إلى وليمة فوجد ثمة لعبًا أو غناء فلا باس بأن يعقد ويأكل. (الهداية، كتاب الكراهية: ٤/٤٥٥، شركة علميه)

باجے کا جواز ملتا ہے۔ رمضان میں افطار وسحری کے وقت بجانا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

باجا بجانا شادی کے موقع پر بھی درست نہیں، ترمذی وغیرہ میں اعلان کا حکم ہے کہ نکاح کا اعلان کر دیا جائے،(۱) مثلاً چار آدمیوں کی مجلس میں نکاح کیا گیا اور کسی کھال وغیرہ پر لکڑی مار کر اعلان کر دیا گیا، جس سے بہت سوں کو معلوم ہو گیا، بس اتنا کافی ہے اور جب بڑی مجلس میں نکاح کیا جائے تو یہ خود اعلان ہے۔ نیز جو صورت باجہ کی اختیار کی جاتی ہے، اس کی کہیں اجازت نہیں، البحر الرائق میں بالکل ممانعت لکھی ہے۔(۲)

سحری وافطار کی اطلاع کے لیے نقاروں کی اجازت ہے،(۳) تاہم افطار اذن ہوتی ہے وہ بھی کافی ہے؛ اس لیے اذان پر ہی کفایت کرنا انسب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۱/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۲۸)

شادی میں قوالی:

سوال: شادی کے موقع پر قوالی ایسی صورت میں کرانا جس کے اندر سارنگی وطبلہ وغیرہ بھی ہو تو جائز ہے، یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کس درجہ میں؛ یعنی مکروہ تنزیہی ہے، یا تحریمی، یا حرام قطعی؟ ایسے کرنے والوں پر جو وعیدیں ہیں، قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں، تحریر فرمادیں۔ نیز یہ تحریر فرمادیں کہ پنچایت کے جو افراد اور سربرآوردہ اشخاص جن کو اس قسم کے افعال کے روکنے کا حق واختیار حاصل ہے، ان کو نہ کرنے کا خصوصیت سے کچھ زیادہ گناہ ہوگا۔

---

(۱) قالت الربیع بنت معوذ بن عفرآء رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا: جاء النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم، فدخل حین بنی علی ... فجعلت جویریات لنا یضربون بالدف. (الحدیث) (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولمیة: ۲/۷۷۳، قدیمی)

عن عائشة رضی اللّٰہ عنھا قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: أعلنوا ھذا النکاح، واجعلوہ فی المساجد، واضربوا علیہ بالدفوف. (جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی إعلان النکاح: ۱/۲۰۷، سعید)

(۲) "وفی المعراج: الملاھی نوعان: محرم، وھو الآلات المطربة من غیر الغناء کالمزمار، سواء کان من عود أو قصب کالشبابة أو غیرہ: کالعود والطنبور، لما روی أبو أمامة علیہ السلام قال: "إن اللّٰہ بعثنی رحمة للعالمین، وأمرنی بمحق المعازف والمزامیر"، ولأنہ مطرب مصد عن ذکر اللّٰہ تعالٰی". (البحر الرائق، کتاب الشھادات، باب من تقبل شھادتہ ومن لا تقبل: ۷/۱۴۹، رشیدیہ)

"ویکرہ استماع صوت اللھو والضرب بہ، والواجب علی الأنسان أن یجتھد ما أمکن حتی لا یسمع". (البحر الرائق، کتاب الکراھیة، فصل فی البیع: ۸/۳۸۰، رشیدیہ)

(۳) "أقول: وینبغی أن یکون طبل المسحر فی رمضان لإیقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام". (رد المحتار، کتاب الکراھیة، قبیل فصل فی اللبس: ۶/۳۵۰، سعید)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہ قوالی حرام ہے، اگر پہلے سے اس کا علم ہو تو ایسی شادی میں شرکت ناجائز ہے، جو لوگ اس کو روکنے پر قادر ہوں ان کے ذمہ روکنا واجب ہے، خصوصاً ذی اثر لوگ اگر نہیں روکیں گے تو زیادہ گنہ گار ہوں گے۔ اگر پہلے سے اس قوالی کا علم نہ ہو اور شریک ہونے پر مجلس میں جانے کے بعد قوالی کا علم ہو تو فوراً واپس آ جانا چاہیے، اگر روکنے کی قدرت ہو تو روکنا لازم ہے۔

”دعی إلی ولیمة وثمة لعب أوغناء،قعد وأکل لو المنکر فی المنزل،فلوعلی المائدة لا ینبغی أن یقعد بل یخرج معرضاً ،لقوله تعالیٰ:﴿فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین﴾فإن قدر علی المنع، فعل، وإن لم یقدر صبر، إن لم یکن ممن یقتدی به، فإن کان مقتدی ولم یقدر علی المنع ، خرج ولم یقعد؛ لأن فیه شیناً للدین، وإن علم أولاً باللعب، لا یحضر أصلاً ، سواء کان ممن یقتدی به أولا ؛لأن حق الدعوة إنما یلزمه بعد الحضور ،لا قبله.

وفی السراج :ودلت المسئلة أن الملاهی کلها حرام، ویدخل بلا إذنهم لإنکارالمنکر: قال ابن مسعود رضی اللّٰه عنه:”صوت للهو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات“ قلت:وفی البزازیة:استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام لقوله علیه السلام:” استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق،والتلذذ بها کفر“،آه.(الدرالمختار:۲٤٥/٥)(۱)

”وکره کل لهو لقوله علیه السلام:”کل لهو المسلم حرام “الخ،والإ طلاق شامل لنفس الفعل واستماعه کالرقص والسخریة والتصفیق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنها کلها مکروهة؛ لأنها زی الکفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغیره ذلک حرام“.(۲۷۹/٥)(۲)

”وعن الحسن:لا بأس بالدف فی العرس یشتهر، وفی السراجیة: هذا إذا لم یکن له جلاجل ،ولم یضرب علی هیئة التطرب“آه.(رد المحتار:۲٤۷/٥)(۳)

﴿ومن الناس من یشتری لهوالحدیث لیضل عن سبیل اللّٰه بغیر علم ویتخذها هزواً أولئک لهم عذاب مهین﴾(الآیة)(سورةاللقمان:٦)

فی معالم التنزیل:”عن عبد اللّٰه بن مسعود وابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم والحسن وعکرمة وسعید بن جبیر رحمهم اللّٰه تعالیٰ قالوا:لهوالحدیث الغناء والمزامیر والمعارف“،آه.(۴)

(۱) الدرالمختار،کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی اللبس:۳٤۷/٦_۳٤۹،سعید
(۲) رد المحتار ، کتاب الحظر والإباحة ،فصل فی البیع:۳۹٥/٦،سعید
(۳) ردالمحتار،المصدر المتقدم قبیل فصل فی اللبس:۳٥٠/٦،سعید
(۴) لم أجده فی معالم التنزیل باللفظ المذکور ،وقد ذکره العلامة البغوی فی المعالم بلفظ: ==

وفی تفسیره التی لهو الحدیث الغناء وتعلم الموسیقات وما یتغن به کالدف والبربط والطنبور والتصفیق ومایشبه ذلک،فکل ذلک حرام وفسق ،والجلوس علیها معصیة ، والتلذذ به کفر،آه.(۱)

﴿واستفزز من استطعت منهم بصوتک﴾(الآیة)(سورة الإسراء : ٦٤)

"صوت الغناء والمزامیر، کذا فی المدارک"آه.(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۲۲۶)

شادی میں باجہ اوراس میں شرکت:

سوال: آج کل جیسے شادیاں ہوتی ہیں، جن میں باجہ وغیرہ بھی بجاتے ہیں، یا یہ کہ وہ دھپڑہ وغیرہ بھی بجاتے ہیں، ایسی شادی میں شرکت کرنا اور وہاں کھانا وغیرہ کھانا کیسا ہے؟ باجا بجانا جائز ہے، یا ناجائز ہے؟ نیز باجا بجانے والے کی روزی کیسی ہے؟ ایک مسجد کے امام صاحب باجا بجانے کی نوکری کو درست بتلاتے ہیں۔ایسے شخص کو مسجد میں مؤذن بھی رکھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ جو باجا بجانے والے کے یہاں نوکری باجہ میں شرکت کے لیے رکھتا ہو؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

باجا بجانا اور بنانا اور اس کی نوکری کرنا سب ناجائز ہے، اس کی آمدنی بھی ناجائز ہے،(۳) اس شادی میں شرکت بھی منع ہے، جس میں باجا بجایا جاتا ہے، وہاں جا کر کھانا کھانا منع ہے،(۴) جو شخص ناجائز نوکری کرتا ہے، اس کو مؤذن بنا کر نہ رکھا جائے،(۵) ڈھپڑوں کا حکم اتنا شدید نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱/۲۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۲۲۸)

== "عن عبد اللّٰه بن مسعود وابن عباس رضی اللّٰه عنهم ،والحسن وعکرمة وسعید بن جبیر رحمهم اللّٰه قالوا: ﴿لهو الحدیث﴾هو الغناء والآیة نزلت فیه،ومعنی قوله:﴿یشتری لهو الحدیث﴾أی یستبد ل ویختار الغناء والمزامیر المعارف علی القرآن ،قال أبوالصباء الکبری :سألت ابن مسعود رضی اللّٰه عنه عن هذه الآیة فقال:هو الغناء واللّٰه الذی لاأله إلا هو، یرددها ثلاث مرات. وقال إبراهیم النخعی:الغناء ینبت النفاق فی القلب،وکان أصحابنا یأخذون بأفواه السکک یخرقون الدفوف،وقیل:الغناء رقیة الزنا وقال قتادة: هو کل لهو ولعب﴿لیضل عن سبیل اللّٰه بغیرعلم﴾ یعنی یفعله عن جهل ".(تفسیر البغوی المسمی معالم التنزیل (سورة لقمان:٦)٤٩٠/٣،اداره تالیفات اشرفیه ملتان)

(۱) "واستماع صوت الملاهی حرام کالضرب بالقصب وغیره قال علیه الصلوة والسلام :استماع الملاهی معصیة ،والجلوس علیها فسق، والتلذذ بها کفر".(البحرالرائق،کتاب الکراهیة ،فصل فی الأکل والشرب:٢٤٦/٨،رشیدیه)

(۲) تفسیر المدارک المسمی بمدارک التنزیل وحقائق التأویل (سورة الإسراء: ٦٤): ٧٢١/١، قدیمی

(۳) "لا تصح الإجارة لأجل المعاصی مثل الغناء والنوحة والملاهی ".(الدرالمختار)

وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه :"(قوله:والملاهی) کالمزامیر والطبل".(ردالمحتار،کتاب الإجارة،باب الأجارة الفاسدة،مطلب فی الا ستیجار علی المعاصی: ٥٥/٦،سعید)

(۴) قد تقدم تخریجہ تحت عنوان "شادی میں قوالی وغیرہ"

(۵) "ویکره أذان جنب ... وفاسق ". (الدرالمختار، کتاب الصلاة،باب الأذان: ٣٩٢/١،سعید)

شادی، ختنہ میں لڑکے کو سجانا اور پھولوں کا ہار گلے میں ڈالنا:

سوال(۱) شادی، یا ختنہ کے موقع پر لڑکے کو سجاتے ہیں؛ یعنی پھول کے ہار گلے، یا سر پر سجاتے ہیں اور نقاب ڈالتے ہیں اور کمر میں پٹکہ ڈالتے ہیں تو یہ سب جائز ہے، یا نہیں؟

(۲)　قدرتی پھولوں کا ہار دولہا کے گلے میں ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱)　شادی، یا ختنہ کے موقع پر اچھے عمدہ کپڑے پہنانا حدود شرع میں رہتے ہوئے درست ہے،(۱) ہار گلے میں نہ ڈالیں، سہرا بھی نہ باندھیں،(۲) نقاب بھی چہرہ پر نہ ڈالیں، پٹکہ نہ ڈالیں، پٹکہ جو کہ ہندوانہ رسم ہے، اس سے بھی پرہیز کریں۔(۳)

(۲)　وہ بھی گلے میں نہ ڈالیں، خوشبو کے لیے اس کو دے دینے میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۲۴۱)

شادی میں نیوتہ:

سوال:　اس ملک کا رواج ہے کے دولہا کی جب برات چلنے لگتی ہے تو دولہا کے آگے ایک برتن رکھا جاتا ہے اور اس میں ہر شخص کچھ رقم رکھتا ہے، اس کو ''نیوتہ'' کہا جاتا ہے، پھر یہ رقم دولہا کے ورثہ لیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے، نیز اس کی اصل شریعت میں پائی جاتی ہے، یا نہیں؟ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بدترین گناہ کہا ہے اور یہ مولوی صاحب اس رسم کو صلہ رحمی کہتے ہیں۔ اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور ایسے عالم صاحب کا کیا حکم ہے، جو خود کریں اور عوام جہلا کو ایسی بدعات کا حکم دیں، ایسے عالم صاحب کو شریعت میں کیا حکم ہے؟ جوابات ارقام فرما کر عنداللہ ثواب حاصل کریں۔

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر یہ بطریق اعانت کے ہو اور ریاکاری نام ونمود وغیرہ کچھ نہ ہو تو شرعاً درست؛ بلکہ مستحسن ہے؛ مگر طریقہ مروجہ کی

---

(۱)　شادی چوں کہ خوشی کا موقع ہے اور خوشی کے مواقع میں حدود شرع کے اندر تزئین جائز؛ بلکہ مستحسن ہے، جیسا کہ عید اور جمعہ کے دن فقہا نے خوشبو اور نیا لباس پہننے کو مندوب لکھا ہے:

وندب یوم الفطر ... وتطیبه بما له ریح الأحسن ،ولبسه أحسن ثیابه ولو غیر أبیض. (الدرالمختار)

قال في البحر: وظاهر کلامهم تقدیم الأحسن من الثیاب فی الجمعة والعیدین وإن لم یکن أبیض. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب العیدین، مطلب: یطلق المستحب علی السنة وبالعکس: ۲/۱٦۸، سعید)

(۲)　یہ ہندوانہ رسم ہونے کی بنا پر بوجہ تشبہ بالکفار کے بھی منع ہے۔ (بہشتی زیور، حصہ ششم، بیاہ کی رسموں کا بیان، ص:۲۶، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۳)　وفیه أن من أصر علی أمر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الأضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر. (مرقاة المفاتیح، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رشیدیه، رقم الحدیث: ۹٤٦)

حیثیت سے بجز رسم ورواج کے کچھ نہیں اور بسا اوقات برادری کے زور، یا رسوائی کے خوف سے دیا جاتا ہے؛ بلکہ اگر پاس نہ تو فرض، یا سودی لے کر دیا جاتا ہے؛اس لیے ناجائز ہے،(۱)اور اگر بطورِ قرض دیا جاتا ہے، جیسا کہ بعض جگہ رواج ہے تو اس میں مفاسد ہیں۔

''لایحل مال امری إلا بطیب نفس منه''. (رواه البیهقی)(مشکاة،ص:۲۵۵)(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹ر محرم الحرام ۱۳۶۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۲۴۲)

شادی میں رنگین کاغذ کے گیٹ بنوانا:

سوال: شادی میں گیٹ رنگین کاغذ کے بنوانا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

شادی میں محض نمائش وفخر کے ہر کام سے بچنا چاہیے، مروجہ طریقہ پر گیت بنوانا بھی اس میں داخل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۲/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۲/۱۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۲۴۳)

شادی میں چودھریوں کے حقوق:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعِ متین شریف سوالات مفصلہ تفصیل ذیل ہیں:

(۱) ایک مجمع برادری کا ہے، اس میں چند اشخاص چودھری واسطے انتظام غمی وشادی مقرر ہیں، تقریب غمی میں تو کچھ حاصل نہیں ہوتا؛ مگر جب کہ تقریب شادی ہوتی ہے، مثلاً: کسی آدمی نے تمام برادری کی ضیافت کی، وہ لوگ حاضر ہوئے، کھانا کھا گئے، چودھریوں نے بھی کھانا کھایا اور بلا اطلاع اور اجازت میز بان کی اپنے گھر لے جانے کو علاحدہ چاول پختہ اور ترکاری دال پختہ ومٹھائی وگھی وغیرہ پوشیدہ رکھ لیتے ہیں۔

پیشتر بزرگوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ جو چودھری ہوتا ہے، اس کا یہ دستور ہوتا ہے کہ سب برادری کے ساتھ کھانا کھالیا اور ایک خوراک اپنے گھر لے گئے، جس کا نام ''بخشی دوہرہ حصہ'' ہے، اب مثلاً دس چودھری ہیں، فی کس کم از کم دس آدمیوں کی خوراک ٹوکرہ بھر کر لے جاتا ہے اور ایک ہانڈی دال کی ہمراہ ہوتی ہے، ظاہر اور خفیہ دونوں

(۱) سود حرام ہے، اس کے کھانے والے اور گواہوں پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، حدیث شریف میں ہے:

''عن جابر رضی الله عنه قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الربا و موکله وشاهدیه، وقال: هم سواء''. (صحیح لمسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۷، قدیمی)

(۲) مشکاة المصابیح ، کتاب البیوع ، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی

طریقہ سے لے جاتے ہیں، صاحب خانہ تکرار کی وجہ سے خاموش رہتا ہے، اس کا ذکر میزبان اپنے دوست واحباب سے بعد میں شکایت بھی کرتا ہے، ایسا فعل چودھریوں کو جائز ہے، یا نہیں؟ ان کو یہ لے جانا حلال بھی ہوگا، یا نہیں؟

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کل برادری نے اتفاق کر رکھا ہے کہ جو شخص جدید آ کر برادری میں شامل ہونا چاہیے، وہ خشک چاول کل برادری میں مردوں کے فی کس آدھا سیر چاول اور دو چھٹانک دال ماش تقسیم کردے، بعد میں جس قدر چودھری ہیں، وہ دھڑی دھڑی چاول لے جاتے ہیں، جو شخص شامل ہوتا ہے، اس کو رنج ہوتا ہے، علاوہ اس کے بعض بعض آدمیوں کو بھی بُرا معلوم ہوتا ہے، یہ چودھریوں کی زبردستی ہے، سب برادری کی اجازت نہیں ہے، یہ فعل چودھریوں کا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر بُرا ہے تو کس درجہ کا؟ حرام ہے، یا حلال ہے؟ مؤاخذہ طلب ہوں گے؟ اگرچہ چودھریوں کا حصہ کل برادری بالاتفاق مقرر کردے۔ یہ صورت جائز ہے، یا نہیں؟

(۳) دولہا کی طرف سے اگر روپیہ خوشی سے بلا جبر دیا جاتا ہے، نیز اس کو لازم نہیں سمجھا جاتا؛ بلکہ بطورِ ہبہ اعانت کی غرض سے دیا جاتا ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اگر اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے، یا بلا رضامندی دولہا سے لیا جاتا ہے تو درست نہیں۔

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كذا في البحر الرائق". (فتاویٰ عالمگیری: ۷۷۸/۲)(۱)

(۴) اگر قرض لیا ہے اور واپس دینے کا قصد ہے تو جائز ہے، اگر نکاح کا عوض لیا ہے تو نکاح تو صحیح ہے؛ لیکن روپیہ واپس دینا ہوگا، (۲) البتہ اگر زید بخوشی ہبہ کردے اس روپیہ کو اور واپس نہ لے تو مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۱/۱۲/۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۴/۱۱)

سوتے ہوئے چودھریوں کو نکاح کے لیے سلام کرنا:

سوال: ہمارا ایک بڑا محلّہ ہے، اس میں بارہ چودھری ہیں، یہاں پر یہ رسم ہے کہ جب شادی ہوتی ہے تو دولہا ان کو رات کو سوتے ہوؤں کو جگا کر سلام کرتا پھرتا ہے، ورنہ یہ لوگ نکاح میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ کیا یہ حکم شریعت سے ثابت ہے؟

الجواب ______________ حامداً ومصلياً

اس رسم کا قرآن پاک، حدیث شریف اور فقہ میں کہیں وجود نہیں، یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے، خالص جہالت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے۔

---

(۱) الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۱۸۷/۲، رشیدیه

(۲) "أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة". (الدر المختار) "(قوله: عند التسليم): أي بأن أبى أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئاً، وكذا لو أبى أن يزوجها، فللزوج الاسترداد قائماً أو هالكاً؛ لأنه رشوة". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، قبيل مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ۱۵۶/۳، سعيد)

"من أحدث فی أمر نا هذا ما لیس منه، فهو رد". (متفق علیه)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۴۶)

جس شادی میں رسومات ہوں، اس میں علماء کی شرکت:

سوال: جس شادی میں سہرا باندھنا، آتش بازی اور دیگر رسوماتِ بدعت ہوں، اس میں علماء کی شرکت اور نکاح پڑھانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جب کہ پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں شادی میں یہ ممنوعات موجود ہیں تو اس میں شرکت سے انکار کر دیا جائے، خاص کر مقتدا (عالم، امام وغیرہ) کو شریک نہیں ہونا چاہیے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۴۷)

جس شادی میں منکرات ہوں، اس میں شرکت:

سوال (۱) کسی شادی میں ناچ طوائف، بقال، باجہ کے ساتھ، اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ اگر کسی رشتہ دار کا شامل ہونا ضروری ہے اور وہ محفل ناچ میں شرکت نہ کرے، صرف شادی کے دیگر کاروبار میں شامل ہو جاوے، کھانے میں شرکت کرے، اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کسی شادی میں صرف باجہ ہو، اس میں شرکت کرنا کھانے وغیرہ میں شامل ہونا کیسا ہے؟ اگر چہ اس کی نیت باجہ سننے کی نہیں ہے، وہ کس طرح شامل ہو سکتا ہے؟ اور اس کھانے میں کچھ حرج ہے، یا نہیں؟ اور ان صورتوں میں نکاح جائز مطابقِ شریعت ہو جاتا ہے، یا نہیں؟

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی/ والصحیح لمسلم، کتاب الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قدیمی)

قال القاری رحمه اللّٰه: "من أحدث": أی جدد وابتدع، أو أظهر وا خترع "فی أمرنا": أی فی دین الإسلام ..."فهو": أی الذی أحدثه "رد" أی مردود علیه ... قال القاضی: المعنی: من أحدث فی الإسلام رأیاً لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود علیه، قیل: فی وصف الأمر "بهذا" إشارة إلی أن أمر الإ سلام کمل و انتهی، وشاع وظهر ظهور المحسوس، بحیث لا یخفی علی کل ذی بصر وبصیرة، فمن حاول الزیادة فقد حاول أمراً غیر مرضی؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً، فهذا الشخص ناقص مردود عن جنابنا، مطرود عن بابنا، فإن الدین اتباع آثار الآیات والأ خبار، واستنبا ط الأحکام منها" (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۱۴۰): ۱/۳۶۵-۳۶۶، رشیدیه)

(۲) "شادی میں قوالی" عنوان کے تحت حوالہ جات درج ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) اگر وہ رشتہ دار ایسا ہے کہ اس کے شریک نہ ہونے سے شادی والوں کو رنج ہوگا اور توقع ہے کہ وہ ناچ گانا وغیرہ بند کرکے اس کو شریک کریں گے، یا اس کی شرکت سے دوسروں کو استدلال کا موقع ملے گا اور دوسرے لوگ بھی ان کاموں کو کریں گے، تب تو شرکت ناجائز ہے، بالکل انکار کردے اور صاف صاف کہہ دے کہ ان ناجائز چیزوں کو بند کرو، تب تو شریک ہوں، ورنہ میں شریک نہیں ہوتا۔ اگر وہ رشتہ دار ایسا نہیں؛ بلکہ چاہے وہ شریک ہو، چاہے نہ ہوں، کسی کو اس کی پرواہ نہیں، تب شادی کے ناجائز کاموں کو روکنے کی کوشش بہر حال حسب وسعت ضروری ہے۔(۱)

---

(۱) دعـي إلـى وليمة وثمة لعب أو غناء ، قعد وأكل لو المنكر في المنزل، فلو على المائدة لا ينبغي أن يقعد بل يخرج معرضاً،لقوله تعالىٰ:﴿فلا تقعد بعد الذكرىٰ مع القوم الظالمين﴾ فإن قدر على المنع، فعل،وإلا صبر إن لم يكن ممن يقتدى به، فإن كان مقتدى ولم يقدر على المنع، خرج ولم يقعد ؛لأن فيه شيئاً للدين، وإن علم أولاً باللعب،لا يحضر أصلاً ،سواء كان ممن يقتدى به أولا ، لأ حق الدعوة إنما يلزمه بعد الحضور،لا قبله، وفي السراج : ودلت المسئلة أن الملاهي كلها حرام ،ويدخل بلا إذ نهم لإنكار المنكر، قال ابن مسعود رضى الله عنه:"صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات"،قلت:وفي البزازية:استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام ، لقوله عليه السلام "استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر،آه". (الدرالمختار، كتاب الحظر والأباحة،قبيل فصل في اللبس:٦/٣٤٧-٣٤٩،سعيد)

"وكره كل لهو، لقوله عليه السلام:" كل لهو المسلم حرام "الخ، والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأ وتار ميں الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنع والبوق ، فإنها كلها مكروهة ؛لأنها زى الكفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلک حرام". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة ،فصل في البيع:٦/٣٩٥،سعيد)

"وعن الحسن رحمه الله:لا بأس بالدف في العرس يشتهر ، وفي السراجية : هذا إذا لم يكن له جلاجل، ولم يضرب على هيئة التطرب،آه". (ردالمحتار،المصدرالمتقدم،قبيل فصل في اللبس:٦/٣٥٠،سعيد)

قال الله تعالىٰ:﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزواً أو لئک لهم عذاب مهين﴾(سورة اللقمان:٦)

قال العلامة البغوى في المعالم :"عن عبد الله بن مسعود وابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهم ، والحسن وعكرمة وسعيد بن جبير رحمهم الله تعالىٰ قالو:﴿لهو الحديث﴾هو الغناء ، والآية نزلت فيه ، ومعنى قوله:﴿يشترى لهو الحديث﴾:أى يستبدل ويختار الغناء والمزامير المعازف على القرآن:قال أبوالصباء الكبيرى:سألت ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه عن هذه الآية فقال:هو الغناء ، والله الذى لا إله إلا هو، يرددها ثلاث مرات، وقال إبراهيم النخعى: الغناء ينبت النفاق في القلب، وكان أصحابنا يأخذون بأفواه السكک يخرقون الدفوف، وقيل:الغناء رقية الزنا،وقال قتادة:هوكل لهو ولعب ﴿ليضل عن سبيل الله بغير علم﴾ يعنى يفعله عن جهل". (تفسير البغوى المسمى معالم التنزيل(سورة لقمان:٦)٣/٤٩٠،اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

وقال الله تعالىٰ﴿استفزز من استطعت منهم بصوتک﴾(سورة الإسراء:٦٤)　==

(۲) اس کا بھی یہی حکم ہے؛ مگر نکاح دونوں صورتوں میں صحیح ہو جائے گا، ناجائز کاموں کا گناہ بھی ہوگا، پہلی صورت میں زیادہ دوسری صورت میں اس سے کم۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۵/۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۷/۱۱)

نکاح میں غیر شرعی رسوم:

سوال: زید اوراس کا پورا خاندان معتقد ہے مراسمِ نامشروع اور رواجِ کافرانہ کا، اسی وجہ سے عقد ونکاح کے سلسلہ میں ناچ، گانا، باجہ، منڈھا، مہندی، کلدوہ، سہرا اور تیل اتارنے کے نام سے چلتے ہیں، کوئی نکاح خاندانِ زید میں بغیر ان رسموں کے نہیں ہوتا؛ کیوں کہ مذکورہ بالا رسموں کو وہ لوگ برا نہیں سمجھتے ہیں اور باوجود سمجھانے کے بھی ان تمام رسموں کو حلال ہی جانتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر زید کا نکاح مذکورہ اعتقاد اور رسم ورواج کافرانہ کے ساتھ ہو تو نکاح درست ہوگا، یا نہیں؟ اور شرکائے مجلس یعنی وکیل و گواہ اور نکاح خواں وغیرہ پر کوئی الزام شرعی وارد ہوتا ہے، یا نہیں؟ اگر زید مذکورہ معتقدات اور رسمیات کے ساتھ ہونے والی منکوحہ کو طلاق دے بیٹھے تو اس منکوحہ مذکورہ کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کے لیے حلالہ ضروری ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

انتہائی جہالت اور پرانی رسم کی وجہ سے زید ان چیزوں میں شریک ہے اور کفر نہیں سمجھتا اور سارے خاندان ہی کا یہ حال ہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) تاہم زید اوراس کے خاندان کو کافر ومرتد نہیں قرار دیا جائے گا اور اسلام سے خارج مان کر کافروں کے احکام نہیں دیئے جائیں گے؛(۱) اس لیے اس نکاح کو بھی درست کہا جائے گا اور اس پر پورے شرعی احکام جاری ہوں گے۔ اگر وہ تین طلاق دے گا تو پھر غلبہ حلالہ کے دوبارہ نکاح کی اجازت نہیں ہوگی۔ عقائد واعمال کی اصلاح بہر حال لازم ہے، اس کی پوری کوشش کی جائے۔ (۲)

== "واستماع صوت الملاهي حرام كالضرب بالقصب وغيره، قال عليه الصلاة والسلام: استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ٢٤٦/٨، رشيديه)

﴿واستفزز من استطعت منهم بصوتك﴾ "صوت الغناء والمزامير". (تفسير المدارك المسمىٰ بمدارك التنزيل وحقائق التأويل (الإسراء: ٦٤، قديمی)

(۱) "إذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم، ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير، فهو مسلم". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ٤٥٨/٥، إدارة القرآن كراتشی)

(۲) "والذي صرح به أئمتنا أنه يجب على كل أحد وجوباً عيناً أن يعرف صحيح الاعتقاد من فاسده". (الفتاویٰ الحديثية، باب في أصول الدين، مطلب: يتعين على ولاة الأمور، آه، ص: ٢٧٥، قديمی)

شرکائے مجلس، وکیل، گواہ نکاح خواں کے لیے صرف شرکتِ مجلس کے مسائل دریافت کرنے پر قناعت نہ کی جائے، جب سارا خاندان ہی ایک رنگ میں رنگا ہوا ہے تو سب کی اصلاح لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۲۵۴/۱۱)

شادی کی رسومات ختم کرانے کی ضرورت:

سوال: قوم پنجابیان کے اندر بیاہ شادی میں زمانہ جاہلیت کی رسومات اکثر جاری تھیں، چنانچہ ان قبیح رسموں میں سے ایک رسم قبل شب عروس بارات کو کھانا کھلانے کی بیٹی والوں کی طرف سے بھی تھی، جو انتہائی تباہ کن تھی۔ حاصل یہ کہ مصلحان قوم نے قوم کا عام جلسہ کیا اور رسومات قبیحہ کو قوم کے سامنے پیش کیا، قوم نے کثرت رائے سے ان رسومات کو جو تبذیر ونمود واسراف پر مبنی تھیں، ان کو جہاں تک ممکن ہو سکا کم کیا اور بند کیا، چناں چہ چند نمودیوں نے جو اپنے آپ کو اکابرین ومعززین خیال کرتے تھے، رائے عامہ کو اس وقت بھی ٹھکرانا چاہا؛ مگر کثرت رائے کے آگے ان کی کچھ نہ چلی اور اب یہ چند نمود پرست کثرت رائے کے خلاف جاری شدہ اصلاحات کی شدید مخالفت کر رہے ہیں اور ان اصلاحات کو نقصان پہنچانے کے لیے تحریری وتقریری پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے کہ بارات کو کھانا کھلانا واجب اور سنت نبوی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس وقت مسلمانوں کی تباہی اور اقتصادی مصیبت کی زیادہ تر وجہ یہی مسرفانہ رسوم ہیں، یہ رسوم اندر ہی اندر مسلمانوں کی دولت، عزت، خودداری کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہیں، جو رسمیں کہ کافروں سے سیکھ کر مسلمانوں نے اختیار کر لی ہیں، ان کے تو ناجائز اور واجب الترک ہونے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا، ان کی مثال چوتھی اور چالوں کی دعوتیں ہیں، جو شرعی فرائض سے بھی زیادہ التزام وپابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔

اگر بعض رسمیں ایسی بھی ہوں کہ وہ کفار سے ماخوذ نہ ہوں اور شریعت اسلامیہ بھی ان کو مباح قرار دیتی ہو؛ بلکہ مستحب بتاتی ہو؛ مگر ان پر التزام کرنا متعدد مفاسد ملیہ وقومیہ کا موجب ہو اور قوم کی تباہی کا پیش خیمہ تو ایسی رسوم کو بھی ترک کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔(۱) لڑکی والوں کی طرف سے بارات کو کھانا دینے کی رسم بھی اس قسم کی رسوم میں داخل ہے، جو بہت سے نقصانات وفسادات اپنے اندر رکھتی ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ رسم کفار سے ماخوذ نہیں ہے، جب بھی اس میں شبہ نہیں کہ قرون اولیٰ میں اس دعوت کا رواج نہ تھا۔ ولیمہ کی دعوت مسنون ہے؛(۲) مگر وہ

---

(۱) من أصر علی فعل مندوب وجعله عزمًا ولیعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال. (مرقاة المفاتیح، باب الدعاء فی الشهید: ۳۵۳/۲، سعید)

(۲) عن أنس أن النبی صلی الله علیه وسلم رأی علی عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة، قال ما هٰذا؟ قال: إنی تزوجت امرأة علی وزن نواة منن ذهب، قال: بارک الله لک، أو لم ولو بشاة. (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب کیف یدعی للمتزوج: ۷۷۴/۲، قدیمی)

دولہا والوں کی طرف سے زفاف کی صبح کو ہوتی ہے۔ دلہن کی طرف سے جو دعوت بارات کو دی جاتی ہے، اس کو ولیمہ کہنا درست نہیں، ہاں کبھی لفظ ولیمہ کا اطلاق مطلقاً ہر دعوت پر کر دیا جاتا ہے؛(۱) مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ولیمہ کی طرح تمام دعوتیں مسنون ہو جائیں۔ لڑکی والوں کی طرف سے بطور مہمانی باراتیوں کو کھانا کھلا دینا، یا ناشتہ کرا دینا فی حد ذاتہ جائز ہے؛ لیکن جب کہ اس کو ایک رسم کی طرح اختیار کر لیا جائے اور اس کی وجہ سے متعدد خرابیاں اور نقصانات پیش آ جائیں تو اس کا ترک لازم ہے؛ اس لیے نہیں کہ یہ دعوت فی حد ذاتہ ناجائز ہے؛ بلکہ اس لیے کہ وہ بعض مکروہات ومحرمات کا سبب بن گئی ہے،(۲) اور جب کہ کسی قوم، یا جماعت کے اکثر افراد کسی بات کو قوم کے لیے مضر سمجھ کر اس کے ترک کرنے پر اتفاق سے، یا کثرت سے تجویز منظور کر دیں تو پھر تمام لوگوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے اور اختلاف پیدا کرنے سے بچنا چاہیے۔ لڑکی والے کی طرف سے بارات کو کھانا دینے کی رسم میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ غریبوں کی لڑکیوں کی شادی میں مشکلات پیش آ جاتی ہیں، لڑکے والے ایسی لڑکی سے شادی کو پسند نہیں کرتے، جس کے سرپرست رات کو کھانا نہ دیں، یا نہ دے سکیں۔

حضرت ام حبیبہؓ کے واقعہ عقد اور نجاشی کی طرف سے کھانا کھلانے کے قصے سے اس امر پر استدلال کرنا کہ لڑکی والوں کی طرف سے بارات کا کھانا ثابت ہو گیا، قلت تدبر کی دلیل ہے؛ کیوں کہ اسی قصہ میں یہ منقول ہے کہ نجاشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل اور آپ کے قائم مقام تھے اور حضرت ام حبیبہؓ کے وکیل خالد بن سعید تھے تو نجاشی نے اس کی کھلی دلیل ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ کھانا دیا اور اس کو انبیاء علیہم السلام کی سنت بتایا کہ جب ایک دلیل اور بھی ہے کہ یہ کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بطور ولیمہ دیا گیا تھا، وہ یہ کہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ یہ نکاح ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجاشیؒ کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ نے کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر کے چار سو دینار نجاشی نے دیئے اور ولیمہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھلایا، بہرحال یہ کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بطور ولیمہ کے دیا گیا ہے، بیٹی والوں کی طرف سے نہیں تھا، زیادہ سے زیادہ کہ زفاف سے پہلے دیا گیا ہے تو اس کا مضائقہ نہیں؛ کیوں کہ ولیمہ دولہا کی طرف سے عقد کے وقت زفاف سے پہلے دیئے جانے کے بھی بعض علماء قائل ہیں۔(۳) گو جماہیر علماء کے نزدیک زفاف کے بعد ہوتا ہے اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں پہلے دینے کی وجہ ظاہر ہے کہ نکاح حبشہ میں ہوا تھا اور حضرت صلی اللہ

(۱) وفي ردالمحتار: مقتضاه انها سنة مؤكدة بخلاف غيرها. (كتاب الحظر والإباحة: ٣٤٧/٦، سعيد)

(۲) الوليمة: وهي طعام العرس، وقيل الوليمة اسم لكل طعام. (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٣٤٧/٦، دارالفكر بيروت، انيس)

وكل جائز أدى إلى اعتقاد ذلك كره. (ردالمحتار، كتاب الصلاة: ٣٧١/١، سعيد)

(۳) قيل: إنها تكون بعد الدخول، وقيل: بعد العقد، وقيل: عندهما. (مرقاة المفاتيح، باب الوليمة: ٢٥/٦، امدادية)

علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے، زفاف میں دیر تھی؛ اس لیے نجاشیؒ، یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولیمہ کی سنت ادا کردی، تاخیر مناسب نہ سمجھی۔

"أم حبيبة بنت أبي سفيان واسمها رملة زوجها أياه عثمان بن عفان بأرض الحبشة، انتهٰی". (استیعاب)(۱)

یعنی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوسفیان کی صاحبزادی جن کا نام رملہ ہے، ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔

دوسری روایت یہ ہے:

"تزوج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أم حبيبة بنت أبي سفيان زوجها إياه عثمان بن عفان وهي بنت عمته ... زوجها أياه النجاشي وجهزها إليه، وأصدقها أربع مائة دينار وأولم عليها عثمان بن عفان لحمًا وثريداً، انتهى باختصار. (استیعاب)(۲)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ بنت سفیان سے نکاح کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کہ ان کی پھوپھی زاد بہن تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح نجاشی نے کرایا اور نجاشی نے ہی سامان تیار کیا اور چار سو اشرفیاں مہر میں ادا کیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ثرید اور گوشت کا ولیمہ کیا اور اسی کتاب استیعاب میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی نے یہ بات ظاہر کی کہ مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا ہے کہ میں ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرداوں؛ اس لیے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں اور چار سو دینار مہر کے دیتا ہوں، پھر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو دے دیں اور لوگوں سے کہا: ٹھہرو، حضرات انبیاء کی یہ سنت ہے کہ جب وہ نکاح کریں تو کھانا بھی کھایا جائے، پھر کھانا منگایا اور لوگوں نے کھایا۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل کی حیثیت سے کھانا دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سنت ولیمہ ادا کی تھی۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ عفا عنہ، بہ مدرسہ امینیہ دہلی، ۱۱/رجب ۱۳۵۰ھ۔ (کفایۃ المفتی: ۱۵۵/۵-۱۵۷)

شادی وغیرہ رسوم کی اصلاح:

سوال: اسلامی انجمنوں نے دستور العمل بنایا ہے؛ تا کہ اس نازک وقت میں رسومات بدترک ہوں، بحکم خدا اور بفرمودۂ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلمان ہر ایک کا انجام لائے، کمیٹی نے مختلف لوگوں کو دستور العمل کی کاپیاں

(۱) الاستيعاب في معرفة الأصحاب على هامش الإصابة في تمييز الصحابة: ۳۰۳/۴، دارإحياء التراث العربي بيروت

(۲) الاستيعاب في معرفة الأصحاب على هامش الاصابة في تمييز الصحابة: ۳۰۴/۴، داراحياء التراث العربي، بيروت

بھی دیں، خط کے نقول بھی روانہ کئے، کمیٹی کی جانب سے وفد بھی گئے؛ تاکہ فضول خرچی نہ کریں، یہ سب شیطانی کام ہےاورقوم اس سے روز بروز غربت اور مشکل میں پڑتی ہے۔

کئی بزرگوں نے اس پر لبیک کہا، قرآن وحدیث نبوی پر عمل کیا، کچھ جاہل لوگ ایسے بھی ہیں، جن کو دولت حرام ملتی ہے، لوگوں کا خون چوستے ہیں، شیطانی کام کرتے ہیں، اگر دستور العمل اور خط ملنے کے باوجود انہوں نے اس پر عمل نہ کیا تو صرف قرآن وحدیث کے مطابق ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے، تاکہ باقی لوگ بھی عبرت حاصل کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

فضول خرچی، غلط رسوم، ناجائز حرکات کی اصلاح ضروری ہے، شادی اور نکاح درحقیقت ایک عبادت ہے، جوکہ حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔(۱) اس نیت سے شادی کی جائے اور وہی طریقہ اختیار کیا جائے، جس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اختیار کیا ہے اور کتب فقہ، نیز شروحِ حدیث میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح الرسوم اور بہشتی زیور میں اس کی پوری تشریح فرمادی اور جو رسم غیر شرعی رائج ہوگئی ہے ان کو بھی لکھ دیا ہے۔

اگر سب برادری جمع ومتفق ہوکر اس پر عمل کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت سی خرابیوں سے حفاظت رہے گی اور یہ شادی گناہوں اور خرافات سے پاک ہوکر عبادت اور قربت بن جائے گی، اس کا نفع دنیا میں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی ہوگا، جو لوگ خلافِ شرع اور ناچ گانا بجانا وغیرہ اپنی شادی میں کریں، ان کی شادی میں شرکت نہ کی جائے اور آئندہ ان کے یہاں شادی سے بھی پرہیز کیا جائے، ان کی دعوت بھی قبول نہ کریں، تاآنکہ وہ توبہ کرلیں اور ہر کام شریعت کے مطابق کرنے کا وعدہ کرلیں۔ نیز جہاں تک ہوسکے، تشدد نہ کیا جائے، کوئی جسمانی، یا مالی سزا نہ دی جائے؛ بلکہ شفقت وفہمائش سے کام لیا جائے، اللہ پاک مدد فرمائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۲۵۵)

---

(۱) حدیث پاک میں ارشاد ہے: ”عن عبد اللّٰہ مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: ”یا معشر الشباب ! من استطاع منکم الباءة فلیتزوج ؛فإنه أغض للبصر ،وأحصن للفرج ،ومن لم یستطع فعلیه الصوم ،فإنه له وجاء“.(متفق علیه). (مشکاة المصابیح ،کتاب النکاح، الفصل الأول ،ص:۲۶۷،قدیمی)

قال الملاعلی القاری رحمه اللّٰہ تعالیٰ:”قال بعضهم :هو واجب بالإجماع ؛لأنه یغلب علی الظن أو یخاف الوقوع فی الحرام ... قیل: فرض کفایة ،وقیل: واجب علی الکفایة .وقیل:مستحب:وقیل:سنة موکدة،وهو الأصح ،وهو أقرب إلی العبادة حتی إن الا شتغال به أفضل من التخلی عن لمحض العبادة“.(مرقاة المفاتیح،کتاب النکاح، الفصل الأول:۶/۲۶۱،رشیدیه)

سنت کے خلاف رسم ورواج کی پابندی کی جائے، یا نہیں:

سوال: اس وقت ہر ہر بستی میں اتنی قیود و پابندی ہے کہ ایک لڑکا شادی کرنا چاہتا ہے تو بمشکل کر سکتا ہے؛ کیوں کہ بستی کے رسم ورواج میں فضول خرچی اور سراسر سنت کے خلاف ہورہا ہے۔ آیا اس کا ساتھ دیا جائے، یا نہیں؟ اگر ساتھ نہیں دیتے ہیں تو بائیکاٹ کر دیتے ہیں، اس وقت ہم کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اپنی حد وسعت تک نبھانا ہی چاہیے اور حسنِ تدبیر وحسنِ اخلاق سے سمجھایا جائے، (۱) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک حالات میں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ودیگر اکابر کے حالات سنانے کا اہتمام کیا جائے، جس سے اپنے طریق کا غلط ہونا معلوم ہو اور ان کے اتباع کی رغبت پیدا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۱۳۸۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۵۶)

سود کی رقم سے شادی:

سوال: لڑکی پیدا ہونے کے چار سال کے بعد بنک میں فکسڈ ڈپازٹ کیا جاتا ہے، پندرہ بیس سال کے بعد لڑکی کا رشتہ طے ہوتا ہے تو وہ رقم بنک سے نکال کر (وہ رقم تو لاکھوں میں ہوتی ہے) اس روپئے سے شادی کرنا جائز ہے، یا ناجائز ہے؟ شرعی رو سے مسئلہ بتائیے؟ (عمران خاں، ملے پلی، حیدرآباد)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ڈاک خانوں اور بنکوں میں روپئے جمع کر کے اس کا سود لینا حرام ہے؛ لیکن وہاں چھوڑنے کے بجائے وصول کر کے سڑکوں، پیشاب خانوں، پاخانوں اور نالیوں کی تعمیر جیسے رفاہ عام کے کاموں میں لگا دینا چاہیے، یا اس سے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور مقروضوں کی امداد کرنی چاہیے اور ان مظلوموں کی امداد بھی جائز ہے، جن کو ناحق مقدمہ میں ماخوذ کر لیا گیا ہو؛ مگر ثواب کی نیت سے نہ ہو؛ کیوں کہ حرام مال کسی کو دینے سے ثواب نہیں ملتا۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۲۷۳)

حرام پیسوں سے غریب لڑکیوں کی شادی:

سوال: کیا حرام کمائی سے غریب لڑکیوں کی شادی کی جاسکتی ہے؟ (سیدزاہد فردین، یاقوت پورہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

کسی آدمی کا خاص طور پر اس مقصد کے لیے حرام کی کمائی حاصل کرنا تو درست نہیں؛ کیوں کہ کسی عمل کے درست ہونے

---

(۱) "وينبغي للآمر والناهي أن يرفق، ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۳، رشيديه)

(۲) فتاوی رحیمیہ: ۳/۲۶۵

کے لیے مقاصد کے بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ طریقۂ کار بھی درست ہونا ضروری ہے؛ لیکن اگر غفلت کی وجہ سے، یا بلا ارادہ اس کی کمائی میں کچھ حرام حصہ بھی شامل ہوگیا تو اصل تو یہ ہے کہ مالِ حرام جس سے لیا گیا ہو، اسے واپس لوٹایا جائے؛ لیکن اگر اس کا پتہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے، یا کسی اور وجہ سے اس کو نہیں لوٹایا جاسکا تو پھر اس کو غرباء پر صدقہ کر دینا واجب ہے اور غریبوں پر صدقہ کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ غریب لڑکیوں کی شادی کردی جائے، اس لیے یہ صورت بھی درست ہے۔

"لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۳۹)

لڑکے کے گھر جا کر نکاح:

سوال: ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک زمیندار لڑکے کے ساتھ اس کے گھر جا کر کردیا، جائز شرائط کے ساتھ ہوا کہ وہاں لڑکے کے والدین اور لڑکا اور لڑکی کے والدین اور لڑکی اور مولوی صاحب جنھوں نے نکاح پڑھایا، لڑکے کے گھر جانے کی ضرورت یوں پڑی کہ برادری والے دوسری جگہ شادی کرانے پر بضد تھے تو کیا یہ نکاح درست ہوگیا؟ برادری والے دوبارہ نکاح کو کہتے ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب لڑکا اور لڑکی اور دونوں کے والدین اور گواہ موجود تھے اور نکاح کا ایجاب وقبول سب کی رضامندی سے شریعت کے مطابق ہوا ہے، اگرچہ کسی کے مکان میں ہوا ہے تو بلا شبہ وہ شرعاً صحیح اور معتبر ہوگیا، (۲) برادری کا یہ کہنا کہ نکاح (ہماری سب کی موجودگی میں ہماری منشا کے مطابق ہو) دوبارہ کیا جائے، غلط اور بلا وجہ شرعی تنگ کرنا اور لڑکی کے والد کو مجبور کرنا کہ جہاں ہم کہیں وہاں نکاح کرو ظلم ہے، برادری کو لازم ہے کہ اپنی اصلاح کرے، ظلم سے باز آئے، ورنہ اس کا دبال بہت سخت ہے۔ (۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۱۳۹۱ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۳۷-۱۳۸)

نکاح کے سال بھر بعد رخصتی:

سوال: عام طور پر رواج ہے کہ نکاح کے ایک سال بعد، یا اس سے کم وبیش کے بعد رخصتی ہوتی ہے، جس کو "چالا" کہتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) ردالمحتار: ۹/۵۵۳

(۲) النكاح ينعقد متلبسا بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(۳) عن ابن عمر رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "الظلم ظلمات يوم القيامة".

"وعنه قال؛ قال رسول صلى الله وعليه وسلم قال: "لتؤدن الحقوق إلى أهلها يوم القيامة حتى يقاد للشاة الجلجاء من الشاة القرناء". (رواه مسلم) وذكر حديث جابر: "اتقوا الظلم" فى باب الانفاق". (مشكاة المصابيح، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۴۳۵، قديمى)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

بوقت عقد اگر لڑکی نابالغہ ہوتو رخصت کے لیے بلوغ کا انتظار کرلیا جائے،(۱) لڑکی کی ضرورت کی چیزیں اس کو دینے میں مضائقہ نہیں،(۲) تاکہ فوری طور پر وہاں پریشانی نہ ہو، دوچار احباب واعزہ بھی آجائیں؛ تاکہ لڑکی کو عزت ومحبت کے ساتھ رخصت کریں، تب بھی درست ہے۔لڑکی کے بالغہ ہونے کے باوجود رخصتی میں سال بھر کی تاخیر لازم قرار دینا غلط ہے، اس کو ترک کیا جائے، نیز لڑکی کو جو کچھ دیا جائے، اس کی تشہیر ونمائش نہ کی جائے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۵/۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۱۳۷)

نکاح کے بعد رخصتی کب تک ہوجائے:

سوال: میری جانکاری کے مطابق حضرت جی کا گجرات کا دورہ ہونے والا ہے، اس وقت میں اپنا نکاح حضرت جی سے پڑھوانا چاہتا ہوں۔ چھ، سات ماہ بعد میری بہن کی شادی ہونا طے پائی ہے، بہن کی شادی کے موقع پر اپنی بیوی کی رخصتی کرانا چاہتا ہوں؛ یعنی نکاح کے ۶، ۷/ماہ بعد، فی الحال میری عمر ۲۶/سال اور لڑکی کی عمر ۲۰/سال ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ از روئے شرع نکاح کے بعد ۶، ۷/ماہ روکے رکھنا جائز ہے، یانہیں؟ اور ایسا کرنا مناسب ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ طرفین کی مصلحت پر موقوف ہے، شریعت کی طرف سے نہ پابندی ہے کہ ضرور روکا جائے، نہ ممانعت ہے کہ ہرگز نہ روکا جائے؛ بلکہ اگر حالات کا تقاضا روکنے کا ہو تو اس کی بھی اجازت ہے، نہ روکنے کا ہو تو اس کی بھی اجازت ہے، شوہر کا نکاح کے بعد مطالبہ رخصت کا بھی حق ہے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۱۲/۲۰ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۱۳۸-۱۳۹)

نکاح اور رخصتی کے درمیان کتنا فصل ہو:

سوال: شادی کے بعد رخصتی کب ہونی چاہیے؟ کیا شادی کے بعد اسی دن رخصتی مسنون ہے؟ اگر مسنون ہے تو حوالۂ کتب لکھیے؟

---

(۱) وإذا نقد الزوج المهر وطلب من القاضی أن یأمر أبا المراة بتسلیم المرأة، فقال أبوها: إنها صغیرة لا تصلح للرجال ولا تطیق الجماع، وقال الزوج: بل هی تصلح وتطبیق، ینظر: إن كانت ممن تخرج، اخرجها واحضرها، وینظر إلیها فإن صلحت للرجال أمر بدفعها إلی الزوج، وإن لم یصلح لم یأمره، الخ". (الفتاویٰ الهندیة، كتاب النكاح، الباب الرابع فی الأولیاء: ۱/۲۸۷، رشیدیة)

(۲) عن علی رضی اللّٰه عنه، قال: جهز رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوها إذخر". (سنن النسائی، كتاب النكاح، باب جهاز الرجل ابنته: ۲/۹۲، قدیمی)

(۳) عن جندب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم: "من سمع سمع اللّٰه به، ومن یرائی یرائی به. (متفق علیه) (مشكاة المصابیح، باب الریاء والسمعة، الفصل الأول، ص: ٤٥٤، قدیمی)

(۴) "وإذا نقد الزوج المهر وطلب من القاضی أن یأمر أبا المرأة بتسلیم المرأة، فقال أبوها: إنها صغیرة==

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

نکاح کے بعد حسب مصالح رخصتی میں تاخیر بھی درست ہے،(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی اور نکاح تین سال کا وقفہ ہوا ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳۹۶/۶/۲۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۱۳۹)

شوہر کی بیماری کی وجہ سے رخصتی میں تاخیر:

سوال: زید کا نکاح تقریباً تین سال پہلے ہوا تھا اور رخصتی ہونا بعد میں طے پائی تھی، نکاح کے وقت زید زیر تعلیم تھا، زید نے باہر رہ کر قریب ڈیڑھ سال تک تعلیم پوری کی ،قبل اس کے کہ زید کے والدین زید کے سسرال والوں سے رخصتی کی تاریخ طے کرتے ،تعلیم پوری کرنے کے بعد زید اچانک بیمار ہو گیا اور قریب چھ ماہ بیمار رہا، کچھ دنوں اچھا رہنے کے بعد زید پھر بیمار پڑ گیا، اس بیچ زید کے سسرال نے اپنی بیٹی کی رخصتی کر دیتی چاہی؛ لیکن چوں کہ زید بیمار تھا اور زیر علاج تھا، لہذا زید کے گھر والوں نے زید کے اچھا ہونے تک رخصتی کر دینی چاہی؛ لیکن چونکہ زید بیمار تھا اور زیر علاج تھا، لہذا زید کے گھر والوں نے زید کے اچھا ہونے تک رخصتی ملتوی کر دی، زید قریب ڈیڑھ سال تک اس طرح رہا کہ کبھی صحت یاب ہوا، کبھی بیمار۔ اب زید قریب عرصہ ۳/ ماہ سے بالکل ٹھیک ہے اور صحت میں دن بدن اضافہ ہے، زید کی صحت اور گھر کے حالات ساز گار دیکھ کر زید کے والدین نے زید کے سسرال والوں سے رخصتی کی تاریخ مانگی تو لڑکی کے والدین سے یہ جواب ملا کہ ہم طلاق لیں گے؛ کیوں کہ لڑکا ویسا نہیں جیسا کہ وہ پہلے صحت یاب تھا، لہذا اس بات کو پنچایت کے سپرد کیا گیا اور دو پنچایت ہوئی۔ اس میں زید کے سسرال والوں نے پنچوں سے رخصتی کی معافی مانگتے ہوئے طلاق لینے کی بات کی، لڑکی بھی زید کی بیماری کی وجہ سے زید کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، فیصلہ اب بھی پنچایت کے ہاتھ میں ہے۔ زید نہ تو پاگل ہے، نہ دیوانہ ہے، نہ کوڑھی ہے اور نہ جسمانی کمزوری ہے، ایسے حالات میں پنچ فیصلہ شریعت کے قواعد کے خلاف اگر کر دیتے ہیں تو سب گنہگار ہوں گے، شریعت کے قانون سے پنچ ناواقف ہیں۔ ان حالات میں مسئلہ کیا کہتا ہے؟

== لا تصلح للرجال ولا تطيق الجماع ، وقال الزوج: بل هي تصلح وتطيق، ينظر :إن كان ممن تخرج اخرجها واحضرها وينظر إليها، فإن صلحت للرجال أمر بدفعها إلى الزوج، وإن لم تصلح لم يأمره" (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الاولياء: ۲۸۷/۱ ،رشيدية)

(۱) وإذا نقد الزوج المهر وطلب من القاضي أن يأمر أبا المراة بتسليم المرأة، فقال أبوها :إنها صغيرة لا تصلح للرجال ولا تطيق الجماع، وقال الزوج: بل هي تصلح وتطيق، ينظر: إن كانت ممن تخرج، اخرجها واحضرها، وينظر إليها فإن صلحت للرجال أمر بدفعها إلى الزوج، وإن لم يصلح لم يأمره، الخ". (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۲۸۷/۱ ،رشيدية)

(۲) عن هشام بن عروة، عن عروة: تزوج النبي صلى الله عليه وسلم عائشة وهي ابنة ست، وبنى بها وهي ابنه تسع". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب من بنى بامرأة وهي بنت تسع: ۷۷۵/۲ ،قديمي)

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ان حالات میں طلاق کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ رخصتی کردی جائے،(۱) کیا بعید ہے کہ رخصتی کی برکت سے حق تعالیٰ عمدہ وصحت وقوت دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۱۴۰-۱۴۱)

اپنے یہاں کی تقریب کے باوجود دوست کی تقریب میں شرکت:

سوال: کوئی ذی حیثیت آدمی اپنی دولڑکیوں کی شادی کرتا ہے، اپنی مخالفت نیز دور حاضر میں دیگر دوراندیشوں کے تحت انہیں شادی ہونے والی لڑکیوں سے ہی بارات کے دس پانچ آدمیوں کا کھانا بھی پکوانا چاہتا ہے؛ لیکن اتفاقاً ایسا ہوجاتا ہے کہ اس دن قدرتاً ایسا آپڑتا ہے کہ پاس ہی لڑکیوں کے باپ ذی حیثیت دوست کے لڑکے کی شادی کا ولیمہ اسی دن ہوتا ہے اور باراتی صاحبان کو کھانا ولیمہ کا کھلایا جاتا ہے تو کیا باراتی صاحبان یالڑکیوں کے باپ کی عزت میں کوئی فرق آتا ہے، یا کوئی بدنما دھبہ کسی پر قائم ہوتا ہے اور کہاں تک جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگراس ذی حیثیت دوست کے ساتھ لڑکیوں کے والد اور براتیوں کا محبت اور بے تکلفی کا تعلق ہے اور وہ اعزاز واکرام کے ساتھ لڑکیوں کے والد اوراس کے مہمان (باراتیوں) کی دعوت کرتا ہے، جس کو سب بخوشی منظور کرلیتے ہیں تو اس کی وجہ سے عزت میں فرق نہیں آئے گا، نہ کوئی بدنما دھبہ لگے گا؛ بلکہ داعی پر بھی ان کا احسان ہوگا کہ اپنی تقریب کے باوجود دوست کی تقریب میں شرکت ودعوت کو منظور کرلیا۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۸/۹/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۱۴۳)

والدین اور برادری شادی میں رسوم ادا کرنے پر مصر ہیں، کیا کیا جائے:

سوال: زید کی دلی خواہش ہے کہ اس کی شادی میں رسوم خلاف شرع مثلاً گانا، باجے، ناچ وغیرہ بالکل نہ ہوں؛ لیکن اس کی برادری کے لوگ اور خود اس کے والدین اس پر مصر ہیں کہ بغیر گانے باجے اور گنگنا وغیرہ باندھے کے برادری میں نکاح کسی صورت سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس صورت میں زید کے لیے شرعاً کیا حکم ہے۔ اگراس صورت سے

---

(۱) عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:"أبغض الحلال إلی اللّٰہ عزوجل الطلاق". (سنن أبی داؤد: ۲۹٦/۱، کتاب الطلاق، سعید)

(۲) عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:"للمسلم علی المسلم ستة بالمعروف: یسلم علیه إذا لقیه، ویجیبه إذا دعاه". (سنن ابن ماجة، باب ماجاء فی عیادة المریض، ص:۱۰۳، قدیمی)

"أن تسلم علیه إذا لقیه، ویجیبه إذا دعاک". (إحیاء علوم الدین، کتاب آداب الفقه وکتاب حقوق المسلم: ۲۳۳/۲، حقانیة پشاور)

"عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: امرنا النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بسبع ونهانا عن سبع، امرنا بعیادة المریض، وإجابة الداعی". (مشکاة المصابیح، کتاب الجنائز، ص:۱۳۳، قدیمی)

نکاح کرتا ہے تو ان قبائح کا مجرم ہوتا ہے۔ اگر نکاح نہیں کرتا تو ارتکاب معاصی کا خوف ہے۔ برادری سے باہر نکاح کرنے میں بھی خرابیاں ہیں۔ (المستفتی:۱۶، محمد عبدالمجید خان۔ سرونج مالوہ۔ ۸/ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ)

الجواب

اگر زید سختی سے ان چیزوں کے ارتکاب سے انکار کردے تو امید ہے کہ طریق مسنون پر نکاح کر دینے کے لیے بھی کوئی نیک افراد تیار ہو جائیں گے، (۱) صرف تھوڑی سی تاخیر ہوگی تو تاخیر کو برداشت کرتے ہوئے اگر وہ پختہ رہے تو ماجور ہوگا۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی:۲۹۰/۵)

رقص وسرور پر مشتمل مجلس نکاح میں شرکت:

سوال: جو دولہا بوقت نکاح خلاف شرع وضع اور لباس رکھتا ہو، یا اس مجلس میں رقص وسرور ہو، خالص ایمان داروں کو وہاں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

اول دولہا کو حکم دینا چاہیے کہ لباس خلاف شرع کو بدلے اور وضع کی اصلاح کی بابت اقرار کرے کہ ایسا نہ کروں گا اور گزشتہ پر توبہ کرے اور رقص وسرور کو مجلس سے باہر کرنا چاہیے اور اگر نہ مانیں تو اٹھ کر چلا آنا چاہیے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی، محمد کرامت اللہ، تلطف حسین، عبدالرحمٰن، مدرسہ عبدالرب، محمد عبدالغنی واعظ انجمن، محمد امین الدین مہتمم مدرسہ امینیہ، ابومحمد عبدالحق، محمد حبیب محمد احکم مدرس باڑہ ہندوراراؤ، شبیر احمد عثمانی دیوبندی مدرس فتح پوری، محمد عبدالعلی امام کالی مسجد، سید عبدالسلام پھاٹک حبش خاں، مشتاق احمد مدرس، محمد عبدالجبار، محمد ابراہیم خلف مولوی محمد حسین فقیر، سید ابوالحسن پھاٹک، حبش خاں، سید احمد امام جامع مسجد دہلی، محمد اسحٰق خلف مولوی محمد حسین فقیر، محمد اسحٰق تیلی واڑہ، سید محمد امام عیدگاہ، محمد کاظم دہلوی، محمد کاظم علی مدرسہ حسین بخش، محمد ابراہیم بلیاوی مدرس دوم مدرسہ فتح پوری دہلی۔ محمد عبدالسبحان، عبدالرشید پھاٹک حبش خاں محمد شفیع مدرسہ عبدالرب، محمد نظام الدین جھجری سفیر انجمن ہدایت الاسلام دہلی۔

المشتہران: حاجی محمد اسحٰق ناظم انجمن، حاجی عبدالغنی، حافظ محمد صدیق ملتانی، حافظ محمد یعقوب پائی والے، حاجی عبدالصمد۔ (کفایۃ المفتی:۳۰۷/۵)

---

(۱) ﴿ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجًا﴾ (سورۃ الطلاق:۲)

(۲) ﴿والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللّٰہ لمع المحسنین﴾ (سورۃ العنکبوت:۶۹)

(۳) من دعی إلی ولیمة فوجد ثمة لعبًا وغاءً فلا باس ان یقعد ویأکل فإن قدر علی المنع یمنعھم وإن لم یقدر علی منعھم فإنه یخرج ولا یقعد (الھندیة، کتاب الکراھیة، الباب الثانی:۳۴۳/۵، ماجدیة)

قال علیه السلام: من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده فإن لم یستطع فبلسانه فإن لم یستطع فقلبه وذلک أضعف الایمان. (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان: ۵۱/۱، قدیمی) وفی البخاری: ھل یرجع إذا رأی منکراً فی الدعوة ورأی ابن مسعود صورة فی البیت فرجع ودعا ابن عمر أبا أیوب فرأنی فی البیت ستراً علی الجدار ... فقال من کنت اخشی علیه فلم أکن أخشی علیک واللّٰه لا أطعم لکم طعام. (صحیح البخاری، باب ھل یرجع إذا رأی منکراً: ۷۷۸/۲، قدیمی)

شادیوں میں عورتوں کا مل کر گیت گانا کیسا ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۵/مئی ۱۹۳۴ء)

سوال: شادیوں میں عورتیں جو مل کر گیت گاتی ہیں، اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ رسالت میں اس کا ثبوت ہے کہ مدینہ میں انصار کی لڑکیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر گیت گاتی تھیں۔ ایک مصرع یہ تھا: "**وفينا نبي يعلم ما في غد**"، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

الجواب

یہ واقعہ دو لڑکیوں کے گانے کا عید کے ایام کا ہے،(۱) اگر لڑکیاں عید، یا شادی کے موقع پر زنانہ مکان میں غیر مردوں تک آواز نہ جائے، (۲) ایسے اشعار گالیں کہ ان کا مضمون صحیح ہو تو اباحت میں داخل ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۳۵۰/۵)

شادی کے ایام میں دلہن کی سہیلیوں کا گھر جمع ہونا:

سوال: کیا رخصتی کے دن دلہن کی سہیلیاں اور اس کی رشتہ دار خواتین کا دلہن کے گھر جمع ہونا درست ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دورِ مبارک میں عورتیں جمع ہوتی تھیں؟ اگر دلہن کی دلجوئی کے لیے جمع ہو جائیں تو کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

دلہن کی سہیلیاں اور اس کی رشتہ دار خواتین کا دلہن کے گھر جمع ہونا ثابت ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں عورتیں دلہن کے ہاں جمع ہوتی تھیں؛ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اجتماع کسی دینی مفسدے پر مشتمل نہ ہو، مثلاً یہ کہ اس موقع پر عورتیں جمع ہو کر گانے وغیرہ سنتی ہیں، نماز نہیں پڑھتیں اور غیر محرم مردوں سے پردہ نہیں کرتیں، اگر اس قسم کے امور سے پرہیز کریں، جو کہ شرعاً ناجائز ہیں تو پھر نفس اجتماع میں کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) **قالت الربيع بنت معوذ بن عفراء: جاء النبي صلى الله عليه وسلم فدخل حين بنى على ... فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف ويندبن من قتل من آبائي يوم بدر إذ قالت احداهن: "وفينا نبي يعلم ما في غد" فقال: دعي هذه وقولي بالذي كنت تقولين.** (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ضرب الدف في النكاح والوليمة: ۷۷۳/۲، قديمي)

عن عائشة قالت: دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وعندي جاريتان تغنيان بغناء بعاث فاصطجع على الفراش وحول وجهه ودخل ابوبكر فانتهرني ... فاقبل عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: دعهما ... وكان يوم عيد. (صحيح البخاري، كتاب العيدين: ۱۳۰/۱، قديمي)

(۲) **عن محمد بن حاطب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فصل ما بين الحلال والحرام الدف والصوت في النكاح.** (سنن النسائي، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح بالصوت وضرب الدف: ۷۵/۲، سعيد)

لمافی نیل الأوطار (۳/ ۳۱۰): وعن عائشة رضی اللّٰہ عنها أنها زفت امرأة إلی رجل من الأنصار، فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: یا عائشة ما کان معکم من لهو، فإن الأنصار یعجبهم اللهو. (رواه البخاری)

وفیه أیضاً (۳/ ۳۱۱): وعن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال: أنکحت عائشة ذات قرابة لها من الأنصار، فجاء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال: أهدیتکم الفتاة، قالوا: نعم، قال: أرسلتم معها من یغنّی؟ قالت: لا، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن الأنصار قوم فیها غزل، فلو بعثتم معها من یقول: آتیناکم أتیناکم فحیانا وحیاکم.

وفی إعلاء السنن (۱۱/ ۱۰): وکل ذلک مقید بأن لایشتمل علی مفسدة دینیة وقلما یخلو اجتماع النساء منها، فتراهن فی الولائم لا یصلین الصلوات لأوقاتها ولا یحتجبن من الأجانب ولا یراعین آداب الاجتماع فی المجالس، وإلی اللّٰہ المشتکی، والفقیه من وقف علی أحوال زمانه.

وفی الدرالمختار (۳/ ۹): وهل یکره الزفاف، المختار، لا، إذا لم یشتمل علی مفسدة دینیة.

وفی الرد تحته: قوله (وهل یکره الزفاف) هو بالکسر ککتاب إهداء المرأة إلٰی زوجها قاموس والمراد به هنا اجتماع النساء لذلک لأنه لازم له عرفا أفاده الرحمتی. (نجم الفتاویٰ: ۵/ ۵-۶)

☆ ☆ ☆

دعوت ولیمہ اوراس سے متعلق احکام

ولیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے:

سوال: طعام ولیمہ فرض [ہے] ، یا واجب، یا سنت، یا مستحب؟ اور یہ کھانا کن لوگوں کو کھانا جائز ہے۔ کھانے کے بدلے نقد روپیہ لے کر اور کام میں لگانا جائز ہے، یا نہیں؟ بعض لوگ اس سے مسجد بناتے ہیں اور تعزیہ داری اور لہو لعب میں صرف کرتے ہیں، اگر کوئی غریب طاقت ولیمہ نہ رکھتا ہو، تو درپئے ایذا ہوتے ہیں اور محل مصرف مذکور شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

طعام ولیمہ مستحب ہے، نہ فرض نہ واجب۔

قال النووی: "الأصح (عند أصحابنا) أنّها سنة مستحبة". (۱)

اور یہ طعام دوستوں اور قریبوں کو کھلاتے ہیں، بسبب سرور کے کہ اغنیاء وفقراء اس میں سب برابر ہیں اور فقراء غیر قریب بھی آجاویں تو ان کو روکنا نہ چاہیے، لقولہ علیہ السلام:

"شر الطعام طعام الولیمة یدعٰی لها الأغنیاء ویترک لها الفقراء"، أو کما قال، انتهٰی. (۲)

اور یہ طعام اس وقت تک مستحب ہے کہ اس کو محض شکریہ اور مستحب جانے اور کسی قسم کا فخر اور نمود اس میں نہ ہووے، ورنہ پھر یہ طعام حرام اور مکروہ ہوجاوے گا، چناں چہ حدیث میں ہے:

"لاتقبلوا دعوة المتباهین".

یعنی فخر کرنے والوں کی دعوت کو قبول مت کرو۔

---

(۱) نووی برحاشیہ مسلم، کتاب النکاح ص ۴۵۸ ج ۱ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ) [نور]
ترجمہ: زیادہ صحیح یہ ہے کہ ولیمہ مستحب ہے۔

(۲) متفق علیہ، رواه البخاری فی کتاب النکاح، باب من ترک الدعوة فقد عصی الله ورسوله، ص: ۲۲/ ج: ۳. قال رسول الله صلی الله علیه وسلم، شر الطعام طعام الولیمة یدعٰی لها الاغنیاء ویترک الفقراء ومن ترک الدعوة فقد عصٰی الله ورسوله، عن أبی هریرة رقم الحدیث: ۵۱۷۷ (الریاض: ۱۴۰۴ ھ). مشکوٰة شریف. کتاب النکاح، ص ۲۷۸ ج ۲. باب الولیمة: الفصل الأول، [أصح المطابع رشیدیة، دهلی] نیزمشکوٰة شریف رقم الحدیث: ۳۲۱۸، ت: رمضان بن احمدبن علی ص: ۱۲۳۹ ج: ۳ [مکتبة التوبة دارابن حزم، ۱۴۲۳ ھ] (نور)

ترجمہ: ولیمہ کا وہ کھانا سب سے برا کھانا ہے، جس میں صرف خوش حال لوگوں کو بلایا جائے اور غریب لوگوں کو بھلایا جائے۔ (نور)

پس ایسے کھانے کا پکانا اور دعوت کرنا دونوں حرام ہو گئے، علیٰ ہذا، جب اس کو ضروری جاننے لگے کہ نہ کرنے پر اذیت اور طعن کی نوبت پہنچے، جب بھی یہ حرام ہو جاتا ہے اور بدعت سیئہ بن جاتا ہے، لقولہ تعالیٰ:

﴿وَمَن يَّتعد حُدودَ اللّٰه فَأُولئِکَ هُمُ الظّالِمُونَ﴾(۱)

امر مندوب کو واجب جاننا، یا واجب جیسا معاملہ کرنا حرام اور ظلم ہوا اور اذیت دینا کسی کا ترک مندوب پر حرام ہے۔ پس ایسی حالت میں یہ ولیمہ مستحب نہیں؛ بلکہ طعام فخر اور حرام ہے اور یہ قید کہ کھانے والوں سے روپیہ لیا جاوے اور اس کو ضروری جانا جاوے، یہ بھی بدعت ہے، اگر اس روپیہ سے تعزیہ ولہولعب بنایا تو سخت حرام کیا کہ حکم حدیث کا ہے:

"کلُّ لهو باطل". (۲) یعنی سب کھیل حرام اور باطل ہیں۔

اور جو مسجد بنائی، وہ بھی مسجد نہیں ہوئی کہ رسم کے روپئے سے رسم کا مکان بنایا ہے، مسجد اس روپئے سے درست ہوتی ہے کہ حلال خالص حق تعالیٰ کے واسطے ہو۔

لقولہٖ تعالیٰ ﴿وَأنَّ المَسَاجِدَ لِلّٰه﴾(۳)

یہ مسجد برادری کے دباؤ کی ہے، نہ کہ حق تعالیٰ کے واسطے خالصاً۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعۂ کلاں، ص: ۲۳۹) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۵۷-۲۵۸)

ولیمہ واجب نہیں، مسنون ہے، اس کے لیے خاص دن کی تعیین نہیں:

ولیمہ واجب کسی روز نہیں؛ بلکہ احق ہے پہلے اور دوسرے دن، دونوں دن اور تیسرے روز اگر نیت ریا ہو، حرام ہے اور جو لوجہ اللہ مثل پہلے روز کے ہو، مباح ہے اور جو ریا سے پہلے دن ہو، وہ بھی حرام ہے، تیسرے روز کو ریا کا طعام فرمانا باعتبار عادۃ اکثر الناس کے ہے، ورنہ اچھی نیت سے جب تک چاہے کرے اور جس قدر مقدور ہو، وہی کر دیوے۔ سب دوستوں کو اور اقارب کو جمع کرنا ضرور[ی] نہیں اور شکم سیر کرنا بھی ضرور[ی] نہیں، جو کچھ میسر آوے، وہی کافی ہے اور جب تک بشاشت نکاح ہے، اس وقت تک ولیمہ مباح ہے، پھر ولیمہ نہیں ہوتا، فقط۔ ضیافت بھی مباح ہے، ثواب ولیمہ کا نہ ہوگا۔

(مجموعہ فرخ آباد، ص: ۴۲-۴۳) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۵۸)

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۲۹

اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے، سو وہی لوگ ہیں ظالم۔ (ترجمہ شیخ الہند)

(۲) امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ان الفاظ کے ساتھ باب تو قائم کیا ہے؛ لیکن حدیث پیش نہیں کی۔ بخاری شریف کتاب الاستئذان، باب کل لهو باطل إذا شغله عن طاعة الله ص ۹۳۲ ج ۲ باب: ۵۲، مکتبة الاصلاح مرادآباد، ۱۴۱۵ھ]

نیز بخاری ج: ۳، ص: ۵۵، حدیث: ۳۶۰۱، ریاض: ۱۴۰۴ھ۔ نیز قال الحافظ فی الفتح: أخرجه أحمد والأربعة وصححه ابن خزيمة والحاكم. (فتح الباری، ص: ۹۱، ج ۱۱ (مکتبۃ دار الفیحاء دمشق:)[نور]

(۳) سورۃ الجن: ۱۸

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ولیمہ کے معنی اور ولیمہ کا وقت کب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ولیمہ کے معنی اور مطلب کیا ہے اور بیوی سے ہمبستری نہ کی ہوتو ولیمہ ہوگا، یانہیں؟ یا نکاح اگر صبح کو ہوا اور شام تک ولیمہ کرلیا تو ہوگا، یانہیں؟

(المستفتی: عبدالصمد بلاسپور گیٹ، رام پور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

''الولیمۃ'' کے معنی شادی کی خوشی کا کھانا اور ولیمہ عقد نکاح کے بعد رخصتی سے قبل اور رخصتی کے بعد بیوی کے ساتھ شب باشی سے قبل اور شب باشی کے بعد تینوں وقتوں میں سے کسی بھی وقت میں جائز ہے، البتہ شب باشی کے بعد زیادہ بہتر ہے اور عقد نکاح سے قبل ولیمہ کا ثبوت نہیں ہے۔

ويجوز أن يؤلم بعد النكاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن يبنى بها، والثالث هو الأولى. (بذل المجهود، كتاب الأطعمة، باب فى استحباب الوليمة للنكاح، مطبع سهارن بور قديم: ٣٤٥/٤، دارالبشائر الإسلامية: ١١/ ٤١٧، رقم: ٣٧٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۴/۹/۲ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

ولیمہ کی علت اور اصولی شرائط:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) ولیمہ کرنے کی علت کیا ہے؟

(۲) ولیمہ کے لیے وطی شرط ہے، یا صرف نکاح کے بعد بھی ہوسکتا ہے، وطی کئے بغیر؟

(۳) نکاح ہوا، بیوی کے پاس جانے کے بعد معلوم ہوا کہ بیوی اس قابل نہیں ہے کہ وطی کی جائے، کوئی ہڈی وغیرہ راستہ میں حائل ہے، یا راستہ نہیں تو کیا یہ شخص ولیمہ کرے گا؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱) ولیمہ کی علت یہ ہے کہ بیوی من جملہ نعمتوں میں سے ایک عظیم ترین نعمت ہے، اس کے حاصل ہونے کے شکریہ میں اظہارِ خوشی کے لیے ولیمہ کیا جاتا ہے۔

الوليمة كل دعوة، فتتخذ لسرور، الخ. (بذل المجهود، كتاب الأطعمة، باب ما جاء فى إجابة الدعوة، مطبع سهارن پور، قديم: ٣٤٤/٤، دارالبشائر الإسلاميه، بيروت: ٤٦٦/١١، تحت رقم الحديث: ٣٧٣٦)

ومنها: أن تجدد النعمة حيث ملك ما لم يكن مالكا له يورث الفرح والنشاط والسرور

ویهیج على صرف المال، وفي اتباع تلك الداعية التمرن على السخاوة،الخ. (حجة الله البالغة قديم: ۱۳۰/۲، جديد مكتبه حجاز: ۳٤۰/۲)

(۲)　ولیمہ عقد نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے اور رخصتی کے بعد وطی سے پہلے اور وطی کے بعد ہر طرح جائز ہے، وطی شرط نہیں ہے، ہر صورت میں ولیمہ کی سنیت ادا ہو جاتی ہے، البتہ وطی کے بعد زیادہ اولیٰ اور افضل ہے۔

ويجوز أن يؤلم بعد النكاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن يبنى بها، والثالث هو الأولى. (بذل المجهود، كتاب الأطعمة، باب في استحباب الوليمة للنكاح، مطبع سهارن بور قديم: ۳٤٥/٤، دارالبشائر الإسلامية: ۴۷۱/۱۱، رقم: ۳۷٤۳)

(۳)　ایسی عورت کے ساتھ شرعاً خلوت صحیح اور درست نہیں ہوتی ہے۔

الخلوة كالوطء بلا مانع حسي، وطبعي، وشرعي، ومن الحسي رتق وقرن وعفل وصغر. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر كراتشي: ۱۱٤/۳، زكريا ديوبند: ۲٥۹/٤-۲٥۰، الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۸۸/۳۸)

وإن كان أحدهما مريضا هذا شروع في بيان الموانع (إلى) ومانع طبعي ككون المرأة رتقاء، أو قرناء أوصغيرة،الخ. (البناية أشرفيه ديوبند: ۱٤۹/٥)

ظاہر ہے کہ ایسی عورت سے نعمت نکاح اور خوشی حاصل نہیں ہوتی ہے، جو صرف مال پر ابھارتی ہو؛ اس لیے علت ولیمہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے اصولاً ولیمہ لازم نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۶/ شعبان ۱۴۱۰ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۹۰۳/۲۶) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

ولیمہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل ہمارے علاقہ میں مسلمان شادی کے بعد جو دعوت ولیمہ کرتے ہیں، کیا وہ سنت سے مطابقت رکھتا ہے؟

(۱)　پہلے دن لڑکے کی شادی کرتے ہیں، دوسرے دن لڑکی کی شادی میں ولیمہ کے نام سے دعوت کھلاتے ہیں۔

(۲)　دو تین دن کے بعد ولیمہ کرنا۔

(۳)　بڑا ولیمہ جس میں محلّہ کے علاوہ دوست واحباب اور دیگر رشتہ داروں کو بلانا۔

(۴)　چھوٹا ولیمہ جس میں اہل خانہ کے علاوہ کنبہ اور خاندان کے ایک ایک فرد کو دعوت دینا۔

(۵)　ولیمہ میں غیر مسلم کو بلانا۔

(۶)　ولیمہ میں گوشت کی جگہ چند قسم کی مٹھائی اور ایک دو طرح کی سبزی اور پوڑی کھلانا۔

(۷)　لڑکی کے گھر بارات لے کر جانا۔

(۸)　خود اپنی لڑکی کی شادی میں بارات بلانا اور محلّہ والوں کی دعوت کرنا۔

(۹) نکاح میں مہر سکہ رائج الوقت کی کم سے کم مقدار متعین کرنا۔

(المستفتی: عبدالمجید ولد عبدالغفور کھتری محلّہ آٹھونہ، نولگڑھ)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) ولیمہ صرف لڑکے کی طرف سے ہوتا ہے اور یہ ولیمہ صرف عقد نکاح کے بعد بھی جائز ہے اور رخصتی کے بعد شب زفاف سے پہلے بھی جائز ہے اور شب زفاف کے بعد بھی جائز ہے؛ لیکن ان تینوں صورتوں میں سب سے افضل شب زفاف کے بعد ولیمہ کرنا ہے اور شریعت میں لڑکی کی طرف سے ولیمہ کا کوئی ثبوت نہیں۔

ویجوز أن یؤلم بعد النکاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن یبنی بها، والثالث هو الأولی. (بذل المجهود، کتاب الأطعمة، باب فی استحباب الولیمة للنکاح، مطبع سهارن پور قدیم: ۳۴۵/۴،دارالبشائر الإسلامیة بیروت: ۴۷۱/۱۱، تحت رقم الحدیث: ۳۷۴۳)

(۲) سوال نمبر: ۲ میں یہ پوچھا گیا ہے کہ دو تین دن کے بعد ولیمہ کرنا؟ سو اگر کسی عذر کی وجہ سے پہلے دن ولیمہ نہیں کر پایا ہے تو دوسرے دن تک ولیمہ کرنے کی گنجائش ہے۔

عن وحشی بن حرب بن وحشی عن أبیه عن جده ... قال: قال رجل یا رسول اللّٰه! صلی اللّٰه علیه وسلم: الولیمة ؟ قال: الولیمة حق، والثانیة معروف، والثالثة فخر وحرج. (المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی: ۱۳۷/۲۲،رقم: ۳۶۲)

عن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه قال: الولیمة أول یوم حق، والثانی فضل، والثالثة، ریاء وسمعة. (المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی: ۱۹۷/۹ ،رقم: ۹۶۷، ۲۷۲/۵، رقم: ۵۳۰۶، المعجم الأوسط، دارالفکر: ۵۷۶/۱، رقم: ۲۱۱۶، ۲۹۸/۵، رقم: ۷۳۹۳)

(۳،۴) میں بڑے اور چھوٹے ولیمہ کا ذکر ہے، شریعت میں بڑے اور چھوٹے ولیمہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے؛ بلکہ لڑکے والے حسب حیثیت دوست احباب اور رشتہ داروں کو جو بھی کھانا کھلائیں، وہی شرعاً ولیمہ ہے، اس میں چاہے ہر گھر کا ایک ایک آدمی ہو، یا ہر کنبہ کا ایک ایک آدمی ہو، اس میں کوئی فرق نہیں ہے، ہر طرح جائز ہے۔

قال عیاض: وأجمعوا علی أن لا حد لأکثرها، وأما أقلها فکذلک، ومهما تیسر أجزأ، والمستحب أنها علی قدر حال الزوج. (بذل المجهود، کتاب النکاح، باب قلة المهر، مکتبه سهارن پور قدیم: ۳۴۰/۳، دارالبشائر الإسلامیة: ۲۱/۸، تحت رقم الحدیث: ۲۱۰۹)

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا﴾ (الآیة) قال القرطبی: أی لا یکلف الفقیر مثل ما یکلف الغنی. (تفسیر قرطبی، سورة الطلاق، تحت رقم الآیة: ۷، دارالکتب العلمیة بیروت: ۱۱، جزء: ۱۸، ص: ۱۱۳)

(۵) میں غیر مسلم کو بلانے کا ذکر ہے، کسی تعلق کی بنیاد پر، یا پڑوس میں رہنے کی وجہ سے کسی غیر مسلم کو ولیمہ کی دعوت میں بلایا جائے تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

عن أبی هریر ة رضی اللّه عنه أن رسول اللّه صلی اللّه علیه وسلم ضافه ضیف وهو کافر، فأمره له رسول اللّه صلی اللّه علیه وسلم بشاة، فحلبت فشرب حلابها. (الحدیث)(صحیح لمسلم، کتاب الأشربة، باب إکرام الضیف وفضل إیثاره، النسخة الهندیة: ۱۸۶/۲،بیت الأفکار، رقم:۲۰۶۳)

(۶) ولیمہ میں گوشت کے بجائے چند قسم کی مٹھائیاں اور پوڑی سبزی کھلانے کا ذکر ہے۔شرعاً ان چیزوں سے بھی ولیمہ صحیح ہوجاتا ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ولیمہ فرمایا تھا، وہ اسی قسم کا تھا،جس میں کچھ روٹی کے ٹکڑے، کچھ پنیر، کچھ گھی وغیرہ جیسی چیزیں تھیں۔

عن أنس رضی اللّه عنه یقول: أقام النبی صلی اللّه علیه وسلم بین خیبر والمدینة ثلاث لیال یبنی علیه بصفیة رضی اللّه عنها فدعوت المسلمین إلی ولیمته، وما کان فیها من خبز ولا لحم، وما کان فیها إلا أن أمر بلالا بالإنطاع، فبسطت، فألقی علیها التمر والأقط والسمن. (صحیح البخاری، کتاب المغازی،باب غزوة خیبر،النسخة الهندیة: ۶۰۶/۲، رقم: ۴۰۶۰، ف:۴۲۱۳)

وتقع علی کل طعام یتخذ سرور. (بذل المجهود، کتاب النکاح، باب قلة المهر، مکتبه سهارن پور قدیم: ۲۴۰/۳، دارالبشائر الإسلامیة:۲۰/۸، رقم:۲۱۰۹)

(۷) سوال نمبر:۷ میں لڑکی کے گھر بارات لے جانے کا ذکر ہے،لڑکی کے گھر اتنے افراد کو لے جایا جائے، جن کے نظم وانتظام میں لڑکی والوں کو کوئی دشواری نہ ہو،لڑکی والوں کی حیثیت سے بڑھ کر ان پر دباؤ ڈالنا جائز نہیں، نیز اگر لڑکی والوں نے مثلاً پچیس افراد لانے کو کہا ہے تو اس پر دو چار افراد زائد لے جانا بھی جائز نہیں۔

عن أبی حمید الساعدی، أن النبی صلی اللّه علیه وسلم قال: لا یحل لامرء أن یأخذ مال أخیه بغیر حقه، وذلک لما حرم اللّه مال المسلم علی المسلم. (مسند أحمد بن حنبل: ۴۲۵/۵، رقم:۲۴۰۰۳)

عن عبد اللّه بن عمر رضی اللّه عنه قال رسو ل اللّه صلی اللّه علیه وسلم؛ ... ومن دخل علی غیر دعوة، دخل سارقا وخرج مغیرا. (سنن ابی داؤد، کتاب الأطعمة، باب ماجاء فی إجابة الدعوة، النسخة الهندیة: ۵۲۵/۲،دارالسلام، رقم: ۳۷۴۱)

(۸) میں یہ کہا گیا ہے کہ لڑکی والے شادی میں بارات بلائیں اور محلّہ والوں کی دعوت کریں،سو اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ لڑکی والے اپنی حیثیت کے دائرہ میں رہتے ہوئے کسی کے دباؤ کے بغیر اپنی خوشی سے لڑکے والوں کی طرف سے کچھ لوگوں کو بلائیں، یا محلّہ والوں کی دعوت کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے،جیسا کہ مصنف عبدالرزاق اور معجم کبیر للطبرانی کی روایات سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔(المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی بیروت: ۴۱۱/۲۲، رقم:۱۰۲۲، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمی: ۴۸۷/۵، رقم: ۹۷۸۲،مجمع الزوائد: ۲۰۷/۹)

(۹) سوال نمبر ۹ رمیں مہر کے سکہ رائج الوقت کو پوچھا گیا ہے،سکہ رائج الوقت سے مراد جس وقت مہر ادا کیا

جائے، اس وقت کی رائج شدہ کرنسی ہے، اس کی مقدار وہی ہوگی، جو بوقت نکاح متعین کی گئی ہے اور اگر اس سے مراد اقل مہر کی مقدار پوچھنا ہے تو سب سے کم درجہ کا مہر دس درہم ہے، جو موجودہ اوزان کے حساب سے ۳۰/گرام ۶۱۸/ملی گرام ہے، یعنی ۳/تولہ ۶۱۸/ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کرلی جائے۔

عن جابر، أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لا صداق دون عشرۃ دراھم. (سنن الدار قطني، النکاح، دارالکتب العلمیۃ بیروت: ۳/۱۷۳، رقم: ۳۵٦۰)

یتصرف مطلقۃ إلی غالب نقد البلد. (شامي، زکریا: ۷/۵۸، کراتشي: ٤/۵۳٦)

وأقلہ عشرۃ دراھم. (شامي، کراتشي: ۳/۱۰۱، زکریا: ٤/۲۳۰)

ویعتبر القیمۃ یوم الوجوب، وقالا: یوم الأداء (الدرالمختار) وتحتہ في الشامیۃ: یعتبر یوم الأداء بالإجماع، وھو الأصح. (شامي، زکریا: ۳/۱۲۱، کراتشي: ۲/٦۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۰/صفر ۱۴۳۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۹۳)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۲/۲۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

ولیمہ کا مسنون طریقہ:

سوال: ولیمہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

میاں بیوی کے درمیان یکجائی کے بعد جو خوشی ہوتی ہے، اس خوشی کے نتیجہ میں جو دعوت کھلائی جاتی ہے، اس کو ولیمہ کہتے ہیں۔(۱) ولیمہ میں حسب استطاعت لوگوں کو کھلایا جائے اور مالداروں کے ساتھ ساتھ غریبوں کو بھی دعوت دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بدترین ولیمہ وہ ہے، جس میں اغنیاء کو شریک کیا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔

عن أبي ھریرۃ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: شر الطعام طعام الولیمۃ یدعی لھا الأغنیاء ویترک الفقراء. (مشکاۃ المصابیح باب الولیمۃ: ۲۷۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۲۴/۴/۲۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۲۹/۴)

ولیمہ سنت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ راشد کے والد راشد کے نکاح اور واپسی کے بعد دعوتِ ولیمہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی مسنون اور شرعی طور پر، لہٰذا کس طرح اور کس انداز ومعیار کا کریں کہ جو دین وشریعت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق ہو؟

---

(۱) أخرجہ أبویعلی بسند حسن عن أنس قال: تزوّج النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم صفیۃ وجعل عتقھا صداقھا، جعل الولیمۃ ثلاثۃ أیام. (الحدیث). (فتح الباري، مطبع المکتبۃ الأشرفیۃ دیوبند الھند: ۹/۳۰۲)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

ولیمہ کرنا سنت ہےاور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس میں اپنی وسعت کے مطابق ریا ونمود سے بچتے ہوئے احباب اور رشتہ داروں کو کھانا کھلانا چاہیے۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى على عبد الرحمٰن بن عوف أثر صفرة، فقال:ما هذا؟ قال: إني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب، قال بارك الله لك أولم ولو بشاة. (مشكاة المصابيح:٢٧٧)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: الوليمة حق وسنة، فمن دُعِيَ فلم يجب فقد عصى الله ورسوله. (مجمع الزوائد:٥٢/٤)

ووليمة العرس سنة، وفيها مثوبه عظيمة. (الفتاوىٰ الهندية:٣٤٢/٥، زكريا)

ووليمة العرس سنة وهي مثوبة عظيمة وهي غذا بني الرجل بامرأته ينبغي أن يدعوا الجيران والأقرباء والأصدقاء. (الفتاوىٰ الهندية:٣٤٢/٥،زكريا)

فلما زوّجه، قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا علي! إنه لا بد للعروس من وليمة. فقال سعد: عندي كبش وجمع له رهط من الأنصار آصعًا من ذرة، وكان ذٰلك وليمة عرسه. (تاريخ الخميس، باب تزوج عليّ بفاطمة رضي الله عنها: ٣٦٢/١، بيروت)

قال أنس: ثم دعاني عليه الصلاة والسلام بعد أيام فقال: ادع لي أبا بكر وعمر وعثمان وعبد الرحمن وعدةً من الأنصار، فلما اجتمعوا وأخذوا مجالسهم، وكان علي غائبًا،الخ. (شرح العلامة الزرقاني، باب تزويج علي بفاطمة رضي الله عنهما: ٣٢/٢،عباس أحمد الباز مكة المكرمة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴۱۸/۳/۲ھ۔الجواب صحیح:شبیراحمد عفااللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۸/)

ولیمہ کتنے دن ہے:

سوال: دعوت ولیمہ کس کو کہتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ میں کتنے وقت شادی میں کھانے کا رواج تھا؟

الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

دعوت ولیمہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو لڑکا شادی کے بعد اپنی دلہن کے ساتھ شب زفاف کے منانے کے بعد کرتا ہے، ولیمہ کا اصل وقت یہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تعامل سے ایسا ہی ثابت ہے۔ بخاری وغیرہ میں خادم رسول حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح اور خلوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑا ولیمہ کیا تھا، ولیمہ کا ایسا اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کسی اور شادی کے موقع پر نہیں فرمایا۔ اس موقع پر بکری ذبح فرمائی اور بہت بڑی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گوشت روٹی کھلائی اور صحابہؓ نے شکم سیر ہوکر کھایا۔

وعنه (أى عن أنس) قال: ماأولم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على أحد من نسائه ما أولم على زينب أو لم بشاة. (متفق عليه)(مشكاة المصابيح: باب الوليمة: ۲۷۸/۲)

وعنه قال: أو لم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حين بنى بزينب بنت جحش فأشبع الناس خبزا ولحما. (رواه البخارى)(مشكاة المصابيح: باب الوليمة: ۲۷۸/۲)

عام طور پر تو صحابہ کرامؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ولیمہ میں ایک ہی وقت کھلانا منقول ہے؛ لیکن حضرت صفیہؓ سے نکاح کے موقع پر تین دنوں تک دعوت کھلانے کا بھی ثبوت ہے؛(۱) اس لیے اگر کوئی صاحب استطاعت اس سے زیادہ کھلانا چاہے تو کھلاسکتا ہے؛ لیکن ولیمہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ ریاوشہرت اور اسراف بے جا سے مکمل طور پر پرہیز کیا جائے اور اپنی استطاعت سے زیادہ کا اہتمام نہ کرے اور کچھ فقراء ومساکین کو بھی مدعو کرے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی: ۲۴/۴/۱۴۱۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۲۹/۴-۱۳۰)

ولیمہ، کچھ ضروری احکام:

سوال: ولیمہ کب اور کتنے دنوں تک کیا جاسکتا ہے؟ اگر کوئی شخص ولیمہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا ہو تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ (ظفر خاں، مدہول)

الجواب

ولیمہ اصل میں میاں بیوی کے یکجائی کے بعد ہے؛(۳) کیوں کہ اس کا مقصد ایک حلال و جائز تعلق کا اعلان و اظہار ہے، جس رات بیوی کے ساتھ خلوت ہو تو اس دن، یا اگلے دن ولیمہ کرلینا چاہیے، اس کو تیسرے دن تک مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہے، لیکن تین دن تک مسلسل ولیمہ کرنا مکروہ ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) دیکھئے: فتح الباری: ۲۱۰/۹

(۲) **حدّثنا على قال حدّثنا سفيان قال حدّثنى حميد سمع أنساً قال سأل النبى صلى اللّٰه عليه وسلم عبدالرحمن بن عوف وتزوّج امرأة من الأنصار كم أصدقتها قال وزن نواةٍ من ذهب.**

وعن حميد سمعتُ أنساً قال لما قدموا المدينة نزل المهاجرون على الأنصار فنزل عبدالرحمن بن عوف على سعد بن الربيع فقال أقاسمك مالى وأنزل لك عن إحدىٰ امرأتىَّ قال بارك اللّٰه لك فى أهلك ومالك فخرج إلى السوق فباع واشترىٰ فأصاب شيئاً من أقط وسمن فتزوّج فقال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم أولم ولو بشأة. (الصحيح للبخارى باب الوليمة ولوبشأة: ۷۷۷/۲)

(۳) تقریر ترمذی، از شیخ الھند: ص: ۳۱

”وطعام یوم الثالث سمعة و ریاء“.(۱)
(تین دن تک مسلسل ولیمہ کرنا دکھاوا اورنمائش ہے۔)
ولیمہ سنت، یا مستحب ہے، نہ کہ واجب۔(۲)(کتاب الفتاویٰ:۴/۴۱۹-۴۲۰)

ولیمہ کس دن مسنون ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ولیمہ زفاف کے بعد اوّل دن میں مسنون ہے اور دوسرے اور تیسرے دن مستحب ہے، یا تینوں دنوں میں کسی بھی دن ادا کیا جائے، مسنون ہی ادا ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

ولیمہ مسنون عمل ہے، رخصتی کے بعد پہلے، دوسرے، یا تیسرے میں سے کسی بھی دن ولیمہ کرنا مسنون ہے۔اگر علاقے والوں کا عرف ایک ہی بار میں شرکاء کو کھلانے کا ہے تو تین دنوں میں سے کسی بھی دن یہ تقریب منعقد کی جاسکتی ہے اور اگر عرف متفرق طور پر بایں معنی کہ جو آتا جائے، اس کے لیے انتظام کردیا جاتا ہو، جیسا کہ بہت سے علاقوں میں رواج ہے تو اس طرح تین دنوں تک مسلسل بھی ولیمہ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ ریاکاری اور اسراف نہ ہو۔

شریعت کا مزاج شادی کے معاملے میں سادگی اور سہولت کا ہے؛ کیوں کہ یہ ہر شخص کا تقاضہ اور ضرورت ہے، اگر اسے مشکل بنادیا گیا تو معاشرہ میں اعتدال نہیں رہ پائے گا، لہذا جتنا ممکن ہو، سادگی سے اس معاملے کو انجام دیا جائے۔ اگر کسی وجہ سے رخصتی والے دن جماع نہ ہوسکے، تب بھی ولیمہ مسنون ادا ہوجائے گا؛ کیوں کہ ولیمہ نعمت کا شکرانہ ہے اور وہ نعمت یعنی بیوی آپ کو حاصل ہوچکی ہے، لہٰذا رخصتی کے بعد تین دنوں میں سے کسی بھی دن ولیمہ کرنا سنت ہے۔

لمافي إعلاء السنن (۱۱/۱۳،باب جواز الوليمة إلى أيام إن لم يكن فخرا) : عن أنس رضی اللّٰه عنـه قال: تزوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم صفية وجعل عتقها صداقها وجعل الوليمة ثلثة أيام أخرجه أبو يعلى بسند حسن. (فتح الباری:۹/۲۱۰)

وفي البيهقي (۱۱/۶۰،كتاب الصداق، باب وقت الوليمة) : سمعت أنس بن مالك يقول بنی رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بامرأة فأرسلنی فدعوت رجالا إلى الطعام. (رواه البخاری فی الصحيح)

---

(۱) سنن البيهقي،رقم الحديث:۱۴۵۱۲، باب أيام الوليمة

حَـدَّثَـنَـا مُـحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الْبَصْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الـرَّحْـمَنِ، عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:طَعَامُ أَوَّلِ يَوْمٍ حَقٌّ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِي سُنَّةٌ، وَطَعَامُ يَـوْمِ الثَّـالِـثِ سُمْعَةٌ، وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللَّهُ بِهِ،حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ زِيَادِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَزِيَادُ بْـنُ عَبْدِ اللَّهِ كَثِيرُ الْغَرَائِبِ وَالْمَنَاكِيرِ،وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَذْكُرُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ: قَالَ وَكِيعٌ:زِيَادُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ مَعَ شَرَفِهِ يَكْذِبُ فِي الْحَدِيثِ. (سنن الترمذی،رقم الحديث:۱۰۹۷،انيس)

(۲) ”وليمة العرس سنة“.(الفتاوى الهندية : ۵/۳۴۲ ، الفصل الثانى عشر في الهدايا والضيافات)

وفی الهندية (٣٤٣/٥، كتاب الكراهية) : ووليـمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة ... ولا بأس بأن يدعو يومئذ من الغد وبعد الغد ثم ينقطع العرس والوليمة، كذا فى الظهيرية.

وفـى الموسوعة الفقهية (٢٤٩/٤٥)ثـانيـا: وقـت الـوليمة:اختلف الفقهاء فى وقت الوليمة: فـذهب الحنفية والمالكية فى المشهور وابن تيمية إلى أن الوليمة تكون بعد الدخول ... ويرى بـعـض الحنفية أن وليمة العرس تكون عند العقد وعند الدخول ... وصرح الحنفية بأنه إذا بنى الـرجل بامرأته ينبغى أن يدعو الجيران والأقرباء والأصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعاما، وإذا اتـخـذ وليمة ينبغى لهم أن يجيبوا، ولا بأس بأن يدعو يومئذ من الغد وبعد الغد ثم ينقطع العرس والوليمة. (نجم الفتاویٰ:۵/۱-۲) ☆

☆ ولیمہ کتنے دن تک مسنون ہے:

سوال: ولیمہ شادی کے کتنے دن تک مسنون ہے؟ کیا ایک ماہ کے بعد بھی ولیمہ کیا جانا مسنون ہوگا، یا صرف ضیافت ہوگی، جیسا کہ عام طور پر ہوتی ہے؛ اس لیے کہ ولیمہ شادی کی خوشی ہے، جو کہ زوجین کے ایک ہونے سے حاصل ہوتی ہے، وہ تو چند دن تک ہوتی ہے، پھر آدمی ان خوشیوں کو بھول جاتا ہے، براہ کرم شریعت کی روشنی میں ولیمہ کی سنیت اور اس کے لیے مقررہ وقت بیان فرمادیں اور یہ بھی بتادیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ولیمے کیے، وہ کتنے دن تک کیے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شادی میں ولیمہ مسنون ہے، رخصتی کے بعد پہلے، دوسرے یا تیسرے دن میں سے کسی بھی دن ولیمہ کا انعقاد مسنون ہے، اگر کسی مقام کا عرف ایک ہی دفعہ انعقاد کر کے مہمانوں کو بلانے کے بجائے یکے بعد دیگرے مہمان آتے ہوں اور کھا کر چلے جاتے ہوں، اگر کہیں ایسا عرف ہے تو مستقلاً تین دن تک بھی ولیمہ کا کھانا کھلایا جا سکتا ہے البتہ تیسرے دن کے بعد ولیمہ کرنا فقط ضیافت شمار ہوگی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح میں اسی طرح تین دنوں تک ولیمہ فرمایا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اعلیٰ ولیمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہ سے نکاح میں تھا، جس میں ایک بکری ذبح کی گئی اور ایک زوجہ مطہرہ کا ولیمہ تو ایسے بھی ہوا کہ لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے، وہ لے آئے، دسترخوان پر بیٹھ کر کھالیا۔ الغرض ولیمہ ایک دن میں کر دیا جائے، یا عرف کے مطابق مسلسل تین دنوں تک اس میں یہ شرط ملحوظ رہے کہ اس میں دکھلاوا، یا اسراف نہ ہو؛ بلکہ حسب استطاعت سنت کے مطابق اداء کی نیت سے اس معاملے کو انجام دیا جائے۔

لـمافى صحيح البخارى (٧٧٦/٢) :أصبـح الـنبـى صلى الله عليه وسلم بها عروسا، فدعا القوم فأصابوا من الطعام، ثم خرجوا وبقى رهط منهم عند النبى صلى الله عليه وسلم، فأطالوا المكث،الخ.

وفى إعلاء السنن (١٣/١١، بـاب جـواز الـوليـمة إلـى ايام ان لم يكن فخراً): عن أنس رضى الله عنه قال تزوج النبى صلى الله عليه وسلم صفية وجعل عتقها صداقها وجعل الوليمة ثلثة أيام أخرجه أبو يعلى بسند حسن.

وفيه أيضاً (١٩/١١): أن النبى قال: الوليمة أول يوم حق والثانى معروف واليوم الثالث سمعة ورياء.

قـال الشيـخ ظـفر أحمد عثمانى رحمه الله فى إعلاء السنن تحته:قال العمرانى:إنما تكره اذا كان المدعو فـى الثـالث هو المدعو فى الأول وكذا صوره الرويانى واستبعده بعض المتأخرين وليس ببعيد لأن اطلاق كونه رياء وسمعة يشعر بأن ذلک صنع للمباهاة وإذا كثر الناس فدعا فى كل يوم فرقة لم يكن فى ذلک مباهاة غالبا،آه.

وفى الخانية (٣٦٥/٤):ولابأس بأن يدعو لذلک اليوم وغداوبعد غدثم ينقطع العرس والوليمة.

وفى الهندية (٣٤٣/٥، كتـاب الـكـراهية): وليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة... ولا بأس بأن يدعو يومئذ من الغد وبعد الغدثم ينقطع العرس والوليمة كذا فى الظهيرية. (نجم الفتاویٰ:۵/۲،۳)

ولیمہ کی شرعی حیثیت اوراس کا وقت مسنون:

سوال: ذی استطاعت پر ولیمہ کرنا سنت موکدہ ہے، یا غیر موکدہ؟ اور ایسا ولیمہ جو نکاح کے دس دن، یا چار پانچ دن کے بعد کیا جائے، یہ بھی مسنون وجائز ہوگا، یا نہیں؟ اور ایسے ولیمہ کے کھانے کے لیے جانا جائز ہے، یا نہیں؟ اور ولیمہ کب تک کیا جا سکتا ہے؟

الجواب

ولیمہ کرنا سنت موکدہ ہے، اس کا وقت مسنون زفاف کے بعد ہے، جس قدر جلد کیا جائے، اتنا ہی سنت سے قریب ہوگا، چار پانچ دن کے بعد ولیمہ کیا جائے تو سنت ولیمہ ادا ہو جائے گی۔ (۱) واللہ سبحانہ اعلم (فتاویٰ عثمانی: ۳۰۲/۲)

ولیمہ کا مسنون وقت کون سا ہے:

سوال: دلہن، عصر کے وقت چار بجے لائی گئی، نکاح سات بجے شام کو منعقد ہوا، آیا سات اور چار بجے کے درمیان طعام ولیمہ میں شمار ہوگا، یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ولیمہ بعد الدخول اور بعد النکاح ہی سنت ہے اور بکر کہتا ہے کہ بعد الدخول اور بعد النکاح اور بعد الزفاف تمام سنت ہیں؛ کیوں کہ:

قال في الفتح: وقد اختلف السلف في قوتها عند العقد أوعقبه أوعند الدخول أوعقبه أو موسع من ابتداء العقد الى انتهاء الدخول على اقوال، انتهى. والفرق بينهما أن عند يشترط فيه الحضور.

معلوم ہوا کہ لفظ ''عند'' کے بعد اور ماقبل کو بھی شامل ہے۔

كما في الحديث: انه قالت: ثلٰث أوقات نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نصلى فيها وأن لا نقبر موتانا عند طلوع الشمس وعند غروبها و عند الاستواء. جزئية ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة وصلاة الجنازة عند طلوع الشمس وعند الغروب والاستواء.

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ''عند'' عام ہے، نیز دولہن نے اپنے آپ کو عقد نکاح کے لیے سپرد کیا تو یہ تمام وقت عقد نکاح کے لیے صالح ہے، نیز نکاح صدقہ اور ہبہ سے ہوسکتا ہے، جب دولہن، یا ولی نے شوہر کو زوجہ پر تسلط دیا تو تملیک اور قبضہ بھی آیا، ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں، جیسے کہ حیلہ کے اندر ہے تو طعام مذکور بھی ''ولیمہ'' میں شمار ہوگا؛ یعنی (چار سے سات تک)۔

---

(۱) (أولم) أمر من الوليمة، وهي ضيافة تتخذ للعرس (ولو بشاة) ذهب بعض إلى وجوب الوليمة لظاهر الأمر والأكثرون على أنها مستحبة، قيل: إنها تكون بعد الدخول، وقيل: عند العقد، وقيل: عندهما، استحب أصحاب مالك أن تكون سبعة أيام، والمختار أنها تكون على قدر حال الزوج. (شرح المصابيح لابن الملك، باب الوليمة: ۵۹۳/۳، إدارة الثقافة الإسلامية، انيس) (حوالے اور تفصیل کے لیے اگلے عنوان ''ولیمہ کا مسنون وقت کون سا ہے'' سے متعلق فتویٰ اوراس کے حواشی ملاحظہ فرمائیں)

الجواب

ولیمہ کا وقت مسنون بعد الدخول ہے۔

قال السبكي: والمنقول من فعل النبي صلى الله عليه وسلم أنها بعد الدخول، وفي حديث أنس رضي الله عنه عند البخاري وغيره التصريح بانها بعد الدخول لقوله أصبح عروسا بزينب فدعا القوم. (بذل المجهود: ۳۲/۲)(۱)

السنة في الوليمة أن تكون بعد البناء وطعام ماقبل البناء لا يقال له: وليمة عريبة. (فيض الباري: ۳۰۰/٤)(۲)

جن حضرات نے عند العقد اور عقب العقد ولیمہ کو مسنون کہا ہے، ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اوقات میں ولیمہ کرنے سے سنت ولیمہ ادا ہو جاتی ہے، جس طرح مسواک کے مسئلے میں (کہ برش کرنے سے سنت سواک ادا ہوتی ہے، سنت آلہ ادا نہیں ہوتی)، اسی طرح یہاں سنت ولیمہ ادا ہو گئی؛ مگر سنت وقت ادا نہیں ہوئی؛ یعنی ولیمہ وقت مسنون میں ادا نہ ہوگا؛ لیکن عقد نکاح سے پہلے ''ولیمہ'' کی کوئی اصل نہیں، اس کے جو دلائل بیان کئے گئے ہیں، وہ تمام محل نظر ہیں، ''عند'' اور ''لدی'' کا فرق اس وقت ہوتا ہے جب کہ ''عند'' مکان میں مستعمل ہو، ظرف اطلاق قبل کے معنی پر نہیں

(۱) بذل المجهود، كتاب النكاح: ۳۲/٤، طبع مكتبه قاسمية ملتان، وكذا في نيل الأوطار: ۱۵۰/٦)

(۲) طبع مکتبہ اسلامیہ شارع کانسی، کوئٹہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شب زفاف کے بعد ولیمہ کرنا ثابت ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث بخاری میں تصریح ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے، تاہم درج ذیل مختلف اقوال کی بناء پر سنت ولیمہ نکاح کے بعد، یا رخصتی سے قبل، یا بعد کسی بھی وقت میں کر لینے سے ادا ہو جاتی ہے۔

و في الصحيح للبخاري: ۷۷٦/۲، باب الوليمة حق..... وكان أول ما أنزل في متبنیٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم بزينب بنت جحش أصبح النبي صلى الله عليه وسلم بها عورسا فدعا القوم فأصابوا من الطعام. (الحديث)

وفي هامشة: وقد اختلف السلف في وقتها، هل هو عند العقد أو عقبه أو عند الدخول أو عقبه؟... واستحب مالك كونها أسبوغا.

و في إعلاء السنن: ۱۲/۱۱، حديث أنس في هذا الباب صريح أنها أي الوليمة بعد الدخول لقوله فيه أصبح عروسا بزينب فدعا القوم.

و في التاج الجامع للأصول في أحاديث الرسول للشيخ منصور على ناصف: ۲۷۹/۲، فصريح الحديث أن الوليمة كانت صباح ليلة الدخول فيكون وقتها بعد الدخول ففي أي وقت عملت كفى، لأنها نوع من إعلان النكاح ومن أنواع البر والاكرام، والله أعلم

وفي المرقاة تحت رقم الحديث: ۳۲۱۰، ج: ٦، ص: ۳٦٦ (طبع مكتبة حقانيه پشاور)

قيل: أنها تكون بعد الدخول، و قيل عند العقد، و قيل عندهما، واستحب أصحاب مالك أن تكون سبعة أيام والمختار أنه على قدر حال الزوج، وكذا في فتح الباري: ۱۹۹/۹، وفتح الملهم: ٤۸۹/۳. واوجز المسالک ۳۱۸/٤، نیز دیکھئے فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۱/۷)

ہوتا، عند طلوع، بعد طلوع، عند الغروب، عند الاصفرار میں بڑا فرق ہے، نہ ''ہبہ'' سے نکاح کا منعقد ہونا یہ معنی رکھتا ہے، **فالحاصل أن النكاح ينعقد بالهبة إذا كان علىٰ وجه النكاح.** (بحر: ۲۲/۳)(۱) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱/۱۱/۷ ۱۳۸ھ (فتویٰ نمبر: ۱۸/۱۳۲۸، الف) (فتاویٰ عثمانی: ۳۰۲/۲-۳۰۳) ☆

---

(۱)　البحر الرائق: ۸۷/۳ (طبع ایچ ایم سعید)

وفی الشامية: (قوله: كهبة) أي إذا كانت على وجه النكاح. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۱۷/۱۳، دار الفكر بيروت، انیس)

☆　ولیمہ کب تک مسنون ہے اور اُس کے کیا شرائط ہیں:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ولیمہ کب کہاں اور نکاح سے کتنے دنوں کے اندر ہونا چاہیے؟ اور اُس کی دیگر شرائط کیا ہیں؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

ولیمہ دراصل نکاح کے شکرانہ کی دعوت ہے اور اس کے لیے اَفضل وقت رخصتی کے بعد ہے، کسی مصلحت سے دو چار دن بعد بھی ولیمہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اتنی تاخیر نہ ہو کہ بشاشت نکاح باقی نہ رہے۔ (مستفاد: باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ۲۵۸)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أنه كان ابن عشر سنين مقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكان أمهاتي يواظبني على خدمة النبي صلى الله عليه وسلم، فخدمته عشر سنين. وتوفي النبي صلى الله عليه وسلم وأنا ابن عشرين سنة، فكنت أعلم الناس بشأن الحجاب حين أنزل، وكان أول ما أنزل في مبتنى رسول الله صلى الله عليه وسلم بزينب بنت جحش أصبح النبي صلى الله عليه وسلم بها عروسًا، فدعا القوم، فأصابوا من الطعام ثم خرجوا، وبقي رهط منهم. (صحيح البخاري: ۷۷٦/۲، إعلاء السنن: ۱٦/۱۱، رقم: ۳۰۸۲، دار الكتب العلمية بيروت)

يجوز أن يولم بعد النكاح أو بعد الرخصة، أو بعد أن يبنى بها، والثالث: هو الأولىٰ. (بذل المجهود: ۳٤٥/٤، هندی)

وحديث أنس في هٰذا الباب صريح في أنها أي الوليمة بعد الدخول، لقوله فيه: أصبح عروسًا بزينب فدعا القوم. (إعلاء السنن: ۱٦/۱۱-۱۷، بيروت)

عن حفصة بنت سيرين قالت: لما تزوج أبي دعا الصحابة سبعة أيام. (إعلاء السنن: ۱۷/۱۱، رقم: ۳۰۸٤، دار الكتب العلمية بيروت)

عن أنس رضي الله عنه قال: تزوج النبي صلى الله عليه وسلم صفية، وجعل عتقها صداقها، وجعل الوليمة ثلاثة أيام، أخرجه أبو يعلى بسند حسن. (فتح الباري: ۲۱۰/۹، مسند أبي يعلى: ۳۸۳٤/٦، بحواله: إعلاء السنن: ۱۷/۱۱، رقم: ۳۰۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

وفي الهندية: ولا بأس بأن يدعو يومئذ من الغد وبعد الغد، ثم ينقطع العرس والوليمة كذا في الظهيرية. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۳٤۳/٥، زكريا)

قيل: إنها تكون بعد الدخول، وقيل: عند العقد، وقيل: عندهما، واستحب أصحاب مالك أن تكون سبعة أيام، والمختار أنه على قدر حال الزوج. (مرقاة المفاتيح: ۲٥۰/٦، ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۳۰/۴/۱۴۳۴ھ - الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ (کتاب النوازل: ۸/)

ولیمہ کا کھانا کب مسنون ہے:

سوال: ولیمہ کا کھانا کب مسنون ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ نکاح کی صبح کو اور ایک گروہ کہتا ہے کہ رخصت کے بعد صبح کو؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ولیمہ کا کھانا نکاح کے بعد ہر وقت جائز ہے اور ہر طرح سنت ادا ہو جاتی ہے، خواہ نکاح سے اگلے دن کرے، زفاف ہو، یا نہ ہو اور خواہ زفاف کے کرے اور بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نکاح کے بعد بھی کرے اور زفاف کے بعد بھی یعنی جب کہ زفاف کچھ بعد میں ہو۔

مرقاۃ میں ہے:

قیل: إنها تکون بعد الدخول، وقیل: عند العقد، وقیل: عندهما. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۷/۷)

دعوت ولیمہ کی مدت:

سوال: دعوت ولیمہ کے شرائط کیا ہیں، اس کی حد اور مدت کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

دعوت ولیمہ شادی اور رخصتی سے تین روز تک ہوتی ہے، اس کے بعد نہیں۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳۸۹/۱/۶ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۴۱/۱۲) ☆

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، باب الولیمۃ: ۴۵۰/۳

(۲) قیل: إنها تکون بعد الدخول، وقیل: عند العقد، وقیل: عندهما، واستحب اصحاب مالک أن تکون سبعة ایام، والمختار انه علی قدر حال الزوج. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح باب الولیمة، الفصل الاول، (رقم الحدیث: ۳۲۱۰) ۳۶۶/۶، رشیدیة)

☆ **ولیمہ تیسرے دن، یا بعد میں کیا جائے تو کیا حکم ہے:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر کو ولیمہ مسنونہ کے سلسلہ میں ایک فتوی درکار ہے، جو کہ نیچے تحریر ہے، ولیمہ مسنونہ شادی سے تیسرے دن یا اور بعد میں کیا جائے؟ تو اس کی حیثیت کس اعتبار کی ہوگی؟ از روئے کرم وضاحت کے ساتھ تحریر فرمادیں۔ (المستفتی: سیف الدین پنڈت نگلہ)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شبِ زفاف کے تیسرے دن تک حدیث شریف سے ولیمہ کا ثبوت ہے اور بلاکسی عذر کے تیسرے دن ولیمہ کو حدیث پاک میں ریاکاری اور دکھلاوے سے تعبیر کیا گیا ہے؛ اس لئے تیسرے دن سے پہلے پہلے ولیمہ مسنونہ سے فارغ ہو جانا چاہئے؛ لیکن اگر سخت عذر کی وجہ سے دوسرے دن کے بعد تاخیر کی جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ ==

نکاح پہلے ہوا اور رخصتی کئی ماہ بعد تو ولیمہ کب کیا جائے:

سوال: ض نکاح ایسے ہوتے ہیں کہ چھ ماہ پہلے ہوجاتا ہے اور رخصت ۶/ماہ بعد ہوتی ہے، آیا دعوت ولیمہ بعد نکاح ہونی چاہیے، یا بعد شب زفاف؟

الجواب

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے:

وكذا الوليمه سنة،الخ،واختلفوا أيضاً في وقت الوليمة، قال بعضهم: بعد الدخول بها،وقال بعضهم: عندالعقد،وقال بعضهم:عندهما جميعاً. (۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ بعض نے فرمایا ہے کہ نکاح کے وقت ہے اور بعض نے فرمایا کہ دونوں وقتوں میں سے جس وقت چاہے کردے۔ الغرض خواہ نکاح کے بعد ولیمہ کرے، یا رخصت کے بعد کرے، سنت ولیمہ حاصل ہوجاوے گی۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۶۷-۱۶۸)

رخصتی سے قبل ولیمہ:

سوال: شادی ہوجانے کے بعد بسا اوقات میاں بیوی کی پہلی ملاقات لڑکی کے میکہ ہی میں ہوجاتی ہے، ایسی

== **عن عبد الله رضى الله عنه قال: الوليمة أول يوم حق، والثانى فضل، والثالث رياء وسمعة، ومن يسمّع يُسمّع الله به.** (المعجم الكبير، دارإحياء التراث العربى: ۹/۱۹۷، رقم: ۸۹۶۷)

عن وحشى بن حرب بن وحشى عن أبيه، عن جده قال: قال رجل يا رسول الله! الوليمة؟ قال: الوليمة حق، والثانية معروف، والثالثة فخر وحرج. (المعجم الكبير للطبرانى، دار إحياء التراث العربى: ۲۲/۱۳۷، برقم: ۳۶۲، أنوار نبوت: ۲۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۳/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۵۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۳/۱/۱۴۳۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

(۱) شرح شرعة الإسلام: ۴۴۷، ظفير (وَقَدِ اخْتَلَفَ السَّلَفُ فِي وَقْتِهَا هَلْ هُوَ عِنْد العقدأَوْ عَقِبِهِ أَوْ عِنْدَ الدُّخُولِ أَوْ عَقِبِهِ أَوْ مُوَسَّعٌ مِنِ ابْتِدَاءِ الْعَقْدِ إِلَى انْتِهَاءِ الدُّخُولِ عَلَى أَقْوَالٍ قَالَ النَّوَوِيُّ اخْتَلَفُوا فَحَكَى عِيَاضٌ أَنَّ الْأَصَحَّ عِنْدَ الْمَالِكِيَّةِ اسْتِحْبَابُهُ بَعْدَ الدُّخُولِ وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنْهُمْ أَنَّهُ عِنْدَ الْعَقْدِ وَعند بن حبيب عِنْد العقد وَبعد الدُّخُول وَقَالَ فِي مَوْضِعٍ آخَرُ يَجُوزُ قَبْلَ الدُّخُولِ وَبَعْدَهُ وَذَكَرَ بن السُّبْكِيِّ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ لَمْ أَرَ فِي كَلَامِ الْأَصْحَابِ تَعَيُّنَ وَقْتِهَا وَأَنَّهُ اسْتَنْبَطَ مِنْ قَوْلِ الْبَغَوِيِّ ضَرْبُ الدُّفِّ فِي النِّكَاحِ جَائِزٌ فِي الْعَقْدِ وَالزِّفَافِ قَبْلُ وَبَعْدُ قَرِيبًا مِنْهُ أَنَّ وَقْتَهَا مُوَسَّعٌ مِنْ حِينِ الْعَقْدِ قَالَ وَالْمَنْقُولُ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا بَعْدَ الدُّخُولِ كَأَنَّهُ يُشِيرُ إِلَى قِصَّةِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَقَدْ تَرْجَمَ عَلَيْهِ الْبَيْهَقِيُّ فِي وَقْتِ الْوَلِيمَةِ، آه، وَمَا نَفَاهُ مِنْ تَصْرِيحِ الْأَصْحَابِ مُتَعَقَّبٌ بِأَنَّ الْمَاوَرْدِيَّ صَرَّحَ بِأَنَّهَا عِنْدَ الدُّخُولِ وَحَدِيثُ أَنَسٍ فِي هَذَا الْبَابِ صَرِيحٌ فِي أَنَّهَا بَعْدَ الدُّخُولِ لِقَوْلِهِ فِيهِ أَصْبَحَ عَرُوسًا بِزَيْنَبَ فَدَعَا الْقَوْمَ وَاسْتَحَبَّ بَعْضُ الْمَالِكِيَّةِ أَنْ تَكُونَ عِنْدَ الْبِنَاءِ وَيَقَعُ الدُّخُولُ عَقِبَهَا وَعَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ الْيَوْمَ. (فتح البارى، باب الوليمة حق: ۹/۲۳۰-۲۳۱، دارالمعرفة بيروت، انيس)

صورت میں لڑکے والا اگر بغیر رخصتی کرائے اپنے گھر ولیمہ کر دے تو مسنون ولیمہ ہوا، یا نہیں؟ مسنون ولیمہ کی کیا شکل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اجتماع زوجین کے بعد جو دعوت کی جاتی ہے، وہ ولیمہ ہے خواہ بنا کسی جگہ ہو۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۱۲/۲۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۴۱/۱۲) ☆

شادی کی مشترکہ دعوت میں ولیمہ کی نیت کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں لڑکی اور لڑکے والے مل کر بموقع نکاح دعوت کا انتظام کرتے ہیں، اس کے بعد کیا ولیمہ کی ضرورت باقی رہتی ہے؟

(۱) والمنقول من فعل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انھا بعد الدخول کانہ یشیر إلی قصة زینب بنت جحش، وقد ترجم علیہ البیھقی بعد الدخول ... وحدیث انس فی ھذا الباب صریح فی أنھا: ای الولیمة بعد الدخول". (إعلاء السنن ، باب استحباب الولیمة وکون وقتہ بعد الدخول: ۱۱/ ۱۰-۱۱،إدارة القرآن کراتشی)

☆ رخصتی سے قبل دعوتِ ولیمہ کرنا:

سوال: دعوتِ ولیمہ رخصتی سے قبل کی جا سکتی ہے، یا نہیں؟ بعض علاقوں میں رخصتی سے قبل بڑی دعوت کی جاتی ہے اور یہ دعوت لڑکے والوں کی طرف سے ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس کے بعد اور دعوت نہیں ہوتی تو کیا اس دعوت کو ولیمہ شمار کیا جا سکتا ہے؟ دعوتِ ولیمہ کا صحیح وقت کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

ولیمہ کا انعقاد مسنون عمل ہے، لیکن ولیمہ یہ حصولِ نعمت کا شکرانہ ہے اور نعمت کا حصول رخصتی کے بعد ہوتا ہے، رخصتی سے قبل لڑکے کی طرف سے دعوت مسنون ولیمہ نہیں بن سکتی۔ ولیمہ کا مسنون وقت رخصتی کے بعد پہلے دوسرے، یا تیسرے دن تک ہے، ان میں سے کسی بھی دن ولیمہ کا انعقاد مسنون ہے۔ ولیمہ میں کوئی خاص کھانا کھلانا ضروری نہیں، حسبِ استطاعت جو ممکن ہو کھلا سکتے ہیں، نیز اس میں شرع کے خلاف کاموں سے اجتناب کیا جائے اور اسراف وریاکاری سے بھی از حد اجتناب ضروری ہے، الغرض رخصتی سے قبل ولیمہ مسنون ادا نہ ہوگا۔

لما فی عمدة القاری (۸۸/٤): ومنھا أن فیہ دلالة علی مطلوبیة الولیمة للعرس وأنھا بعد الدخول وقال الثوری ویجوز قبلہ وبعدہ والمشھور عندنا أنھا سنة وقیل: واجبة وعندنا إجابة الدعوة سنة سواء کانت ولیمة أوغیرھا... والولیمة عبارة عن الطعام المتخذ للعرس مشتقة من الولم وھو الجمع لأن الزوجین یجتمعان فتکون الولیمة خاصة بطعام العرس لأنہ طعام الزفاف والوکیرة طعام البناء ... ویستحب لأصحاب الزوج وجیرانہ مساعدتہ فی الولیمة بطعام من عندھم ومنھا أن فیہ الولیمة تحصل بأی طعام کان ولا تتوقف علی شاة والسنة تقوم بغیر لحم واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی أعلم

وفی الفقہ الإسلامی وأدلتہ (۱۲٥/۷): الولیمة (وھی طعام العرس أو کل طعام صنع لدعوة وغیرھا): وھی سنة مستحبة موکدة عند جماھیر العلماء... وقد اختلف السلف فی وقت الولیمة، ھل ھو عند العقد، أوعقبہ، أوعند الدخول أو عقبہ أومن ابتداء العقد إلی انتھاء الدخول؟ (نجم الفتاویٰ: ۵/۳-۴)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ——— وباللّٰه التوفيق

بہتر تو یہی ہے کہ رخصتی کے بعد ولیمہ ہو؛ لیکن اگر نکاح کے بعد دعوت میں ولیمہ کی نیت کر لی جائے، تو بھی ایک قول کے مطابق سنتِ ولیمہ ادا ہو جائے گی اور بعد میں ولیمہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم: ۱۶۷/۷)

قيل: إنها تكون بعد الدخول، وقيل: عند العقد، وقيل: عندهما. والمختار أنه على قدر حال الزوج. (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الوليمة: ۴۵/۳)

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۴/۵/۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

بارات روانگی سے قبل دعوت سے ولیمہ کی ادائیگی ہوگی، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں شادی کے موقع پر یہ رواج ہے کہ سنیچر کی صبح کو روانگی بارات ہے تو جمعہ کی شام ہی کو لڑکے والا کھانا کھلاتا ہے تو دریافت یہ کرنا ہے کہ بارات کی روانگی سے پہلے جو دوست واحباب کی دعوت طعام کی ہے اس سے ولیمہ کی سنت ادا ہو جائے گی، یا نہیں؟

(المستفتی: کریم پور تھانہ ٹانڈہ پوسٹ دھنورا، ضلع رام پور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ——— وباللّٰه التوفيق

ولیمہ عقد نکاح ہو جانے کے بعد جائز ہوتا ہے، اس کی تین شکلیں ہیں:

(۱) عقد نکاح کے بعد رخصتی سے قبل۔

(۲) عقد اور رخصتی کے بعد شب زفاف سے قبل۔

(۳) شب زفاف کے بعد۔

ان تینوں میں سے تیسری شکل زیادہ افضل ہے، لہٰذا عقد نکاح سے پہلے جو کھانا لڑکے والے کھلاتے ہیں، اس سے ولیمہ کا حق اور ولیمہ کی سنت ادا نہیں ہوگی۔

ويجوز أن يؤلم بعد النكاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن يبنى بها، والثالث هو الأولى. (بذل المجهود، كتاب الأطعمة، باب في استحباب الوليمة للنكاح، مطبع سهارن بور قديم: ۳۴۵/۴، دارالبشائر الإسلامية: ۴۷۱/۱۱، تحت رقم الحديث: ۳۷۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۵۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۳/۱/۲۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نکاح میں چھوہارے تقسیم کرنے کی ذمہ داری کس پر اور ولیمہ کتنے دن بعد تک ہو سکتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح کی تقریب میں

چھوہارے، یا مٹھائی کے انتظام کی ذمہ داری لڑکی یا لڑکے والوں میں سے کس پر ہے؟ اور ولیمہ کتنے دن بعد تک کیا جاسکتا ہے؟

(المستفتی: ماسٹر عبدالحق، خادم دینی لائبریری مدرسہ احیاء العلوم ہلدوانی، نینی تال)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اس سوال میں دو چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے:

(۱)　نکاح میں چھوہارہ اور شیرینی تقسیم کرنا یہ چیزیں خوشی میں تقسیم کی جاتی ہیں، غمی میں نہیں، لڑکی والوں کے لئے غمی ہوتی ہے، خوشی نہیں؛ اس لیے کہ ان کی لڑکی جاتی ہے اور مال بھی جاتا ہے اور لڑکے والوں کے لیے خوشی ہے؛ اس لیے کہ ان کے یہاں دولہن آتی ہے اور مال بھی آتا ہے؛ اس لیے ولیمہ کی سنت کا ادا کرنا لڑکے والوں پر ہی رکھا گیا ہے، اسی طرح بعض احادیث سے چھوہارہ تقسیم کرنا بھی لڑکے والوں کی طرف سے ثابت ہے۔ ہاں، البتہ اگر لڑکی والے بھی اپنی خوشی سے کچھ تقسیم کردیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عائشة رضی اللّٰہ عنها أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم تزوج بعض نسائه، فنثر علیه التمر. (السنن الکبری للبیهقی، کتاب الصداق، باب ماجاء فی النثار فی الفرح، دارالفکر: ۱۲۰/۱۱، برقم: ۱۵۰۴۸)

(۲)　حدیث شریف کے اندر ولیمہ نکاح کے بعد دو دن تک کرنے کی اجازت ہے، اس کے بعد کھانے کو ریا کاری کا کھانا قرار دیا گیا ہے۔

عن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنه قال: الولیمة أول یوم حق، والثانی فضل، والثالث ریاء وسمعة، ومن یسمع یسمع اللّٰہ به. (المعجم الکبیر، دارإحیاء التراث العربی: ۱۹۷/۹، برقم: ۸۹۶۷، ۱۳۷/۲۲، رقم: ۳۶۲، انوارنبوت: ۶۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ (الف فتویٰ نمبر: ۹۸۲۵/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۳/۱۱/۱۴۳۰ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

دوسال کے بعد ولیمہ:

سوال:　کیا عقد کے دوسرے ہی دن ولیمہ کرنا چاہیے؟ ایک صاحب شادی کے دوسرے ہی دن باہر چلے گئے اور دوسال کے بعد واپس آئے، تب ولیمہ کیا، کیا یہ درست عمل ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب ــــــــــــ

ولیمہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جس دن میاں بیوی کی خلوت ہوئی ہو، اس کے دوسرے دن دعوت کردی جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ

عنہا سے نکاح ہوا تو دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مدعو کیا اور کھانا کھلایا، (۱) دوسرے دن، یا تیسرے دن بھی کھلانے کی گنجائش ہے، اس سے زیادہ تاخیر ثابت نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۲۰)

منڈھے کی دعوت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اکثر مسلمانوں کے اندر نکاح سے ایک یوم پہلے لڑکے والے کے یہاں برادری کے دوست واحباب محلّہ پڑوس ورشتہ داروں کی دعوت کی جاتی ہے، جس کو منڈھا کہا جاتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اور علماء دین کے یہاں ولیمہ ہوتا ہے، علماء کرام تو نکاح کے بعد ولیمہ کرتے ہیں اور ہم نکاح سے ایک یوم پہلے منڈھا کرتے ہیں، کیا نکاح سے پہلے جو منڈھے کی نیت سے دعوت کی جاتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس منڈھے کی دعوت میں شریک ہونا کیسا ہے؟ اور منڈھے کی رسم کیا ہے؟

(المستفتی: ظریف احمد، مظفرنگر)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

دعوت تو نکاح سے قبل بھی قبول کرنے میں مضائقہ نہیں، مگر ولیمہ کی نیت سے نہیں؛ کیوں کہ نکاح سے قبل ولیمہ مسنون، یا مشروع نہیں ہے؛ بلکہ نکاح کے بعد ہی ولیمہ مسنون ہے اور نکاح کے بعد بھی تین شکلیں ہیں:

(۱) عقد نکاح کے بعد رخصتی سے قبل۔

(۲) نکاح اور رخصتی کے بعد شب زفاف سے قبل۔

(۳) شب زفاف کے بعد۔ ولیمہ کی یہ تینوں شکلیں مشروع ہیں؛ مگر تیسری شکل زیادہ افضل ہے۔

ویجوز أن یؤلم بعد النکاح، أوبعد الرخصة، أو بعد أن یبنی بها، والثالث هو الأولٰی. (بذل المجهود، کتاب الأطعمة، باب فی استحباب الولیمة للنکاح، مطبع سهارن پور، قدیم: ٤/٣٤٥، دارالبشائر الإسلامیة: ١١/٤٧١، تحت رقم الحدیث: ٣٧٤٣)

---

(۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث: ٥١٦٦ (عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِی أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّهُ كَانَ ابْنَ عَشْرِ سِنِینَ، مَقْدَمَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِینَةَ، فَكَانَ أُمَّهَاتِی یُوَاظِبْنَنِی عَلَی خِدْمَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَخَدَمْتُهُ عَشْرَ سِنِینَ، وَتُوُفِّیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا ابْنُ عِشْرِینَ سَنَةً، فَكُنْتُ أَعْلَمَ النَّاسِ بِشَأْنِ الْحِجَابِ حِینَ أُنْزِلَ، وَكَانَ أَوَّلَ مَا أُنْزِلَ فِی مُبْتَنَی رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِزَیْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ: أَصْبَحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِهَا عَرُوسًا، فَدَعَا الْقَوْمَ فَأَصَابُوا مِنَ الطَّعَامِ، ثُمَّ خَرَجُوا وَبَقِیَ رَهْطٌ مِنْهُمْ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَأَطَالُوا الْمُكْثَ، فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ، وَخَرَجْتُ مَعَهُ لِكَیْ یَخْرُجُوا، فَمَشَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَشَیْتُ، حَتَّی جَاءَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ، ثُمَّ ظَنَّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ، حَتَّی إِذَا دَخَلَ عَلَی زَیْنَبَ فَإِذَا هُمْ جُلُوسٌ لَمْ یَقُومُوا، فَرَجَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ، حَتَّی إِذَا بَلَغَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَظَنَّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا، فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ، فَإِذَا هُمْ قَدْ خَرَجُوا، فَضَرَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنِی وَبَیْنَهُ بِالسِّتْرِ، وَأُنْزِلَ الْحِجَابُ. (صحیح البخاری، باب الولیمة حق، انیس)

لہٰذا منڈھے کے نام سے جو دعوت ہوتی ہے، وہ ولیمہ مسنونہ نہیں ہے؛ بلکہ غیر مسلموں سے آئی ہوئی چیز ہے، اس کا ترک کردینا مسلمانوں پر لازم ہے اور ایسی رسوم میں شرکت نہ کرنا بہتر ہے؛ مگر فتنہ کا باعث بھی نہ ہونا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، یکم ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۴۹۰/۳۱) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/) ☆

''منڈھا'' کی حقیقت اور اُس کے کھانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں شادی کے موقع پر لڑکے کی شادی ہو، یا لڑکی کی، نکاح سے ایک روز پہلے کچھ مہمان بھی آجاتے ہیں، کچھ خاندان کے لوگ بھی رہتے ہیں، کچھ وہ لوگ بھی رہتے ہیں، جو نکاح والے دن کھانا وغیرہ کھلاتے ہیں، ان سب کی نکاح سے ایک روز پہلے دعوت کردیتے ہیں، اس کو عوامی زبان میں منڈھا بولتے ہیں، بعض لوگ اس کا اتنا اہتمام کرتے ہیں کہ شادی کارڈ میں بھی لکھادیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس منڈھا کے نام سے کھانا کھلانا، یا کھانا کیسا ہے؟ اور یہ منڈھا لفظ کیا ہے، کہاں سے آیا ہے؟ ہم اہل علم حضرات اس کھانے میں شریک ہوں، یا نہ ہوں، اگر ہم شریک نہ ہوں تو ہم سے لوگ معلوم کرتے ہیں کہ کیوں شریک نہیں ہوئے، جب کہ یہ دعوت صرف نکاح کے استقبال میں ہے، کوئی رواجی یا رسمی نہیں ہے؟ منڈھا تو اصل غیر مسلموں میں ہوتا ہے، جو منڈھے میں کڑھی چاول پکاتے ہیں، عوام ہم کو اس طرح سمجھاتے ہیں؛ اس لیے آپ ہمیں وضاحت سے شرعی حکم سے آگاہ فرمادیں، پھر ہم عوام کو سنادیں گے۔

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

شادی سے پہلے اپنے قریبی اعزاء اور دوستوں کو گھر پر بلاکر کھانا کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ اس میں دیگر رسومات شامل نہ ہوں، بعض جگہ یہ رسم تھی کہ شادی سے ایک دن پہلے لڑکے والوں اور لڑکی والوں کی طرف سے

☆ **منڈھا کرنا کیسا ہے:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ منڈھا کرنا کیسا ہے؟ اور منڈھے کی دعوت کھانا جائز ہے، یا ناجائز؟ غیروں کی رسم ہے، یا برادری کا کھانا؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

شادی میں صرف دعوتِ ولیمہ مسنون ہے، جو نکاح کے بعد لڑکے کی طرف سے کی جاتی ہے؛ لہٰذا بارات سے پہلے منڈھا کے نام سے کی جانے والی دعوت سنت نہیں کہی جائے گی، اس طرح کی دعوت کو ختم کرکے ولیمہ کی مسنون دعوت کا اہتمام کرنا چاہیے، باقی جو مہمان شادی سے قبل لڑکے والوں کے یہاں پہنچ جائیں، اُن کو بلا کسی التزام کے کھانا کھلانے میں حرج نہیں ہے۔

إن الـوليمة هي الطعام في العرس، قال ابن رسلان: وهم أعرف بموضوعات اللغة، و أعلم بلسان العرب، فظاهر الأمر الوجوب، وقال: مشهور المذهب إنها مندوبة. (بذل المجهود، كتاب النكاح: ١٢٧/١٠، بيروت)

عـن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من كان يومن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه. (صحيح البخاري رقم: ٦١٣٦، صحيح مسلم رقم: ٤٨، سنن الترمذي: ١٨/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

نائی جوڑا اور مہندی لے کر ایک دوسرے کی طرف بھیجا جاتا تھا اور اُس کی آمد کے اہتمام میں دعوت ہوتی تھی اور بھی بعض دیگر احمقانہ اور جاہلانہ رسومات ہوتی تھیں اور اُنہیں سب باتوں کے مجموعہ کو ’’منڈھا‘‘ کہا جاتا تھا تو اگر یہ باتیں پائیں جائیں تو اُس میں شرکت درست نہیں ہے اور اگر یہ رسومات نہ ہوں؛ بلکہ محض حاضر مہمانوں کو کھانا کھلایا جائے، تو اس میں حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: اصلاح الرسوم ۳۳، بہشتی زیور ۲۵/۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۶/۱۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

چھٹی اور منڈھے کی رسم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موجودہ دور میں تقریبات کے نام پر ولادت کے موقع پر چھٹی اور نکاح سے پہلے دن منڈھا کیا جاتا ہے، یا بارات وغیرہ میں ناچ گانا ہوتا ہے، تو مذکورہ تقریبات میں شرکت سے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــ وبالله التوفيق

ولادت کے بعد ساتویں دن عقیقہ کرنا مستحب ہے، اب اگر چھٹی سے یہی مراد ہے تو اِس تقریب میں شرکت کرنا درست ہے اور اگر چھٹی کی تقریب عقیقہ کے علاوہ ہے تو یہ محض رسم ہے، اس میں شرکت بہتر نہیں اور نکاح سے پہلے باقاعدہ دعوت دے کر ولیمہ کے طور پر منڈھا کے نام سے کھانا شریعت میں ثابت نہیں ہے، ایسی تقریب میں بھی شرکت نہیں کرنی چاہیے اور جن تقریبات میں ناچ گانے جیسے منکرات ہوں، اُن میں تو شرکت کی قطعاً اجازت نہیں ہے، خاص طور پر علماء، ائمہ اور مقتدیٰ حضرات کو ایسی تقریبات میں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ ان پر کھل کر نکیر کرنی چاہیے۔

عن سمرة بن جندب رضی الله عنه عن نبی الله صلی الله عليه وسلم قال: كل غلام مرتهن بعقيقته تذبح عنه يوم السابع ويحلق رأسهٔ ويسمى. (سنن ابن ماجة: ۲۲۸، سنن الترمذی: ۲۷۸/۱، سنن النسائی: ۱۶۷/۲)

وإن كان هناک لعب وغنا قبل أن يحضرها فلايحضرها؛ لأنه لايلزمه إجابة الدعویٰ إذا كان هناک منكر. (تبيين الحقائق: ۲۹/۷)

هٰذا إذا لم يكن مقتدى، فإن كان ولم يقدر على منعهم يخرج ولا يقعد؛ لأن في ذٰلک شين الدين وفتح باب المعصية على المسلمين. (الهداية: ٤٥٥/٤)

ومن دعی إلٰی وليمة فوجد ثمة لعبا أو غنا فلا بأس أن يقعد ويأكل، فإن قدر على المنع يمنعهم، وإن لم يقدر يصبروا، هٰذا إذا لم يكن مقتدیٰ به،أما إذا كان ولم يقدر علیٰ منعهم فإنهٔ يخرج ولايقعد، ولو كان ذلک على المائدة، لا ينبغی أن يقعد، وإن لم يكن مقتدی به، وهٰذا كله بعد الحضور، وأما إذا علم قبل الحضور فلا يحضر؛ لانه لايلزمهٔ حق الدعوة. (الفتاویٰ الهندية: ۳٤۲/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۵/۶/۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

کیا دوسری شادی میں بھی ولیمہ کرنا مسنون ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی ایک شادی ہوچکی تھی اورطلاق ہوگئی ہے، اب دوسری شادی طے ہوگئی ہے تو کیا زید کے ذمہ ولیمہ مسنونہ ضروری ہے؛ مگر زید کی والدہ جو کافی بزرگ ہیں فرماتی ہیں کہ ولیمہ اس وقت مت کرو، اس سے پہلی لڑکی والے اچھا اثر نہیں لیں گے اور حسد کریں گے، پھر کسی وقت دوتین ماہ کے بعد کرلینا۔

(المستفتی: طلعت حسین بارہ دری، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

ولیمہ شادی کے دن سے اگلے دن تک مسنون ہے، اس کے بعد ولیمہ نہ رہے گا؛ بلکہ محض ایک دعوت شمار ہوگی، اگر ولیمہ اس وقت نہ کیا جائے تو بعد میں ولیمہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الوليمة أول يوم حق، والثاني معروف، والثالث رياء وسمعة. (سنن ابن ماجة، النكاح، باب إجابة الداعي، النسخة الهندية: ١/ ١٣٧، دارالسلام رقم: ١٩١٥، وهٰكذا في مسند الدارمي، دارالمغني: ١٣١١/٢،رقم:٢١٠٩، مسند أحمد بن حنبل: ٢٨/٥،رقم: ٢٠٥٩٠ـ٢٠٥٢٠:٣٧١/٥،٩١، رقم: ٢٣٥٣٩، سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة، باب في كم تستحب الوليمة، النسخة الهندية: ٥٢٥/٢، دارالسلام،رقم:٣٧٤٥)

وقت وليمة العرس حين البناء وتستمر الدعوة إلى الطعام بعد البناء، واليوم الذي بعده، ثم ينقطع العرس والوليمة. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الحظر والإباحة وقتها (الوليمة) دارالفكر: ٣٤/٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۷) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/)

ولیمہ کا کھانا کتنے لوگوں کو کھلائیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ولیمہ کا کھانا کتنے لوگوں کو کھلانا چاہیے؟

(المستفتی: اکبر علی ہمدرد دواخانہ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

ولیمہ مسنون ہے، اس میں کتنے لوگوں کو کھانا کھلایا جائے، اس کی کوئی مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی؛ بلکہ ہر شخص اپنی مرضی سے اپنی وسعت اور گنجائش کے مطابق لوگوں کو کھانا کھلادے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ولیمہ کرو، اگرچہ ایک ہی بکری سے کیوں نہ ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کا حکم حسب گنجائش ہے۔

عن أنس رضی اللّٰہ عنه أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم رأی علی عبدالرحمن بن عوف أثر صفرة، قال: ما هذا؟ قال: إنی تزوجت امرأة علی وزن نواة من ذهب قال: بارک اللّٰہ لک أولم ولو بشاة.(صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب کیف یدعی للمتزوج، النسخة الهندیة:۷۷٤/۲، رقم: ٤۹٦۱_۵۱۵۵)

قال عیاض: وأجمعوا علی أن لا حد لأکثرها، وأما أقلها فکذلک، ومهما تیسر أجزأ، والمستحب أنها علی قدر حال الزوج، وقد تیسر علی الموسر الشاة فما فوقها. (بذل المجهود، کتاب النکاح، باب قلة المهر، دارالبشائر الإسلامیة: ۲۱/۸، تحت رقم الحدیث: ۲۱۰۹، مطبع سهارن پور قدیم:۲٤۰/۳، فتح الباری، کتاب النکاح، باب الولیمة ولو بشاة، دارالفکر: ۲۳٤/۹، أشرفیه دیوبند: ۲۹۳/۹، تحت رقم الحدیث: ۵۱٦۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۹ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ (الف فتویٰ نمبر: ۵۱۱۴/۳۳) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/۱)

دعوت ولیمہ میں بلائے بغیر جانا کیسا ہے:

سوال: دعوت ولیمہ میں بے بلائی جانا جائز ہے، یانہیں؟ اگر ایک شخص، یا کئی آدمی بے بلائے آجائیں تو صاحب خانہ ان کو روک سکتا ہے، یانہیں؟ اگر کسی نے بے بلائے آدمیوں کو روکا تو وہ گناہگار ہوا، یانہیں؟

الجواب

بے بلائے کسی دعوت میں جانا جائز نہیں ہے،(۱) خواہ ولیمہ کی دعوت ہو، یا اور کوئی دعوت، بے بلائے ہوئے آنے والے کو گھر والا جس کے ہاں دعوت ہے، روک سکتا ہے، روکنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی، مہر دارالافتاء۔ (کفایۃ المفتی: ۱۵۳/۵)

نکاح میں غائب اور ولیمہ میں شریک:

سوال: کوئی شخص نکاح میں شرکت نہ کرسکا اور ولیمہ میں حاضر ہوا تو کیا اس کا کھانا درست ہے؟ نکاح اور ولیمہ میں زیادہ اہمیت کس کی ہے؟ (سید حامد خطیب، اودگیر)

---

(۱) قال عبد اللّٰہ بن عمر قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من دعی فلم یجب فقد عصی اللّٰہ ورسوله، ومن دخل علی غیر دعوة دخل سارقًا وخرج مغیراً. (سنن أبی داؤد، کتاب الاطعمة: ۱٦۹/۲، سعید)

(۲) عن أبی مسعود الانصاری قال کان رجل من الأنصار یکنی أبا شعیب وکان له غلام لحام فأتی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وهو فی أصحابه فعرف الجوع فی وجه النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فذهب إلی غلامه اللحام، فقال: اصنع لی طعامًا یکفی خمسة، لعلی ادعو النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم خامس خمسة، فصنع له طعامًا، ثم أتاه فدعاه، فتبعهم رجل، فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: یا أبا شعیب إن رجلاً تبعنا، فإن شئت أذنت له،وإن شئت ترکته، قال: لا بل أذنت له.(صحیح البخاری، کتاب الاطعمة: ۸۲۱/۲، قدیمی)(رقم الحدیث: ٥٤٦۱،انیس)

الجواب

اگر کوئی شخص ولیمہ میں مدعو ہو تو چاہے وہ نکاح میں شریک نہ ہوا ہو، پھر بھی اسے ولیمہ میں شریک ہونا چاہیے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت ولیمہ قبول کرنے کی خاص طور پر ہدایت فرمائی ہے۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرص سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اس میں شریک ہونا چاہیے۔

"إذا دعی أحدکم إلی الولیمة فلیأتها". (۱)

اکثر فقہاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو مستحب کے درجہ میں رکھا ہے۔ (۲)

یوں تو مسلمان بھائی کی دعوت خواہ کوئی بھی ہو، اہم ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو، خواہ نکاح کی مجلس ہو، یا دعوت ولیمہ ہو؛ لیکن نکاح کے بارے میں خاص طور پر دعوت دینے اور دعوت قبول کرنے کی تلقین نہیں ملتی۔ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے اعلان وتشہیر کا حکم فرمایا ہے، بہ خلاف ولیمہ کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کرنے کی بھی ترغیب دی، (۳) اور دعوت ولیمہ قبول کرنے کی بھی تاکید فرمائی، (۴) اس سے خیال ہوتا ہے کہ دعوت ولیمہ کی اہمیت نسبتاً زیادہ ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۱۸-۴۱۹)

اگر بوڑھاپے میں نکاح کرلے تو ولیمہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص بیوی کے انتقال کے بعد عمر کے آخری حصہ؛ یعنی ۶۰ ر سال میں عقد ثانی کرے تو کیا اس کا ولیمہ واجب ہوگا؟ جب کہ پہلی شادی میں ولیمہ ہو چکا تھا؟ (محمد عبدالرشید، بشارت نگر)

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، ص: ۲۸۷ (صحیح البخاری، باب حق إجابة الدعوة، رقم الحدیث: ۵۱۷۳، انیس)

(۲) دیکھئے: مرقاۃ شرح المشکاۃ: ۶/۲۵۳

(۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: لَمَّا قَدِمْنَا المَدِينَةَ آخَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، فَقَالَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ: إِنِّي أَكْثَرُ الأَنْصَارِ مَالًا، فَأَقْسِمُ لَكَ نِصْفَ مَالِي، وَانْظُرْ أَيَّ زَوْجَتَيَّ هَوِيتَ نَزَلْتُ لَكَ عَنْهَا، فَإِذَا حَلَّتْ، تَزَوَّجْتَهَا، قَالَ: فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: لاَ حَاجَةَ لِي فِي ذَلِكَ هَلْ مِنْ سُوقٍ فِيهِ تِجَارَةٌ؟ قَالَ: سُوقُ قَيْنُقَاعٍ، قَالَ: فَغَدَا إِلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ، فَأَتَى بِأَقِطٍ وَسَمْنٍ، قَالَ: ثُمَّ تَابَعَ الغُدُوَّ، فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَلَيْهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَزَوَّجْتَ؟، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَمَنْ؟، قَالَ: امْرَأَةً مِنَ الأَنْصَارِ، قَالَ: كَمْ سُقْتَ؟، قَالَ: زِنَةَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ نَوَاةً مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (صحیح البخاری، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿فإذا قضیت﴾، الخ، رقم الحدیث: ۲۰۴۸، انیس)

(۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا. (صحیح لمسلم، باب الأمر بإجابة الداعی إلی دعوة، رقم الحدیث: ۱۴۲۹، انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کے آخری دو تین سالوں میں بھی کئی نکاح فرمائے ہیں، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آخری نکاح کر کے ولیمہ کا اہتمام ہوا ہے اوران میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ کرنا ثابت ہے؛ (۱) اس لیے جب بھی نکاح کرے ولیمہ کا اہتمام کرنا چاہیے، البتہ ولیمہ واجب نہیں، سنت ہے اور ولیمہ کرنے میں ثواب ہے، چناں چہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

’’شادی کا ولیمہ سنت ہے، اس میں بہت ثواب ہے، جب مرد عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرے تو مناسب ہے کہ پڑوسیوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو دعوت دے ان کے لیے جانور ذبح کرے اوران کے لیے کھانا بنائے‘‘۔ (۲)

تاہم جانور ذبح کرنا ضروری نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بھی ولیمہ فرمایا، جس میں نہ روٹی تھی، نہ گوشت؛ (۳) اس لیے ولیمہ میں بہت تکلف کی ضرورت نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۲۰-۴۲۱)

ولیمہ کی دعوت میں لڑکے والوں کا ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) ہمارے یہاں بعض شادیوں میں ایسا ہوتا ہے کہ اگر ولیمہ ہو تو اس میں لڑکی والے خاص تعداد میں جمع ہوجاتے ہیں اور ولیمہ کا کھانا کھانے کے بعد ایک معتد بہ رقم لڑکے والوں کو دیتے ہیں، مثلاً تین ہزار ایک سو(3100)، پانچ ہزار ایک سو(5100) روپے۔ واضح ہو کہ اس رقم کا پہلے سے ذہن میں ایک نشانہ متعین ہوتا ہے کہ یہ رقم لڑکی کے رشتہ دار اکٹھا کرتے ہیں اوراس میں کمی بیشی اس کی تلافی خود لڑکی والا کرتا ہے۔ سوال طلب بات یہ ہے کہ اس طرح رقم دے کر کھانا شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) ’’عن أنس رضی اللہ عنہ: أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتق صفیة وتزوجها و جعل عتقها صداقها وأولم علیها بحیس‘‘. (صحیح البخاري: ۷۷۷/۲) (باب الولیمة ولو بشاة، رقم الحدیث: ۵۱۶۹، انیس)

(۲) ’’وولیمة العرس سنة و فیها مثوبة عظیمة و هي إذا خل الرجل بامرأته ینبغی أن یدعو الجیران و الأقرباء والأصدقاء و یذبح لهم و یصنع لهم طعاما‘‘. (الفتاوی الهندیة: ۳۴۳/۵) (الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، دارالفکر بیروت، انیس)

(۳) ’’وحدثني عن مالک عن یحیی بن سعید أنه قال لقد بلغني أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یُولِمُ بالولیمة ما فیها خبز و لا لحم‘‘. (الموطأ للإمام مالک: ۳۷۱/۱) (عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلاَثًا، يُبْنَى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ، فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ، فَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلاَ لَحْمٍ، أَمَرَ بِالأَنْطَاعِ فَأُلْقِيَ فِيهَا مِنَ التَّمْرِ وَالأَقِطِ وَالسَّمْنِ، فَكَانَتْ وَلِيمَتَهُ، فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ: إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ، أَوْ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ، فَقَالُوا: إِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ مِنْ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ، وَإِنْ لَمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ، فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّى لَهَا خَلْفَهُ، وَمَدَّ الْحِجَابَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ. (صحیح البخاری، باب البناء فی السفر، رقم الحدیث: ۵۱۵۹، انیس)

(۲) نیز اس طرح جو لوگ چندہ دیتے ہیں، ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں، جو بادلِ ناخواستہ دیتے ہیں۔ نیز رقم لینے والا اس رقم کو نوٹ بھی کر لیتا ہے؛ تاکہ آئندہ اس کے یہاں ایسا موقع آئے تو اس کی تلافی کر دے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ (المستفتی: محمد صدیق ٹانڈہ بادلی، رامپور)

الجواب

(۱) ولیمہ کی دعوت کھانا اور کھلانا سنت ہے؛ لیکن ولیمہ کا کھانا کھانے کے بعد لڑکی والوں سے ایک خاص مقدار میں ناحق رقم لینے، یا دینے پر مجبور کرنا اور اس طرح لین دین کی رسم بنالینا شرعاً انتہائی قبیح اور ناجائز ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور: ۶/۳۵، ۳۶، امداد الفتاوی زکریا: ۵/۳۷۸)

(۲) حدیث میں ہدیہ لینے دینے کی بڑی ترغیب آئی ہے اور اس کو محبت کا ذریعہ بتلایا گیا ہے؛ لیکن اس رسم ورواج سے مجبور ہو کر دینا اور اس امید پر دینا کہ ہمارے یہاں بھی کوئی تقریب ہوگی تو وہ بھی ہمیں اتنا ہی دے گا، یہ ہدیہ نہیں ہے؛ بلکہ ظلم وزیادتی ہے اور نہایت ہی گھٹیا اور بے اصل بات ہے، اس طرح کی رسم کا ترک کرنا مسلمانوں پر لازم وضروری ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا: ۵/۲۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۱۲)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۰/۶/۱۴۱۷ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

ولیمہ میں مدعوئین کی طرف سے تحفہ:

سوال: عام رواج یہ ہے کہ ولیمہ یا شادی کے موقع پر مہمان ایک لفافہ میں کچھ روپے رکھ کر میزبان کو دیتا ہے، اسے ضروری؛ بلکہ شرعی عمل سمجھا جارہا ہے، میزبان بھی ان لفافوں کا منتظر رہتا ہے، کیا اس رسم کی دین میں کوئی اصل ہے؟ (حافظ اسعد قریشی، مقام غیر مذکور)

الجواب

یہ کوئی دینی عمل نہیں ہے، اگر کوئی شخص اس کو شرعی عمل سمجھے بغیر کسی سماجی اور اخلاقی دباؤ کے بغیر بطورِ خود کوئی رقم دے تو یہ جائز ہے اور اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ شرعا یہ ہبہ ہے اور ہبہ کسی بھی شخص کو، کسی بھی موقع پر اپنی رضامندی اور رغبت سے دیا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر سماجی دباؤ کے تحت لوگ اس کو لازم سمجھنے لگیں، یا حکم شرعی کا درجہ دینے لگیں تو خاص اس موقع سے دینا درست نہیں ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد دس نکاح فرمائے ہیں، اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے نکاح کیا؛ لیکن کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ دعوت ولیمہ کے موقع پر اس طرح رقم پیش کی گئی ہو؛ اس لیے اس سے اجتناب ہی بہتر ہے؛ کیوں کہ آہستہ آہستہ یہ عمل سماج میں لازم اور واجب کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۲۲)

شادی میں مدعوئین کے ہدیہ تحائف کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادیوں میں دوست واحباب کو مدعو کیا جاتا ہے، یہ مدعوئین بوقت شرکت حیثیت کے مطابق شادی والے کو نذرانہ نقد یا اجناس (کپڑا، زیور ودیگر چیزیں) پیش کرتے ہیں، نذرانہ کا لین دین از روئے شرع کیسا ہے؟

(المستفتی: عبدالولی ولد حاجی عبدالکریم شیرکوٹ، بجنور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شادی کا موقع چوں کہ خوشی کا موقع ہوتا ہے؛ اس لیے اس موقع پر اگر دوست واحباب کو مدعو کیا جائے اور وہ اظہار خوشی کے لیے بطور نذرانہ نقد یا کپڑا وغیرہ دیں تو اس طرح کے لین دین میں کوئی مضائقہ نہیں، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت ان کے چچا کو کرتا مرحمت فرمایا تھا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، جدید: ۱۲/۱۳۱، قدیم: ۱۱/۱۵۴) لیکن یہ بطور عوض نہیں ہونا چاہئے۔

روى ابن شهاب الزهرى أنه قيل لخويلد بن أسد بن عبدالعزى، وهو ثمل من الخمر، هذا ابن أخيک محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب يخطب خديجة، وقد رضيت... فخلقت خديجة أباها وحلت عليه حلة، ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم بها فلما صحا الشيخ من سكرته، قال: ماهذه الخلوق وما هذه الحلة؟ قالت: ابنته أخت خديجة هذه حلة كساكها ابن أخيک محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب أنكحته خديجة ... عن ابن عباس، قال: ... فزوجها إياه فخلقته والبسته حلة، وكذلک كانوا يصنعون إذا زوجوا نسائهم. (تاريخ الخميس في أحوال أنفس نفيس، بحث تزوجه عليه السلام خديجة: ۱/ ۲٦٤، بحوالہ محمودیہ ڈابھیل: ۱۲/۳۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۸/رجب ۱۴۲۰ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷۲) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

ولیمہ میں تحائف:

سوال: ہم مسلمان بھائیوں کی جب بھی شادی ہوتی ہے تو دوست احباب ولیمہ میں نوشہ کو تحائف سے نوازتے ہیں، یہ تحفے کئی طرح کے ہوتے ہیں، نقد رقم، یا کوئی چیز، کیا اس طرح تحفے دینا جائز ہے؟ (سلمان سکندر، حیدرآباد)

الجواب ــــــــــــــــ

مسلمانوں کو تحفہ وہبہ دینا جائز؛ بلکہ مستحب ہے، (۱) اگر کسی خاص شرعی موقع پر تحفہ دیا جائے اور یہ سماجی طریقہ پر ہو، لوگ اس کو شرعاً ضروری نہیں سمجھتے ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، تحفہ دے سکتے ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۲۲-۴۲۳)

---

(۱) ”وهي التبرع بتمليک مال في حياته، وهي مستحبة“. (الكافي: ۳/ ۵۹۳، باب الهبة)

ولیمہ میں چوتھی کی دعوت:

سوال: کیا ولیمہ اور چوتھی کی دعوت ملا کر کر سکتے ہیں، جیسا کہ آج کل رواج ہو گیا ہے؟

(مسکان، یاقوت پورہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

چوتھی کی دعوت کی کوئی اصل نہیں، یہ ایک غیر شرعی رسم ہے، البتہ دعوتِ ولیمہ سنت ہے،(۱) دعوتِ ولیمہ میں لڑکی والوں سے پیسہ لینا جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ مردوں سے متعلق ہے، حسب سہولت سادگی کے ساتھ ولیمہ کرنا چاہیے؛ تاکہ اس غیر شرعی فعل کا مرتکب ہونا نہ پڑے۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۴۲۳-۴۲۴)

کیا لڑکی کے نکاح پر دعوت کا نظم کرنا ولیمہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) لڑکی کے نکاح کے موقع پر لڑکی والے اپنے اعزہ واقرباء اور دوست واحباب کی کھانے کی دعوت کرتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کے نکاح کے موقع پر کھانے کا نظم کرنا اور ایسی تقریب میں شرکت کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) اگر لڑکی کے یہاں کھانا درست ہے تو نکاح پڑھانے والا اگر کہیں نکاح پڑھانے جائے تو لڑکی والے کے یہاں اس کا کھانا درست ہے، یا نہیں؟ نیز قیام گاہ سے دور گیا ہو یا قریب ہر صورت کا حکم تحریر کریں۔

(المستفتی: محمد شمیم پرتاپ گڑھ)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) لڑکی کی شادی کی خوشی اور مسرت کے موقع پر اپنے اعزہ واقرباء اور دوست واحباب کو کھانے کی دعوت دینا اور اس میں شرکت کرنا جائز ہے؛ لیکن اپنی حیثیت وحدود میں رہ کر کرنا لازم ہے، نام ونمود اور شہرت ودکھلاوے کے طور پر نہ کیا جائے، نیز یہ دعوت ولیمہ کی طرح مسنون نہیں ہے؛ بلکہ دعوت احباب کی طرح جائز اور مباح ہے۔ ''مصنف عبدالرزاق'' اور ''المعجم الکبیر'' کی ایک کمزور روایت سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔

ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي، إطعام الطعام عند النكاح، فأت الغنم، فخذ شاة وأربعة إمداد،أوخمسة، فاجعل لي قصعة لعلي أجمع عليها المهاجرين، والأنصار. (الحديث)(مصنف عبدالرزاق، النكاح، تزويج فاطمة رضي الله عنها، المجلس العلمي: ٤٨٧/٥،رقم:٩٧٨٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي: ٤١٠/٢٢، رقم:١٠٢٢، ١٣٢/٢٤، رقم: ٣٦٢)

---

(۱) الفقه الإسلامي و أدلته:١٢٥/٧

(۲) اوپر کے جواب سے بات واضح ہوچکی کہ اگرلڑکی والے صاحب استطاعت ہیں اور بخوشی کھلا رہے ہیں توان کے کھانے میں کوئی قباحت نہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ،۲۲/۱/۱۴۲۴ھ (الف فتویٰ نمبر:۷۸۷۶/۳۶) (فتاویٰ قاسمیہ:۱۲/)

شبِ زفاف کہاں مسنون ہے؟اور بارات کے کھانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:لڑکا جب شادی کر کے لڑکی کورخصت کرانے کے لیے جائے تو آیا بنٰی ؛یعنی شب زفاف لڑکی کے مکان پر مسنون ہے، یالڑکا اپنے گھر آکر بنٰی کرے؟ مسنون کیا ہے؟ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر شادیاں غزوات میں کی ہیں تو سنت کیا ہے؟ اورلڑکی والوں کے یہاں بارات کی دعوت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (المستفتی:محمد وسیم سیوان،مظاہرعلوم سہارنپور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

عقدنکاح کے بعدافضل اورمسنون طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کواپنے گھرلاکرشب زفاف گزاری جائے،البتہ اگرکسی وجہ سےلڑکی کے گھرپرہی یہ رات گزاری جائےتواس میں بھی شرعاًکوئی حرج نہیں ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کسی زوجہ مطہرہ سے عقدنکاح کے بعدانہیں کے گھرمیں شب باشی کی ہواورزفاف کے معنی ہی یہ ہیں کہ عورت کومرد کے پاس بھیج دیا جائے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم:۷/۳۸۳،ایضا:۳/۱۹۹،جدیدڈابھیل:۱۰/۴۶۸)

الزفاف:اسم من زف العروس إلى زوجها، أى حملهاإليه ليلة عروسها. (لغة الفقهاء، كراتشي:۲۳۳)

قال الشامي في تفسير الزفاف: إهداء المرأة إلى زوجها،قاموس،وروى البخاري عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت:رفضنا امرأة إلى رجل من الأنصار،الخ. (شامي، كتاب النكاح كراتشي:۹/۳، زكريا ديوبند:٤/٦٨،الموسوعة الفقهية الكويتية: ٢٣٢/٤١)

(۳) شادی کے موقع پرلڑکے کی طرف سے آنے والے مہمانوں کوکھانا کھلانااوراس خوشی کے موقع پران کوکھانے کے لیے مدعوکرنا جائزاوردرست ہے؛لیکن اظہارفخر کے لیےزیادہ سے زیادہ لوگوں کوجمع کرنا،یالڑکے والوں کی طرف سے اس دعوت کامطالبہ کرنااوراس دعوت کودعوت ولیمہ سے تعبیر کرنا شریعت سے ثابت نہیں،اسی طرح اس دعوت کوضروری سمجھ لینالڑکی والوں پردباؤڈالنااورحالات ایسے پیدا کردینا کہ لڑکی والے بارات والوں کوکھانا کھلانے پرمجبورہوجائیں اوراس میں طرح طرح کے رسوم رواج کرنا بھی درست نہیں ہے،ان سب سے احترازلازم اورضروری ہے۔ہاں البتہ لڑکی والے اپنی خوشی سے حسب حیثیت بلاکسی دباؤ کے کھانا وغیرہ کھلاتے ہیں تواس میں کوئی قباحت نہیں۔(مستفاد: کفایت المفتی قدیم:۵/۱۵۹،جدید زکریا:۵/۱۵۵،جدیدمطول:۷/۴۸۴،فتاوی محمودیہ قدیم:۱۷/۳۶۷،جدیدڈابھیل:۱۲/۱۴۲، فتاوی دارالعلوم:۷/۵۲۱)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ،۳/شعبان ۱۴۱۷ھ (الف فتویٰ نمبر:۴۹۸۱/۳۲)

الجواب صحیح:احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ،۳/۸/۱۴۱۷ھ۔(فتاویٰ قاسمیہ:۱۲/)

اگر کسی وجہ سے زُفاف نہ ہوسکی تو ولیمہ کا کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کچھ عذر کی وجہ سے میاں اور بیوی میں میل ملاپ نہ ہوسکا؛ یعنی شبِ زفاف نہ ہوسکی تو ولیمہ کا کیا حکم ہے؟ اس سے ولیمہ پر کچھ اثر پڑے گا، یانہیں؟ لہٰذا یہ تحریر فرمائیں کہ ولیمہ سنت، یا مستحب، یا مسنون! میاں بیوی کے ملاپ نہ ہونے پر ولیمہ کا کیا حکم ہے؟ اگر ولیمہ میں ایک دوروز اور بڑھ جائے، تو کیا سنت میں کچھ کمی ہوگی، یا مکمل اَجر ملے گا؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

عقدِ نکاح کے بعد لڑکے کی طرف سے جب بھی نکاح کی دعوت کی جائے تو ولیمہ کی سنت ادا ہوجائے گی، خواہ زوجین میں خلوت ہوئی ہو، یا نہ ہوئی ہو؛ تاہم بہتر یہی ہے کہ خلوتِ صحیحہ کے بعد ولیمہ کیا جائے اور اس میں اگر کچھ روز کی تاخیر ہوجائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

والمنقول من فعل النبی صلی الله علیه وسلم أنها بعد الدخول كأنه يشير إلى قصة زينب بنت جحش، وقد ترجم عليه البيهقی وقت الوليمة ... وحديث أنس فی هٰذا الباب صريح فی أنها: أی الوليمة بعد الدخول. (إعلاء السنن: ١١/١٦-١٧، دار الكتب العلمية بيروت)

يجوز أن يؤلم بعد النكاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن يبنی بها، والثالث هو الأولىٰ. (بذل المجهود: ٤/٣٤٥، قديم، فتاوی دار العلوم: ۷/۱۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱/۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

کیا ولیمہ کے لیے صحبت کرنا ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید اور بکر دونوں دوست ہیں

☆ **شادی کی رات ہمبستری نہ کرسکنے کی صورت میں ولیمہ کا حکم:**

سوال: اگر شادی والی رات مرد ہمبستری نہیں کرتا ہے اور اگلے دن اس کا ولیمہ ہے تو کیا اس کا ولیمہ جائز ہوگا، بغیر ہمبستری کے؟

الجواب ـــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

اگر شادی کی رات ہمبستری نہ ہوسکے اور اگلے دن ولیمہ کی تقریب ہو تو یہ دعوت بھی مسنون ولیمہ شمار ہوگی، رخصتی کے بعد لڑکے کی طرف سے دی جانے والی دعوت مسنون ولیمہ ہے۔

لمافی اعلائالسنن (١١/١١): (قوله أنس، الخ) قال المؤلف فی فتح الباری (٩/١٩٩) عن ابن السبكی عن أبيه والمنقول من فعل النبی صلی الله عليه وسلم أنها بعد الدخول كأنه يشير إلىٰ قصة زينب بنت جحش وقد ترجم عليه البيهقی وقت الوليمة.

وفی الهندية (٥/٣٤٣): ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهی إذا بنی الرجل بامرأته ينبغی أن يدعو الجيران والأقرباء والأصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعاما. (نجم الفتاویٰ: ۵/۴۶)

اور زید کی چند روز قبل شادی ہوئی اور دوسرے روز ولیمہ ہوا؛ لیکن جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بارات رات کو دیر سے روانہ ہوئی اور رخصتی ۴،۵، بجے کے قریب پہلے میاں بیوی دونوں میں خلوت تو ہوگئی؛ لیکن صحبت نہ کر سکے؛ اس لیے بکر کا کہنا ہے کہ زید کا ولیمہ صحیح نہیں ہوا، ولیمہ درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ صحبت کی جائے تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ولیمہ درست ہونے کے لیے صحبت کرنا ضروری ہے، یا خلوت (تنہائی) ہی کافی ہے؟ نیز اگر صحبت ضروری ہے تو شب عروس میں دولہن اگر حیض کی حالت میں ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح کے بعد جب کہ میاں بیوی میں خلوت ہوگئی تو اگلے روز ولیمہ کرنا صحیح ہوگیا، ولیمہ کے لیے صحبت ضروری نہیں ہے۔ (مستفاد: بذل المجہود: ۳۴۵/۵، انوار نبوت ۶۵۹، آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید مدلل محقق: ۳۰۹/۶)

ولا خلاف بين أهل العلم في أن الوليمة سنة في العرس مشروعة لما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر بها وفعلها، وليست واجبة في قول أكثر أهل العلم. (إعلاء السنن: ۱۲/۱۰)

قيل: إنها تكون بعد الدخول، وقيل: عند العقد، وقيل: عندهما. والمختار أنه على قدر حال الزوج. (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الوليمة: ۴۵/۳)

شبِ زفاف میں اگر عورت حائضہ ہو تو اس سے جماع جائز نہیں ہے، حیض سے پاک ہو تو جماع میں حرج نہیں ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ (سورة البقرة: ۲۲۲)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أتى حائضًا ... كفر بما أنزل على محمد صلى الله عليه وسلم. وفي رواية: فقد برء مما أنزل على محمد صلى الله عليه وسلم. (سنن أبي داؤد رقم: ۳۹۰۴، مسند أحمد ۴۰۸/۲، الترغيب والترهيب مكمل: ۵۲۵، رقم: ۳۷۰۴، بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۲/۱۱/۱۴۲۵ھ۔ (کتاب النوازل: ۸/۸)

شبِ زفاف سے قبل ولیمہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا نکاح خوانی کے معاً بعد یعنی شب زفاف سے پیشتر ولیمہ کردیا جائے، تو ادا ہوگا یا نہیں؟

(المستفتی: مولانا عبدالناصر مدرس مدرسہ شاہی، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

ولیمہ عقد نکاح کے بعد رخصتی سے قبل اور رخصتی کے بعد شب زفاف سے قبل اور شب زفاف کے بعد تینوں صورتوں میں جائز ہے؛ البتہ اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ شب زفاف کے بعد کیا جائے۔

ویجوز أن یؤلم بعد النکاح،أوبعد الرخصة، أو بعد أن یبنی بها، والثالث هو الأولی. (بذل المجهود، کتاب الأطعمة، باب فی استحباب الولیمة للنکاح، مطبع سهارن پور قدیم: ۳۴۵/٤، دارالبشائر الإسلامیة بیروت: ٤٧١/١١، تحت رقم الحدیث: ۳۷٤۳)

واختلف السلف فی وقتها، هل هو عند العقد أو عقبه، او عند الدخول أو عقبه، أو یوسع من ابتداء العقد إلی انتهاء الدخول علی أقوال، قال السبکی: والمنقول من فعل النبی صلی الله علیه وسلم أنها بعد الدخول، وفی حدیث أنس عند البخاری وغیره التصریح بأنها بعد الدخول، لقوله: أصبح عروسا بزینب فدعا القوم. (بذل المجهود، کتاب النکاح، باب قلة المهر، دارالبشائر الإسلامیة: ۲۱/۸، تحت رقم الحدیث: ۲۱۰۹، مطبع سهارنپور قدیم: ۲٤۰/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۷۴۹/۳۱) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/) ☆

نوید اور دعوت میں فرق:

سوال (۱) ہمارے یہاں کے لوگ ''نوید'' ضروری سمجھتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ شادی کے موقع پر اپنے تمام

☆ **ہمبستری سے قبل ولیمہ کرنے سے سنت ادا ہوگی، یا نہیں:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے صبح کو نکاح کیا اور شام کو ولیمہ کی دعوت کی اس صورت میں زید کی طرف سے ولیمہ کی سنت ادا ہوئی یا نہیں اور یہ ولیمہ کھانا صحیح ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ ابھی زید ہمبستر نہیں ہوا ہے، اسی طرح عمر نے شادی کی اور شب عروسی کے بعد دوسرے دن ولیمہ کیا؛ لیکن عمر بھی ہمبستر نہیں ہوسکا؛ کیوں کہ لڑکی حیض کی حالت میں تھی، اس صورت میں عمر کی طرف سے ولیمہ کی سنت ادا ہوئی، یا نہیں اور عمر کا ولیمہ لوگوں کو کھانا صحیح ہے یا نہیں؟

(المستفتی: جابر حسین مانپور، مرادآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

عقد نکاح ہوجانے کے بعد ولیمہ کرنے کی تین شکلیں ہیں:

(۱) عقد نکاح کے بعد بیوی میکہ میں رہے، رخصتی اور ملاپ نہ ہو۔

(۲) عقد نکاح ہونے کے بعد بیوی شوہر کے گھر رخصت ہوجائے؛ لیکن ابھی شب زفاف اور ہمبستری نہیں ہوئی اور ولیمہ ہوگیا۔

(۳) عقد نکاح کے بعد رخصتی بھی ہوجائے اور شب زفاف اور ہمبستری بھی ہوجائے، اس کے بعد ولیمہ ہو، یہ تینوں شکلیں جائز اور مشروع ہیں اور تینوں کا کھانا بھی بلا تردد جائز اور درست ہے؛ لیکن تینوں میں افضل یہی ہے کہ شب زفاف اور ہمبستری کے بعد ولیمہ عمل میں آئے۔

واختلف السلف فی وقتها، هل هو عند العقد أو عقبه، أوعند الدخول أوعقبه،أو یوسع من ابتداء العقد إلی انتهاء الدخول (إلی) والمنقول من فعل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنها بعد الدخول. (بذل المجهود، کتاب النکاح، باب قلة المهر، دارالبشائر الإسلامیة: ۲۱/۸، تحت رقم الحدیث: ۲۱۰۹، مطبع سهارنپور قدیم: ۲٤۰/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۷/ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۷۱۷۰/۳۵) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

رشتہ داروں کو ''نوید'' بھیجتے ہیں، وہ رشتہ دار تاریخِ مقررہ پر نائی کے ہمراہ چاول، دہی، دھوتی، یا صرف روپیہ لے کر اس شخص کے دروازہ پر حاضر ہوتے ہیں، اس سامانِ مذکورہ کو شادی والا اپنے رجسٹر میں درج کر دیتا ہے، پھر جب اس کے رشتہ دار کے گھر شادی پڑے تو اس شخص کو ویسا ہی کرنا پڑے گا، خواہ سامان، یا روپیہ میں زیادتی کر کے لائے، یا نہ لائے؛ لیکن لانا پڑے گا، جتنا ہو سکے، اگر نہیں لایا تو اس پر طعن طعن کی جاتی ہے۔ اگر وسعت نہیں ہے تو قرض لے کر پورا کرتا ہے؛ تاکہ رسوا نہ ہونا پڑے۔ اس کے متعلق نوید لینے والے اور دینے والے کا کیا حکم ہے؟

(۲) اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ولیمہ کی دعوت دی جائے، پھر وہ اس طرح کا سامان لائے؛ یعنی روپیہ، یا دھوتی وغیرہ تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ دعوت اور نوید میں ہمارے یہاں فرق ہے: نوید اس کو کہتے ہیں کہ سامانِ مذکور لائے اور دعوت صرف کھانا کھالینا ہوتا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) یہ طریقہ اور اس کا التزام غیر شرعی رسم ہے، جس کا ترک کرنا لازم ہے، بلاضرورت اور بلاطلب قرض ہے، بغیر ادا کئے مطالبہ ذمہ میں باقی رہے گا۔ کسی غریب کی مدد بغرض رسم ونمائش اور بغیر اس امید کے کہ یہ ہماری مدد اسی طرح کرے گا، نیز خوشی کرنے کے لیے بلا حاجت بھی ہدیہ کے طور پر دینا مستحسن ہے، مگر مذکورہ مسئولہ طریقہ کی یہ صورت نہیں۔

(۲) ولیمہ سنت سے ثابت ہے، جب کہ اس میں کوئی امر خلاف شرع نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے:

''أولم ولو بشاة'' (۱)

اس کے قبول کرنے کی بھی ترغیب؛ بلکہ بلا عذر قبول نہ کرنے پر نکیر آئی ہے، جس میں ''**فقد عصى**'' کا لفظ ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۲/۱۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۹/۱۱)

دعوت ولیمہ ودیگر دعوتوں کے اقسام:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دعوتوں کی کتنی اقسام جائز ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

زمانہ نبوت میں چار قسم کی دعوتوں کا سلسلہ جاری تھا:

---

(۱) **''عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى على عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة، فقال: ''ماهذا''؟ قال: إني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب، قال: ''بارك الله لك، أولم ولو بشاة''. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الوليمة ولو بشاة: ۷۷۷/۲، قديمي)**

(۲) **''عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من دعى فلم يجب، فقد عصى الله ورسوله''. (رواه أبوداؤد) (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولمية، الفصل الثاني، ص: ۲۷۸، قديمي)**

(۱) دعوتِ ولیمہ۔

(۲) دعوتِ عقیقہ۔

(۳) ختنہ کے موقع پر دعوت۔

(۴) نیا مکان ودوکان وغیرہ کا افتتاح کرتے وقت، لہٰذا اگر کوئی شخص ان مواقع میں سے کسی موقع پر دعوت کرتا ہے تو اس کی دعوت میں شرکت کرنا جائز ہے۔ (انوارنبوت، ص:٦٦٣)

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: الوليمة حق وسنة، فمن دعی فلم يجب فقد عصی الله ورسوله، والخرس، والإعذار، والتوكير أنت فيه بالخيار، قال: قلت: إنی والله لا أدری ماالخرس، والإعذار، والتوكير، قال الخرس: الولادة، والإعذار: الختان، والتوكير: الرجل يبنی الدار، وينزل فی القوم، فيجعل الطعام، فيدعوهم، فهم بالخيار، إن شاؤوا أجابوا، وإن شاؤا قعدوا. (المعجم الأوسط، دارالفكر: ٨٨/٣، رقم: ٣٩٤٨، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت: ٥٢/٤، رقم: ٦١٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۵/۱۱/۱۴۳۴ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۱۱/۴۰) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

کس طرح کی دعوت ولیمہ میں شرکت ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) شادی اور ولیمہ کی دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟ اور قبول نہ کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

(۲) اگر دعوت قبول کر لی جائے سامنے والے رشتہ دار، یا دوست کو دیکھ کر کہ کہیں یہ قبول نہ کرنے سے ناراض نہ ہو جائے، پھر بعد میں نہ جائے تو کیا حکم ہے؟

(۳) وہاں جانے کے بعد کھانا کھانا ضروری ہے، یا نہیں؟ مثلاً وہاں کھانا طبیعت کے ناموافق پکا دیا گیا ہے، پرہیز کے خلاف پکا دیا گیا ہے تو ایسی صورت میں کیا کرے؟

(المستفتی: محمد ابراہیم)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱) شادی اور ولیمہ میں اگر کوئی منکرات نہ ہوں تو اس میں شرکت کرنا کارثواب ہے اور ایسی صورت میں بلا کسی عذر شرعی کے شرکت نہ کرنے میں بعض دفعہ مومن کی دل شکنی کی وجہ سے گناہ بھی ہوتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۴۲۲/۱۴، جدید ڈابھیل: ۹۵/۱۸)

عن ابن عمر رضی الله عنه أن النبی صلی الله عليه وسلم قال: إذا دعی أحدكم إلی وليمة عرس، فليجب. (الصحيح لمسلم، كتاب النكاح، باب الأمر بإجابة الداعی إلی دعوة، النسخة الهندية: ٤٦٢/١، بيت الأفكار، رقم: ١٤٢٩، سنن الدارمی، دارالكتب العلمية بيروت: ١٤١٥/٣، رقم: ٢٢٥١)

أن أبا هريرة رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس. (صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، النسخة الهندية: ١٦٦/١، رقم: ١٢٢٦، ف: ١٢٤٠)

(۲) اگر وہاں کوئی خلاف شرع منکرات ہوں تو کسی طرح وہاں شرکت نہ کرنے کی شکل اختیار کرے، اب جو بھی شکل مناسب ہو، وہ اختیار کرے۔

عن عمران بن الحصين رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن إجابة طعام الفاسقين. (المعجم الأوسط، دارالفكر: ١٣٨/١، رقم: ٤٤١، المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی: ١٦٨/١٨، رقم: ٣٧٦)

وأما إذا علم قبل الحضور فلا يحضر؛ لأنه لا يلزمه حق الدعوة. (فتاوی عالمگری، الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات، زكريا ديوبند: ٣٤٣/٥، جديد زكريا: ٣٩٧/٥)

ويسقط الإجابة بأعذار، نحو كون الشبهة فی الطعام، أو حضور الأغنياء فقط، أو من لا يليق مجالسته، أو يدعو لجاهه، أو لتعاونه على باطل، أو كون المنكر هناك، مثل الغناء وفرش الحرير. (بذل المجهود، كتاب الأطعمة، باب ماجاء فی إجابة الدعوة، مكتبة سهارن پور، قديم: ٣٤٤/٤، دار البشائر الإسلامية: ٤٦٧/١١، تحت رقم الحديث: ٣٧٣٦)

(۳) پرہیز کے خلاف کھانا پکا ہے تو صرف شرکت کافی ہے اور اس سے دعوت قبول کرنے کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے، کھانا ضروری نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم: ۴۲۲/۱۴، جدید ڈابھیل: ۶۶/۱۸)

لا ينبغی التخلف عن إجابة الدعوة العامة، كدعوة العرس والختان ونحوهما، وإذا أجاب فقد فعل ما عليه، أكل أو لم يأكل، وإن لم يأكل فلا بأس به. (فتاوی عالمگيری زكريا ديوبند: ٣٤٣/٥، جديد زكريا: ٣٩٧/٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ (الف فتویٰ نمبر: ۶۷۲۸/۳۵)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۱/۶/۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

خرافات والی شادی میں ولیمہ کی دعوت کھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس شادی میں خرافات ہوں، گانا بجانا ہو، اس کا ولیمہ کھانا کیسا ہے؟ (المستفتی: محمد صدیق، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

کھانا بہرحال حلال ہے؛ مگر ایسی شادی میں شرکت کرنے سے اپنی حفاظت ضروری ہے۔

﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الانعام: ٦٨)

عن عمران بن حصين رضى الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن إجابة طعام الفاسقين. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي: ١٦٨/١٨، رقم: ٣٧٦)

دعى إلى وليمة وثمة لعب، أوغناء قعد وأكل لو المنكر فى المنزل، فلو على المائدة لا ينبغى أن يقعد بل يخرج معرضا. (الدر المختار، كتاب الكراهية، كراتشي: ٣٤٨/٦، زكريا: ٥٠١/٩)

وإن علم المدعو أن فيها لهوا لا يجيب سواء كان ممن يقتدى به أو لا؛ لأنه لا يلزمه إجابة الدعوة إذا كان هناك منكر. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل فى المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت: ٣١٧/٤، قديم: ٥٥٠/٢، الهداية مع الفتح، كتاب الكراهية، زكريا: ١٢/١٠، الهندية، باب الهدايا والضيافات، زكريا: ٣٤٣/٥، جديد زكريا: ٣٩٧/٥، التاتارخانية: ١٧٥/١٨، رقم: ٢٨٤٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۵۲)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۹/۵/۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

ولیمہ کے لیے قرض لینا ازروئے شرع کیسا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ولیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ولیمہ کس حد تک کرنا چاہئے؟ کیا اس کے لیے قرض لیا جاسکتا ہے، یا اپنی مالی استطاعت کے مطابق کیا جائے؟

(المستفتی: قاری شکیل احمد، مدرسہ ہدایت العلوم بھگوان پور، بجنور)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

شریعت میں ولیمہ مشروع اور مسنون ہے؛ لیکن اپنی حیثیت کے اعتبار سے ولیمہ کرنا مسنون ہے اوراس کے لیے قرض لے کر ولیمہ کرنے کا شریعت نے مکلف نہیں بنایا ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور چھٹا حصہ، ص: ۴۰، انوار نبوت، ص: ۶۵۸)

عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: الوليمة حق وسنة، فمن دعى فلم يجب فقد عصى الله ورسوله. (المعجم الأوسط، دارالفكر: ٨٨/٣، رقم: ٣٩٤٨)

ولا خلاف بين أهل العلم فى أن الوليمة سنة فى العرس مشروعة لما روى أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بها وفعلها. (إعلاء السنن، كراتشي: ١٢/١١، عباس أحمد الباز: ١٩/١١)

وفى الاختيار: وليمة العرس سنة قديمة. (أجز المسالك، دارالقلم دمشق: ٥٧٧/١٠)

وأجمعوا على أن لا حد لأكثرها، وأما أقلها فكذلك، ومهما تيسر أجزأ، والمستحب أنها على قدر حال الزوج. (بذل المجهود، كتاب النكاح، باب قلة المهر، مكتبه سهارن پور، قديم: ٢٤٠/٣، دار البشائر الإسلامية: ٢١/٨، تحت رقم الحديث: ٢١٠٩)

قال الباجی: قوله: ولو بشاة، وإن كان يقتضى التقليل إلا أنه ليس بحد لأقل الوليمة؛ فإنه لاحد لأقلها، وإنما ذلک علی حسب الوجود. (أوجز المسالک، دار القلم: ۱۰/ ۵۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۵؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۱۳)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۵/۱/ ۱۴۳۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

عقیقہ کی نیت سے خریدے گئے جانور سے ولیمہ کرنا اور اس کے برعکس کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) اگر کوئی شخص جانور خرید کر لاتا ہے ولیمہ کی نیت سے، پھر اس میں عقیقہ کرنا چاہے تو کیسا ہے؟

(۲) عقیقہ کی نیت سے جانور خریدا، پھر اسی میں ولیمہ بھی کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟

(المستفتی: محمد عادل شیرازی)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــ وباللہ التوفیق

ولیمہ کے لیے جانور خریدنے والا اگر مالدار صاحب نصاب آدمی ہے تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ ولیمہ کے واسطے خریدے ہوئے جانور کو عقیقہ میں تبدیل کردے، پھر اسے عقیقہ کی نیت سے ذبح کردے، نیز عقیقہ کے گوشت سے ولیمہ کھلانا شرعی طور پر جائز ہے اور دوسرے سوال میں بھی مستفتی نے یہی پوچھا تھا کہ عقیقہ کی نیت سے جانور خریدا اس میں ولیمہ کھلانا درست ہے، یا نہیں؟ تو شرعی طور پر یہ بھی جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۱۴/ ۳۳۳، جدید ڈابھیل: ۱۷/ ۵۱۸، مسائل قربانی وعقیقہ: ۲۴)

ولو اشترى أضحية، ثم باعها، واشترى مثلها لم يكن به بأس. (البناية، أشرفيه ديوبند: ۱۲/ ۲۰، حاشية حموى على الأشباه: ۴۰)

وإذا اشترى أضحية، ثم باعها، فاشترى مثلها فلا بأس بذلک. (المبسوط، دار الكتب العلمية بيروت: ۱۲/ ۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۷۰) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

متعدد جگہوں پر ولیمہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص رہتا تو ممبئی میں ہے اور لڑکی کلکتہ کی ہے اور دونوں کو شادی کے بعد مستقل ممبئی میں رہنا ہے، نکاح کسی وجہ سے دہلی میں ہوا اور سہولت کے لیے ولیمہ دوسرے دن وہیں ہوگیا، اب ممبئی آنے کے بعد متعلقین نے دعوت کا مطالبہ کیا اور کلکتہ والے بھی اپنے یہاں دعوت کرنا چاہتے ہیں تو کیا اِن دونوں مقامات پر دعوت کی گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مسئولہ صورت میں چوں کہ تینوں جگہوں کے مدعوین الگ الگ حضرات ہیں؛ اس لیے ولیمہ کے نام پر سوال میں مذکورہ تینوں جگہوں کی دعوتوں میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

باب حق إجابة الوليمة والدعوة: ومن أولم سبعة أيام ونحوه، ولم يوقت النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يوما ولا يومين. (صحيح البخاری: ۷۷۷/۲)

قال فی فتح الباری: يشير إلی ما أخرجه ابن أبی شيبة من طريق حفصة بنت سيرين قالت: لما تزوج أبی، دعا الصحابة سبعة أيام ومن وجه آخر ... فيه ثمانية أيام...، وقال أيضا بحثاً فيه: أما الكراهة فی اليوم الثالث فأطلقه بعضهم بظاهر الخبر، وقال العمرانی: إنما تكره إذا كان المدعو فی الثالث هو المدعو فی الأول، وكذا صوره الرويانی ... وإذا أكثر الناس فدعا فی كل يوم فرقة لم يكن فی ذٰلک مباهاة غالبا ... وقال بعضهم: محله إذا دعا فی كل يوم من لم يدعو قبله ولم يكرر عليهم. (فتح الباری، النكاح، باب حق إجابة الوليمة والدعوة: ۳۰۲/۱۱-۳۰۳، دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۴/۴/۳۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

لڑکی والوں کے مہمانوں کو ولیمہ میں مدعو کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا لڑکی والوں سے یہ کہنا کہ آپ لوگ محض نکاح کا انتظام کریں، بقیہ آپ کے تمام قریبی رشتہ داروں کے کھانے کا انتظام اپنے یہاں ولیمہ میں کریں گے؛ کیوں کہ لڑکی والوں پر کھانے کا بوجھ ڈالنے کا کہیں ثبوت نہیں ہے، کیا زید کا اِس طرح کا مطالبہ کرنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے لیے کھانے کا اہتمام سنت نہیں ہے؛ بلکہ صرف مباح ہے، البتہ لڑکے والوں کے لیے ولیمہ سنت ہے۔ بریں بنا اگر زید نے مذکورہ مشورہ دیا ہے تو یہ کوئی غلط مشورہ نہیں ہے، لڑکی والے اگر اسے قبول کرلیں تو کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹۲/۱۷ میرٹھ، انوار نبوت ۶۷۵، بہشتی زیور: ۴۱/۶)

عن أنس رضی اللّٰه عنه قال: لما قدموا المدينة نزل المهاجرين علی الأنصار، فنزل عليه عبد الرحمن بن عوف علی سعد بن الربيع، فقال: أقاسمک مالی وأنزل لک لمن إحدی امرأتی، قال: بارک اللّٰه فی أهلک ومالک، فخرج إلی السوق، فباع واشتریٰ، فأصاب شيئًا من أقط وسمن فتزوج، فقال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم: أولم ولو بشاة. (صحيح البخاری: ۷۷۷/۲، رقم: ۵۱۶۷، إعلاء السنن: ۱۴۹/۱۱-۱۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: الولیمة حق وسنة فمن دعیٰ فلم یجب فقد عصی اللّٰه ورسوله. (المعجم الأوسط: ٥٦٣/٤، رقم: ٣٩٤٨، قدیم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۳/۸/۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

دعوتِ ولیمہ، یا نکاح میں شرکت کے لیے لمبا سفر کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا نکاح، یا ولیمہ میں شرکت کے لیے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو دور دراز سے بلا سکتے ہیں؟ اس کے لیے لمبا سفر کرنا اور بلانا کیسا ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نکاح، یا ولیمہ میں شرکت کے لیے دور دراز کا سفر کرنا غلط ہے؛ کیوں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مدینہ ہی میں نکاح کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح میں مدعو نہیں فرمایا؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

ولیمہ، یا نکاح کی تقریباً میں شرکت کے لیے رشتہ داروں اور متعلقین کو دعوت دینا اور مدعو حضرات کا ان دعوتوں میں شریک ہونا خواہ مقامی طور پر ہو، یا بیرونِ شہر سے آکر ہو، ہر طرح جائز ہے؛ کیوں کہ یہ طریقہ خیر القرون سے آج تک سلفاً وخلفاً بلانکیر جاری ہے اور اِس مقصد سے سفر کرنے کی ممانعت کسی روایت میں نظر سے نہیں گزری اور سوال میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے جس واقعہ کا حوالہ دیا گیا ہے، اُس سے محض اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کی دعوت دینا ضروری اور لازم نہیں ہے؛ لیکن اس سے یہ استدلال کہ اگر دعوت دی جائے تو اُسے قبول نہ کیا جائے، درست نہیں ہے؛ کیوں کہ خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ولیمہ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدعو فرمایا ہے اور آپ بھی شادی کی دعوت میں تشریف لے گئے اور ولیمہ کی دعوت کا اہتمام مسنون ہے اور یہ بھی اعلان نکاح کی ایک بہترین شکل ہے، جس کا حدیث میں حکم دیا گیا ہے۔

أخبرنی أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه أنه کان ابن عشر سنین فقدم فی حدیث طویل: وکان أول ما أنزل فی مُبتَنیٰ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بزینب بنة جحش، أصبح النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بها عروسا، فدعا القوم فأصابوا من الطعام ثم خرجوا. (صحیح البخاری: ٧٧٦/١)

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أعلنوا هٰذا النکاح واجعلوه فی المساجد. (سنن الترمذی: ٢٠٧/١)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إذا دعی أحدکم إلی الولیمة فلیأتها. (صحیح البخاری، باب حق إجابة الولیمة والدعوة رقم: ٥١٧٣)

وفی روایة: من لم یجب الدعوة فقد عصی اللّٰه ورسوله. (سنن أبی داؤد: ٥٢٥/٢)

وفی الاختیار: ولیمة العرس سنة قدیمة إن لم یجبها أثم؛ لقوله علیه السلام: من لم یجب الدعوة فقد

عصی اللّٰہ ورسوله، قال علیه السلام: لو دعیت إلی کراع لأجبت.(ردالمحتار علی الدر المختار: ۵۰۱/۹)

دعا أبو سعید الساعدی رضی اللّٰہ عنه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی عرسه، وکانت امرأته یومئذ خادمهم، وهی العروس. قال سهل: تدرون ما سقتَ رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم؟ انقعت له تمرات من اللیل، فلما أکل سقته إیاه. (صحیح البخاری، باب إجابة الولیمة والدعوة: ۷۷۸/۲،رقم: ۵۱۷۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۲/۱/۱۴۳۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

دعوتِ ولیمہ میں عورتوں کو مدعو کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا دعوت ولیمہ میں عورتوں کو بلانا جائز ہے، جہاں پردے کا معقول نظم ہو؛ تا کہ خاندانوں کا سماجی وثقافتی جوڑ اور تعلق ومحبت کی بنیاد پڑے؛ مگر دوسری طرف اکثر وبیشتر خواتین کے ایسے اجتماع میں زیورات ملبوسات کی نمائش ہوتی ہے، ساتھ ہی ایسی محفلیں غیبت، چغل خوری اور فوقیت پسندی کا ایک پلیٹ فارم بنتی ہیں، اس کا صحیح طریقہ کیا ہو، اور کس حد تک گنجائش ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ولیمہ، یا نکاح کی تقریب میں عورتوں کا بلانا، یا اُن کا جمع ہونا فی نفسہٖ منع نہیں ہے، چناں چہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے موقع پر خواتین گھر میں جمع ہوئی تھیں۔ بریں بنا اگر اور کوئی منکر نہ ہو تو ایسی تقریبات میں خواتین کے جانے میں حرج نہیں۔ اب رہ گئی یہ بات کہ اس موقع پر زیورات وملبوسات کی نمائش، یا زبان کے گناہ کثرت سے ہوتے ہیں تو واقعۃً حسن تدبیر کے ساتھ ان منکرات کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے، اگر مرد اپنی خواتین کی ذہن سازی کریں تو امید ہے کہ اِن منکرات میں کمی آ سکتی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ (الحجرات: ۱۲)

عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قالت: تزوجنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی حدیث طویل، فأوقفتنی علی الباب فقلت: هه هه حتی ذهب نفسی فأدخلتنی بیتًا، فإذا نسوة من الأنصار، فقلن: علی الخیر والبرکة وعلی خیر طائر، فأسلمتنی إلیهن فغسلن رأسی وأصلحنَنِی فلم یُرعنی إلا ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ضُحی فأسلمنی إلیه. (الصحیح لمسلم، باب تزوج الأب البکر الصغیرة: ۴۵۶/۲، رقم: ۱۴۲۲)

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنه قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده ومن لم یستطع فبلسانه، ومن لم یستطع فبقلبه وذٰلک أضعف الإیمان. (سنن الترمذی: ۴۰/۲)

عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قال: أبصر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نساء وصبیانا مقبلین من عرس فقام ممتنا، فقال: اللّٰہم أنتم من أحبِّ الناس إلی. (صحیح البخاری،باب ذھاب النساء والصبیان إلی العرس: ۷۷۸/۲،رقم: ۵۱۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۲/۱/۱۴۳۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل:۸/)

ولیمہ میں پوری برادری کو مدعو کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا تعلق ایسی برادری سے ہے جو بہت بڑی ہے، زید اپنے بیٹے کے ولیمہ میں برادری کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بلانا چاہتا ہے، واضح رہے کہ زید صاحب حیثیت ہے اور وہ ان تمام لوگوں کی دعوت منظّم شکل میں بغیر کسی منکرات اور رسوم قبیحہ کے کرسکتا ہے تو دریافت طلب امر ہے کہ کیا زید اپنے تمام برادری کے لوگوں کو اس میں مدعو کرسکتا ہے؟ اگر نہیں کرسکتا تو کتنے لوگوں کو کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ولیمہ کے اندر پوری برادری کی دعوت ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اپنے قریبی متعلقین کی دعوت کافی ہے، زیادہ بڑی دعوت میں بدنظمی کے اندیشہ کے ساتھ دوسرے اہل برادری کے لیے غلط نظیر بننے کا بھی اندیشہ رہتا ہے؛ اس لیے تمام مصالح کی رعایت رکھتے ہوئے اور تکلفات سے بچتے ہوئے قریبی لوگوں کو مدعو کرنا کافی ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا﴾ (سورۃ بنی اسرائیل: ۲۷)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلاَ تُسْرِفُوْا، اِنَّ اللّٰہَ لاَ یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ﴾ (سورۃ الأعراف: ۳۱)

أما الدعوۃ إلی الطعام غیر العرس؛ فإنہا جائزۃ حتی کانت خالیۃ من محظورات دینی. (الفقہ علی المذاھب الأربعۃ، مکمل: ٤٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۵/۵/۱۴۳۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل:۸/)

لڑکے والوں کا لڑکی والوں سے بہت زیادہ رقم لے کر ولیمہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آندھرا پردیش میں لڑکے والے لڑکی والے سے بہت زیادہ رقم کا مطالبہ کرتے ہیں، پھر اسی رقم سے مختلف اقسام کے کھانے تیار کرکے ولیمہ کی دعوت کی جاتی ہے، اس کا کھانا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو کس درجہ کا، کیا بالکل حرام ہے، جب کہ لڑکی والے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی مرضی سے پیشگی رقم تلک کے نام پر دیتے ہیں، اگر لڑکی والوں ہی کی جانب سے نکاح اور ولیمہ کی دعوت آئی ہے تو کیا اس صورت میں بھی ولیمہ کا کھانا نا جائز ہوگا؟ میں چوں کہ امام اور الحمدللہ قاسمی بھی ہوں؛

اس لیے یہ باتیں دل میں آرہی ہیں، کیا ایسی دعوت کے کھانے سے حرام لقمہ کھانے کا گناہ ہوگا، یا مکروہ ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفیق

اگر یہ بات یقینی ہو کہ ولیمہ کا کھانا حرام پیسوں سے تیار کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں شرکت کرنے سے احتراز کرنا لازم ہے، خواہ دعوت لڑکے والوں کی طرف سے دی گئی ہو، یا لڑکی والوں کی طرف سے اور اگر حرام کا ہونا یقینی نہ ہو اور نہ ہی اس کا گمان غالب ہو تو پھر دعوت میں شرکت کی شرعاً اِجازت ہے۔

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: جاء إليه رجل فقال: إن لی جاراً یأکل الربا، وإنه لا یزال یدعونی، فقال: مهنأه لک وإثمه علیه، قال سفیان: فإن عرفته بعینه فلا تصبه. (المصنف لعبد الرزاق، باب طعام الأمراء وآكل الربا: ۱۵۰/۸، رقم: ۱٤٦٧٥)

عن سلمان الفارسی رضی الله عنه قال: إذا کان لک صدیق عامل أو جار عامل أو ذو قرابة عامل فأهدیٰ لک هدیة أو دعاک إلیٰ طعام فاقبله، فإن مهنأه لک وإثمه علیه. (المصنف لعبد الرزاق، باب طعام الأمراء وآكل الربا: ۱۵۰/۸، رقم: ۱٤٦٧٧)

أکل الربا وکاسب الحرام أهدی إلیه، أو أضافه، وغالب ماله حرام لا یقبل ولا یأکل ما لم یخبر أن ذٰلک المال أصله حلال ورثه أو استقرضه، وإن کان غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هدیته والأکل منها. (الفتاویٰ الهندیة: ۳٤۳/۵، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۸/۳/۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

اسٹینڈ نگ (کھڑے ہوکر کھانے) میں شرکت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب سے ہماری بہت ہی قریبی رشتہ داری ہے، وہ اپنے لڑکے کی دعوت ولیمہ میں اسٹینڈ نگ کھانا کر رہے ہیں، ہم نے سنا ہے کہ چل پھر کر کھانا، یا کھلانا غیر مسلموں کا شیوہ ہے، یہ بات ان کو بھی سمجھائی، وہ کہتے ہیں کہ آپ کے لیے بیٹھ کر کھانے کا بھی نظم ہوگا، آپ جس طرح چاہیں کھا سکتے ہیں؛ لیکن دعوت ولیمہ میں شرکت ضرور کرنا، اگر آپ شریک نہیں ہوئے تو ہمارا ابھی آپ سے تعلق ختم، لہٰذا ہمیں اس دعوت ولیمہ، یا اس طرح کی دوسری دعوتوں میں جس میں اسٹینڈ نگ کھانا کیا جارہا ہو، شرعاً شرکت کرنا درست ہے، یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں باوضاحت جواب مطلوب ہے؛ تاکہ آخرت کی گرفت سے بچا جاسکے۔

نوٹ: ہمارے شرکت نہ کرنے کی وجہ سے امید ہے کچھ اور لوگ بھی ایسی دعوتوں سے رک جائیں گے۔

(المستفتی: حمد الرحمٰن ولد حافظ شفیع الرحمٰن، گل شہید، مراد آباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفیق

کھڑے ہوکر کھانا پینا جانوروں کا شیوہ ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دوسرے جانوروں اور حیوانات سے امتیازی

شان عطا فرمائی ہے، انسانوں کے کھانے اور پینے کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر کھائیں؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر عذر کے کھڑے ہو کر کھانے پینے سے منع فرمایا ہے اور دعوت ولیمہ میں شرکت کرنے میں اگر کوئی عذر نہیں ہے تو شرعاً شرکت لازم ہو جاتی ہے اور سوال نامہ میں درج ہے کہ اگر سائل شرکت نہیں کرے گا تو رشتہ وتعلق ختم کرنے کو تیار ہے؛ یعنی شرکت نہ کرنا باعث فتنہ ہے اور سائل کے لیے بیٹھ کر کھانے کے انتظام کا وعدہ کیا جا رہا ہے تو ایسی صورت میں فتنہ سے بچنے کے لیے شرکت کرنا جائز ہے اور بیٹھ کر کھلانے کا جہاں انتظام کیا گیا ہے، وہاں بیٹھ کر کھانا کھا کر واپس آ جائے اور کھڑے ہو کر کھانے کا گناہ داعی پر ہوگا، آپ پر نہیں ہوگا۔

عن قتادة عن أنس رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنه نهی أن یشرب الرجل قائما، قال قتادة: فقلنا فالأکل، فقال: ذاک أشر أو أخبث. (صحیح لمسلم، کتاب الأشربة، باب کراهیة الشرب قائما، النسخة الهندیة: ۱۷۳/۲، بیت الافکار، رقم: ۲۰۲۴)

عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: الولیمة حق وسنة، فمن دعی فلم یجب فقد عصی اللّٰه ورسوله. (المعجم الأوسط للطبرانی، دارالفکر: ۸۸/۳، رقم: ۳۹۴۸)

من دعی إلی ولیمة فوجد ثمة لعبا، أو غناء فلا بأس أن یقعد ویأکل، فإن قدر علی المنع یمنعهم، وإن لم یقدر یصبر، وهذا إذا لم یکن مقتدی به، أما إذا کان ولم یقدر علی منعهم، فإنه یخرج ولا یقعد. (الهندیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، زکریا دیوبند: ۳۴۳/۵، جدید زکریا: ۳۹۷/۵)

لا ینبغی التخلف عن إجابة الدعوة العامة، کدعوة العرس والختان ونحوهما. (الهندیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، جدید زکریا دیوبند: ۳۹۷/۵، زکریا: ۳۴۳/۵)

إنی اشتری دینی بعضه، ببعض مخافة أن یذهب کله، معناه اترک بعض الورع، مخافة أن أفتن بشیء أشد منه، واجعل ذلک تقیة لعرضی ودینی، ومثله یباح عند الضرورة. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الحیل، الفصل السابع والعشرون، زکریا دیوبند: ۴۸۹/۱۰، رقم: ۱۵۳۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۶ ر ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ (الف فتویٰ نمبر: ۹۹۹۷/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۷/۴/۱۴۳۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

جس تقریب میں کھڑے ہو کر کھلایا جا رہا ہو، اُس میں علما کا الگ جگہ بیٹھ کر کھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جس جگہ کھڑے ہو کر کھانا کھایا جا رہا ہوں، ایسی جگہ اہل علم حضرات کی بھی دعوت ہو، مگر اہلِ علم کے بیٹھنے کا انتظام کر رکھا ہو، کیا اہلِ علم حضرات ایسی دعوت قبول کر کے کھانا کھانے جا سکتے ہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــ وباللّٰه التوفیق

مقتدیٰ حضرات کو ایسی دعوت میں شرکت سے احتراز کرنا چاہیے اور اگر پیشگی علم نہ ہونے کی وجہ سے شریک

ہو جائیں تو نکیر ضرور کرنا چاہیے؛ تاکہ صاحبِ خانہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو سکے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۱۲۹، ڈابھیل)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا، اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِيْنٌ﴾ (لقمان: ٦)

في معالم التنزيل: عن عبد اللّٰه بن مسعود وابن عباس رضي اللّٰه عنهما والحسن وعكرمة وسعيد بن جبير رحمهم اللّٰه تعالىٰ قالوا: لهو الحديث الغناء والمزامير والمعازف، وفي تفسير التي لهو الحديث الغناء وتعلم الموسيقات وما يتغن به كالدف والبربط والطنبور والتصفيق وما يشبه ذٰلك، فكل ذٰلك حرام وفسق، والجلوس عليها معصية، والتلذذ به كفرٌ. (البحر الرائق، كتاب الكراهية،فصل في الأكل والشرب: ٨/٢٤٦،زكريا، وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية،الفصل الثامن عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي والأمر بالمعروف: ٦/١٢١،زكريا)

ومن دعي إلى وليمة فوجد ثمة لعباً أو غناء، فلا بأس أن يقعد، ويأكل هٰذا إذا لم يكن مقتدى بها، أما إذا كان ولم يقدر على منعهم، فإنه يخرج ولا يقعد، ولو كان على ذٰلك المائدة لاينبغي أن يقعد، وإن لم يكن مقتدى به. (الفتاوىٰ الهندية: ٥/٣٤٣، وكذا في البحر الرائق،الكراهية ٨/٣٤٥،زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۲/۶/۱۴۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

ولیمہ میں مرد ویٹروں کا کھانا سپلائی کرنا:

سوال: شادیوں میں آجکل عموماً مرد ویٹر ہوتے ہیں، بظاہر Seperate شادی ہالوں میں بھی عورتوں کے پارٹیشن میں مرد ویٹر کھانا کھلا رہے ہوتے ہیں، ایسی شادی میں شرکت کرنا جائز ہے؟ اگر اپنے گھر کی خواتین کو پردے میں لے جایا جائے تو جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

دعوتِ ولیمہ مسنون عمل ہے؛ لیکن جب تک اسے سنت اور شریعت کے دائرے کے اندر رہ کر کیا جائے تو یہ باعثِ برکت اور موجب ثواب ہے اور اگر منکرات کا ارتکاب، بے پردگی اور گانا بجانا وغیرہ جیسے غیر شرعی امور کو اس میں شامل کرلیا جائے تو اس تقریب کا جواز بھی مشکوک ہو جاتا ہے اور اس میں شرکت بھی محل نظر بن جاتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں خواتین کا تو عام حالات میں بھی نامحرم سے پردہ ہے، چہ جائیکہ زیب وزینت اور خوشنما لباس میں کسی غیر شخص کے سامنے آنا تو زیادہ موجبِ وبال ہے۔ میزبان کو چاہیے کہ عورتوں والے حصے میں عورت ویٹر کا بندوبست کرے، (آج کل یہ انتظام قطعاً مشکل نہیں) اور اللہ کے عذاب کو براہِ راست دعوت دینے والے امور سے اجتناب کرے۔ ایسی شادیوں میں جہاں معلوم ہو جائے کہ کھانا مرد ویٹر سپلائی کریں گے، اولاً تو شریک ہی نہ ہونا

چاہیے (تا کہ میز بان کو بھی تنبیہ ہو)، البتہ اگر بہت ہی قریبی تعلق والے کی شادی ہو اور پردے کے اہتمام کے ساتھ کسی الگ جگہ میں بیٹھنے کی گنجائش ہو تو خواتین سمیت شریک ہوسکتا ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النور: ۳۰): ﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾

وفی المشکاۃ (۲۸۷): **وعن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: "إذا دعی أحدکم إلی الولیمۃ فلیأتہا". (متفق علیہ)**

وفی حاشیۃ المشکاۃ: (فلیأتہا) قیل اجابۃ الولیمۃ مستحبۃ وقیل واجبۃ.... ویسقط الاجابۃ بأعذار نحو کون الشبھۃ فی الطعام وکون المنکر ھناک مثل الغناء. (نجم الفتاویٰ: ۶/۵)

ولیمہ کا کھانا فروخت کرنا:

سوال: میرا ہوٹل ہے، میرے لڑکے کی شادی ہونے والی ہے، ولیمہ میں کھانا بچ جائے تو کھانا ہوٹل میں فروخت کرنا درست ہے، یا نہیں؟ (این، محبوب علی، مشیر آباد)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ولیمہ کے لیے جو کھانا آپ نے بنایا ہے، وہ آپ کی ملکیت ہے، آپ اس میں ہر طرح کے تصرف کا حق رکھتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ولیمہ کی نیت کی وجہ سے پورا کھانا مدعووین کو کھلا دینا ہی ضروری ہے؛ اس لیے بچا ہوا کھانا ہوٹل میں فروخت کر دینا جائز ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۲۳)

ولیمہ میں بچے کھانے کو فروخت کرنا، یا مدارس میں دینا:

سوال: ولیمہ میں عموماً بہت سا کھانا بچ جاتا ہے کچھ تو جھوٹا بچا ہوتا ہے اور کچھ کھلنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ عام طور پر پیک کر کے مہمانوں کو ساتھ دیا جاتا ہے، میرے ایک عزیز کی شادی میں یہ نوبت آئی اور تقریباً ۳/ دیگ تو بریانی کی بچ گئیں، انہوں نے کچھ الگ فیصلہ کیا، وہ یہ کہ وہ یہ کھانا ہوٹل والے سے کچھ کم قیمت پر فروخت کر آئے۔ ہمیں بڑا اتردد ہوا کہ عجیب انسان ہے، ولیمہ کا کھانا تو شرکاء کے لیے ہوتا ہے، اسے بیچ کر پیسے کھانا درست ہے؟ نیز یہ بچا کھانا مدارس میں دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملک الوھاب

ولیمہ کا کھانا ولیمہ کرنے والے کی ذاتی ملکیت ہے، شرکاء کے لیے جو کھانا لگایا جاتا ہے وہ بطور اِباحت کے اس کی طرف سے ہوتا ہے باقی بچا کھانا ولیمہ کرنے والے کی ملک ہے وہ اسے ہدیہ بھی کرسکتا ہے صدقہ بھی کرسکتا ہے اور اگر چاہے تو فروخت بھی کرسکتا ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

البتہ جہاں تک تعلق ہے، مدارس میں اس کھانے کو دینے کا تو اس بارے میں یہ ذہن نشین رہے کہ مدارس میں جو طلبہ پڑھتے ہیں، وہ مہمانِ رسول اور لائقِ صد اعزاز و اکرام ہیں، انہیں بچا کچا کھانا کھلانے کے بجائے شادی کے وقت الگ سے اہتمام کر کے مستقلاً کھلانا چاہیے، اس طرح بچا کھانا رات گئے مدارس پہنچانا مناسب نہیں، البتہ اگر کہیں مجبوری ہو اور رات گئے یہ صورت حال پیش آجائے تو اس کھانے کو فروخت کرنے، یا ان مہمانوں کو ہدیہ کرنے سے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی ویلفیئر ٹرسٹ، یا مستحق طلبہ والے مدرسے میں اسے پہنچا دیا جائے۔

لمافی المشكاة (٢٧٧): عن أنس رضى الله عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "بارک الله لک أولم ولو بشاة"

وعنه قال: ما أولم رسول الله صلى الله عليه وسلم على أحد من نسائه ما أولم على زينب، أولم بشاة. (نجم الفتاویٰ: ۵/۷)

حضرت ام حبیبہ کے نکاح کے وقت کھانے کا اہتمام:

سوال: میں نے ایک کتاب میں مستدرک حاکم (۲۱/۴) کے حوالے سے پڑھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں آنے والے شرکاء کو کھانا کھلایا، ہمارے پٹھانوں کے ہاں رواج ہے کہ نکاح کے دن دولہا کھانا کھلاتا ہے۔ مفتی صاحب کیا اس حدیث سے اس کا اثبات نہیں ہوتا اور کیا بارات کے کھانے پر اس حدیث سے استدلال کر سکتے ہیں؟ سرحد والوں کا کھانا تو بہر حال ثابت ہوتا ہے؟؟ تحقیقی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً تو یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق نجاشی (حاکم) حبشہ نے کھانے کے لیے شرکاء کو روکا تھا؛ کیوں کہ یہ نکاح حبشہ میں ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود وہاں موجود نہ تھے۔ نیز اس حدیث کے بعض رواۃ پر کلام ہے، اگر چہ اعلاء السنن میں اسے روایت کیا گیا ہے، لہٰذا چند باتیں ملحوظ رہیں:

(۱) فقط ولیمہ کی دعوت شادی میں مستقل سنت ہے، جو رخصتی کے بعد مسنون ہے۔

(۲) نکاح کے دن، یا نکاح سے پہلے کسی علاقے میں دعوت کا رواج ہو اور رخصتی کے بعد دعوت نہ ہوتی ہو تو یہ رواج درست نہیں۔ لڑکے کو رخصتی سے اگلے دن حسب استطاعت بطور ولیمہ دعوت کا انعقاد کرنا چاہیے۔

(۳) اگر کوئی شخص ولیمہ بھی کرتا ہے اور نکاح کے دن اس کی طرف سے، یا لڑکی والوں کی طرف سے کسی ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ بعض روایات سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ مصنف عبد الرزاق کی روایت ہے:

"فقال: يا بلال إني زوجت ابنتي ابن عمي وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند

النكاح فأت الغنم فخذ شاة ... فاجعل لی قصعة لعلی أجمع عليها المهاجرين والأنصار''.

''اے بلال! میں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اپنے چچازاد سے کردیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میری امت کا نکاح کے وقت کھانا کھلانے کا طریقہ کار ہو، جاؤ اور بکری لے کرآؤ اور ایک برتن میں میرے لیے بناؤ (کھانا تیار کرو)؛ تاکہ میں مہاجرین اور انصار کو جمع کر (کے ان کی دعوت کر) سکوں''۔ (مصنف عبدالرزاق: ۴۸۷/۵)

اس روایت میں بھی کھانے کی یہ زیادتی صرف عبدالرزاق کی روایت میں ہی ہے اور اس کے بعض رواۃ پر بھی کلام ہے، لہٰذا ان روایات سے سنیت تو ثابت نہیں کی جاسکتی، البتہ یہ اور اسی طرح کی دیگر روایات سے رخصتی کے وقت کھانے کے بطور ضیافت پیش کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ نیز بطور ولیمہ رخصتی کے بعد بھی ضیافت کا اہتمام کرنا چاہیے؛ کیوں کہ رخصتی سے پہلے ضیافت ولیمہ نہیں۔

لما فی البخاری(۷۷۸/۲) :عن أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه، قال: أبصر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نساء وصبيانا مقبلين من عرس، فقام ممتنا، فقال:اللّٰهم أنتم من أحب الناس إلی.

وفی المستدرک علی الصحيحين (۲۳/۴):ثم أرادوا أن يقوموا، فقال: اجلسوا، فإن سنة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام إذا تزوجوا أن يؤكل الطعام علی التزويج، فدعا بطعام، فأكلوا، ثم تفرقوا.

وفی الدرالمختار(۹/۳) :وهل يكره الزفاف المختار لا إذا لم يشتمل علی مفسدة دينية.

وفی الرد تحته:(قوله:وهل يكره الزفاف) هو بالكسر ككتاب اهداء المرأة إلی زوجها، قاموس، والمراد به هنا اجتماع النساء لذلک لانه لازم له عرفا. (نجم الفتاوی: ۱۵/۵)

عورت کی طرف سے ولیمہ:

سوال: طعام ولیمہ عورت کی طرف سے بھی سنت ہے؟ اگر ہے تو سند لکھی جائے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

ولیمہ مرد کی طرف سے مسنون ہے، عورت کی جانب سے ثابت نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۴/۵/۱۳۵۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۳۰/۴)

بڑے جانور میں ولیمہ کے ساتھ عقیقہ کا حکم:

سوال: ایک گائے لائی گئی، اس کو سات حصے پر منقسم کر کے چھ حصے ولیمہ کے اور ایک حصہ عقیقہ کا لڑکی کے لیے

(۱) وَوَلِيمَةُ الْعُرُسِ سُنَّةٌ، وَفِيهَا مَثُوبَةٌ عَظِيمَةٌ وَهِيَ إذَا بَنَى الرَّجُلُ بِامْرَأَتِهِ يَنْبَغِي أَنْ يَدْعُوَ الْجِيرَانَ وَالْأَقْرِبَاءَ وَالْأَصْدِقَاءَ وَيَذْبَحَ لَهُمْ وَيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا.(الفتاویٰ الهندية،الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات :۳۴۳/۵، دارالفکر بیروت،انیس)

رکھ کر عقیقہ کی نیت سے گائے ذبح کی گئی اور سارے گوشت کو اکٹھا کر کے امیر وغریب سب کو دعوت دے کر کھلا دیا گیا۔ نیز کھال کو فروخت کر کے عقیقہ کے حصہ کے بقدر فقراء پر صدقہ کر دیا گیا تو اس طرح عقیقہ درست ہوا، یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہوا تو وجہ ممانعت کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ولیمہ کے بڑے جانور میں عقیقہ شرعاً صحیح و درست ہے؛ اس لیے کہ ولیمہ بھی قربت ہے اور عقیقہ بھی۔

قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل ... وشمل مالو كانت القربة واجبة على الكل أو البعض اتفقت جهاتها أولا ... لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل ... ولم يذكر الوليمة وينبغي أن تجوز لأنها تقام لشكر اللّٰه تعالىٰ على نعمة النكاح. (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٥/٢٠٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۷/۴/۱۴۲۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۱۳۱)

کیا ولیمہ کرنا اسراف ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۱۳/ جولائی ۱۹۲۹ء)

سوال: زید کہتا ہے کہ ضیافت ولیمہ کرنا اور دوست احباب کو کھانا کھلانا جائز نہیں، اسراف ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

شادی کتخدائی کے موقع پر دعوت ولیمہ دینی مسنون ہے؛(۱) مگر اس میں ریا وسمعہ کی نیت نہ ہو؛(۲) بلکہ شادی کی خوشی حاصل ہونے کی شکر گزاری اور اتباع سنت نبویہ کی نیت سے دعوت دی جائے اور اپنی وسعت کے موافق دی جائے۔(۳) قرض اُدھار کر کے زیر باری نہ اختیار کی جائے تو موجب ثواب ہے، اپنی وسعت کے موافق اس دعوت مسنونہ میں صرف کرنا اسراف نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۵/۱۵۸)

---

(۱) **عن ثابت قال ذكر تزويج زينب ابنة جحش عند انس فقال ما رأيت النبى صلى اللّٰه عليه وسلم أولم على أحد من نسائه ما أولم عليها، أولم بشاة. (صحيح البخارى، كتاب النكاح، باب من أولم على بعض نسائه اكثر من بعض: ٢/٧٧٧، قديمى)**

(۲) **عن أبى سعيد رضى اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من يرائى يرائى اللّٰه به ومن يستمع يسمع به، قال: وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من لا يرحم الناس لا يرحمه اللّٰه. (جامع الترمذى، باب الرياء والسمعة: ٢/٦٣، ماجدية)**

(۳) **والمختار انه على قدر حال الزوج. (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الوليمة: ٢/٢٨٧، ماجدية)**

ولیمہ میں اسراف:

سوال: دعوت ولیمہ صرف منکوح کے لیے ہے، یا منکوحہ کے گھر والوں کے لیے بھی؟ دعوتِ ولیمہ میں مدعوئین کی تعداد کے سلسلے میں شرعی احکام کیا ہیں؟ کہا جاتا ہے کہ ولیمہ سے زیادہ لوگوں کو شادی کی خبر ہوتی ہے اور یہ خوشی کا اظہار ہے، دعوتِ ولیمہ کرنا کیا صرف منکوح کے لیے ہے؟

(محمد نصیر عالم، جالے، دربھنگہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

ولیمہ کرنا نوشہ کے ذمہ ہے اور سنت ہے، اس میں تکلف و اسراف نامناسب ہے، جتنے لوگوں کو بہ سہولت کھلا سکتا ہو، اتنے ہی لوگوں کو مدعو کرنا چاہیے، شریعت نے اس کے لیے تعداد کی کوئی تحدید نہیں کی ہے اور نہ ایسا کیا جانا ممکن ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۱۹)

شادی میں اسراف:

سوال: جس کے پاس پانچ سو روپیہ ہوں اور تمام کو تقریب شادی میں خرچ کر دے تو یہ اسراف بیجا ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

بے محل خرچ کرنا اسراف میں داخل ہے اور اسراف ممنوع ہے، (۱) اگر سب مال خرچ کرنے کے بعد محتاج ہو گیا اور اس کے پاس پھر کچھ نہیں رہا تو اسراف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۱۹۵)

☆ ☆ ☆

(۱) ﴿ولا تسرفوا أنه لا يحب المسرفين﴾ (سورة الأعراف: ۳۱)

مہر کے احکام

مہر کی تعریف:

سوال: مہر کے معنی کیا ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مہر وہ مال ہے، جو مرد پر عورت کے لیے عقد نکاح کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۲۲/رجب ۱۴۲۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/)

مہر سے مراد:

سوال: مہر سے کیا مراد ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مہر وہ مال ہے، جو نکاح میں مقرر ہو۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۹/۸)

مہر کیا ہے؟ تحفہ، یا حق:

مفتی صاحب!

سوال: مہر کیا ہے اور شرعاً مہر مقرر کرنا کیا نکاح سے قبل ضروری ہے؟ یہ بیوی کا حق ہے، یا صرف اس کے لیے ایک تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے؟ ازراہِ کرم مہر سے متعلق مکمل تفصیل تحریر فرمادیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر کی تعریف فقہا نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''**اسم للمال الذی یجب فی عقد النکاح علی الزوج فی مقابلة البضع إما بالنسبة أو بالعقد**''.(ردالمحتار:۱۰۱/۳)

---

(۱) المهر فی اللغة : صداق المرأة، وهو ما یدفعه الزوج إلی زوجته بعقد الزواج.(الموسوعة الفقهیة الکویتیة: ۱۵۱/۳۹)

(۲) ثم عرف المهر فی العنایة بأنه إسم المال الذی یجب فی عقد النکاح علی الزوج فی مقابلة البضع.(رد المحتار،باب المهر: ۴۵۲/۲،ظفیر)

(مہر اس مال کا نام ہے، جو عقد نکاح کی وجہ سے شوہر پر (عورت کی) ملک بضع کے مقابلہ میں واجب ہوتا ہے، چاہے مقرر کردے، یا عقد سے ہی {مہر مثل لازم ہوجائے}۔)

اور بعض حضرات نے یہ تعریف بھی کی ہے:

''اسم لما تستحقه المرأة بعقد النكاح أو الوطء''.(الشامية:۱۰۱/۳)

(مہر اس (مال) کا نام ہے، عورت عقدِ نکاح، یا وطی کی وجہ سے جس کی مستحق ہو۔)

مہر مقرر کرنا عقد سے قبل ضروری ہے، البتہ بغیر مہر مقرر کئے بھی عقد درست ہوجاتا ہے اور لڑکی کو مہر مثل (اپنی ددھیال کی عورتوں مثلاً بہن، پھوپھی وغیرہ کا مہر) ملتا ہے، نیز اوپر ذکر کردہ مہر کی تعریف سے معلوم ہوگیا کہ مہر عورت کا حق ہے، وہ اس کا مطالبہ کرسکتی ہے، یہ تحفہ نہیں؛ بلکہ نکاح کے عوض میں مقرر کیا گیا، اس کا حق ہے۔(نجم الفتاویٰ:۲۳۰/۵-۲۳۱)

مہر عورت کے لیے ''اعزازیہ'' ہے، یا ''عوض'' اور ''اجرت'':

(حضرت والا دامت برکاتہم کے مضمون ''مہر شرعی کی حقیقت'' کے تناظر میں حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہم کا سوال)

سوال: مکرمی ومحترمی جناب مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۲/نومبر کے ''جنگ'' (لندن ایڈیشن) میں آں محترم کا کالم ''مہر شرعی کی حقیقت'' کے عنوان سے نکلا تھا، میں نے اس کو اسی وقت سے سامنے رکھا ہوا تھا؛ اس لیے کہ اس نے ایک کئی سال پرانا سوال تازہ کردیا تھا؛ مگر اس سلسلے میں جو لکھنا مقصود تھا، اس کی نوبت آتے آتے اتنا وقت لگ گیا۔

یہاں ایک اہل تعلق انگریزی میں اسلام کی ترجمانی کے سلسلے میں لکھتے رہتے ہیں، ایک دفعہ مہر کے بارے میں انہوں نے یہی اعزازیہ (Honorarium) کی تعبیر اختیار کرنے کا خیال میرے سامنے ظاہر کیا، جو عنوان آپ نے اختیار فرمایا ہے، تو مجھے یہ اشکال ہوا تھا کہ عنوان تو بہت اچھا ہے مگر مہر کا شرعی حکم اور شریعت کی بیان کردہ نوعیت اس تعبیر سے ہم آہنگ نہیں ہوتی، اس لئے کہ یہ منکوحہ عورت کا حق ہے، اور نوعیت اس حق کی وہ ہے جو قرآنی تعبیر ''اُجورھن'' سے ظاہر ہوتی ہے اور اس کی تشریح میں آپ حضرات (یعنی فقہائے کرام) اسے ''عوض ملک بضع'' بتاتے ہیں، آپ کے مضمون میں یہ تعبیر پاکر بھی یہی اشکال ہوا اور کوئی جواب اس کا وہاں نظر نہ آیا۔ صحیح یہ ہے کہ اپنے ناقص فہم کی رو سے مہر کی نوعیت اگر ''اعزازیے'' کی ہو تو پھر آگے کوئی اشکال نہیں ہوتا، چاہے زوج کی مالی حیثیت کی کمزوری کی بناء پر کتنا ہی کم تر ہو، لیکن اجر اور عوض کی صورت میں اس کے لیے ''کل ما جاز ان یکون ثمنا وقیمۃ لشیء'' کا کافی ہونا یا مالکیہ اور حنفیہ کے مطابق تین درہم یا دس درہم کا کافی ہونا، اس میں تو اللہ معاف کرے اپنی ناقص عقل کے مطابق، عورت کی بڑی بے وقعتی کا پہلو نکلتا ہے، جب کہ شریعت الٰہی یقیناً اس سے بڑی ہے، کاش! آپ کے ذریعہ اس مسئلے میں مدد ملے۔ والسلام

آپ کا مخلص ومحبّ

عتیق الرحمٰن سنبھلی (لندن)، رجب ۱۴۱۶ھ

الجواب

بگرامی خدمت جناب مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب، مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کا گرامی نامہ باعث افتخار ومسرت ہوا، اتفاق سے میں کچھ عرصے سے کمر کے مہرے کی تکلیف میں ہوں، جس کی بنا پر بیٹھ کر کام نہیں کر پا رہا؛ اس لیے لیٹے لیٹے یہ سطور املا کرا رہا ہوں اور براہ راست مکاتبت کا شرف حاصل نہیں کر سکا، امید ہے کہ معذور قرار دیں گے۔ مہر کے لیے ''اعزازیہ'' کی تعبیر اختیار کرتے وقت میرے ذہن میں صاحب ہدایہ کی ایک عبارت تھی، جس میں وہ فرماتے ہیں:

''ثم المهر واجب شرعا إبانة لشرف المحل''.

نیز چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:

''ولأنه حق الشرع وجوبا اظهارا لشرف المحل، فيقدر بماله خطر''.

اور علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

''وأما أنه إبانة لشرفه فليعقلية ذلک إذ لم يشرع بدلا كالثمن والأجرة والا لوجب تقديم تسمية، فعلمنا أن البدل النفقة، وهٰذا لاظهار خطره، فلا يستهان به، وإذا فقد تأكد شرعا باظهار شرفه مرة باشتراط الشهادة، مورة بالزام المهر''. (فتح القدير مع الكفاية: ۲۰۵/۳)(۱)

نصوص شرعیہ پر غور کرنے سبھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مہر کی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ عقد نکاح کا لازمی تقاضا ہے اور اس طرح اس میں عوض ہونے کی ایک مشابہت ہے، اس حیثیت کے لحاظ سے قرآن کریم میں اس پر ''اجورھن'' کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے؛ لیکن دوسری حقیقت یہ ہے کہ وہ ٹھیٹھ معنی میں کسی مادی چیز کا معاوضہ نہیں ہے؛ بلکہ عورت کے اعزاز کے لیے مشروع کیا گیا ہے؛ اسی لیے سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

﴿وآتو النساء صدقتهن نحلة﴾ (سورة النساء: ٤)

یہاں مہر کو ''صدقہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

''وسمى به لأنه يظهر صدق ميل (الرجل) إلٰى مرأة''. (۲)

میرے والد ماجد قدس سرہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

یعنی مہر کو ''صداق'' اور ''صدقہ'' اس لیے کہتے ہیں کہ صدق کے اس مادے میں ''سچ'' کے معنی ہیں اور مہر سے بھی چوں کہ شوہر کا اپنی بیوی کی طرف سچا میلان ظاہر ہوتا ہے؛ اس لیے اس مناسبت سے مہر کو ''صدق'' کہنے لگے۔ (۳)

---

(۱) (طبع مکتبۃ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) مرقاة المفاتيح، باب الصداق: ۲۰۹۷/۵، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) معارف القرآن: ۲۹۹/۲، طبع ادارۃ المعارف، کراچی

نیز قرآن کریم نے اس کے ساتھ ''نحلۃ'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جو عطیہ کو کہتے ہیں اور امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''إنما سمی المهر نحلة، والنحلة فی الأصل العطية والهبة فی بعض الوجوه، لأن الزوج لا يملك بدله شيئاً، لأن البضع فی ملک المرأة بعد النكاح كهو قبله، ألا ترى أنها لو وطئت بشبهة كان المهر لها دون الزوج، فإنما سمی المهر نحلة لأنه لم يعتض من قبلها عوضا يملكه، فكان فی معنى النحلة التی ليس بإذائها بدلا، وإنما الذی يستحقه الزوج منها بعقد النكاح هو الاستباحة لا الملک''. (أحكام القرآن للجصاص: ۵۷/۲)(۱)

تقریباً یہی بات امام رازی رحمہ اللہ نے بھی تحریر فرمائی ہے۔ (تفسیر کبیر: ۱۸۰/۹)

قرآن کریم کی اس تعبیر اور امام جصاص اور امام رازی رحمہما اللہ کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اصلاً مہر کسی بدل کا معاوضہ نہیں ہے؛ بلکہ عقد کا ایک ایسا تقاضا ہے، جس کا منشا محل عقد کی تکریم اور اعزاز ہے، البتہ چوں کہ اس کے بعض احکام ایسے ہیں، جو عام طور پر معاوضوں کے ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ عورت اس کا مطالبہ کرسکتی ہے اور اسے شوہر کے ذمے دَین قرار دیا گیا ہے وغیرہ؛ اس لیے اس مشابہت کی وجہ سے قرآن کریم میں بعض جگہ اسے ''اجور'' سے تعبیر کیا گیا۔

اور معاوضے کے احکام جاری کرتے وقت بعض فقہائے کرام نے بھی اس مشابہت کی وجہ سے اسے ملک بضع کا بدل کہہ دیا ہے؛ لیکن جس طرح اس تعبیر میں ''ملک'' کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا؛ بلکہ اس سے مراد حق انتفاع ہے، اسی طرح ''بدل'' کا لفظ بھی من کل الوجوہ حقیقی معنی میں نہیں ہے؛ بلکہ مذکورہ مشابہت کی وجہ سے مجازاً یہ تعبیر اختیار کی، جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عقد معاوضہ کے بدل کا تعین عقد کی صحت کے لیے شرط ہوتا ہے؛ لیکن نکاح میں مہر کی تعیین کوئی ضروری نہیں، نکاح اس کے بغیر بھی ہوجاتا ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

(۲) بیع میں اگر یہ شرط لگادی جائے کہ خریدار کوئی قیمت ادا نہیں کرے گا تو بیع درست نہیں ہوتی؛ لیکن نکاح میں اگر یہ شرط لگادی جائے کہ کوئی مہر نہ ہوگا تو نکاح ہوجاتا ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

(۳) معاوضات میں شرعاً بدل کی کوئی کم سے کم، یا زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر نہیں ہوتی؛ لیکن مہر کی کم سے کم مقدار کم از کم حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں مقرر ہے۔

(۴) عقود معاوضہ میں اگر معقود علیہ دوسرے فریق کے حوالے نہ کیا جائے تو عقد واجب الادا نہیں ہوتا؛ لیکن نکاح میں اگر رخصتی سے پہلے ہی طلاق ہوجائے تو نصف مہر پھر بھی واجب ہوتا ہے۔

---

(۱) طبع سہیل اکادمی لاہور

اس جیسے اور بھی متعدد امور یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ مہر میں عوض ہونے کی مشابہت ضرور ہے؛ لیکن عوض کے تمام احکام اس میں موجود نہیں؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ''اعزازیہ'' ہے؛ لیکن اس کی ادائیگی شوہر کے ذمے شرعاً لازم ہے اور بیوی کو اس کے مطالبے کا حق بھی حاصل ہے، معاوضے کے مشابہ اور تکریم پر مبنی ہونے کی دونوں حیثیتوں کو تعبیر کرنے کے لیے مجھے ''اعزازیہ'' سے بہتر کوئی اور لفظ نہیں ملا اور یہ تو آپ کے علم میں ہے کہ ''اعزازیہ'' بھی بعض اوقات واجب الادا اور لائق مطالبہ ہوتا ہے۔

جہاں تک دس درہم یا تین درہم کی بے وقعتی کا تعلق ہے، سو یہ بات میں اپنے مضمون میں عرض کر چکا ہوں کہ عورت کا اصل حق شرعاً مہر مثل ہے، البتہ اگر وہ خود اپنا حق کسی وجہ سے کم کرنا چاہے تو کم سے کم ایسی حد شریعت نے مقرر کر دی ہے کہ فی الجملہ معتد بہ ہو اور چوں کہ یہ کم سے کم حد ہے، مہر کی مطلوب مقدار نہیں؛ اس لیے اس میں بے وقعتی کا کوئی پہلو نہیں۔ والسلام

۲۸/رجب ۱۴۱۶ھ (یہ جواب حضرت والا دامت برکاتہم نے سائل موصوف کے جوابی خط میں تحریر فرمایا۔) (فتاویٰ عثمانی: ۲۹۸-۳۰۱)

مہر مقرر کرنے کی وجہ:

سوال: نکاح میں مہر مقرر کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ اور اس کا کیا سبب ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

نص قطعی میں وارد ہے:

﴿وأحل لكم ماوراء ذلكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين﴾(الآية)(۱)

اس آیت قطعیہ سے مہر کا ضروری ہونا معلوم ہوا۔

(اس سے عورت کی عظمت کو اجاگر کرنا ہے۔ظفیر)(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۰۸-۳۰۹)

مہر مقرر کرنے کی مصلحت کیا ہے اور کتنا مہر مقرر کرنا چاہیے:

سوال: میری برادری میں مہر کی رقم طے نہیں ہے، کبھی مہر فاطمی رکھ لیتے ہیں اور کبھی آپس میں جو بھی طے کرلیں، میں نے اپنی بیوی کے مہر میں سونے کے وہ زیورات جو دولہن کو دے رہے ہیں، اسی کو مہر مقرر کیا ہے؛ لیکن بھائیوں کا کہنا ہے کہ اتنی بڑی رقم دینا مناسب نہیں ہے، جب کہ میرا کہنا ہے کہ مہر کی رقم حیثیت سے کم رکھنا یہ مناسب نہیں ہے، لڑکی جس حیثیت کی ہے اور شوہر جس حیثیت کا ہے، اسی مناسبت سے مہر مقرر کرنا چاہیے۔

---

(۱) سورة النساء: ۲٤،ظفير

(۲) ثم المهر واجب شرعا لشرف المحل. (البحر الرائق: ۱٥۲/۲،ظفير)

اب سوال یہ ہے کہ مہر مقرر کرنے کی مصلحت شرعی کیا ہے اور اگر کسی نے زیادہ مہر حسب حیثیت رکھ دیا تو وہ قابل نکیر اور ملامت ہے؟ از روئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

شریعت میں مہر مقرر کرنے کا مقصد عورت کی عظمت وشرافت کو اجاگر کرنا ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

"**ثم المهر واجب شرعاً إبانة لشرف المحل**".(۱۵۲/۲)(۱)

مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار کی کوئی حد نہیں ہے؛ بلکہ زوجین کی مالی حیثیت واستطاعت پر موقوف ہے، حسب استطاعت جس قدر مہر کی رقم مقرر کی جائے، شرعاً جائز ودرست ہے اور اس کی ادائیگی شوہر پر لازم ہے۔(۲) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۶/۳/۱۴۲۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/)

مہر کی حکمت:

سوال (۱) مہر کی اصل حیثیت کیا ہے؟ اور یہ کیوں فرض قرار پایا ہے؟ اس کی فرضیت میں کیا حکمت ہے؟

(۲) مہر کی حد سے زیادتی، یا حد سے زیادہ کمی سے سماج میں کیا خرابی پیدا ہوسکتی ہے؟

(۳) حالات وکیفیات کے لحاظ سے مہر کی تعیین میں تبدیلی مستحب ہوگی، یا حد مسنون ہی کو مستحب سمجھا جائے گا؟

(۴) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں درہم کی قیمت چاندی کے بجائے اشیاء کی صورت میں ہوتی تھی، مثلاً: بکری، اونٹ، یا غلہ کتنے درہم میں کتنا حاصل ہوتا تھا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ:۱۱۸/۲ میں اس پر کلام کیا ہے:

"**وكان فيه مصالح: منها أن النكاح لا تتم فائدته إلا بأن يوطن كل واحد نفسه على المعاونة الدائمة، ويتحقق ذلک من جانب المرأة بزوال أمرها من يدها، ولا جائز أن يشرع زوال أمره أيضا من يده وإلا انسد باب الطلاق، وكان أسيراً في يدها، كما أنها عانية بيده، وكان الأصل أن يكونوا قوامين على النساء، آه.**

ولاجائز أن يجعل أمرهما إلى القضاة فإن مراجعة القضية إليهم فيها حرج ، وهم لا يعرفون ما

(۱) البحر الرائق، باب المهر، مطبع دار الكتاب ديوبند: ۲۴۹/۳

(۲) (أقله عشرة دراهم)...(وتجب) العشرة (إن سمّاها أو دونها و)يجب (الأكثر منها إن سمى) الأكثر. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۳۳۰/۲)

يعرف هو من خاصة أمره، فتعين أن يكون بين عينيه خسارة مال إن اراد فک النظر لئلا يجترئ على ذلک إلا عند حاجة لا يجد منها بدّا، فكان هذا نوعا من التوطين، وأيضا فلا يظهر الاهتمام بالنكاح إلا بمال يكون عوض البضع ، فإن الناس لما تشاحوا بالأموال شحا، لم يتشاحوا به فى غيرها، كان الاهتمام لاتتم إلا ببذلها، وبالاهتمام تقر أعين الأولياء حين يتملک هو فلذة أكبادهم، وبه يتحقق التمييز بين النكاح والسفاح، وهو قوله تعالىٰ:﴿أن تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين﴾''.(۱)

ملک العلماء علامہ کاسانی نے بھی بدائع الصنائع میں اس کی حکمت بیان فرمائی ہے۔(۲)

(۲) اس پر بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''(أقول) والسرفيما سن أن ينبغى أن يكون المهر مما يتشاح به ويكون مال ينبغى أن لا يكون مما بتعذر أداء ه عادة بحسب ما عليه قوله ، وهذا القدر نصاب صالح حسب ماكان عليه الناس فى زمانه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم وكذلک أكثر الناس بعده، اللّٰهم إلا ناس أغنيائهم بمنزلة الملوک على الأسرة، وكان أهل الجاهلية يظلمون النساء فى صدقاتهن بمطل أو نقص، فأنزل اللّٰه تعالىٰ﴿وأتوا النساء صدقاتهن نحلة فإن طبن لكم﴾(الآية)''.(حجة اللّٰه البالغة:۱۱۸/۲، ۱۱۹)(۳)

''عمر بن الخطاب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: ألا! لاتعالوا صدقة النساء ... ماعلمت رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من ثنتى عشرة أو قبة''.(هذا حديث حسن صحيح)(۴)

(۳) شریعت نے اس کی تحدید نہیں کی، جتنی مقدار ادا کرنا سہل ہو اور لڑکی کے حالات کے بھی مناسب ہو، تجویز کرلیا جائے۔(۵)

(۴) وقت اور ضرورت کے لحاظ سے نرخ میں فرق ہوتا رہتا تھا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دینار دیا کہ قربانی کے لیے ایک بکری خرید لائیں، انہوں نے ایک بکری ایک

---

(۱) حجة اللّٰه البالغة، باب:لانكاح إلا بصداق:۳٤۲/۲.قديمى

(۲) لأن ملک النكاح لم يشرع لعينه، بل لمقاصد لاحصول لها إلا بالدوام على النكاح والقرار عليه، ولا بدوم إلا بوجوب المهر بنفس العقد ... فلو لم يجب المهر لايبالى الزوج عن إزالة هذا الملک بأدنى خشونة تحدث بينهما؛ لانه لايشق على إزالته مالم يخف لزوم المهر، فلاتحصل المقاصد المطلوبة من النكاح، الخ''.(بدائع الصنائع، فصل فى المهر:۴۸٥/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) حجة اللّٰه البالغة، عدم المغالاة فى الصداق: ۳٤۳/۲، قديمى

(۴) جامع الترمذى، باب ماجاء فى مهور النساء:۲۱۱/۱،سعيد

(۵) عن جابر رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال:''ولامهر أقل من عشرة''.(إعلاء السنن، باب: لامهرأقل من عشرة:۸۱/۱،إدارة القرآن كراتشى

دینار میں خرید لی، پھر اس کو دو دینار میں فروخت کر دیا اور ایک دینار میں پھر ایک بکری خریدی اور وہ مع ایک دینار نفع لاکر پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی اور بکری قربانی کرنے اور دینار نفع کو صدقہ کر دینے کا حکم فرمایا۔ (یہ واقعہ مبسوط: ۱۲/۱۳، میں مذکور ہے)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۳۰/۱۱/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۲۴-۲۶)

نکاح میں مہر کی حکمت و مصلحت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کی فرضیت میں کیا حکمت ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

مہر مقرر کرنے کا طریقہ زمانۂ جاہلیت میں بھی شریف خاندانوں میں جاری تھا، اسلام نے اس کو نہ صرف برقرار رکھا؛ بلکہ اس کو ضروری قرار دیا، اس کی مصلحت بیان کرتے ہوئے صاحبِ بدائع الصنائع شمس العلماء علامہ علاء الدین کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

لو لم يجب المهر بنفس العقد لا يباليالزوج عن إزالة هٰذا الملك بأدنٰى خشونة تحدث بينهما؛ لأنه لا يشق عليه إزالتهٗ لما لم يخف لزوم المهر فلا تحصل المقاصد المطلوبة من النكاح ولأن مصالح النكاح ومقاصده لا تحصل إلا بالموافقة ولا تحصل الموافقة إلا إذا كانت المرأة عزيزة مكرمة عند الزوج، ولا عزة إلا بإنسداد طريق الوصول إليها إلا بمال له خطرٌ عندهٗ؛ لأن ما ضاق طريق إصابتهٖ يعز في الاعين فيعز بهٖ إمساكهٗ وما تيسر طريق إصابتهٖ يهون في الاعين فيهون إمساكهٗ، ومتٰى هانت في أعين الزوج تلحقها الوحشة فلا تقع الموافقة ولا تحصل مقاصد النكاح. (بدائع الصنائع: ۲/۲۷۵، الموسوعة الفقهية: ۳۹/۱۵۲)

اگر محض عقد نکاح کی وجہ سے مہر لازم نہ ہو تو شوہر تھوڑی سی بھی ناچاقی پیدا ہونے پر اس ملکیت نکاح کو ہٹانے میں کوئی تکلف نہ کرے گا؛ کیوں کہ جب اس پر مہر لازم نہیں ہے تو نکاح کو زائل کرنا اس پر گراں نہ گزرے گا، پس نکاح سے مطلوب مقاصد حاصل نہ ہو پائیں گے؛ کیوں کہ نکاح کے مقاصد ومصالح بغیر باہمی موافقت کے حاصل نہیں

---

(۱) "والأصل فيه ماروى أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دفع دينارا إلى حكيم بن حزام رضى الله تعالىٰ عنه ليشترى له شاة للأضيحة، فاشترى شاة، ثم باعها بدينارين، ثم اشترى شاة بدينار، وجاء بالشاة والدينار إلى رسول الله صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم،فاخبره بذلك فقال صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم: "بارك الله فى صفقتك،أما الشاة فضح بها وأما الدينار فتصدق به،الخ". (المبسوط للسرخسى، باب الأضحية: ۱۲/۱۳،دارالمعرفة بيروت لبنان)

ہو سکتے اور یہ موافقت اسی وقت متحقق ہو سکتی ہے، جب کہ بیوی شوہر کی نظر میں قیمتی اور معزز ہو اور یہ عزت اس وقت تک نہیں مل سکتی، جب تک کہ اس تک پہنچنے کے لیے کسی قابل قدر مال کو لازم نہ کیا جائے؛ کیوں کہ جس چیز کے حاصل کرنے کا راستہ تنگ ہوتا ہے، وہ چیز آدمی کی نظر میں باعزت ہوتی ہے اور اس کو روک کر رکھنا اسے عزیز ہوتا ہے اور جس چیز کا حاصل کرنا آسان ہوتا ہے، وہ نظروں میں بھی ہلکی ہوتی ہے اور اس کو روک کر رکھنے کی بھی اہمیت نہیں ہوتی، لہٰذا اگر یہ عورت شوہر کی نظر میں کم وزن ہوگی تو اس کی وجہ سے عورت کو وحشت ہوگی اور زوجین میں موافقت نہیں پائی جائے گی اور نکاح کے مقاصد حاصل نہ ہوں گے۔

اِنہی باتوں کو حکیم الامت حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انداز میں ذکر فرمایا ہے، چناں چہ شارحِ حجۃ اللہ البالغہ حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت شاہ صاحبؒ کی ترجمانی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

پہلی مصلحت: مہر سے نکاح پائدار ہوتا ہے، نکاح کا مقصد اس وقت تکمیل پذیر ہوتا ہے، جب میاں بیوی خود کو دائمی رفاقت ومعاونت کا خوگر بنائیں اور یہ بات عورت کی طرف سے تو اس طرح متحقق ہوتی ہے کہ نکاح کے بعد زمام اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے، وہ مرد کی پابند ہو جاتی ہے؛ مگر مرد بااختیار رہتا ہے، وہ طلاق دے سکتا ہے اور ایسا قانون بنانا کہ مرد بھی بے بس ہو جائے، جائز نہیں؛ کیوں کہ اس صورت میں طلاق کی راہ مسدود ہو جائے گی اور مرد بھی عورت کا ایسا اسیر ہو کر رہ جائے گا، جیسا عورت اسیر تھی اور یہ بات اس ضابطہ کے خلاف ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور دونوں کا معاملہ کورٹ کو سپرد کرنا بھی درست نہیں؛ کیوں کہ قاضی کے یہاں مقدمہ لے جانے میں سخت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور قاضی وہ مصلحتیں نہیں جانتا، جو شوہر اپنے بارے میں جانتا ہے۔ پس مرد کو دائمی نکاح کا خوگر بنانے کی راہ یہی ہے کہ اس پر مہر واجب کیا جائے؛ تاکہ جب وہ طلاق دینے کا ارادہ کرے تو مالی نقصان اس کی نگاہوں کے سامنے رہے اور وہ ناگزیر حالات ہی میں طلاق دے، پس مہر نکاح کو پائیدار بنانے کی ایک صورت ہے۔

دوسری مصلحت: مہر سے نکاح کی عظمت ظاہر ہوتی ہے، نکاح کی عظمت واہمیت بغیر مال کے جو کہ شرم گاہ کا بدل ہوتا ہے، ظاہر نہیں ہوتی؛ کیوں کہ لوگوں کو جس قدر مال کی حرص ہے اور کسی چیز کی نہیں، پس مال خرچ کرنے سے نکاح کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ: ۶۸/۵)

ومنها أن النكاح لا تتم فائدتُه إلا بأن يوطِّن كلٌّ واحد نفسه على المعاونة الدائمة، ويتحقق ذٰلک من جانب المرأة بزوال أمرها من يدها، ولا جائز أن يُشرَّع زوالُ أمره أيضًا من يده، وإلا انسدَّ بابُ الطلاق، وكان أسيرًا في يدها كما أنها عانيةٌ بيده، وكان الأصل أن يكونوا قوَّامين على النساء، ولا جائز أن يُعجل أمرُها إلى القضاة، فإن مرافعة القضية إليهم فيها حرج، وهم لا

يعرفون ما يعرف هو من خاصة أمره، فتعين أن يكون بين عينيه خسارةُ مالٍ، إن أراد فكَّ النظم، لئلا يجترء على ذٰلک إلا عند حاجة لا يجد منها بدًا، فكان هٰذا نوعًا من التوطين.

وأيضًا: فلا يظهر الاهتمام بالنكاح إلا بمال يكون عوضَ البضع، فإن الناس لما تشاحُّوا بالأموال شحًّا لم يتشاحُّوا به في غيرها: كان الاهتمام لا يتم إلا ببذلها.

وبالاهتمام تقرُّ أعينُ الأولياء، حين يتملک هو فَلذَة أكبادهم، وبه يتحقق التمييز بين النكاح والسِّفاح، وهو قوله تعالىٰ: ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بَاَمْوَالِكُمْ مُحْسِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾ فلذٰلک أبقى النبي صلى الله عليه وسلم وجوبَ المهر كما كان. (حجة الله البالغة: ۳۳۶/۲-۳۳۷، حجاز ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۶/۶/۸ھ (ندائے شاہی کتاب المسائل سے ماخوذ) (کتاب النوازل: ۳۹۲/۸-۳۹۴)

مہر دینا واجب ہے:

سوال: جناب عالی! گزارش ہے کہ محمد فرید خان ولد شیر زمان قوم ستی، تحصیل کوہ مری، ضلع راول پنڈی نے اپنی بیوی کو طلاق دی، جب کہ پانچ لڑکے اس سے ہیں، اب بات یہ ہے کہ عدالت نے لکھا ہے کہ اس کا مہر حق داری باقی ہے، اب مہر حق داری جناب زمین، مکان، باغ وغیرہ کا ہے، محمد فرید خان کی بیوی افراز جان بی بی اپنا مہر کا حق وصول کرنے کی شریعت میں حق دار ہے، یا نہیں؟ ضروری بات یہ ہے کہ ایک سال چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے، افراز بی بی کے لیے شرعی فتویٰ جاری کیا جائے؛ تا کہ سب وطن میں دین کا قانون جاری ہو جائے۔

الجواب

اگر محمد فرید خان نے طلاق دینے سے پہلے بیوی کو مہر ادا نہیں کیا تھا تو اس پر واجب ہے کہ فوراً طے شدہ مہر ادا کرے، خواہ وہ مہر نقد روپے کی شکل میں ہو، یا زمین، یا باغ کی شکل میں ہو فوراً ادا کرنا واجب ہے۔(۱) اور نابالغ بچوں کا نفقہ بھی اس کے ذمے واجب ہے۔(۲) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی غفرلہ، ۱۳۹۹/۱۱/۱۰ھ (فتویٰ نمبر ۱۶۹۳/۳۰ د) (فتاویٰ عثمانی: ۲۹۵/۲-۲۹۶)

---

(۱) وفي الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر (۱۰۲/۳): وتجب ...عند وطء أوخلوة صحت من الزوج او موت احدهما أو تزوج ثانيا في العدة.

وفي الشامية (۱۰۲/۳): وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلک وإن كانت الفرقة من قبلها، لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء.

وفي الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني (۳۰۳/۱، طبع ماجدية): والمهر يتأكد بأحد معان ثلا ثة، الدخول والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلک إلا بالابراء من صاحب الحق.

(۲) و في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات (۵٦۰/۱، طبع ماجدية كوئٹه): نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد.

==

عورت کی زندگی میں مہر میں کسی کا حق پہنچتا ہے، یا نہیں:

سوال: عورت کی زندگی میں اس کے مہر میں کن کن ورثہ کو حصہ پہنچے گا؟

الجواب

کسی کو نہیں پہنچتا۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸/۳۱۱-۳۱۳)

مہر کس کا حق ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادیوں میں جو مہر باندھے جاتے ہیں، ۲۰/ ہزار ۲۵/ ہزار تو جب وہ لڑکا مہر ادا کرے تو وہ مہر کس کو دے، لڑکی کو یا اس کے والدین کو؟

(المستفتی: امداداللہ)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب وباللّٰه التوفيق

مہر بیوی کا حق ہے؛ لہٰذا بیوی ہی کو دینا ضروری ہے، وہ اپنا حق جو چاہے کرے۔

نفذ تصرف المرأة فی الکل لبقاء ملکها. (شامی، کتاب النکاح، باب المهر، کراتشی: ۳/۱۰۵، زکریا: ٤/۲۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۵۸۸۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۹/۸/۱۴۱۹ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۷۵۹)

دین مہر کی مالک بیوی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میں نے تین شادیاں کیں، پہلی بیوی سے دو لڑکے اور دوسری بیوی سے تین لڑکیاں اور تیسری بیوی سے دو لڑکیاں، دو لڑکے ہیں، زید کے پاس دو مکان ہیں، جن میں سے ایک مکان جو سہ منزلہ ہے، پہلی اور دوسری بیوی کی مہر میں نصف نصف دے دیا اور تیسری بیوی کی مہر میں ایک مکان جو ٹین سیٹ ہے دیدیا، اس کے بعد زید ہی کی حیات میں دوسری بیوی کا انتقال ہوگیا، پھر زید کے انتقال کے بعد دوسری بیوی کی اولاد کی نگہداشت تیسری بیوی نے کی دوسری بیوی کی بچیوں کی شادیاں کرنے کے بعد پہلی بیوی کی اولاد تیسری بیوی کو اس مکان سے نکالنا چاہتی ہیں اور ان تینوں بچیوں کی کفالت

== و فی الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقة (۳/٦١٢،طبع سعید): وتجب النفقة بأنواعها علی الحر لطفله یعم الأنثیٰ والجمع الفقیر الحر.

وفی الشامیة تحت (قوله الفقیر) أی ن لم یبلغ حد الکسب،الخ.

(۱) وراثت کی تقسیم مرنے کے بعد ہوتی ہے، زندگی میں نہیں۔ مہر عورت کا حق ہے، دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ انیس

ایک دوکان جو اسی مکان میں ہے کے کرایہ سے چل رہی ہے، ان کو وہ لڑکے نہ تو مکان ہی دینا چاہتے ہیں اور نہ ہی وہ دوکان دینا چاہتی ہے۔ جواب طلب یہ ہے کہ ان تینوں بیویوں کی اولاد کے درمیان میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟ کیا ان لڑکوں کا مکان خالی کرنے کو کہنا درست ہے؟ اوران بچیوں کو محروم کرنا کہاں تک درست ہے؟ واضح رہے کہ زید نے اپنے انتقال کے وقت اورکوئی چیز ترکہ میں ان دونوں مکانوں کے علاوہ نہیں چھوڑا۔

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

تینوں بیویوں کے دین مہر میں جس مکان کا جتنا حصہ دیا گیا ہے، اتنا اتنا حصہ اسی بیوی کی ملکیت ہے اور تیسری بیوی کو الگ سے ٹین سیٹ کا جو مکان دیا ہے، وہ اسی کی ملکیت ہے، کسی ایک کی اولاد کو یہ حق نہیں کہ دوسرے کی اولاد کو اس کے متعینہ حصہ سے نکالے اور جس بیوی کے حصہ میں دوکان آئی ہے، وہ دوکان بھی اسی بیوی کی ملکیت ہوگی۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرء مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت: ٣٨٧/٤، رقم: ٥٤٩٢)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه: ١١٠، الهندية، زكريا: ١٦٧/٢)

باقی سوال نامہ میں یہ بات صاف طور پر واضح نہیں ہے کہ تیسری بیوی، یا دوسری بیوی کی لڑکیوں کو کس مکان سے نکالا جارہا ہے، تین منزلہ مکان کے نصف حصہ سے نکالا جارہا ہے، یا دوسرے مکان ٹین سیٹ سے نکالا جارہا ہے، جو تیسری بیوی کے دین مہر میں ہے یہ بات واضح نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۸۱۰۵/۳۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۵/۶/۱۴۲۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۸۰/۱۳-۶۸۲)

بیوی کو لاعلم رکھ کر اس کا مہر ادا کرنا:

سوال: مفتی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ اگر آپ پر قرض ہو، یا کوئی چیز غصب کی ہو اور وہی چیز اس کو اس کی لاعلمی میں دے دی جائے تو وہ ادا ہو جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہو تو شوہر اپنی بیوی کو روزانہ کچھ رقم بطور مہر کے دیتا رہتا ہو، البتہ بیوی کو نہ بتائے کہ یہ مہر ہے؛ کیوں کہ اگر اس کو پتہ چلے گا تو وہ تھوڑا تھوڑا نہیں لینا چاہتی؛ بلکہ یک مشت لینا چاہتی ہے، جب کہ شوہر غریب ہے، وہ یک مشت دینے پر قادر نہیں ہے تو کیا اس طرح مہر ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور تھوڑی تھوڑی رقم دینے سے بعد میں جب کہ مہر کی رقم پوری ہو چکی ہو، بیوی کو مطالبہ کا حق حاصل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

آپ نے جو مسئلہ قرض اور غصب کی چیز کا سنا کہ اگر وہ اس کے مالک کو اس کی لاعلمی میں دے دی جائے تو ادا ہو جاتی ہے، درست ہے؛ لیکن اس مسئلے اور شوہر پر بیوی کے مہر کے لازم ہونے میں تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ مقروض اور

غاصب کے ذمہ (عموماً) دائن، یا مغصوب منہ کو صرف وہی مال واپس کرنا لازم ہوتا ہے، جو اس نے بطور قرض، یا غصب کے لیا ہوتا ہے، بخلاف شوہر کہ اس کے ذمہ بیوی کے مہر کے ساتھ ساتھ اس کا نان ونفقہ وغیرہ بھی ہوتا ہے، اس لیے اگر شوہر روزانہ تھوڑی تھوڑی رقم بیوی کو دے اور اسے مہر کا بتائے بغیر مہر کی نیت کرے تو چوں کہ یہ ظاہراً عرف کے خلاف ہے؛ اس لیے اس ادائیگی کے بعد شوہر اگر مہر کی ادائیگی کا دعوی کرے اور بیوی انکار کرے تو بیوی کی بات مانی جائے گی اور اسے مہر کے مطالبہ کا حق بدستور حاصل رہے گا۔

اس لیے آپ کا روزانہ تھوڑی تھوڑی رقم بیوی کو دے کر مہر کی نیت کرنا درست نہیں، ہاں اگر آپ مہر کی صراحت کے ساتھ دیں، یا اپنے حالات کے پیشِ نظر بیوی کو خرچے کے علاوہ روزانہ دی جانے والی تھوڑی رقم جوڑنے کا کہیں اور جب وہ معتد بہ مقدار میں ہو جائے تو بیوی کو مہر کی صراحت کے ساتھ حوالے کر دیں تو اس صورت میں آپ کی بیوی کو وہ رقم ایک اچھی مقدار میں مل جائے گی اور آپ اپنے فریضے سے بھی سبکدوش ہو جائیں گے اور ادائیگی کی یہ صورت دونوں کے لیے سہولت والی ہوگی۔

لمافي الهندية (٣٢٢/١): أعطاها مالا وقال من المهر وقالت من النفقة فالقول للزوج إلا أن تقيم هي البينة كذا في فتح القدير.

وفيه أيضاً (١٣٥،١٣٤/٥): وثبوت يد المالك يوجب سقوط الضمان عن الغاصب سواء عرف ذلک أو لم يعرف لان الحكم يبتني على السبب دون العلم ... وكذلک لو أن الغاصب كسا الثوب رب الثوب فلبسه حتى تخرق عرفه أولم يعرفه وكذا إذا باعه صاحبه أو وهبه له ولا يعرفه حتى لبسه وتخرق.

وفي (١٣٥/٥): إذا رد الغاصب المغصوب على المغصوب منه فجواب الكتاب أنه يبرأ مطلقا وقال الشيخ المعروف بخواهر زاده في كتاب الإقرار المسألة في الحاصل على وجوه إن كان المأخوذ منه كبيرا بالغا فالجواب ما قال في الكتاب. (نجم الفتاویٰ: ۲۱۲/۵-۲۱۳)

بیوی کی اجازت کے بغیر شوہر کا مہر میں تصرف کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی ملکیت میں دو مکان ہیں، ایک مکان میں زید مع اہل وعیال رہتا ہے، دوسرے مکان میں زید کے تایا زاد بھائی اور ان کے بچے ہیں، وہ اس مکان پر عرصہ سے قابض اور دخیل ہیں۔ پہلا مکان جس میں زید اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتا ہے، وہ زید کی بیوی کے مہر میں لکھا ہوا ہے، یہ مکان بہت خستہ حالت میں ہے، اس میں ایک چھوٹا سا کمرہ ہے، اسی میں زید مع اہل وعیال کے گذارا کرتا ہے، زید کے اہل وعیال میں بیوی، چار لڑکیاں، ایک لڑکا ہے، دو لڑکیاں جوان ہیں، فوری طور پر شادی کرنے کے قابل ہیں، زید کی مالی حالت کمزور ہے، جس کی بنا پر اپنی بیوی کی مرضی کے بغیر اپنے پڑوسی ابوالحسن کے ہاتھ اس کے

پختہ لینٹر والے مکان سے جو کہ چھوٹا ہے کے مکان سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ کے عوض زید نے اپنے اس مکان سے جو کہ اس کی بیوی کے مہر میں لکھا ہوا ہے، بدل لیا ہے، رجسٹری ہو چکی ہے؛ لیکن زید کی بیوی مکان بدلنے کے لیے تیار نہیں ہے اور فریق ثانی جس سے مکان بدلہ ہے، وہ رجسٹری کی واپسی کو تیار نہیں ہے اور جرمانہ کے طور پر دوہری رجسٹری اور اوپر کے خرچ کے لیے زید کے پاس رقم نہیں ہے، زید کا دوسرا مکان جس پر زید کے تایازاد بھائی قابض ہیں، ان کے دخل کی وجہ سے کوئی بھی خریدار معقول رقم اس مکان کی دینے کو تیار نہیں ہوتا، جس سے لڑکیوں کی شادی اور رجسٹری واپسی کا خرچ پورا ہو سکے۔ اب زید پریشان ہے، کیا کرے؟ رہائشی مکان بدلنے پر بیوی بے حد ناراض ہے، دوسرے مکان پر بھائیوں کا قبضہ ہے، زید کے لیے اس حالت میں قرآن وحدیث کی روشنی میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(المستفتی: رحمت اللہ پینٹر، نینی تال)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جب مذکورہ مکان بیوی کو مہر میں دیا جا چکا ہے تو وہ اسی کی ملکیت میں ہوگا، اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر شوہر کو اس میں تصرف اور ترمیم کی اجازت نہیں ہے، لہٰذا جو عقد مبادلہ ہوا ہے، اس کے صحیح ہونے کے لیے اس کی رضا مندی لازم ہے، ورنہ واپسی لازم ہوگی اور اگر وہ راضی ہو جائے تو تبادلہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ جو مل رہا ہے، وہ بیوی ہی کی ملکیت ہوگی، وہ اگر نہ دے تو لڑکیوں کی شادی میں خرچ کرنا شوہر کے لیے جائز نہ ہوگا۔

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه، الخ. (قواعد الفقه: ١١٠، شرح المجلة، إتحاد ديوبند: ٦١/١، رقم الماده: ٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱/محرم الحرام ۱۴۱۵ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۸۰۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۱/۱/۱۴۱۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۸۸/۱۳-۶۸۹)

زوجہ اگر مہر وصول نہ کرے تو زوج کس طرح ادا کرے:

سوال: مسماۃ ہندہ کو طلاق لیے ہوئے دو برس ہو چکے ہیں، دین مہر نہ وہ لیتی ہے اور نہ ہی صاف الفاظ میں منع کرتی ہے؛ بلکہ یہ کہہ دیتی ہے کہ میں اپنا بدلہ آخرت میں لوں گی۔ زید دین مہر سے اپنی زندگی میں سبک دوش ہونا چاہتا ہے اور ہندہ سے بار بار لجاجت کرتا ہے کہ کسی طرح وہ اپنا قرض وصول کر لے، چناں چہ بذریعۂ ڈاک بیمہ رقم دین مہر زید نے ہندہ کو پہونچا دی؛ مگر ہندہ نے اپنی کسی مصلحت کی بنا پر رقم ارسال کردہ بیمہ واپس کر دی کہ مجھے تمہارے اس روپے کی ضرورت نہیں، میں اپنا بدلہ خدا کے یہاں آخرت میں لوں گی۔ اس اثنا میں زید نے مصالحت کرنے کی کئی ایک بار کوشش کی؛ مگر مسماۃ ہندہ کے عزیز واقربا نے مزاحمت کی اور زید کو مالی وجسمانی نقصان پہونچانے کے درپے ہو گئے۔

ہندہ کا اپنا قرض دنیا میں وصول نہ کرنا، حالاں کہ زید نے بذریعۂ ڈاک رقم دین مہر ہندہ کو پہونچا دی؛ مگر اس نے

واپس کردی اور قرض خواہ کا یہ کہنا کہ میں تو آخرت میں بدلہ لوں گی۔ شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ اگر مقروض رقم دین مہر عندالطلب ادا کرنے سے انکار کرتا تو وہ قصوروار تھا اور قرض خواہ یہ کہنے کی حق دار تھی کہ مس آخرت میں بدلہ لوں گی؛ لیکن یہاں تو معاملہ دگرگوں ہے، ہندہ کے بغیر طلب کے زید کے ذمہ رقم مہر جائز طریقہ سے ہندہ تک پہونچانے کا حق ہے، زید پہونچا دیتا ہے، وصول کرنا، یا نہ کرنا یہ ہندہ کا فعل ہے، وجہ خواہ کچھ بھی ہو؛ مگر زید نے حق ادا کرنے کی پوری کوشش دنیا میں کرلی۔

جواب طلب یہ امر ہے کہ کیا زید عنداللہ بری الذمہ ہوسکتا ہے اور آخرت میں یہ صورت بخشش، یا ہبہ کی ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ ہندہ کا رقم مہر چھوڑنا حالاں کہ زید ادا کرنا چاہتا ہے، کیا یہ صورت ﴿إلا أن يعفون﴾ کے تحت آسکتی ہے، یا نہیں؟

(نیازمند: ڈاکٹر عبدالغنی غفرلہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر ہندہ دین مہر کو معاف نہیں کرتی اور وصول بھی نہیں کرتی تو زید کو چاہیے کہ مہر کی رقم ہندہ کے سامنے اس طرح رکھ دے کہ اگر وہ ہاتھ بڑھا کر اٹھانا چاہے تو اٹھالے اور اس کے بعد ہندہ کو اختیار ہے، خواہ اٹھائے، خواہ نہ اٹھائے، اس طرح اس کے سامنے رکھ دینے سے زید بری ہوجائے گا اور آخرت کا بار اس کے ذمہ نہیں ہوگا اور محض وصول کرنے سے انکار کی وجہ سے معافی نہ ہوگی۔

”**التخلية رفع الموانع بأن يضع المال بين يدى المولى بحيج لو مد يده أخذه، فحينئذ يحكم القاضى بأنه قبضه، وكذا فى ثمن المبيع وبدل الإجارة وسائر الحقوق، آه**“. (ردالمحتار: ۹۰/۳)(۱)

اگر ہندہ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنا دین مہر دنیا میں معاف کردیا ہے اور آخرت میں اس کا ثواب لوں گی تو مہر معاف ہوگیا اور اگر یہ مطلب نہیں؛ بلکہ یہ مطلب ہے کہ دنیا میں وصول نہیں کرتی؛ تا کہ شوہر کے ذمہ آخرت کا وبال باقی رہے تو معاف نہیں ہوا۔ طریقہ مذکورہ سے ادا کردیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۵/۵/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۵/۵/۱۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۹۷-۹۸)

مہر بیوی کے سامنے رکھنے سے ادا ہوگا، یا نہیں:

سوال: قمرالدین کے یہاں ایک لڑکا دوسری لڑکی تھی، لڑکی کی شادیکرنے کے بعد سامان جہیز دے کر رخصت کیا۔ محمد عمر کی شادی قمرالدین نے کی؛ لیکن بچپن میں ہی عمر کی بیوی کا انتقال ہوا۔ قمرالدین کے انتقال کے بعد محمد عمر کا نکاح ماموں صاحب نے کیا، اس بیوی کے دو بچے پیدا ہوئے، لڑکی کا انتقال ہوگیا، لڑکا حیات ہے؛ لیکن چار سال کا تھا

(۱) ردالمحتار، کتاب العتق، باب العتق علی جعل: ۶۷۶/۳

کہ اس کے والد محمد عمر کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد اس کی پھوپھی مع سامان کے لڑکے اصغر کو اپنے گھر لے گئی اور پرورش کرنے پر اپنی پوتی سے نکاح کر دیا اور پانچ چار سال لڑکی نکاح میں رہی۔

اس کے بعد لڑکی کے باپ نے کچھ تہمت یا الزامات لگا کر لڑکی کو آزاد، یا طلاق حاصل کر لی ہے؛ لیکن بیوی کی زبانی معلوم ہوا کہ جو مہر بندی تھی، وہ لڑکی کے سامنے رکھا تو لڑکی نے بخوشی واپس لوٹا کر معاف کر دیا اور اب رہا سامان ومکانات کا معاملہ یہ ہے کہ قمر الدین اور فرزند محمد عمر کی یہ میراث تھی؛ لیکن حیات اصغر کو پھوپھی صاحبہ تمام سامان گھر کا لے کر اپنے سسرال چلی گئی اور مکان مسجد کو دے دیا، جب کہ اصغر جوان ہو گیا تھا اور اس شرط پر دیا کہ میرا حق ہے، تم بھی اپنا حق دو۔ اب مکان میں اور سامان میں وہ حق دار ہے، یا نہیں؟ اگر حق دار ہے تو وہ اپنا سامان پھوپھی سے لے سکتا ہے اور مکان بھی لے سکتا ہے؟ آیا پھوپھی کو بھی کوئی کچھ حق پہنچے گا، یا نہیں؟ اگر پہنچے تو اس کا طریقہ تقسیم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب شوہر نے مہر کا روپیہ ادا کرنے کے لیے بیوی کے سامنے رکھ دیا اور بیوی نے بخوشی وہ روپیہ شوہر کو دے دیا اور دونوں کو اس کا اقرار ہے تو مہر ادا ہو گیا۔(۱) قمر الدین کے انتقال پر لڑکی اور لڑکا محمد عمر دونوں وارث ہیں، لڑکی کا اکہرا حصہ ہے اور لڑکے محمد عمر کا دوہرا حصہ ہے، محمد عمر کے انتقال پر اسی شرح کے ساتھ لڑکا (اصغر) لڑکی دونوں وارث ہیں،(۲) پھوپھی کو قمر الدین کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا، وہ اس میں حق دار نہیں اگر چہ اپنے والد کے ترکہ میں حق دار ہے۔(۳) پھوپھی صاحبہ نے بچے کی پرورش کی، بہت اچھا کیا، ان کو اجر ملے گا؛ لیکن قمر الدین اور محمد عمر کی متروکہ جائیداد، روپیہ، مکان، سامان کسی چیز میں بھی ان کو تصرف مالکانہ کرنے کا حق نہیں،(۴) محض ان کے مکان مسجد میں دینے سے وہ مکان مسجد کا نہیں ہوا، ہاں! اگر اصغر نے بالغ ہونے کے بعد بخوشی مسجد میں دیا ہے تو وہ مسجد کا ہو گیا۔

اصغر کو پورا حق حاصل ہے کہ اپنے باپ دادا کا پورا سامان پھوپھی صاحبہ سے واپس لے لے؛ مگر چوں کہ پھوپھی

---

(۱) التخلية رفع الموانع بان يضع المال بين يدى المولى بحيث لو مد يده أخذه، فحينئذ يحكم القاضى بأنه قبضه، وكذا فى ثمن المبيع وبدل الاجارة وسائر الحقوق. (ردالمحتار، كتاب العتق، باب العتق على جعل: ٦٧٦/٣، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يوصيكم الله تعالىٰ فى اولاد كم للذكر مثل حظ الانثيين﴾

"وأما بنات الصلب فأحوال ثلاث ... ومع الابن للذكر مثل حظ الانثيين، وهو يعصبهن". (السراجى فى الميراث، ص: ٧، سعيد)

(۳) وذووالأرحام أصناف أربعة ... والصنف الرابع ينتمى إلى جدى الميت أو جدتيه وهم العمات والأعمام...، آه". (السراجى، ص: ٣٨، سعيد)

"ثم يقسم الباقى بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الامة، فيبدأ بأصحاب الفرائق وهم الذين لهم سهام مقدرة فى كتاب الله تعالىٰ، ثم العصبات ... ثم ذوى الارحام". (السراجى، ص: ٣، سعيد)

(۴) لايجوز التصرف فى مال غيره بلاإذنه". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ٢٠٠/٦، سعيد)

صاحبہ نے ان کی پرورش کی، شادی کی؛ اس لیے ان کے احسان کو فراموش نہیں کرنا چاہیے،(۱) ان کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی سے پیش آئے اور اپنی وسعت کے موافق مالی خدمت بھی کرتا رہے، ویسے بھی پھوپھی صاحبہ کا رشتہ ایسا ہے کہ ان کی خدمت کرتے رہنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۹۹-۱۰۰)

کیا دستخط کراتے وقت لڑکی کے سامنے مہر کا ذکر کرنا ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح کے وقت لڑکی سے رجسٹر میں دستخط کروالینا کافی ہیں اور مہر کا ذکر کرنا کیسا ہے؟ اگر صرف نکاح کے رجسٹر پر دستخط کردئے تو اس کو کافی سمجھا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

لڑکی کے دستخط کرتے وقت نکاح کی صحت کے لیے مہر کا ذکر کرنا لازم نہیں ہے، البتہ بہتر ہے کہ ذکر کردیا جائے اور فریقین کے مشورہ سے جو مہر مقرر ہوا ہے اور لڑکی نے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا ہے، اسی کی ادائیگی شوہر پر لازم ہوگی، نزاع سے بچنے کے لیے مہر کی صحیح مقدار رجسٹر پر درج کردینی چاہیے۔

عن عبد اللّٰہ فی رجل تزوج امرأة فمات عنها ولم يدخل بها، ولم يفرض لها صداقًا، فقال: لها الصداق كاملاً، وعليها العدة، ولها الميراث. (سنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب فيمن تزوج ولم يسم صداقًا حتى مات: ۱/۲۸۸، رقم: ۲۱۱٤، سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی الرجل يتزوج المرأة فيموت عنها قبل أن يفرض لها: ۱/۲۱۷، رقم: ۱۱٥٤)

صح النكاح بلا ذكره؛ لأن النكاح عقد انضمام وازدواج لغة يتم بالزوجين، ثم المهر واجب شرعاً إبانة لشرف المحل فلا يحتاج إلى ذكره. (البحر الرائق: ۳/۱٤۲، فتح القدير: ۳/۳٦۱)

يجب مهر المثل فيما إذا لم يسم مهراً إذا لم يتراضيا على شیء بعد العقد، وإلا بأن تراضيا على شیء فهو الواجب بالوطء أو الموت. (شامی: ٤/۲٤۲، زكريا، الهداية، باب المهر: ۳/٥٥، مکتبة البشریٰ کراتشی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۷/۴/۱۴۲۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/۴۱۳)

ادائیگی مہر میں شوہر اور بیوی کے درمیان بعض شرائط کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے کہ تمہارے

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿هل الجزاء الاحسان إلا الاحسان﴾ (سورة الرحمن: ٦٠)

دو ہزار روپیہ مہر ہے؛ مگراس شرط پر کہ تم کو اگر میں نے بلا کسی وجہ کے طلاق دے دیا، گھر سے نکال دیا تو مہر دے دوں گا، خواہ معجّل ہو، یا غیر معجّل ہو، کوئی تخصیص نہیں ہے، اگر اس قسم کے وجوہات پیش نہ آئے تو مہر نہ دوں گا، آیا یہ شرط فاسد ہے، یا صحیح ہے؟ نیز اس صورت میں مہر مثل ہوگا، یا رقم مذکورہ مبلغ دو ہزار روپیہ جو متعین ہے، ادا کرے گا؟ اور عورت کی طرف سے یہ عہد ہے کہ ہر طرح سے خاوند کی فرمانبردار رہوں گی اور اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہوئے تو معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم و باطل تصور ہوگا۔ آیا اس آخری شرط کے ماننے کے بعد مہر مثل ہوگا، یا نہیں؟ صاف تحریر فرماویں، بغرض مزید تفصیل نقل اقرارنامہ بھی ارسال ہے۔

نقل اقرارنامہ ملخصاً:

من مقر نے مسماۃ لطیفن، الخ، سے نکاح ثانی کرکے اپنی زوجیت میں لایا ہے، مسماۃ مذکور کا مہر دو ہزار روپیہ شرائط ذیل پر اقرار پایا ہے کہ ہر دو معاقدین کا خداوند عالم اتفاق و محبت سے زندگی بسر کرادے، اگر خاوند بلا کسی وجہ، یا قصور کے طلاق دے، یا گھر سے نکال دے تو مبلغ دو ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ آگے چل کر بیوی کا اقرار ہے۔

اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہووے گا تو یہ معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم و باطل تصور ہوگا اور من مقر خاوند کو کوئی عورت شادی شدہ، یا نکاح ثانی میری موجودگی میں رکھنے کا ہرگز اختیار نہ ہوگا۔

دیگر یہ بھی فرماویں کہ خاوند کے کاروبار خانگی بذمہ عورت کون کون سے ضروری ہیں؟ زیادہ والسلام

الجواب

یہ شرط فاسد ہے اور عورت مدخول بہا ہے تو وہ ہر حالت میں دو ہزار کی مستحق ہے، خواہ اس کو طلاق دی جائے، یا نہ دی جائے، گھر سے نکالا جائے، یا نہ نکالا جائے اور صورت مسئولہ میں مہر مثل کا کوئی احتمال نہیں، **لعدم الترديد في كمية المهر وعدم تعليقه على شيء وإنما علق أداءه وعدم أداءه على شرائط بعد ما جعل المهر ألفين، كماهو ظاهر من نقل "إقرار نامه". والله اعلم**

اور عورت کے عہد سے بھی مہر کا ابطال نہیں ہوا؛ بلکہ وہ عہد ہی لغو ہے، وہ جب تک صراحۃً معاف نہ کرے اور خوشی سے معاف نہ کرے تو معاف نہ ہوگا۔

اور بیوی کے ذمہ چار باتیں لازم ہیں، جن پر شوہر اس کو مجبور کرسکتا ہے:

(۱) جب شوہر مجامعت کے لیے بلاوے اور عورت بیمار نہ ہو تو انکار نہ کرے۔

(۲) شوہر اگر زینت کا طالب ہو تو اس کے لیے زینت و آرائش کیا کرے، بشرطیکہ زینت خلاف شرع نہ ہو۔

(۳) شوہر کے گھر سے بدون اس کی اجازت کے باہر قدم نہ رکھے، نہ کسی نامحرم کے سامنے چہرہ کھولے۔

(۴) جس شخص کا گھر میں آنا شوہر کو گوارا نہیں، اس کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔ ان امور کے سوا اور کسی

بات پر مرد عورت کو مجبور نہیں کرسکتا، اگر مجبور کرے گا، گنہ گار ہوگا، البتہ عورت کو دیانۃً واجب ہے کہ شوہر کو اس کے حکم کا حق ہو، یا نہ ہو، گو وہ بلا استحقاق کسی زائد کام کا بدون رضا کے حکم کرے گا تو گنہ گار ہوگا؛ لیکن اگر وہ عمل شرعاً مباح اور عورت کی قدرت میں تھا تو عورت بھی مخالفت امر زوج سے گنہ گار ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

یکم ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۳/۳۷۳)

اگر بیوی شوہر سے پہلے مرجائے تو اس کا باقی ماندہ مہر کس طرح تقسیم ہوگا:

سوال: اگر کوئی عورت قبل اپنے شوہر کے وفات پا جائے تو اس کے مہر بذمہ شوہر ہوں گے، یا نہیں؟

الجواب

عورت فوت ہوئی، اس کا مہر جو ذمہ (شوہر) کے ہے، وہ ترکہ ہے، میراث اس میں جاری ہوگی۔ نصف، یا ربع مہر کا زوج کو ملے گا، باقی دیگر عورت کے ورثا کو مثل دیگر ترکہ کے اور مطالبہ زوج پر اس قدر مہر کا ورثا کریں گے۔ فقط

(مجموعۂ رام پور، ص:۱) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۹۱-۲۹۲)

مہر کی ادائیگی گواہوں کی موجودگی میں:

سوال: کیا عورت کو مہر ادا کرتے وقت گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ کیا تنہائی میں بھی مرد اپنی زوجہ کو مہر ادا کرسکتا ہے؟

(محمد اسماعیل، شاہ پور، گلبرگہ)

الجواب

مہر ادا کرنے کے لیے گواہان کا ہونا ضروری نہیں، البتہ اگر بعد میں خدانخواستہ اختلاف پیدا ہو جائے، ایک فریق کا دعویٰ ہو کہ مہر ادا کر دیا گیا ہے اور دوسرے فریق کو اس سے انکار ہو تو اس وقت اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے گواہان کی ضرورت پڑ سکتی ہے؛ اس لیے بہتر ہے کہ مہر دیتے وقت گواہ بھی رکھ لیے جائیں۔ (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۳۸۵)

مہر ادا کرتے وقت گواہوں کا ہونا:

سوال: مہر ادا کرنا ہو تو کیا گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ کیا تنہائی میں بیوی کو شوہر مہر ادا کرسکتا ہے؟

(ع،ک، شاہ پور)

الجواب

پوشیدہ اور علانیہ ہر دو طریقے سے مہر ادا کرنا درست ہے؛ تاہم اگر بیوی کی جانب سے انکار کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورت کی موجودگی میں مہر ادا کرے؛ تا کہ انکار کی صورت میں شوہر گواہوں کے ذریعہ اپنے مدعی کو ثابت کرسکے۔

(۱) الهداية: ۱۳۸/۳

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”و ما سوی ذلک من الحقوق یقبل فیھا شھادۃ رجلین أو رجل و امرأتین،سواء کان الحق مالاً أوغیر مالٍ مثل النکاح و الطلاق“. (۱) (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۹۷-۳۹۸)

مہر کی ادائیگی:

سوال: میری شادی ۱۹۶۶ء میں ہوئی، میری بیوی کا مہر دینار ونقد ملا کر انیس ہزار روپیہ ہوتا ہے، حالاں کہ میں نے بہت کمایا اور بال بچوں پر بہت خرچ کیا؛ لیکن مہر کی ادائیگی کی طرف ذہن نہیں گیا، اب وسائل میرے پاس نہیں ہیں، صرف ایک مکان میرے نام پر ہے، جس کا کرایہ آتا ہے، انیس ہزار روپیہ ادا کرنے کا موقف نہیں ہے، کسی بھی وقت موت آسکتی ہے، مشورہ دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

(خواجہ ناظم الدین، حیدرآباد)

الجواب

بیوی کا مہر اسی طرح واجب ہے، جیسے دین، موجودہ حالات میں دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ آپ کی بیوی کسی دباؤ کے بغیر اپنی رضا اور رغبت سے مہر معاف کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے متروکہ مکان سے پہلے بیوی کا مہر ادا کیا جائے، پھر ورثا کے درمیان اس کی تقسیم ہو، یوں تو شرعا ایسا ہی کرنا واجب ہے؛ لیکن بہتر ہے کہ آپ حین حیات ایک وصیت نامہ بھی لکھ دیں؛ تاکہ آپ کے بعد ورثہ کو توجہ ہو اور عند اللہ بھی آپ بریٔ الذمہ قرار پائیں اور اگر آپ کی زوجہ کو جلد مہر ادا کرنے پر اصرار ہو تو یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ماہانہ ایک مقرر قسط ادا کرتے جائیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۸۸-۳۸۹)

مہر کی ادائیگی کی صورت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بوقت نکاح جو مہر باندھا جاتا ہے، اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ اور شوہر کو وہ مہر کتنی مدت میں ادا کردینا چاہیے، عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا، مہر اس وقت تک ادا نہیں کیا اور نہ ہی بیوی نے معاف کیا، شوہر کے انتقال کے بعد اس کی بیوی اگر مہر معاف کرے تو کیا مہر معاف ہوجائے گا؟

(المستفتی: عطاء الرحمٰن، کوری روانہ، مرادآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب وباللّٰہ التوفیق

شریعت کا اصل حکم یہی ہے کہ بیوی کا مہر جلد از جلد ادا کردیا جائے؛ لیکن جب شوہر نے ادا نہیں کیا، یہاں تک کہ

(۱) الھدایۃ:۳/۱۳۸

شوہر کا انتقال بھی ہوگیا تو اب شوہر کے ترکہ سے بیوی کو مہر دیا جائے گا، اب اگر بیوی اپنا حق مہر معاف کردے تو معاف بھی ہوجائے گا۔

ولنا أن المهر وجوبا حق الشرع على ما مر وإنما يصير حقا لها في حالة البقاء، فتملك الإبراء دون النفي. (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر،أشرفي ديوبند: ۳۲٤/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۹؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۸۶۲۹/۳۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۹/۱/۱۴۲۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۷۵۹/۱۳-۷۶۰)

مہر اَدا کرنے سے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ الف مرحوم کی وفات سے ایک دن پہلے الف کے والدین بہنوں اور بھائی نے الف کی بیوی کے ساتھ زیادتی کی، اسے مارا پیٹا اور انتہائی زیادتی کی جس کی وجہ سے وہ مسلسل بے ہوش ہوگئی، بحالتِ مجبوری اس کے والدین اہل محلّہ کے سامنے بے ہوشی کے عالم میں اسے لے آئے اور داخل اسپتال کیا، جہاں چار دن تک اسے ہوش نہیں آیا، دوسرے دن الف کی وفات ہوگئی، الف کی بیوی اس کے مہر معاف نہیں کرسکی، چوں کہ وہ بے ہوشی کے عالم میں تھی، نہ شریک جنازہ ہوسکی تو کیا الف کی بیوہ کی جانب سے اس کے والد مہر معاف کرنے کے مجاز ہیں، اگر مہر معاف نہیں ہوئے تو وہ مہر کس سے وصول کئے جائیں گے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

الف کی بیوی اگر مہر لینا چاہے تو اس کو حق حاصل ہے کہ وہ الف کے والدین سے مہر کا مطالبہ کرے۔

عن ابن جريج قال: سمعت عطاء يقول: سمعت ابن عباس رضي الله عنه سئل عن المرأة يموت عنها زوجها وقد فرض لها صداقًا، قال لها: الصداق والميراث. (السنن الكبرىٰ للبيهقي: ٤٠٣/٧، رقم: ١٤٤٢٥،دار الكتب العلمية بيروت)

وفي الكافي: وإذا مات الزوج وقد سمى لها مهرٌ، فلورثتها أن يأخذوا ذٰلك من تركة الزوج، وإن لم يكن سُمي لها مهرٌ فلا شيء لورثتها عند أبي حنيفة، وعندهما لورثتها المسمىٰ في الوجه الأول، ومهر المثل في الوجه الثاني. (الفتاویٰ التاتارخانية: ٢٠٣/٤،رقم: ٥٩٦٢، زكريا)

قال علمائنا رحمهم الله: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة: مرتبة الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله. (السراجي في الميراث: ٣، كذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ٤٨٩/٨، كوئٹه)

ثم تقدم ديونه التي مطالب لها من جهة العباد ويقدم دين الصحة هو ما كان ثابتًا بالبينة مطلقاً أوبالإقرار في حال الصحة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الفرائض: ٤٨٥/١٠،زكريا، مجمع الأنهر: ٤٨٥/٤،بيروت)

وتطالب أیا شاء ت من زوجها البالغ أو الولی الضامن. (الدر المختار مع الشامی: ۱٤۱/۳، کراتشی: ۲۸۷/٤، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۳/۳/۱۴۱۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۲۲/۸-۴۲۳)

مہر ادا کرنے سے پہلے زوجین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر شوہر کسی مجبوری کے تحت مہر ادا نہ کر سکے اور شوہر، یا بیوی میں سے کسی ایک کو اچانک موت آجائے تو ایسی صورت میں مہر کی ادائیگی کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

مسئولہ صورت میں اگر بیوی کا انتقال ہو جائے اور اس کا مہر ادا نہیں کیا گیا تو شوہر پر لازم ہے کہ وہ مہر کی رقم بیوی کے شرعی ورثا کو ادا کردے اور اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کے ترکہ سے بیوی کا مہر ادا کیا جائے گا؛ کیوں کہ وہ میت پر قرض ہے۔ اس کے بعد جو مال بچے گا، اسے حسبِ حصصِ شرعیہ بیوی کے وارثین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

وموت أحدهما كحياتهما لا يسقط اعتباره بموت أحدهما؛ ولهذا يجب في المفوضة مهر المثل بعد موت أحدها بالاتفاق. (مجمع الأنهر: ۵۳۰/۱)

لأنه كان دينا في ذمته فلا يسقط بالموت كالمسمى؛ فإن علم أنها ماتت أولاً سقط منه ما بقي فلورثتها. (البحر الرائق: ۳۲۰/۳، شامی: ۲۹۹/٤، زکریا، السراجی فی المیراث: ۳-٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۱/۶/۱۴۳۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ (کتاب النوازل: ۴۲۹/۸-۴۳۰)

حق مہر کے بغیر نکاح کا حکم:

سوال: نکاح کے انعقاد کے وقت اگر ایجاب وقبول کے دوران حق مہر مقرر نہ کیا جائے تو کیا اس صورت میں نکاح شرعاً درست ہے، یا نہیں

الجواب ــــــــــــــــ

حق مہر کا تقرر ضروریات نکاح میں سے ہے، رکن نہیں، لہٰذا اگر مجلس نکاح میں گواہوں کے سامنے شرعی طریقہ پر نکاح پڑھایا گیا ہو تو اگر چہ اس میں مہر کا ذکر نہ کیا جائے، تب بھی نکاح درست ہے؛ لیکن خاوند کے ذمہ دخول کے بعد مہر مثل کی ادائیگی لازم ہے۔

قال ابن نجيم: (تحت قول الماتن) صح النكاح بلاذكرهٗ لأن النكاح عقد انضمام وازدواج لغة فيتم بالزوجين، ثمّ المهر واجب شرعًا إبانة لشرف المحل فلايحتاج إلٰى ذكره لصحة النكاح ...وذكر الأكمل والكمال أنه لاخلاف لأحد في صحته بلا ذكر المهر. (البحر الرائق: ۱٤۲/۳، باب المهر)

قال العلامة العثماني: عن علقمة قال: أتى عبدالله في امرأة تزوّجها رجل ثم مات ما عنها ولم يفرض لها صداقا ولم يكن دخل قال فاختلفوا اليه فقال أرى لها مثل مهر نسائها ثم ذكر أن معقل بن سنان الأشجعي شهد أن النبي صلى الله عليه وسلم قضى في واقعة مثل ما قضيت. رواه الخمسة وصححه الترمذي. (إعلاء السنن: ۱۱/۸۷)(۱)(فتاوی حقانیہ:۴/۳۶۹)

کیا بغیر مہر دیئے بیوی کے پاس جانا منع ہے:

سوال: ہمارے یہاں یہ مشہور ہے کہ جب تک مہر ادا نہ کیا جائے، اس وقت تک بیوی کے پاس جانا حرام ہے۔ یہ بات صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ بات غلط ہے، البتہ بیوی کو اسی وقت کچھ دینا بہتر ہے۔ (۲) ہاں! مہر ادا کرنے کی فکر اور کوشش لازم ہے، یہ اس کا حق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۵/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۷۹)

مہر ادا کئے بغیر شبِ زفاف منانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے شادی کی اور مہر بھی ادا نہیں کیا، بغیر مہر ادا کئے شبِ زفاف منائی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اگر اتنا مال نہیں ہے جو لڑکی کو مہر دے دے تو اس حالت میں لڑکی کو کب مہر دینا جائز ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر بیوی مہر کا مطالبہ نہیں کرتی ہے، توشبِ زفاف منانا درست ہے؛ البتہ وجوبِ مہر ذمہ پر باقی رہے گا؛ تا آں کہ ادا کردے۔

---

(۱) **وقال في الهندية: وان تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوّجها على ان لامهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها أومات عنها. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۳۰۴، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة)**

ومثلهٗ في بدائع الصنائع: ۲/۲۷۴، فصل ان لايكون مجهولا جهالة

(۲) فتاویٰ دارالعلوم میں ہے: ''مہر معجّل کے ادا نہ کرنے سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا اور عورت اس کی زوجیت سے اور نکاح سے خارج نہیں ہوتی؛ لیکن عورت وطی وغیرہ سے انکار کرسکتی ہے اور ساتھ جانے سے بھی انکار کرسکتی ہے''۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸/۲۱۵، مسائل واحکام مہر، امدادیہ ملتان)

(ولها منعه من الوطء و دواعيه، شرح مجمع ''. (الدرالمختار)''ولها منعه حتى بقيض مهرها، وتسلميها نفسها غير صحيح، فله استردادها، الخ''. (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۳/۱۴۳-۱۴۴، سعيد)

لا یحل لها وطؤها على كره منها إن كان امتناعها لطلب المهر. (شامی: ۱۴۲/۳، کراتشی، ۲۹۰/۴، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۶/۶/۱۴۱۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۲۸/۸)

شوہر مہر ادا نہ کرے تو بیوی کے لیے اپنے نفس کو روکنے کا حق ہے:

سوال: محمودہ نے زید سے اس شرط پر نکاح کیا کہ بعد قربت کے میرا مہر ادا کردو گے، زید نے شرط مان لی؛ مگر اب بعد قربت کے وہ مہر کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے۔ اس صورت میں محمودہ بغیر ادائیگی مہر کے زید کے پاس جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اور دوسرا نکاح کرسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

محمودہ کو یہ اختیار تو ہے کہ جب تک اس کا شوہر اس کو مہر نہ دے دے، اس کے پاس نہ جائے؛(۱) لیکن بغیر طلاق کے وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۴/۱۰/۱۳۷۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴)

حصول مہر کے لیے عورت اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے:

سوال: حق مہر حاصل کرنے کے لیے عورت اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے روک سکتی ہے، یا نہیں؟

الجوابـــــــــــــــــــــــ

اگر خاوند بیوی کو مہر معجّل ادا نہ کرے تو مہر کے حصول کے لیے عورت اپنے آپ کو اس وقت تک خاوند سے روک سکتی ہے، جب تک وہ اسے مہر ادا نہ کردے۔

قال فی الهندیة: فی كل موضع دخل بها أو صحت الخلوة وتأكید كل المهر لو أرادت أن تمنع نفسها لاستیفاء المعجل لها ذٰلک عندهٗ خلافًا لهما ... وقبل تسلیم النفس لها ذٰلک بالاجماع. (الفتاویٰ الهندیة: ۳۱۷/۱، الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمهرها) (۳) (فتاویٰ حقانیہ: ۳۷۱/۴)

---

(۱) ولها منعه من الوطء والإخراج للمهر وإن وطئها. (كنز الدقائق علی هامش البحر الرائق: ۳۵۸/۲)

(۲) أما نكاح منكوحة الغیر ومعتدّته ... إن علم أنها للغیر لأنه لم یقل أحد بجوازه فلم ینعقد أصلا (ردالمحتار، مطلب فی النكاح الفاسد: ۳۵۰/۲)

(۳) قال ابن عابدین رحمه الله: تحت قول الماتن ولها منعه من الوطاء وكذا لولی الصغیرة المنع المذكور حتٰی یقبض مهرها. (ردالمحتار: ۱۴۳/۳، مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر)

ومثلهٗ فی بدائع الصنائع: ۲۸۸/۴، فصل یجب به المهر

شوہر کے اس کہنے سے کہ بغیر میری اجازت کہیں نہ جانا، ورنہ مہر نہ دوں گا اور بیوی چلی گئی:

سوال: زید نے اپنی بی بی ہندہ سے کہا کہ اگر تم بغیر میری اجازت کے اور میری عدم موجودگی میں کہیں گئی تو تمہارا دین مہر میں نہ دوں گا، بعد دو ہفتہ کے عدم موجودگی میں اپنے رشتہ دار کے یہاں چلی گئی تو شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب

اس صورت میں مہر ساقط نہیں ہوا، زید کے ذمہ مہر ہندہ کا لازم ہے اور زید کو وہ مہر دینا ہوگا۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۲۱/۸)

شوہر اگر مہر نہیں دیتا تو نکاح جائز ہے، یا نہیں:

سوال: میری ایک رشتہ دار عورت کی شادی ۱۹۱۸ء میں ہوئی تھی، بروقت نکاح ایک اقرار نامہ من جانب دولہا تحریر ہوا تھا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ پچاس بیگھہ اراضی بعوض زر مہر مبلغ پانچ سو روپے اپنے گھر پر جا کر نام زوجہ کرادوں گا۔ سن ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۳ء تک خاوند اور اپنی بیوی کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے، پھر اس کے خاوند نے ۱۹۳۳ء میں دوسری شادی کر لی اور اپنی زوجہ کو اس کے والدین کے گھر چھوڑ گیا، چوں کہ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۳ء تک خاوند اور بیوی کے تعلقات بہت اچھے رہے، ۱۳۳۳ء کے بعد خراب ہو گئے۔ عدالت میں مہر کا دعویٰ کیا گیا۔ عدالت نے حکم دے دیا کہ اقرار نامہ زائد المیعاد ہو گیا ہے؛ اس لیے پچاس بیگھہ اراضی کی حق دار مدعیہ نہیں ہے اور چوں کہ اس اقرار نامہ میں یہ تحریر ہے کہ بعوض پچاس بیگھہ اراضی مبلغ پانچ سو روپیہ ادا کروں گا؛ اس لیے اس کی بھی میعاد ختم ہو گئی ہے۔ مدعیہ پانچ سو روپیہ لینے کی بھی حق دار نہیں ہے، ایسی صورت میں نکاح پر کیا اثر پڑا۔ مکرر عرض ہے کہ مدعا علیہ مہر کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے اور عدالت نے بھی یہی فیصلہ دیا ہے کہ جس اقرار نامہ میں مہر درج ہے، اس کی میعاد گزر چکی ہے؛ اس لیے مدعیہ نہ تو پچاس بیگھہ اراضی کی مستحق ہے اور نہ پانچ سو روپے مہر جو بعوض پچاس بیگھہ اراضی کے ہے، اس کی حق دار ہے۔ ایسی صورت میں نکاح جائز رہا، یا نہیں؟ لڑکی جوان العمر ہے۔

(المستفتی: ۱۸۵۱، تصدق حسین صاحب حصار۔ ۲۹/ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۵/ اکتوبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

عدالت کا یہ فیصلہ غلط ہے اور خلاف قانون بھی ہے۔ اگر قانونی طور پر عورت پچاس بیگھہ اراضی کی مستحق قرار نہ پائے تو اپنے مہر کی رقم پانے کی بہر صورت حق دار ہے۔ (۲) مہر کی رقم جب تک نکاح باقی ہے، ہر وقت واجب الادا

---

(۱) وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد، الخ، وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه. (ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۲/۲، ظفير)

(۲) حتى لا يسقط منه شئ بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع: ۳۰۳/۱، ماجدية)

ہے، اس پر کوئی میعاد حاوی نہیں ہے اور طلاق، یا موت ہو جانے پر شاید قانون تین سال کی میعاد ہے؛ مگر یہ بھی شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔(۱) بہر حال اس فیصلے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور عورت اپنا مہر پانے کی مستحق ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۸/۵)

رسالہ: تحقیق التشبیه بأهل السفاح لمن لا یرید أداء المهر فی النکاح:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کی آمدنی قلیل ہے اور عام رواج ہے کہ مہر کثیر ہوتا ہے کہ جس کو وہ شخص ادا نہیں کر سکتا، ایسی صورت میں اس شخص کو نکاح کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

اگر اس شخص کی حالت ایسی ہو کہ اس کے لیے نکاح کرنا فرض، یا واجب، یا سنت مؤکدہ ہو؛ یعنی نفس میں ایسا تقاضا ہو کہ اگر نکاح نہ کرے گا تو بظن غالب، یا علی الیقین کسی معصیت میں مبتلا ہو جاوے اور معصیت عام ہے زنا حرام اور استمنا بالید کو اور یہ صورت فرضیہ و وجوب کی ہے، یا اس درجہ کا تقاضا نہ ہو؛ مگر اعتدال کے ساتھ تقاضہ ہو اور یہ صورت سنت کی ہے اور تینوں حال میں نفقہ واجبہ پر قدرت ہو، اسی طرح مہر معجّل پر قدرت ہو، یا مہر مؤجل ہو گا، فی الحال اس پر قدرت نہ ہو تو ایسے شخص کو نکاح کرنا فرض، یا واجب، یا سنت ہے اور مہر کثیر پر قدرت نہ ہونا جب کہ وہ مؤجل ہو، ترکِ نکاح میں عذر نہیں۔

ودلیل الجمیع ما فی الدر المختار: (وَيَكُونُ وَاجِبًا عِنْدَ التَّوَقَانِ) فَإِنْ تَيَقَّنَ الزِّنَا إِلَّا بِهِ فُرِضَ نِهَايَةٌ وَهَذَا إِنْ مَلَكَ الْمَهْرَ وَالنَّفَقَةَ، وَإِلَّا فَلَا إِثْمَ بِتَرْكِهِ، بَدَائِعُ، (وَ) يَكُونُ (سُنَّةً) مُؤَكَّدَةً فِي الْأَصَحِّ فَيَأْثَمُ بِتَرْكِهِ وَيُثَابُ إِنْ نَوَى تَحْصِينًا وَوَلَدًا (حَالَ الِاعْتِدَالِ) أَيْ الْقُدْرَةِ عَلَى وَطْءٍ وَمَهْرٍ وَنَفَقَةٍ. (۳)

فی رد المحتار تحت (قَوْلُهُ: عِنْدَ التَّوَقَانِ) قُلْت: وَكَذَا فِيمَا يَظْهَرُ لَوْ كَانَ لَا يُمْكِنُهُ مَنْعُ نَفْسِهِ عَنْ النَّظَرِ الْمُحَرَّمِ أَوْ عَنْ الِاسْتِمْنَاءِ بِالْكَفِّ، فَيَجِبُ التَّزَوُّجُ، وَإِنْ لَمْ يَخَفْ الْوُقُوعَ فِي الزِّنَا. (۴)

وفیه تحت (قَوْلُهُ: وَهَذَا إِنْ مَلَكَ الْمَهْرَ وَالنَّفَقَةَ) قُلْت: وَمُقْتَضَاهُ الْكَرَاهَةُ أَيْضًا عِنْدَ عَدَمِ مِلْكِ الْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ لِأَنَّهُمَا حَقُّ عَبْدٍ أَيْضًا، وَإِنْ خَافَ الزِّنَا لَكِنْ يَأْتِي أَنَّهُ يُنْدَبُ الِاسْتِدَانَةُ لَهُ

---

(۱) الحق لا یسقط بتقادم الزمان. (الأشباه والنظائر: ۳۳۷/۲، إدارة القرآن کراتشی)

(۲) والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحیحة وموت أحد الزوجین، سواء کان مسمی أو مهر المثل حتی لا یسقط منه بشئ بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثانی: ۳۰۳/۱، ماجدیة)

(۳) الدر المختار، کتاب النکاح: ۶/۳-۷، دار الفکر بیروت، انیس

(۴) الدر المختار، کتاب النکاح: ۶/۳، دار الفکر بیروت، انیس

...وَهٰذَا مُنَافٍ لِلاشْتِرَاطِ الْمَذْكُورِ إِلَّا أَنْ يُقَالُ الشَّرْطُ مِلْكُ كُلٍّ مِنَ الْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ وَلَوْ بِالِاسْتِدَانَةِ أَوْ يُقَالُ هٰذَا فِي الْعَاجِزِ عَنِ الْكَسْبِ، وَمَنْ لَيْسَ لَهُ جِهَةُ وَفَاءٍ. (۱)

دلالت روایات کی جواب کے اجزا پر ظاہر ہے، صرف دو امر غالباً محتاج تنبیہ ہوں: ایک یہ کہ روایات میں متبادر قدرت علی المہر سے قدرت فی المآل معلوم ہوتی ہے اور جواب میں قدرت کو عام لیا ہے، فی الحال وفی المآل کو، اس کا جواب یہ ہے کہ جب مہر کی دو قسمیں ہیں تو قدرت بھی عام ہوگی، ہر قسم پر اس کے مناسب قدرت ہوگی، پس عموم ثابت ہوگیا، نیز بالاستدانة اور ومن ليس له جهة وفاء سے بھی مہر مؤجل کو شمول معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ غیر کے مدیون بننے سے منکوحہ کا مدیون بالرضا بننا اقرب الی الجواز ہے؛ کیوں کہ اس دین میں خود منکوحہ کے مصالح بھی ہیں، اسی طرح زوجین میں باہم محبت ومروت رضاء ابراء کے لیے مقوی ہے، خصوص نساء ہند میں اور برأتِ ذمہ وفاء اور ابراء میں مشترک ہے اور صورتِ وفاء میں بھی تدریج پھرتاً جیل بالفراق استدانت غیر سے بھی سہل ہے، پھر جواز استدانت میں قدرت علی المہر المؤجل بھی داخل ہوگئی۔ دوسرا امر محتاج تنبیہ یہ ہے کہ عبارت ''مقتضاة الكراهة، الخ'' سے متوہم ہوتا ہے کہ عدم قدرت علی المہر کی صورت میں باوجود خوفِ زنا کے مکروہ ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے، وہ محض ایک توجیہ ہے، جس کا حجت ہونا محتاج دلیل ہے۔ اس کا جواب یہ کہ یہ توجیہ محض بحث نہیں؛ بلکہ روایت استدانۃ اس میں صریح ہے اور صریح مقدم ہوگیا مقتضاء پر، پس ان دونوں امر کی تحقیق کے بعد کوئی جز وروایاتِ مذکورہ کی دلالت سے خارج نہ رہا۔ (ولله الحمد) پس صورتِ مسئولہ میں قیود مذکورہ جواب کے ساتھ نکاح کا تاکد ثابت ہوگیا اور یہی مقصود تھا، اب صرف ایک شبہ کا رفع کرنا باقی رہ گیا، وہ یہ کہ بعض روایات میں ''جو کہ عنقریب مذکور ہوں گی'' نکاح میں ادائے مہر کی نیت نہ ہونے پر وعید آئی ہے اور ظاہر ہے کہ مہر کثیر نا قابلِ تحمل کے ادا کی نیت نہایت مستبعد ہے تو ایسی حالت میں نکاح کرنا ممنوع ہوگا اور اس سے جواب بلا مخدوش ہوجاوے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں یہ الفاظ ہیں:

(۱) ينوي أن لا يعطيها من صداقها شيئاً، الخ.

(۲) وهو ينوي أن لا يؤديه إليها.

(۳) وهو ليس في نفسه أن يؤدي إليها حقها خدعها، الخ.

ان الفاظ میں ادنیٰ تأمل کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی عذر کے سبب عدم نیت ادا پر وعید نہیں ہے؛ بلکہ نیت عدم ادا پر وعید ہے، حیث قال: ينوي أن لا يعطيها وهو ينوي أن لا يؤديه ولم يقل: لا ينوي أن يعطيها ولا ينوي أن يؤديه، اور دونوں عنوانوں کا تفاوت ظاہر ہے اور تیسری روایت میں جو لا ينوي کا مرادف وارد ہے؛ یعنی: ليس في نفسه أن يؤدي، الخ، سو مراد اس سے بھی ينوي أن لا يؤدي ہے، جس کا قرینہ اسی روایت میں خدعها کے ساتھ تفسیر فرمانا ہے؛ کیوں کہ خداع میں نیت عدم ادا ہوتی ہے، جیسا ظاہر ہے، پس سب روایات کا

(۱) الدر المختار، کتاب النکاح: ۶/۳-۷، دار الفکر بیروت، انیس

حاصل مشترک نیت عدم ادا ہے، نہ کہ عدم نیت ادا، البتہ عدم نیت ادا اگر بلا عذر ہو تو احکام میں وہ بھی بجائے نیت عدم ادا کے ہوتی ہے، جیسے پورا وقت نماز کا گزر جائے اور کوئی مکلّف ادا کی نیت نہ کرے تو یہ عدم نیت ادا بجائے نیت عدم ادا کے ہوگی؛ لیکن عذر کی حالت میں اس کا حکم جدا ہوگا؛ اسی لیے میں نے عذر کی قید لگائی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ حالتِ عذر میں محض صورۃً عدم نیت ہوتی ہے، ورنہ واقع میں ادا ہی کی نیت ہوتی ہے، اس طرح سے کہ جب عذر مرتفع ہوجاوے گا، ادا کردوں گا، پس وہ شبہ بھی رفع ہوگیا اور جواب مذکور خدشہ سے سالم رہ گیا۔

اب وہ روایات نقل کرتا ہوں، جن کے کچھ کچھ ٹکڑے جواب شبہ میں نقل کئے گئے ہیں، وہ روایات یہ ہیں:

وَرَوَاهُ الطَّبَرَانِیّ فِی الْکَبِیر عن صحیب الخیر رضی اللّٰہ عنه قَالَ سَمِعت رَسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَیْهِ وَسلم یَقُول أَیّمَا رجل تزوج امْرَأَة یَنْوِی أَن لَا یُعْطِیهَا من صَدَاقهَا شَیْئا مَاتَ یَوْم یَمُوت وَهُوَ زَان.(الحدیث) وفی إسناده عمروبن دینارمتروک.(۱)

وروی البزار وغیره عَن أبی هُرَیْرَة رَضِی اللّٰہ عَنهُ قَالَ قَالَ رَسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَیْهِ وَسلم من تزوج امْرَأَة علی صدَاق وَهُوَ یَنْوِی أَن لَا یُؤَدِّیه إِلَیْهَا فَهُوَ زَان.(الحدیث) وروی الطبرانی فی الصغیروالأوسط ورواته ثقات.(۲)

عَن مَیْمُون الْکرْدِی عَن أَبِیه رَضِی اللّٰہ عَنهُ قَالَ سَمِعت رَسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَیْهِ وَسلم یَقُول أَیّمَا رجل تزوج امْرَأَة علی مَا قل من الْمهْر أَو کثر لَیْسَ فِی نَفسه أَن یُؤَدِّی إِلَیْهَا حَقّهَا خدعها فَمَاتَ وَلم یؤد إِلَیْهَا حَقّهَا لَقِی اللّٰہ یَوْم الْقِیَامَة وَهُوَ زَان. (الحدیث)(۳)(الروایات کلها فی الترغیب والترهیب فی ذکر الترهیب من الدین)

نیز یہ امر قابل غور ہے کہ ان روایات میں جو عدم ادا پر وعید ہے، اس کی علت اضرار ہے صاحبِ حق؛ یعنی منکوحہ کا تو اصل وعید کا مدار اضرار واتلافِ حق ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ صاحبِ حق مطالبہ کرتا ہو اور یہ بلا عذر ٹال مٹول کرے، جس کو حدیث مطل الغنی ظلم (۴) میں ظلم فرمایا ہے اور عذر میں تو آیت ﴿وَإِنْ کَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَی مَیْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَیْرٌ لَکُمْ إِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۵) میں خود امہال کو واجب فرمایا ہے، اس صورت میں ہے کہ صاحبِ حق سے وعدہ تعجیل کا کیا تھا اور نیت میں تاٴجیل تھی، جس کو اوپر ایک روایت میں خداع فرمایا ہے اور جس

(۱) الترغیب والترهیب للمنذری، رقم الحدیث: ۲۷۷۵، انیس

(۲) الترغیب والترهیب، رقم الحدیث: ۲۷۸۰، انیس

(۳) الترغیب والترهیب، رقم الحدیث: ۲۷۸۱، انیس

(۴) عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَطْلُ الغَنِیِّ ظُلْمٌ، فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُکُمْ عَلَی مَلِیٍّ فَلْیَتْبَعْ. صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۲۸۷، انیس)

(۵) سورة البقرة: ۲۸۰، انیس

صورت میں نہ اضرار و اتلاف ہو، نہ خداع ہو؛ بلکہ صاحبِ حق کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ یہ حق مؤجل ہے اور وہ اس پر راضی ہو، یا من علیہ الحق کو توقع قوی ہو کہ صاحبِ حق معاف کردے گا، خواہ وہ بعد میں معاف کرے، یا نہ کرے تو ان دونوں صورتوں میں علت معدوم ہوگی، پس حکم وعید بھی معدوم ہوگا اور ہندوستان میں عام عادت سے تأجیل پر رضا معلوم ہے، یا توقع ابراء مظنون ہے؛ اس لیے اس حالت میں اداء میں توقف محل وعید نہ ہوگا اور اتلافِ حق دین پر وعید کچھ نکاح کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ مطلق دین کے اتلاف پر وعید آئی ہے، چنانچہ احادیث بالا کی ساتھ ہی کتاب الترغیب والترہیب میں وہ وعید بھی مذکور ہے:

عَن أبی هُرَیْرَة رَضِی اللّٰه عَنهُ قَالَ: قَالَ رَسُول اللّٰه صلی اللّٰه عَلَیْهِ وَسلم: من أَخذ أَمْوَال النَّاس یُرِید أدائها أدّی اللّٰه عَنهُ (أی فی الدنیا اوفی الاٰخرة کما ورد کلاهما فی هذاالمقام) وَمن أَخذ أَمْوَال النَّاس یُرِید إتلافها أتْلفه اللّٰه. (۱)

اور بھی اس مقام پر اس قسم کی چند حدیثیں وارد ہیں، جن میں اشتراء کے بعد ثمن نہ دینے والے کو خائن اور دین ادا نہ کرنے والے کو سارق فرمایا ہے، جیسے مہر نہ دینے والے کو زانی فرمایا ہے، شاید نکتہ اس میں یہ ہو کہ مہر بضع کے متعلق ہے جیسا زنا اور ثمن اور دین مال کے متعلق ہے جیسا خیانت وسرقہ، سو اس نکتہ کے سبب وعید کے عنوان میں اختلاف ہے، ورنہ نفس ملعون میں سب برابر ہیں، یعنی اصل مقصود اتلافِ حق واجب پر معصیت کا حکم فرمانا ہے، گو تشبیہ اس معصیت کی ہر مقام پر جدا معصیت سے ہے، **للتناسب بین طرفی التشبیه. واللّٰه اعلم**

ولقیت هذه العجالة بتحقیق التشبیه بأهل المسفاح لمن کان لا یرید أداء المهر فی النکاح

۲۰/رجب ۱۳۵۲ھ (النور، رجب ۱۳۵۳ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/۲۸۵-۲۸۶)

ضرورت نیت در ادائے مہر:

سوال: زکوٰۃ میں تصریح ہے کہ ادائے زکوٰۃ کے وقت اگر نیت نہیں کی ہو تو جب تک مال قبضہ فقیر میں باقی رہے، زکوٰہ کی نیت کر لینا جائز ہے، کسی نے زوجہ کو مہر دیا؛ لیکن دیتے وقت نیت نہ کی تو کیا اسی پر قیاس کر کے قیام مال فی یدہا تک نیت جائز ہے اور نیت لاحقہ سے بھی مہر ادا ہو جائے گا، یا پھر دینا پڑے گا؟

الجواب

جب دینے کے وقت کچھ نیت نہیں کی تو ظاہر ہے کہ یہ تملیک ہبہ ہوئی، ادائے دین نہیں ہوئی اور درمختار کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ ہونے کے بعد مہر نہیں بنتا۔

فی باب المهر: (ولوبعث إلی امرأته شیئاً ولم یذکر جهة عندالدفع غیر) جهة (المهر) کقوله

---

(۱) الترغیب والترهیب، رقم الحدیث: ۱۷۷۱، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۳۸۷، انیس

لشمع أوحناء، ثم قال: إنه من المهر،لم يقبل، قنية، لوقوعه هدية، فلاينقلب مهراً، الخ.(۱)

قلت: علله بوقوعه هدية ووقوعه هدية يكون بالذكر قضاء وبلا ذكره ديانةً فلما لم ينو كونه من المهر وكان كونه مهراً متوقف علىٰ هذه النية ديانة وقع هدية فلاينقلب مهراً.

بخلاف زکوٰۃ کے کہ خود زکوٰۃ بھی تبرع ہے اور ہدیہ بھی تبرع، یہاں کا انقلاب غیر تبرع کی طرف لازم نہیں آتا، اس لیے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور مہر ادا نہ ہوگا۔فقط واللہ اعلم

۱۸ ربیع الاول (امداد: ۲/ ۴۴) (امداد الفتاویٰ: ۲/)

شوہر مہر ادا کئے بغیر انتقال کر گیا تو مہر اس کے ترکہ سے ادا ہوگا:

سوال: میرا حق دین مہر ہمارے شوہر مرحوم کے ذمہ مبلغ ایک ہزار روپیہ سکۂ رائج الوقت مع دو دینار سرخ ہے، اس رقم مذکورہ کو کس طرح حاصل کر سکتی ہوں؟ چوں کہ ہمارے شوہر کے ترکہ میں صرف ایک مکان ہے، جس کی مالیت میرے مہر کی رقم سے کم ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر سچ ہے کہ زید نے صرف ایک مکان چھوڑا ہے، وہ بھی آپ کے دین مہر سے کم مالیت کا ہے اور آپ کا دین مہر اس کے ذمہ واجب الادا ہے تو وہ مکان آپ کے دین مہر میں دے دیا جائے گا اور کسی وارث کو بحیثیت وارث ہونے کے کچھ نہیں مل سکے گا۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس غفرلہ، یکم محرم الحرام ۱۳۵۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/)

پہلی بیوی کے مہر سے بچنے کے لیے ساری جائیداد دوسری بیوی کے مہر کے عوض میں لکھ دی:

سوال: زید نے تین شادیاں کیں، اول بیوی کو طلاق دی؛ مگر زید ایسا نادہند ہے کہ بڑی مشکل سے نالش وغیرہ کرنے کے بعد اس کا مہر ادا کیا۔ اس پہلی بیوی سے جو بچہ ہے، اس کی خوراک کے لیے نمبر ۱۰/ روپے عدالت سے مقرر ہوئے تھے، وہ بھی بڑی مشکل سے نالش کے بعد ادا کرتا ہے۔ دوسری بی بی کو طلاق دے دی؛ مگر اس کا نہ تو مہر ادا کیا اور نہ نان ونفقہ کا خرچ ادا کیا۔ تیسری بی بی کو نکاح سے پہلے اپنی بی بی کہتا ہے اور دوسری بی بی کے مہر کے ادائیگی سے بچنے کے واسطے اس تیسری بی بی کو قبل از نکاح اپنی تیس چالیس ہزار روپے کی جائیداد پندرہ ہزار روپے کے فرضی مہر کے

(۱) الدرالمختار، باب المهر: ۳/ ۱۵۱، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتّبة الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير ثم تقضىٰ ديونه من جميع ما بقى من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقى بعدالدين ثم يقسم الباقى بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة.(السراجى: ٦)

بدلے میں رجسٹری کرا کے دے دیتا ہے، حالاں کہ اس قوم میں لکھ پتی کا مہر بھی پانچ ہزار روپے سے زیادہ نہیں ہوتا، وہ بھی پیشگی نہیں ملتا؛ بلکہ زفاف، یا طلاق پر ملتا ہے۔

(المستفتی: ۱۹۱۷، شیخ نور الحسن (کلکتہ) ۲۷ر شوال ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۳ر جنوری ۱۹۳۶ء)

الجواب

اگر تیسری عورت سے ابھی تک نکاح نہیں ہوا اور قبل از نکاح اس نے اپنی جائیداد اس کے مہر کے نام سے دے دی تو اس جائیداد سے دوسری بیوی کا مہر اور دیگر قرضے جو اس کے ذمہ ہوں وصول کئے جا سکتے ہیں؛(۱) یعنی نکاح سے قبل دے دینے اور مہر کا نام لگا دینے سے وہ جائداد بیوی کی ملک میں نہیں گئی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۰/۵)

شوہر کا مہر دینے سے انکار کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ محمد زید نے رقیہ کو چار آدمی کی موجودگی میں تین طلاقیں دے دیں۔ اب محمد زید رقیہ کو مہر دینے کو منع کر رہا ہے، لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ میں شریعت کیا کہتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم س کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرما دیں۔

(المستفتی: محمد سراج الدین، رحمت نگر، گلی نمبر: ۱، مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب وباللّٰہ التوفیق

مہر کے ذمہ میں واجب ہو جانے کے بعد اس کو ادا کرنا لازم ہوتا ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں جب شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی اور مہر اس کے ذمہ لازم ہو چکا تھا تو اس مہر کو ادا کرنا ضروری ہوگا، شوہر کا مہر ادا کرنے سے منع کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، مہر کا ادا کرنا اس پر بہر حال واجب ہے۔

والمهر يتأكد بإحدى معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين... حتى لا يسقط منه شيءٌ بعد ذلك. (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر، زكريا قديم: ۳۰۳/۱، زكريا جديد: ۳۷۰/۱)

فحاصله أن المهر يجب بالعقد و يتأكد بإحدى معان ثلاث: الدخول، والخلوة الصحيحة. (البحر الرائق، كوئٹه: ۱۴۳/۳، زكريا: ۲۵۱/۳-۲۵۲)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (إلى قوله) ألا لا تظلموا،

(۱) في الدر: ويتأكد عند وطء أو خلوة صحت.

وفي الرد: أفاد أن المهر واجب بنفس العقد. (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

ألا لاتظلموا، ألا لاتظلموا، أنه لا يحل مال امرءٍ إلا بطيب نفس منه. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۷۳/۵، رقم: ۲۰۹۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۰؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۰۵۸۲/۳۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۰/۱/۱۴۳۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۱۸/۱۷-۷۱۹)

مہر قسطوار اور نفقہ:

سوال: زید نے زاہدہ بی بی کو نو ماہ کے حمل کی مدت میں اس کی بداخلاقی کی بنا پر مجبور ہو کر طلاق دے دی، اس کا مہر دینے کے لیے تیار نہیں؛ لیکن زاہدہ کے میکے والے بہت زیادہ زور ڈال کر مہر یک مشت لینا چاہتے ہیں؛ لیکن زید اپنی غربت سے مجبور ہے۔ زید کی خانگی زندگی زاہدہ کی بداخلاقی اور کمینگی کی بنا پر جہنم کا نمونہ بن گی تھی۔ زید صرف ۱۲۰؍روپئے پر ایک جگہ ملازمت کرتا ہے، ایسی صورت میں اسے والد اور ایک غیر شادی شدہ بہن کا بھی خرچہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے، جس سے ایک مشت مہر دینے سے مجبور ہے، اس کی کوئی صورت بتائیں۔ نیز زید کا ایک لڑکا ڈیڑھ سال کا ہے، زاہدہ کے گھر والے وہ لڑکا بھی نہیں دے رہے ہیں۔

طلاق کے بعد زایدہ کو ایک لڑکی تولد ہوئی، اب وہ خوراکی دینے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ زید چاہتا ہے کہ لڑکا اس کے پاس رہے اور لڑکی کی خوراکی دینے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ زید چاہتا ہے کہ لڑکا اس کے پاس رہے اور لڑکی کی خوراکی دیتا رہے؛ تا کہ اس پر بار کم ہو جائے؛ مگر وہ لوگ تیار نہیں ہیں۔ از روئے شرع اس کا کیا حل ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

شادی سے پہلے لڑکی کے اخلاق اور دینداری کی تحقیق کی ضرورت تھی، اس سے غفلت اختیار کی گئی، جس کا خمیازہ بھگتنا پڑا، پھر طلاق دینے سے پہلے سوچنے کی ضرورت تھی کہ مہر کیسے ادا کیا جائے گا، نفقہ عدت کہاں سے دیا جائے گا، بچے کے خرچ کا انتظام کیا ہوگا، والدہ اور بہن کی ضرورت کس طرح پوری ہوگی، خود کیا کھائیں گے، بغیر انجام پر نظر کئے ہوئے قدم اٹھانے پر پشیمانی ہوتی ہے اور پریشانی بھی، بیوی کا مہر بہر حال واجب ہے۔(۱) اس کو مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے، اس قسطوار وصول کرنے پر راضی کیجئے، سنجیدہ بااثر آدمیوں کو درمیان میں ڈال کر ان کے ذریعہ معاملہ طے کرائیں۔ اگر تین طلاق نہ دی ہو؛ بلکہ کم دی ہو تو دوبارہ نکاح کی اجازت ہے، بشرطیکہ دونوں کی رضامندی ہوں۔ (۲)

---

(۱) ويتأكد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج، أو موت أحدهما. (الدر المختار)

(قوله: ويأكد): أى الواجب من العشرة أو الأكثر، وأفاد أن المهر يجب بنفس العقد، الخ. (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

(۲) إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث، فله أن يتزوجها فى العدة وبعد انقضائها". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق، الباب السادس فى الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴۷۲/۱، ۲۷۳، رشيدية)

اولاد کا نفقہ آپ کے ذمہ لازم ہے، اگر چہ وہ اپنی والدہ کے پاس رہے۔(۱) بچہ جب تک اس قابل نہ ہو جائے کہ اپنی ضروریات: کھانا، پینا، پہننا، استنجاء وغیرہ خود کرنے لگے، زبردستی اس کو لینے کا آپ کو حق نہیں؛ بلکہ حق پرورش اس کی والدہ ہی کو ہے، بچی کی پرورش کا بھی والدہ کو حق ہے، جب تک بچی میں بلوغ کے آثار ظاہر نہ ہوں، اس کے بعد آپ لے سکتے ہیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۱۳۹۰ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۸۹-۹۱)

مہر کا ادا کرنا یک مشت ضروری ہے، یا قسط وار بھی درست ہے:

سوال: شوہر کو روزانہ بارہ (۱۲) آنہ کی آمد ہے، اس میں مہر میں ماہانہ دس روپیہ دیتا ہوں اور اس کے سوا کوئی ملک وغیرہ نہیں، آیا وہ ماہانہ دس روپیہ قبول کر سکتی ہے؟

الجواب

بحالت قیام نکاح تو اقساط کے ساتھ مہر ادا کر سکتا ہے اور بعد طلاق وخلع کے عورت یک مشت کل مہر وصول کرنے کی مستحق ہے اور اس وقت اقساط کا مقرر کرنا شوہر کے اختیار میں نہیں؛ بلکہ حاکم کی رائے پر ہے۔(امداد الاحکام: ۳/۳۶۲-۳۶۳)

کیا مہر باقساط ادا کرنا اور نان ونفقہ ساقط کرنا جائز ہے:

سوال: مبلغ دو ہزار روپیہ تعداد مہر اگر اس شرط پر مقرر کی جاوے کہ اخراجات خورد ونوش جو پوشاک ماہوار بھر پانچ روپیہ ادا ہوتے جاویں گے، گویا کہ ہر سال میں ساٹھ روپیہ ادا ہوتے رہیں گے تو یہ تعیین مہر جائز ہے، یا کس طرح سے جائز ہو سکتا ہے؟

الجواب

عبارت سوال کی واضح نہیں، تأمل سے یہ معلوم ہوا ہے کہ سوال کے دو جز مقصور ہیں: اول یہ کہ مہر کا ادا کرنا باقساطِ متعددہ بحساب ص۵/ ماہوار قرار پایا ہے۔ دوسرے یہ کہ علاوہ مہر کے جو نان ونفقہ واجب ہوتا ہے، اس کو ساقط کر دیا

---

(۱) قوله: ولطفله الفقير: أى تجب النفقة والسكنى والكسوة لولده الصغير، قيد بالطفل وهو الصبى حين يسقط من البطن إلىٰ ان يحتلم ... ولذا عبربه؛ لأن البالغ لاتجب نفقته على أبيه.(البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ٣٤١/٤، رشيدية)

درج بالا عبارتوں سے معلم ہوتا ہے کہ طفل صغیر کا نان ونفقہ باپ پر لازم ہے۔

(۲) والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغنى، وقدر بسبع سنين، وقال القدورى: حتى يأكل وحده، ويشرب وحده، ويستنجى وحده، وقدره أبوبكر الرازى يتسع سنين، والفتوىٰ على الأول، والأم والجدة احق، الخ".(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق، الباب السادس عشر فى الحضانة: ٥٤٢/١، رشيدية)

ہے۔سو اگر یہ ہی مقصود ہے تو جزاول کا جواب یہ ہے کہ شرط جائز ہے؛ کیوں کہ حاصل اس کا مہر کا مؤجل ہوتا ہے اور اجل کی یہ صورت ٹھہری ہے،سواس میں کوئی امر مانع جواز نہیں۔دوسرے جزو کا جواب یہ ہے کہ اس سے نفقہ جو کہ واجب مستقل ہے،ساقط نہیں ہوتا؛ کیوں کہ وجوب اس کا شیئاً فشیئاً ہے،سو جو جزوابھی واجب نہیں ہوا،اس کا اسقاط لغو ہے،البتہ جوایام گزر چکے ہیں،ان میں معاف کر دینے سے گزشتہ معاف ہوگیا اور آئندہ کے لیے جب عورت مطالبہ کرے گی،دینا واجب ہوگا اور اگر منشاءِ سوال کا یہ شبہ ہے کہ اسقاط نفقہ ایک شرط فاسد ہے اور تعیین مہر کی بمقدار مذکور مشروط ہے،اس شرط فاسد کے ساتھ تو شاید یہ تعیین بھی فاسد ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ تعیین مہر مبادلہ مال بمال نہیں اور ایسے عقود شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے؛ بلکہ خود شرط ہی فاسد ہو جاتی ہے اور وہ عقود صحیح رہتے ہیں۔(۱)

۱۲/رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ،ص:۹۰۷) (امداد الفتاویٰ جدید:۳۰۶/۲)

حق مہر قسط وار ادا کرنا جائز ہے:

سوال: اگر مہر کی مقدار زیادہ ہو کہ خاوند کے لیے یکمشت ادا کرنا مشکل ہو تو کیا اس کے لیے قسط وار ادا کرنا جائز ہے،یا نہیں؟

الجواب

اگر عقد نکاح کے وقت تمام مہر،یا بعض کا مؤجل،یا معجّل (یکمشت،یا قسط وار) دینے کا فیصلہ ہوا ہو تو اس کے موافق عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال الحصکفی: إن لم یؤجل اَوْ یعجل کله فکما شرط لأن الصریح یفوق الدلالة. (الدر المختار علی صدر ردّالمحتار:۱٤٤/۳، مطلب زمان الولی)(۲)(فتاویٰ حقانیہ:۳۷۱/۴)

مہر فاطمی قسطوار ادا کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) کما فی الدر المختار،قبیل باب الصرف((وَمَا) یَصِحُّ وَ (لَا یَبْطُلُ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ) لِعَدَمِ الْمُعَاوَضَةِ الْمَالِیَّةِ سَبْعَةٌ وَعِشْرُونَ مَا عَدَّهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِلْعَیْنِیِّ وَزِدْتُ ثَمَانِیَةً (الْقَرْضَ وَالْهِبَةَ وَالصَّدَقَةَ وَالنِّكَاحَ وَالطَّلَاقَ وَالْخُلْعَ وَالْعِتْقَ وَالرَّهْنَ وَالْإِیصَاءَ) كَ جَعَلْتُكَ وَصِیًّا عَلَى أَنْ تَتَزَوَّجَ بِنْتِی (وَالْوَصِیَّةُ وَالشَّرِكَةُ وَ) كَذَا (الْمُضَارَبَةُ وَالْقَضَاءُ وَالْإِمَارَةُ)،الخ.(الدر المختار:۲٤۹/۵-۲۵۰،دار الفکر بیروت،انیس)

(۲) قال فی الهندیة:وإن بینوا قدر المعجل یعجل ذلک وإن لم یبینوا شیئا ینظر إلی المرأة وإلی المهر المذکور فی العقد أنه کم یکون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فیجعل ذلک معجلا ولا یقدر بالربع ولا بالخمس وإنما ینظر إلی المتعارف، وإن شرطوا فی العقد تعجیل کل المهر یجعل الکل معجلا ویترک العرف.(الفتاویٰ الهندیة:۳۱۸/۱، الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها)ومثلهٗ فی البحر الرائق:۱۷۸/۳، باب المهر)

(۱) زاہد کی شادی خالدہ سے ہوئی اور نکاح میں مہر فاطمی مقرر ہوا اور کچھ نہیں، اب زاہد اپنی زوجہ کو مہر کی رقم ادا کرنا چاہتا ہے؛ لیکن بیک وقت نہیں تھوڑا تھوڑا، اب زاہد کس طرح ادا کرے گا؟

(۲) مہر فاطمی کی رقم کتنی ہوگی؟

(۳) اگر کچھ رقم امسال ادا کرے، پھر آئندہ سال ادا کرنا چاہتا ہے؛ یعنی قسطوار؛ لیکن گذشتہ سال چاندی کی قیمت کم تھی اور آئندہ سال بڑھ گئی تو چاندی کی قیمت بدلنے سے مہر کی قیمت بڑھتی رہے گی؟ مثال کے طور پر مہر فاطمی تھا پانچ ہزار روپئے اور زاہد نے ایک ہزار روپیہ ادا کر دیا اور آئندہ سال چاندی کی قیمت بڑھنے کی وجہ سے پانچ ہزار ہوگئی تو کیا زاہد کو اب چار ہزار روپئے ادا کرنا ہوگا، یا پانچ ہزار روپئے؟

(المستفتی: محمد مختار عالم، سکٹو نگلہ، مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) اگر زاہد کے پاس بیک وقت مہر فاطمی ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے تو قسطوار ادا کرنا جائز اور درست ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۸۰)

(۲) مہر فاطمی کی مقدار قدیم تولہ کے حساب سے ۱۳۱ر تولہ تین ماشہ چاندی ہے اور موجودہ گراموں کے حساب سے دس گرام کے تولہ سے ۱۵۳۰ر تولہ ۹۰۰ر ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت صراف سے معلوم کر لی جائے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۳۰)

(۳) ہر سال قیمت میں فرق آجاتا ہے تو ہر سال جتنی چاندی کی قیمت ادا ہوتی رہے گی، اس کی قیمت ادائیگی کے سال کے اعتبار سے ہوگی۔

فیعتبر قیمتها یوم الأداء. (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل واماصفة الواجب فی أموال التجارة، إمدادیه ملتان: ۲/۲۲، جدید زکریا: ۲/۱۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۲ر ربیع الاولیٰ ۱۴۱۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۳۰۸۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۳/۳/۱۴۱۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۵۲۷-۷۶۳) ☆

☆ **حسب حیثیت تھوڑا تھوڑا مہر ادا کرنا:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید اپنی بیوی کو اس کی عادت و اخلاق کے غلط ہونے کی وجہ سے طلاق دیتا ہے، اب اس کے رشتہ دار زید سے مہر فی الفور اکھٹا ایک ساتھ مانگتے ہیں، زید کا مہر مہر فاطمی ہے، زید فی الفور اتنے مہر کی وسعت نہیں رکھتا ہے، زید اپنی بیوی کے رشتہ دار سے کہتا ہے حسب حیثیت میں تھوڑا تھوڑا کر کے اس کا دین مہر ادا کروں گا؛ لیکن رشتہ دار اس بات پر راضی نہیں ہوتے ہیں تو بتائیں کہ شریعت میں کیا زید کے لیے حسب حیثیت تھوڑا تھوڑا مہر ادا کرنے کی کوئی گنجائش ہے یا کسی طرح دین مہر اکھٹا ہی جس طرح بھی ہو ادا کرنا ہوگا؟

(المستفتی: فیاض، مقام: ڈھمرا، پوسٹ: چریا، بھاگل پور (بہار)) ==

== باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر زید کے اندر پورا مہر ایک دفعہ ادا کرنے کی وسعت نہیں ہے تو لڑکی اور لڑکی والوں پر لازم ہے کہ حسب حیثیت زید پر قسط مقرر کردیں، یا زید کے اندر اکھٹا ادا کرنے کی وسعت پیدا ہونے تک زید کو مہلت دے دیں، وسعت نہ ہونے کی صورت میں اکھٹا ادا کرنا زید پر شرعاً واجب نہیں ہے۔

قوله تعالىٰ ﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورة البقرة: ۲۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۹؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۳۹۷) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳؍۵۳۷-۵۴۷)

مہر کو قسطوں میں ادا کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص نکاح کے وقت مہر ادا نہ کرسکا، کسی مجبوری کی بنا پر اور ابھی تک اس کے حالات ایسے ہیں کہ وہ ایک ساتھ سارا مہر ادا نہیں کرسکتا۔ اس کا یہ پوچھنا ہے کہ اگر تھوڑا تھوڑا دے کر مہر ادا کردیں تو مہر ادا ہوجائے گا، یا نہیں اور اگر وہ مہر ادا نہ کرسکا تو مہر معاف ہوجائے گا، یا نہیں؟ اسی طرح بعض لوگ مہر معاف کرا لیتے ہیں، اس سے مہر معاف ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) معجّل: جسے فی الفور جب بھی بیوی مانگے، ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔

(۲) موٴجل: جسے ادا کرنے کی مدت معین ہو، یا اگر مدت معین نہ ہو تو فی الفور ادا کرنا لازم نہیں ہوتا؛ بلکہ طلاق، یا موت کے وقت ادا کرنا ہوتا ہے، البتہ اگر کہیں کچھ رقم معجلاً ادا کرنے کا بھی عرف ہو تو ایسے مہر موٴجل جس میں ادائیگی کی مدت معین نہ ہو اس میں اتنی رقم فی الفور دی جائے گی، لہٰذا اگر آپ نے مہر موٴجل رکھا ہے، تب تو تھوڑا، تھوڑا ادا کرنے سے مہر ادا ہوجانے میں کوئی شک ہی نہیں اور اگر آپ نے مہر معجّل رکھا ہے تو بیوی کی رضامندی سے اس طرح وقفہ وقفہ سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ مہر ادا کرنا بہر حال ضروری ہے، اگر آخری عمر تک بیوی کو مہر ادا نہ کیا تو یہ مہر اس کے ذمے بیوی کا قرض رہ جائے گا؛ اسی لیے شریعت اتنا مہر طے کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جو بآسانی ادا کیا جاسکے اور مہروں کا زیادہ ہونا ممدوح نہیں، نیز اگر بیوی سے زندگی میں مہر معاف کروالیا تو وہ اس شرط کے ساتھ کہ بیوی پوری رضامندی کے ساتھ معاف کردے تو مہر معاف ہوجائے گا؛ لیکن بیوی پر کسی قسم کا ظاہری، یا ذہنی دباوٴ نہ ہونا چاہیے، ورنہ مہر معاف نہ ہوگا، مروّجہ طریقہ کہ باوجود قدرت اور وسعت کے ہوتے ہوئے بھی بیوی سے مہر معاف کروالیا جاتا ہے اور وہ چاروناچار شرم وحیا کی وجہ سے معاف کردیتی ہے، اس سے قطعاً مہر معاف نہیں ہوتا؛ بلکہ بدستور شوہر کے ذمہ باقی رہتا ہے۔

لما في الكلام المجيد (النساء: ٤): ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا﴾

وفي الهندية (٣١٩/١): لاخلاف لاحد ان تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشائخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق او الموت الايرى ان تاجيل البعض يصح وإن لم ينصا على غاية معلومة، كذا في المحيط. ==

قسط وار مہر کے ساتھ زوج کی ہر چیز کا بیوی کی مالک ہونے کی شرط:

سوال: ہندہ کا نکاح مہر مقرر کے ساتھ ہوا، اس کے ساتھ یہ شرط لگائی کہ کسی بھی شکل میں ہو، زید کی ہر چیز کی مالک ہندہ ہوگی، زید نے اس شرط پر دستخط کردیئے اور نکاح ہوگیا، گواہوں کے بھی اس پر دستخط ہیں۔ ہندہ کا مہر مبلغ ۵۰۰/روپے ہے، ڈھائی سو روپے ہے، ڈھائی سو روپے عند الطلب اور ڈھائی سو روپے قسط کی شکل میں۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مہر کیسے ادا کیا جائے اور ہندہ اپنے مہر کا مطالبہ کرتی ہے۔ اب اس کی تشریح کی جائے کہ آیا مہر ادا کیا جائے تو کس شکل پر ادا کیا جائے، جب کہ زید کی ہر چیز کی مالک خود ہندہ ہے؟ اور اگر مہر دینے سے گریز کیا جائے تو اس کے جواز کی کیا شکل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہ شرط کی ''زید کی ہر چیز کی مالک ہندہ ہے''، اس سے وہ زید کی عمر بھر کی ملک میں آنے والی اشیا کی مالک نہیں ہوگی، مہر کی ادائیگی بہر حال ضروری ہے کہ یہ ہندہ کا حق واجب ہے، (۱) دونوں مشورہ کر کے قسطیں مقرر کرلیں کہ اتنے روپے ہر قسط پر دے دیئے جائیں، یکمشت ادا کرنے کے لیے موجود ہوں تو یکمشت ادا کر دیئے جائیں، ہر طرح درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۹/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بند نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۹/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۹۱-۹۲)

نکاح کے وقت مہر کی تعیین صراحۃً کی جائے:

سوال: میرا نکاح کراچی میں سات سال قبل مسماۃ رخسانہ سے اسلامی قوانین کے مطابق انجام پایا اور رخصتی بھی

== وفی الدر المختار (كتاب الاكراه: ٦/١٤١): (خوفها الزوج بالضرب حتى وهبته مهرها لم تصح) الهبة(إن قدرالزوج على الضرب)وإن هددهابطلاق أو تزوج عليها أو تسر فليس بإكراه، خانية وفى مجمع الفتاوى منع امرأته المريضة عن المسير إلى أبويها إلا أن تهبه مهرها فوهبته بعض المهر فالهبة باطلة لانها كالمكره قلت ويوخذ منه جواب حادثة الفتوى وهي زوج بنته البكر من رجل فلما أرادت الزفاف منعها الاب إلا أن يشهد عليها أنها استوفت منه ميراث أمها فاقرت ثم أذن لها بالزفاف فلا يصح إقرارها لكونها فى معنى المكرهة وبه أفتى أبوالسعود مفتى الروم قاله المصنف فى شرح منظومته تحفة الاقران فى بحث الهبة. (نجم الفتاویٰ: ۵/۱۹۷-۱۹۸)

(۱) قال الله تعالىٰ ﴿قد علمنا ما فرضنا عليهم فى أزواجهم وما ملكت ايمٰنهم لكيلا يكون عليك حرج وكان الله غفورا رحيما﴾(سورة الأحزاب: ٥٠)فإنما قام مقامه للتراضي به،ثم عرف المهر فى العناية بأنه إسم للمال الذى يجب فى عقد النكاح على الزوج فى مقابلة البضع إما بالتسمية أو بالعقد.(ردالمحتار، كتاب النكاح،باب المهر: ٣/١٠٠،سعيد)ويصح النكاح ...ثم المهر واجب شرعاً إبانة لشرف المحل فلا يحتاج إلى ذكره لصحة النكاح.(الهداية، كتاب النكاح،باب المهر: ٢/٣٢٣،مكتبة شركة علمية ملتان)

ہوئی تھی۔ میرے نکاح کا مہر شریعت کے مطابق پاکستانی سکہ رائج الوقت میں مہر شرعی دینا قرار پایا تھا۔ کچھ عرصے بعد میرے اور رخسانہ کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہونا شروع ہوگئیں، لہٰذا مجبوراً میں دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں۔ برائے مہربانی مفتی صاحب سکہ رائج الوقت کے مطابق جو شرعی حق مہر بنتا ہو، وہ تصدیق کر کے لکھ دیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شریعت مطہرہ میں نکاح کے لیے مہر مقرر کرنا ضروری ہے، صرف یوں کہنا کہ ’’شریعت کے مطابق پاکستانی سکہ رائج الوقت میں مہر شرعی دوں گا‘‘ یہ کافی نہیں۔ اب اگر نکاح کے وقت الگ سے پاکستانی سکہ رائج الوقت کے مطابق روپوں کو متعین نہیں کیا گیا تو نکاح کے بعد حقِ زوجیت اداء کرنے یا خلوتِ صحیحہ (ایسی تنہائی جس میں ہمبستری سے کوئی مانع نہ ہو) کے پائے جانے کی صورت میں لڑکی کو مہر مثل ملتا ہے مہر مثل ایک حَکَم اور ثالث ہے جب مہر مقرر نہ کیا جائے تو پھر ضرورتاً مہر مثل لازم آتا ہے اور اس میں لڑکی کے ددھیال کی عورتوں (بہنوں، پھوپھیوں وغیرہ) کا اعتبار ہوتا ہے (اور اگر مہر الگ سے متعین کیا ہو، یا (بعض علاقوں میں مہر شرعی سے مہر فاطمی، یا اقل مہر یعنی دس درہم مراد ہوتے ہیں اور) آپ کے عرف میں (بھی) مہر فاطمی، یا دس دراہم میں سے کوئی مراد ہوتی ہو تو ان کی قیمت مہر میں ادا کرنا لازم ہوگی۔ محقق قول کے مطابق مہر فاطمی کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہے اور دس درہم کی مقدار 2.625 تولہ چاندی ہے۔ اگر مہر کو مہر فاطمی، یا اقل مہر کی مقدار کی صورت میں ادا کیا جائے تو اس دن کے چاندی کے ریٹ معلوم کر کے مہر ادا کر دیا جائے۔

الغرض بہتر اور آسان صورت یہ ہے کہ بوقتِ نکاح مہر کی مقدار روپوں میں بھی متعین کر دی جائے، اس طرح مبہم مہر رکھ دینا بعد میں مشکلات پیدا کرتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں ’’شرعی حق مہر‘‘ سے مراد اگر مہر فاطمی (ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی) یا دس دراہم (2.625 ر تولہ چاندی) مراد ہو تو ان کی قیمت، یا اگر بوقت عقد الگ سے مہر متعین کیا ہو تو پھر فقط اسی کو ادا کرنا ہوگا اور اگر بوقت عقد نہ مہر متعین ہوا ور نہ ہی شرعی حق مہر سے مہر فاطمی، یا اقل مہر مراد لیا جاتا ہو تو پھر مہر مثل لڑکی کو ملے گا۔

لمافی القرآن الكريم: (النساء: ٤٢): فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَآتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً.

وفی القدوری (ص: ٢١٥): وان تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوجها على أن لا مهرلها فلها مهر مثلها إن دخل بها أومات عنها.

وفی الشامية (١٠٨/٣): قوله (فيما إذا لم يسم مهرا) أی لم يسمه تسمية صحيحة أو سكت عنه نهر فدخل فيه ما لو سمى غير مال كخمر ونحوه أومجهول الجنس كدابة وثوب. (نجم الفتاویٰ: ۱۵۸/۵-۱۵۹)

نکاح کے بعد زوجین کا آپس میں مہر متعین کرنا:

سوال: زوجین کے درمیان عقدِ نکاح میں مہر مقرر نہیں ہوا اور نہ کسی نے عقد نکاح میں اس کا ذکر کیا اور نکاح کے بعد

بیوی مطالبہ کرتی ہے کہ مجھے صرف پچیس ہزار روپے دے دو تو کیا اس طرح مہر مقرر کرنا نکاح کے بعد درست ہے؟ اور اگر مذکورہ رقم مہر مثل سے زیادہ ہو تو پھر کیا حکم ہے؟ برائے کرم قرآن وسنت کی رو سے جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

اگر بوقت عقدِ نکاح مہر مقرر نہ ہوا ہو تو شرعاً مہر مثل کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور عقد نکاح کے بعد اگر زوجین اتفاق رائے سے کوئی مقدار مقرر کرنا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہے، البتہ اگر مقدار کی تعیین میں زوجین کا اختلاف ہو جائے تو مہرِ مثل کو معیار وفیصل بنایا جائے گا، لہٰذا صورت مسئولہ میں جب بوقت عقد مہر مقرر نہیں ہوا تو اب اگر بیوی پچیس ہزار کا مطالبہ کرتی ہے تو یہ رقم اگر مہر مثل کے برابر، یا اس سے کم ہے تو شوہر کے ذمہ ادا کرنا لازم ہے اور اگر مہر مثل سے زائد ہے تو شوہر کی رضامندی پر موقوف ہوگا، خوشی سے دے دے تو ٹھیک ہے، ورنہ فقط مہر مثل ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ٤): ﴿وَآتُوا النِّسَائَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾

وفی البحر الرائق (٢٦٠/٣، باب المهر): (قوله: وما فرض بعد العقد أو زيد لا يتنصف) أی بالطلاق قبل الدخول أما ما فرض بعد العقد فلان هذا الفرض تعيين للواجب بالعقد وهو مهر المثل بدليل أنه لا شفعة للشفيع لو فرض لها دارا بعد العقد بخلاف ما لو دفع لها الدار بدلا عن المسمی فی العقد فإن له الشفعة لأنه بيع بدليل أنها لو طلقت قبل الدخول ترد نصف المسمی لا نصف الدار وذلک لا يتنصف فکذا ما نزل منزلته.

وفی الشامية (١٠٨/٣): (قوله: إذا لم يتراضيا) أی بعد العقد قوله (وإلا) بأن تراضيا علی شیء فهو الواجب بالوطء أو الموت.

وفيه أيضاً (١٣٧/٣، مطلب فی بيان مهر المثل): قلت وتظهر الثمرة فيما لو ساوتها أختها وبنت عمها مثلا فی الصفات المذکورة واختلف مهراهما فعلی ما فی الخلاصة تعتبر الأخت. (نجم الفتاویٰ: ١٦٨/٥-١٦٩)

کیا لڑکی اپنا مہر خود مقرر کرے:

سوال: نکاح کے وقت لڑکی اپنا مہر خود مقرر کر کے بتلائے، کیا اس بارے میں قرآن، یا حدیث شریف میں کوئی دلیل ہے؟ اگر اس بارے میں کوئی حدیث ہو تو ضرور لکھیں۔ یہاں پر اہل حدیث کہتے ہیں کہ لڑکی اپنا مہر خود مقرر کرے گی۔ میری نظر سے ایسی کوئی حدیث نہیں گزری، اگر یہ خالص فقہ کا مسئلہ ہے تو جواب سے مطلع فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

مہر کی کم از کم مقدار شریعت نے مقرر کر دی ہے:

"لا مهر أقل من عشرة دراهم".

یہ روایت دار قطنی (۱) اور بیہقی (۲) میں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (شارح بخاری) نے اس کو ”حسن“ لکھا ہے؛ (۳) مگر زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ ہاں اتنا زیادہ مقرر کرنے سے منع کیا گیا ہے، جس کی ادائیگی قابو سے باہر ہو، (۴) پھر جو مقدار مہر کی کسی خاندان میں مہر مثل ہو کر رائج ہو، اس کے متعلق تو لڑکی سے خصوصیت سے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، وہ اس کو معلوم ہی ہے، اگر وہ اس پر رضامند نہ ہو تو انکار کرسکتی ہے؛ لیکن اگر ولی اس مہر مثل سے کم مقرر کرنا چاہے تو لڑکی سے استصواب واستیذان لازم ہے؛ کیوں کہ اس میں اس کی حق تلفی ہے، (۵) اگر لڑکی نابالغہ ہو اور اس کا مہر مہر مثل سے کم کردیا جائے تو بلوغ پر اس تکمیل مہر کے مطالبہ کا حق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۴/۵/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۳۶-۳۷)

قاضی اور گواہوں کے سامنے طے شدہ مہر ہی اصلاً شوہر کے ذمہ لازم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ لڑکا اور لڑکی کے وارثین نے مہر کی رقم طے کی اور ناکح نے لڑکی سے اجازت لیتے وقت مہر ذکر نہیں کیا اور لڑکے کے پاس مہر کے ساتھ جو دونوں کے والدین نے مقرر کیا تھا ذکر کیا، جس پر لڑکی کی طرف سے نکاح کے رجسٹر پر دستخط بھی ہیں تو ایسی صورت میں کون سا مہر ہوگا؟ یعنی وہ مہر ہوگا جو دونوں کے والدین نے طے کیا ہے، اور مجلسِ نکاح میں ذکر کیا گیا ہے اور لڑکی نے دستخط بھی کئے ہیں، یا دوسرا کوئی مہر ہوگا؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

قاضی اور گواہوں کے سامنے نکاح کے وقت جو مہر طے کیا گیا ہے، اَصلاً شوہر کے ذمہ وہی لازم ہے، اُس کے علاوہ کا اعتبار نہیں۔

---

(۱) سنن الدار قطنی، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۴۷/۳، دارالنشر للكتب الإسلامية

(۲) السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصداق، باب مايجوز أن يكون مهراً: ۲۴۱/۷، نشر السنة ملتان

(۳) سمعت جابرا رضى الله تعالى عنه يقول: قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "ولا مهر أقل من عشرة"، من الحديث الطويل، قال الحافظ: إنه بهذا الإسناد حسن ولا أقل منه". (فتح القدير، كتاب النكاح، باب الكفاءة: ۲۹۲/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) عن أبي العجفاء السلمي، قال عمر بن الخطاب: "ألا! لاتغالوا بصدق النساء، فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا وتقوى عند الله كان أولكم بها النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ما أصدق رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم امرأة من نسائه ولا أصدقت امرأة من بناته أكثر من اثنتى عشرة أوقية". صحيح. (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب الصداق: ۲۹۴/۱، إمدادية ملتان)

(۵) وصح حطها لكله أو بعضه عنه قبل أو لا، ويرتد بالرد، كما في البحر". (الدرالمختار) "(قوله: وصح حطها) الحط: الاسقاط، كما في المغرب. وقيد يحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح لوصغيرة، ولو كبيرة توقف على أجازتها، ولا بد من رضاها". (ردالمحتار: ۱۱۳/۳، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه، سعيد)

والمتبادر التسمية وقت العقد فخرج ما فرض أو زيد بعد العقد إلا ما فرض أو زيد بتراضيها. (شامی: ٤/ ٢٣٥-٢٤٦، زكريا)

فإن سمى في العقد ما لا كان المملوك بالعقد مضمونا بالمسمّٰى. (الفتاویٰ التاتارخانية ۴/ ۱۵۹ رقم: ۵۸۳۴، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۷/۴/۱۴۲۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/۴۱۴)

جو مہر مقرر ہو جائے، وہ شوہر کے ذمہ ضروری ہے:

سوال: زوجین کے مورث اعلیٰ کا زرمہر سوا لاکھ سوا اشرفی تھا، جو بعد انتقال مورث اعلیٰ اب تک اس خاندان میں زرمہر مذکورہ بلا لحاظ آمدنی واستطاعت زوج تبرکاً اور رسماً مقرر کیا جاتا ہے، کوئی نیت لینے دینے کی کسی فریق کی نہیں ہوتی اور نہ ادائیگی، اس کی بوجہ غربت ممکن ہے، چنانچہ زید و ہندہ جو اس خاندان کے ممبر تھے، اس وقت بوقت عقد صرف ۶۲/ روپیہ ماہوار کے سوا کوئی جائیداد بیش بہا نہیں رکھتے تھے، باتباع طریقہ آباء کے ورواج خاندانی سوا لاکھ روپیہ اور سوا سوا اشرفی مہر باندھ لیے، کوئی نیت لینے دینے کی نہ تھی اور نہ موقع محل سے اس کا استنباط ہو سکتا تھا۔ اب ہندہ کا فرزند عمر بعلت جرم فوج داری ملزم ثابت قرار پایا اور اس کی تنخواہ بپاداش جرم مذکور گورنمنٹ سے مسدود ہو گئی اور جس کو پھر پدر بزرگوار نے اپنی زندگی میں علاحدہ بھی کر دیا تھا اور مرتے دم تک صورت سے بیزار رہا، طالب مہر متروکہ ہے، علاوہ ازیں زید کے دو اور زوجات ہیں، جن کا زرمہر میت کے ذمہ واجب الادا ہے اور من جملہ ان کے ایک زوجہ سلمیٰ متروکہ میت پر قابض بھی ہے (جو بوجہ ناممکن الوقوع ہونے کے قانوناً باطل ہے) اور جو ہندہ کے ساتھ کیا گیا ہے، کیا نکاح صحیح وقائم ہو سکتا ہے اور بصورت صحت نکاح کیا بلحاظ احکام شرعیہ ایسا معاہدہ واجب التعمیل ہے اور اس کی ذمہ داری متروکہ پر عائد ہو سکتی ہے، کیا دوسری زوجہ (سلمیٰ) قابض جائیداد کو بھی اس کا زرمہر (دو ہزار وحصہ شرعی) اس متروکہ سے مکمل مل سکتا ہے، کیا بعد ادائیگی زرمہر (سلمیٰ) مقبوضہ جائیداد سے بے دخل ہو سکتی ہے، کیا ایسے اوصاف والا فرزند متروکہ پا سکتا ہے؟

الجواب

مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ جس قدر مہر عقد نکاح تراضی طرفین سے مقرر ہو جائے، خواہ وہ مقدار کتنی ہی زیادہ ہو، مثلاً سوا لاکھ روپیہ اور سوا سوا اشرفی، یا اس سے بھی زیادہ ہو، وہ ہر مقدار مہر کی شوہر کے ذمہ واجب اور لازم ہو جاتی ہے اور اس کا ادا کرنا بذمہ شوہر واجب اور ضروری ہوتا ہے، (۱) مثل دیگر دیون کے خواہ نیت لینے دینے کی ہو، یا قانوناً یہ معاہدہ باطل ہو، یا نہ ہو؛ لیکن شرعاً یہ معاہدہ صحیح اور یہ دین واجب الادا ہے اور اس معاہدہ کے ساتھ اور اس مقدار مہر پر نکاح زید

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وان آتيتم احداهن قنطارا فلاتأخذوا منه شيئا﴾ (سورة النساء: ۱۲)
قنطار مال کثیر کہتے ہیں جس کی کوئی حد نہ ہو۔ ظفیر

وہندہ کا شرعاً بلاشبہ صحیح ہوگیا تھا اور رقم دین مہر کا ادا کرنا شوہر کے ذمہ واجب تھا، جب کہ اس نے اپنی زندگی میں ادا نہیں کیا تو اس کے مرنے پر اس کے ترکہ میں سے ہر دو زوجہ مسماۃ سلمی و ہندہ کا ادا کرنا واجب ہے اور تجہیز و تکفین کے علاوہ دیگر حقوق سے مقدم ہے، (۱) لہذا زید کے ترکہ میں سے بعد اخراجات تجہیز و تکفین کے اول دونوں زوجات سلمی و ہندہ کا مہر ادا کیا جاوے، اس کے بعد اگر کچھ باقی بچے تو اس کو ورثاء شرعی پر حسب حصص شرعیہ تقسیم کیا جاوے اور اگر ترکہ زید کا دونوں زوجات کے مہر کو کافی نہ ہو تو دونوں زوجات کا مہر حصہ رسد دیا جائے؛ یعنی جس زوجہ کا مہر زیادہ ہو، اس کو اس نسبت سے اور جس کا مہر کم ہے، اس کو اس نسبت سے مہر کی مقدار دینی چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۵-۳۵۶)

بوقت ایجاب وقبول جو مہر مقرر ہو، اس کی ادائیگی لازم ہے:

سوال: محمد مفیض کا مہر شادی سے قبل پندرہ ہزار ایک سو ایک روپیہ طے ہوا؛ مگر بوقت نکاح مہر، مہر فاطمی طے ہوا اور مہر فاطمی پر ہی قاضی نے اتفاق رائے سے مسجد میں سیکڑوں گواہوں کے بیچ نکاح پڑھایا۔ محمد مفیض پر کون سا مہر دینا واجب ہوتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

بشرط صحت سوال اتفاق رائے سے جب مہر فاطمی پر عقد ہوا تو اب مہر فاطمی (جس کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہے) اتنی چاندی، یا اس کی موجودہ قیمت کی ادائیگی محمد مفیض پر واجب ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۲۸ / ربیع الاول ۱۴۲۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/)

چالیس سال قبل جو مہر متعین ہوا تھا، اسی کی ادائیگی لازم ہے:

سوال: ایک عورت کنیزہ کا نکاح آج سے چالیس سال قبل پانچ سو روپئے میں ہوا، اس وقت پانچ سو روپئے کی بہت اہمیت تھی، اس وقت اس روپئے سے دس کٹھا زمین خریدی جا سکتی تھی، اس کے شوہر نے اب تک مہر ادا نہیں کیا ہے۔ اب اس پانچ سو روپئے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی، پانچ سو روپئے میں ایک دھور زمین بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ اب وہ شخص مہر ادا کرنا چاہتا ہے تو وہ کتنی رقم ادا کرے گا؟

---

(۱) ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد ويقدم دين الصحة. (ردالمحتار، كتاب الفرائض: ٥/ ٦٦٤، ظفير)

فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد، الخ، ولو صداق زوجته المؤجل للفراق. (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ٢/ ٧، ظفير)

(۲) ثم الأصل في التسمية أنها إذا صحت وتقررت يجب المسمّى. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع في المهر: ١/ ٣٠٣)

جواہر الفقہ (۱/۴۲۴) کے مطابق: مہر فاطمی کا وزن موجودہ کیلو گرام کے حساب سے ایک کیلو پانچ سو تیس گرام نو سو ملی گرام ہوتا ہے۔ (الاوزان المحمودۃ: ۱۰۰)

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں شوہر مذکور پر پانچ سو روپئے کی ہی ادائیگی لازم ہے، گرچہ اس کی قیمت بہت کم ہوگئی ہے۔

”(قوله:وتجب العشرة إن سمّاها،الخ) هذا إن لم تكسد الدراهم المسماة“. (رد المحتار: ۳۳۰/۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۵/۶/۱۴۱۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴)

۱۲ سال بعد بھی مقرر کردہ رقم ہی مہر دینی ہوگی:

سوال: مفتی صاحب! گزارش یہ ہے کہ میرے بیٹے کا نکاح ۲۲ اپریل ۱۹۹۸ء میں ہوا تھا، جس میں حق مہر کی رقم بیس ہزار رکھی گئی تھی۔ اب بیٹے نے ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو طلاق دے دی ہے۔ مجھ کو معلوم یہ کرنا ہے کہ اس حق مہر کی رقم بیس ہزار روپے ہی ہوگی، یا بیس ہزار سے بڑھ جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

عقد نکاح کے وقت جو مہر طے کیا جائے، وہی دینا واجب ہوتا ہے، چاہے طلاق کتنے ہی عرصہ کے بعد دی جائے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے بیٹے نے عقد نکاح کے وقت بیس ہزار (20000) حق مہر رکھا تھا تو اب بھی بیس ہزار (20000) ہی دینا ہوں گے، زیادہ دینا ضروری نہیں۔

لمافي الهندية (۳۰۳/۱) الباب السابع في المهر: ثم الاصل في التسمية أنها إن صحت وتقررت يجب المسمى ثم ينظر إن كان المسمى عشرة فصاعدا فليس لها إلا ذلک.

وفي (ص: ۳۱۲): الفصل السابع في الزيادة في المهر والحط عنه فيما يزيد وينقص الزيادة في المهر صحيحة حال قيام النكاح عند علمائنا الثلاثة كذا في المحيط... وهكذا روى بشر عن أبي يوسف رحمه الله تعالى وصورة ما روى بشر إذا طلق امرأته ثلاثا قبل الدخول بها أو بعده ثم زادها في المهر لم تصح.

وفي الدرالمختار (۱۰۲/۳،باب المهر) :(وتجب) العشرة (إن سماها أو دونهاو) يجب (الأكثر منها إن سمى) الاكثر ويتأكد (عند وطء أو خلوة صحت) من الزوج (أو موت أحدهما).

وفي الشامية (۱۰۴/۳): اذا طلقها الزوج بعد الخلوة الصحيحة لوجوب المهر كاملاً على الزوج.

(نجم الفتاویٰ: ۲۰۴/۵)

۱۹۶۵ء میں مقرر 256 روپے ہی مہر دینا لازم ہے:

سوال: مفتی صاحب! میرا نکاح چند ماہ قبل ہوا ہے۔ شادی سے اب تک تعلقات خوشگوار نہیں رہے، نتیجہ یہ کہ

کچھ دنوں کے بعد مکمل علاحدگی ہوگئی، میرا اس سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے اور وہ ایک بیٹے کے ہمراہ اس کے مکان میں رہ رہی ہے۔ اس کا حق مہر شادی کے وقت (1965 میں) دوسو چھپن روپے اور چالیس پیسے (256.40) طے ہوا تھا۔ سوال یہ ہے کہ میں اب اس کا حق مہر ادا کرنا چاہتا ہوں، اس کا حق مہر موجودہ وقت کے حساب سے کیا ہوگا؟ کیا مہر کے علاوہ میرے ذمہ کوئی ادائیگی بنتی ہے؟ اگر بنتی ہو تو بتادیں، تاکہ میں ادا کردوں اور اللہ کی پکڑ سے بچ جاؤں۔

نوٹ: میرے پاس میری سابقہ بیوی کی ملکیت کا کوئی سامان نہیں ہے اور نہ ہی رقم ہے۔

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر ادا کرنا شوہر کے ذمہ لازم ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے ذمہ وقتِ عقد جو مہر مسمی طے ہوا تھا (یعنی دوسو چھپن روپے اور چالیس پیسے) وہی ادا کرنا لازم ہے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ آپ اپنی مطلقہ بیوی کو متعہ (یعنی ایک جوڑا کپڑا اور بڑی چادر) دے دیں۔

لما فی أحكام القرآن للجصاص (۱/۴۳۳-۴۳٤): قال اللّٰه تعالیٰ ﴿وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتاعاً بِالْمَعْرُوفِ﴾ ولم يقدر أصحابنا لها مقداراً معلوماً لا يتجاوز به ولا يقصر عنه، وقالوا: هي على قدر المعتاد المتعارف فی كل وقت وقد ذكر عنهم ثلاثة أثواب درع وخمار وإزار والإزار هو الذی تستتر به بين الناس عند الخروج.

وفی الهندية (۱/۳۰۳): الفصل الثانی فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا فی البدائع... المتعة عندنا على ثلاثة أوجه متعة واجبة وهی للمطلقة قبل الدخول ولم يسم لها مهرا ومستحبة وهی للمطلقة بعد الدخول ولا واجبة ولا مستحبة وهی للمطلقة قبل الدخول وقد سمی لها مهراً، كذا فی السراج الوهاج. (نجم الفتاویٰ: ۵/۲۰۴)

پچاس سال پہلے مقرر کیا ہوا مہر:

سوال: پچاس سال پہلے زید کی شادی ہوئی تھی اور دوسو پچاس (۲۵۰) روپیہ مہر طے ہوا تھا تو اب اسے کیا مہر ادا کرنا چاہیے؟ (محمد مصطفیٰ حسین، بودھن)

الجواب ــــــــــــــــ

ایسی صورت میں بہتر ہے کہ پچاس سال پہلے دوسو پچاس روپے میں جتنا سونا آیا کرتا تھا، اتنا سونا یا اس کی قیمت ادا کردی جائے؛ کیوں کہ بعض حضرات کے نزدیک اصل اعتبار سونے ہی کا ہے اور زیادہ تر اہل علم کے نزدیک مقررہ سکّہ ہی اصل ہے تو اگر آج کے دوسو پچاس روپے ادا کردیئے جائیں تو بعض حضرات کی رائے پر مہر ادا ہوگیا اور بعض

حضرات کی رائے پر مہر ادا نہیں ہوا اور اگر اتنے سونے کی قیمت ادا کردی جائے تو تمام لوگوں کے نزدیک مہر ادا ہوجائے گا اور یقیناً یہ شریعت کے مزاج عدل سے بھی قریب ہوگا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۳۹۵-۳۹۶)

جو مہر طے ہوا ہے، وہی واجب ہے، یا زیادہ، یا کم:

سوال: زید کا نکاح بعمر سولہ سال ہندہ کے ساتھ جس کی عمر تیرہ سال کی تھی ہوا تو کیا وہ تعداد مہر کی جو بوقت نکاح قائم ہوئی، وہی واجب ہوئی ہے، یا نہیں؟

الجواب

جو مقدار مہر کی بوقت نکاح مقرر ہوئی، وہی قائم رہے گی اور وہی مقدار بذمہ شوہر واجب ہے؛ لیکن اگر قبل از دخول وخلوت کے شوہر طلاق دے دیوے تو نصف مہر بذمہ شوہر واجب الادا ہوگا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۱۸-۳۱۹)

نکاح جب ہزار پر ہو تو وہی دینا واجب ہے، گو وہ لکھا نہ گیا ہو:

سوال: ایک شخص نے قبل از نکاح لڑکی کے والد کے مشورہ سے حق مہر کے لیے ایک اسٹامپ پیپر تحریر کرایا، جس میں یہ لکھا کہ میں اپنی منکوحہ مسماہ زینب بی بی کے لیے مبلغ ایک ہزار روپیہ بابت حق مہر علاوہ بتیس روپیہ وزیورات مندرجہ رجسٹر ادا کرنے کا عہد کرتا ہوں، عندالطلب مجھ سے وصول کرنے کا حق رکھتی ہے؛ لیکن بعد از تحریر باہم رنجش ہوگئی، اسٹامپ ناپسند کیا گیا، اس پر لڑکی کے والد نے کہا کہ میں کل بوقت نکاح رجسٹر نکاح میں اس کا حوالہ بالکل نہیں دوں گا، چناں چہ ایسا ہی ہوا، ۲۱/ستمبر ۱۹۱۸ء کو اسٹامپ تحریر ہوا، اور ۲۲/ستمبر ۱۹۱۸ء کو نکاح پڑھایا گیا اور ایک ہزار کی رقم درج رجسٹر نہیں ہوئی، صرف بتیس روپیہ اور زیورات درج ہوئے۔ اس صورت میں زوجہ ایک ہزار کی رقم بھی وصول کرسکتی ہے، یا نہیں؟ اقرار نامہ رجسٹری نہیں ہوا؟

الجواب

اس صورت میں علاوہ بتیس روپیہ وزیورات مذکورہ کے ایک ہزار روپیہ بھی مہر میں داخل ہے اور عندالطلب شوہر کو ادا کرنا لازم ہے؛ کیوں کہ زبانی وتحریری اس صورت میں کافی ہے، رجسٹری ہونے کی ضرورت شرعاً نہیں ہے۔

کما فی الدر المختار: ویجب الأکثر منها إن سمی الأکثر، الخ. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۳۰)

کنواری کہہ کر ایک ہزار مقرر کیا، بعد میں معلوم ہوا کہ کسی کے نکاح میں رہ چکی ہے تو اب مہر کیا ہوگا:

سوال: زید نے ہندہ کے ساتھ شادی کی، ہندہ کے باپ نے اپنی لڑکی کو کنواری مجلس نکاح میں ظاہر کرکے ایک

---

(۱) ولو سمی أقل من عشرة فلها العشرة (إلی قوله) ولو طلقها قبل الدخول تجب خمسة عند علمائنا. (الهداية، باب المهر: ۲/۳۰۴، ظفیر)

(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب المهر: ۲/۴۵۴، ظفیر

ہزار روپیہ مہر مقرر کرایا؛ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ہندہ منکوحہ عمر تھی؛ اس لیے اب مہر مقررہ ایک ہزار روپیہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ زید کے ذمہ ادا کرنا لازم ہے، یا نہیں؟

الجواب

مہر مقررہ ہزار روپیہ ہزار اس صورت میں واجب ہے۔

كما في الدر المختار: ولو شرط البكارة فوجدها ثيبا لزمه الكل، درر، ورجحه في البزازية. (۱)

فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۲۹/۸-۳۳۰)

قاضی نے نکاح کے وقت مہر کی کئی مقداریں ذکر کیں، کون سی مقدار کا اعتبار ہوگا:

سوال: عمرو کی شادی ہوئی اور نکاح کے وقت پہلی مرتبہ قاضی صاحب نے اس طرح نکاح کیا کہ تمہاری شادی ہزار روپے اور دس درہم شرعی پر ہوتا ہے اور عمرو نے اس کو منظور کیا؛ مگر دوسری اور تیسری مرتبہ یہ کہا کہ ایک ہزار دس درہم شرعی پر نکاح کیا اور اس نے منظور کیا تو اب عمرو مہر میں ایک ہزار درہم شرعی ادا کرے، یا ایک ہزار روپے اور دس درہم شرعی ادا کرے؟

(المستفتی: ۱۵۱۴، محمد عبد السلام صاحب (الہ آباد) ۱۱/ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۱/ جون ۱۹۳۷ء)

الجواب

ایک ہزار دس درہم پر نکاح منعقد ہوا؛ کیوں کہ پہلے الفاظ ایجاب کے لیے کافی نہیں ہیں، اس میں یہ کہا گیا ہے کہ تمہارا نکاح اتنے مہر پر ہوتا ہے، یہ ایجاب نہیں ہے، ایک ہزار دس درہم پر نکاح کیا، یہ ایجاب ہے، لہٰذا یہی مہر قرار پایا۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۵/۵)

مہر کی جو مقدار نکاح کے وقت بتائی گئی، وہ ضروری ہے، یا جو خفیہ طور پر رجسٹری لکھوا دی:

سوال: کابین نامہ میں بالفرض مہر کی مقدار ایک لاکھ روپیہ تحریر ہے اور وقت نکاح پدر وکیل نے جس کو پدر دختر اور خود دختر نے نکاح کرنے کا کل اختیار دیا ہو، صرف ایک ہزار روپیہ مہر کا حکم دیا اور نکاح خواں نے بھی بوقت نکاح ایک ہزار روپیہ مہر کا مقرر کر دیا اور اظہار کیا اور سب حاضرین مجلس نے سنا اور تعداد رقم مہر مندرجہ کابین نامہ بالکل مخفی رکھی گئی۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ مہر کون سا واجب الادا ہے، آیا وہ جو کابین نامہ میں درج ہے، یا وہ جس کا اظہار مجلس میں کیا گیا؟

---

(۱) الدر المختار على صدر رد المحتار، باب المهر: ۱۲٦/۳، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) ثم عرف المهر في العناية بأنه إسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع بالتسمية أو بالعقد. (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۰/۳، سعيد)

الجواب

مہر کی مقدار وہ معتبر ہے، جس کو نکاح خواں نے بوقت نکاح ظاہر کیا اور جس مہر کو سن کر شوہر نے قبول کیا اور حاضرین مجلس نے سنا؛ کیوں کہ مہر وہی واجب ہوتا ہے، جس کا عقد کے وقت نام لیا جاوے اور جس پر عقد نکاح کیا جاوے۔

قال في الدر المختار: وتجب العشرة إن سماها أودونها ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر، الخ، ويتأكد عند وطء أو خلوة صحت، الخ. (الدر المختار)

(قوله: ويتأكد) أى الواجب من العشرة اوالأكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد مع احتمال سقوطه بردتها، الخ. (شامی)(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۶۲/۸)

حکم اختلاف زوجین در قدر مہر وقت قیام نکاح:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بحالت قیام نکاح زوج اور زوجہ میں تعداد مہر میں اختلاف ہوا، زوج کم بیان کرتا ہے اور زوجہ زیادہ بیان کرتی ہے اور دونوں نے اپنے اپنے تائید قول میں گواہ پیش کئے اور زوجہ نے اپنے مہر مثل کی تعداد اپنی ظاہر کی ہوئی تعداد سے بھی زیادہ ثابت کرائی تو اس حالت میں کس کا قول صحیح سمجھا جائے گا؟

الجواب

شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

فی الدر المختار: (و) إن اختلفا (في قدره حال قيام النكاح) (إلى قوله) (وإن أقاما البينة فبينتها) مقدمة (إن شهد مهر المثل له، وبينته) مقدمة (إن شهد) مهر المثل (لها) لأن البينات لإثبات خلاف الظاهر. (۲) والله اعلم

۴/ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ (امداد: ۲/۲۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/)

مقدار مہر میں اختلاف کا پیدا ہوجانا:

سوال: اگر کبھی میاں بیوی کے درمیان مہر کی مقدار میں اختلاف ہوجائے اور شرعی دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو دونوں میں سے کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب

نکاح کے معاملے اصل مہر مثل ہے، جب میاں بیوی کا مقدار مہر میں اختلاف پیدا ہوجائے اور دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو اس متنازع صورت میں فیصلہ مہر مثل پر ہوگا۔

---

(۱) ردالمحتار، باب المهر: ۴۵٤/۲، ظفير

(۲) الدر المختار، مطلب مسائل الاختلاف فى المهر: ۱٤۸/۳-۱٤۹، دار الفكر بيروت، انيس

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وقالا: يقضي بمهر المثل كحال حياة وبه يفتى. (الدر المختار على هامش ردّ المحتار: ۳۹۳/۲، باب المهر)(۱)(فتوی حقانیہ: ۳۶۲/۴)

مقدار مہر میں زوجین کا اختلاف:

سوال: ہندہ کا مہر ۵۰۰/روپیہ کلدار کا ہے، زید نے مشہور کیا کہ میرا مہر ۳۲/روپیہ کلدار کا ہے۔ ہندہ کے والد نے بذریعہ نوٹس کے زید کو مطلع کیا، زید نے ایک فقیر آدمی کے سامنے اقرار کیا کہ میرا مہر ۵۰۰/روپیہ کا بندھا تھا، آپ بیچ میں باہمی فیصلہ دوسو روپیہ پر کرادیں۔ وہ شخص ہندہ کے والد سے ملے، ہندہ کے والد نے اصلی واقعات سے آگاہ کیا، اس شخص کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ میں اب ایک لفظ بھی آگے نہیں کہہ سکتا۔

جب زید کا بس نہیں چلا تو بذریعۂ نوٹس کے مطلع کیا کہ میرا مہر ۳۲/روپے کا ہے اور میں اپنے ہوش وحواس درست ہونے کی رو سے کہتا ہوں کہ میرا مہر اتنا ہی ہے اور تمہارا یہ کہنا کہ میرا مہر ۵۰۰/روپیہ کا ہے، سراسر غلط ہے، اگر کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی کی تو بے جا ہوگی، لہٰذا شریعت کی رو سے ایسے شخص کے بارے میں قرآن وحدیث سے ثابت کریں اور جو لوگ ایسے شخص کے ساتھ شامل ہو رہے ہیں، ان کا کیا حشر ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر واقعۃً مہر ۵۰۰/روپیہ کا ہے اور زید دروغ بیانی سے کام لیتا ہے تو یہ جھوٹ اور ظلم ہے اور جو لوگ اس بات کو جانتے ہوئے زید کا ساتھ دیں گے، وہ بھی گناہ گار ہوں گے۔

قال تعالیٰ: ﴿تعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)(۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/محرم ۱۳۶۰ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۲۳/محرم ۱۳۶۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹/۱۲)

---

(۱) وفي الهندية: اذا اختلف الزوجان في قدر المهر حال قيام النكاح عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ يحكم مهر المثل. (الفتاوىٰ الهندية: ۳۱۹/۱، الفصل الثاني عشر في اختلاف الزوجين في المهر)

ومثلهٗ في بدائع الصنائع: ۳۰۵/۲، فصل و أما حكم اختلاف الزوجين في المهر

(۲) ودل قوله تعالىٰ ﴿وتعاونوا على البر والتقوى﴾ على وجوب التعاون بين الناس على البر والتقوى والانتهاء عما نهى الله عنه، وحرمه التعاون على المعاصي والذنوب ويؤكده حديث: "الدال على الخير كفاعله". (التفسير المنير، سورة المائدة: ۷٤/٦، دار الفكر بيروت)

﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ، ولا تعاونو على الاثم والعدوان﴾ يأمر تعالىٰ عبادة المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترك المنكرات وهو التقوىٰ وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على الماثم ...==

ادائیگی مہر میں اختلاف کا حکم:

سوال: مفتی صاحب! زید اپنی بیوی کو دو ہزار روپے ماہوار خرچہ دیتا تھا۔ ڈیڑھ سال قبل تین ہزار دینے شروع کردیئے، ڈیڑھ سال بعد بیوی نے اپنے مہر کا مطالبہ کیا تو زید نے کہا کہ ڈیڑھ سال سے جو تمہیں ایک ہزار روپے زائد رقم دے رہا ہوں، یہ مہر کی رقم تھی، اب میرے ذمہ تمہارا مہر نہیں۔ اب آپ بتائیں کہ کیا اس طرح مہر ادا ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ اس سے پہلے کبھی زید نے یہ نہیں کہا کہ یہ تمہارا مہر ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں زید کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی طرف سے مہر ادا ہوگیا، اب دوبارہ مہر کی ادائیگی اس پر لازم نہیں ہے، البتہ ڈیڑھ سال کی ماہوار سے زائد رقم کی مقدار اگر مہر کے برابر ہے تو زید پر کچھ لازم نہیں اور اگر کم ہے تو بقیہ مہر کی رقم زید کو ادا کرنا لازم ہے اور اگر مہر سے زائد رقم بیوی کے پاس جاچکی ہے تو زائد رقم کے مطالبہ کا زید کو حق حاصل ہے۔

لما في المبسوط للسرخسي (١٩٤/٥): قال: وإذا فرضت النفقة لها على زوجها ولها عليه شيء من مهرها فأعطاها شيئا من ذلک فقال الزوج هو من المهر وقالت المرأة بل هو من النفقة فالقول قول الزوج أنه من المهر وكذلک هذا في جميع قضاء الديون إذا كان من وجوه مختلفة لانه هو المملک فالقول قوله في بيان جهة التمليک وهو المحتاج إلى تفريغ ذمته فالقول قوله في أنه تفرغ ذمته بهذا الاداء من كذا دون كذا.

وفي الدرالمختار(١٥١/٣): (فقالت هو) أي المبعوث (هدية وقال هو من المهر) أو من الكسوة أو عارية (فالقول له) بيمينه والبينة لها فإن حلف والمبعوث قائم فلها أن ترده وترجع بباقي المهر ذكره ابن الكمال ولو عوضته ثم ادعاه عارية فلها أن تسترد العوض من جنسه زيلعي (في غير المهيا للأكل) كثياب وشاة حية وسمن وعسل وما يبقى شهرا أخي زاده (و) القول (لها) بيمينها (في المهيا له) كخبز ولحم مشوى لان الظاهر يكذبه.

وفي الشامية (١٥٣/٣): قوله (لان الظاهر يكذبه) قال في الفتح والذي يجب اعتباره في ديارنا أن جميع ما ذكر من الحنطة واللوز والدقيق والسكر والشاة الحية وباقيها يكون القول فيها قول المرأة؛ لأن المتعارف في ذلک كله أن يرسله هدية والظاهر معها لا معه ولا يكون

==   عن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الدال على الخير كفاعله"... من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من اتبعه إلى يوم القيامة، ولا ينقص ذلک من أجورهم شيئا ومن دعا إلى ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثام من اتبعة إلى يوم القيامة، لا ينقص ذلک من آثامهم شيئا". (تفسير ابن كثير، (سورة المائدة، پ:٦) ٦/٢، سهيل اكادمى لاهور)

القول قوله إلا فی نحو الثیاب والجاریة اه... قلت ومن ذلک ما یبعثه إلیه قبل الزفاف فی الأعیاد والمواسم من نحو ثیاب وحلی وکذا ما یعطیها من ذلک أو من دراهم أو دنانیر صبیحة لیلة العرس ویسمی فی العرف صبحة فإن کل ذلک تعورف فی زماننا کونه هدیة لا من المهر ولا سیما المسمی صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثیابا ونحوها صبیحة العرس أیضا.

وفی الشامیة أیضا (۱۵۱/۳): مطلب فیما یرسله إلی الزوجة قوله (ولو بعث إلی امرأته شیئا) أی من النقدین أو العروض أو مما یوکل قبل الزفاف أو بعد ما بنی بها نهر قوله (ولم یذکر الخ) المراد أنه لم یذکر المهر ولا غیره ط. (نجم الفتاویٰ: ۲۱۶/۵-۲۱۷)

اگر وارثوں میں متوفیہ کے مہر کی مقدار میں اختلاف ہو:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین (کثرہم اللہ تعالیٰ الیٰ یوم الدین) اس مسئلہ میں کہ ہندہ منکوحہ زید کی بقضائے الٰہی مرگئی، عمرو وارث متوفیہ نے زید سے مہر طلب کیا، مقدار مہر میں باہم عمرو اور خالد کے خلاف ہے۔ عمرو مہر مثل قبیلہ پدر متوفیہ و مہر مروجہ قوم طلب کرتا ہے کہ خالد قبول نہیں کرتا، وہ ایسی مقدار ظاہر کرتا ہے کہ نہ مطابق مہر مثل کے ہے اور نہ موافق مہر مروجہ قوم کے، پس تصفیہ اس کا شرعاً کیوں کر ہو؟ کتب فقہ میں جو لفظ خاندان، یا قوم واقع ہوا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ اور مہر مثل میں باعتبار مماثلت کون کون عورتیں داخل ہیں؟ اور یہ امر بھی استفسار طلب ہے کہ مہر دختران ہم قوم اور ہم عمر اور عرف کا بھی شرعاً اعتبار ہے، یا نہیں؟ اور ترتیب معابلہ مہر کس طرح پر ہوگی اور یہ بھی ہے کہ ہمارے قصبات میں مہر شرفا اور قوم اَرذال کا معین ہے، یہاں پر دختران قوم میں حسن و جمال اور عقل و مال اور بکارت و ثیابت وغیرہ کا کوئی اعتبار و تفرقہ نہیں، جو مہر باکرہ کا ہوتا ہے، وہی ثیبہ کا۔ پس کتب فقہ میں جو فرق و تفاوت لکھا ہے، آیا وہ موافق تقاضائے اسی وقت کے تھا، یا دوام کے لیے تا یوم القیامہ اور جو یہ صورت ہے تو ہمارے قصبات کے عرف میں جو مہر یکساں اور مساوی ہوتے ہیں، اس کا کیا نتیجہ؟ جواب اس کا مرحمت ہو۔ بینوا توجروا، فقط

الجواب

ایسی حالت میں مہر مثل پر فیصلہ ہوگا؛ مگر ہاں جو زوج گواہان عادل سے ثابت کر دیوے کہ مہر مثل نہ تھا؛ بلکہ حسب دعویٰ زوج کے تھا، ـــ۔ اور مہر مثل وہ ہی ہوتا ہے، جو عرف و قوم میں شائع ذائع ہو، ہمارے دیار میں شرفا کا اور اراذل کا مہر معین ہے، علی التفرقہ۔ حسن ـــ۔ ابکار و ثیوبۃ و عمر و غیرہا امور کے سب کا مہر یکساں ہوتا ہے۔

تحریرات کتب فقہ کی ان کے عرف کے موافق ہیں، نہ ہمارے عرف کے، پس اس صورت میں اگر زوج گواہان عدول سے اپنا دعویٰ ثابت کر دیوے تو بہتر، ورنہ مہر مثل قوم کا دینا ہووے گا۔ (ہکذا فی کتب الفقہ) واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ [مہر، حضرت مولانا] (فتویٰ قلم حضرت مولانا: موجود، در ذخیرہ نور) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۸۵)

عورت کو صرف مقرر کردہ مہر کے مطالبے کا حق ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کا پچاس ہزار مہر مقرر کیا تھا، شادی کے پانچ سال بعد بیوی نے کہا کہ مجھے مہر کے بجائے ایک پلاٹ دو۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا عورت رقم کے بجائے کسی دوسری چیز کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

عورت کا مہر کی رقم کے بجائے پلاٹ کا مطالبہ کرنا درست نہیں، شوہر کے ذمے وہی مہر واجب ہے، جو عقدِ نکاح کے وقت طے ہوا تھا، البتہ شوہر اپنی رضامندی سے بیوی کے مطالبہ پر مہر کے بجائے پلاٹ دے دے تو درست ہے۔

لمافي المصنف لابن أبي شيبة (٤٨٢/٣): حدثنا حفص بن غياث عن عمرو عن الحسن قال: ما تراضى عليه الزوج والمرأة من شيئ فهو مهر.

وفي خلاصة الفتاوى(٣٦/٢): ولو كتب خط المهر مائة دينار والعقد بالدراهم يجب الدراهم ولا يجب الدنانير بالخط.

وفي الهندية (٣٠٣/١): ثم الأصل في التسمية أنها إن صحت وتقررت يجب المسمى ثم ينظر إن كان المسمى عشرة فصاعدا فليس لها إلا ذلك. (نجم الفتاویٰ:۱۶۹/۵-۱۷۰)

مہر میں کیا چیز مقرر کرنا بہتر ہے:

سوال: مہر سکۂ رائج الوقت؛ یعنی روپئے میں رکھنا بہتر اور مناسب ہے، یا سونے چاندی، یا زیورات کی شکل میں زیادہ بہتر اور مناسب ہے؟ فوری ادا کرنا اچھا ہے، یا تاخیر سے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

بہتر یہی ہے کہ سونے، یا چاندی میں مہر مقرر کیا جائے، اس میں لڑکی کا فائدہ اور اس کے حق کی حفاظت ہے، (۱) مہر نقدا ادا کر دینا ہی بہتر ہے، اگر نکاح کے وقت نہ دے تو رخصتی کے بعد جلد از جلد ادا کر کے بری الذمہ ہو جائے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہد الاسلام قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/۴)

حج کرانا بھی نکاح میں مہر بن سکتا ہے:

سوال: زید نے ہندہ کو نکاح کا پیغام دیا، ہندہ بیوہ تھی، ہندہ نے کہا کہ میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ

---

(۱) اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر درہم (چاندی کا سکہ) دینار (سونے کا سکہ) کے ذریعہ مہر متعین فرمایا ہے۔

(۲) اس لیے کہ عام دیون کی طرح مہر بھی ایک دین ہے اور جتنی جلد ممکن ہو دین ادا کر کے برأت حاصل کر لینا بہتر ہے۔ ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (سورة النساء: ٤)

میرا مہر یہ ہے کہ آپ مجھے حج کروادیں، چناں چہ نکاح ہوگیا تو کیا یہ نکاح صحیح ہے اور کیا زید کے ذمہ حج کرانا لازم ہے؟ مہر اس کے علاوہ اور کچھ مقرر نہیں ہوا، جب کہ حج کی قیمت میں کمی وزیادتی ہوتی رہتی ہے۔

(المستفتی: محمد اسماعیل سرحدی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

اگر حج کروادینے کی شرط پر نکاح کیا جائے اور اس حج کرانے کو مہر مقرر کیا جائے تو یہ نکاح ہو جائے گا اور خاوند کے ذمہ حج کی قیمت ہوگی اور حج کی قیمت کا کم وبیش ہوتے رہنا مفسد تسمیہ نہیں۔

قال في الدرالمختار: وكذا يجب مهر المثل فيما إذا لم يسم مهرا.

وفي الشامية (۳٦٣/۲)(قوله: فيما إذا لم يسم): أي لم يسم تسمية صحيحة أو سكت عنه، نهر، (إلى قوله) وليس منه مالم تزوجها على عبد الغير لوجوب قيمته إذا لم يجز مالكه أو على حجة لوجوب قيمته حجة وسط، لامهر المثل والوسط بركوب الراحلة، الخ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفی عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۵۳۰/۴)

حج کرانے کو مہر بنانا:

سوال: مفتی صاحب! ایک شخص نے دو سال قبل شادی کی تھی، لڑکی کے والدین نے یہ شرط لگائی تھی کہ ہماری لڑکی کا مہر یہ ہے کہ آپ اس کو حج کرائیں گے تو کیا حج کرانے کو مہر قرار دیا جاسکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

کسی لڑکی کا مہر اگر حج کرانا مقرر کیا جائے تو مہر مثل واجب ہوگا، چوں کہ حج کرانا مال نہیں، لہٰذا اسے مہر نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

لمافي البحرالرائق (۲۷۵/۳): وأشار المصنف إلى أنه لو تزوجها على أن يحج بها وجب مهر المثل لكن فرق في الخانية بين أن يتزوجها على أن يحج بها وبين أن يتزوجها على حجة فاوجب في الاول مهر المثل وفي الثاني قيمة حجة وسط.

وفي الهندية (۳۰۳/۱): ولو تزوج امرأة على طلاق امرأة له أخرى أو على دم عمد له عليها أو على أن يحج بها كان لها مهر مثلها كذا في فتاوى قاضي خان.

وفي الشامية (۱۰۸/۳): ولهذا ذكر في فتح القدير هنا أنه لما جوز الشافعي أخذ الأجر على تعليم القرآن صحح تسميته مهرا فكذا نقول يلزم على المفتي به صحة تسميته صداقاولم أر من تعرض له والله الموفق للصواب، آه. (نجم الفتاویٰ: ۲۰۹/۵-۲۱۰)

تعلیم قرآن کومہر بنانا جائز نہیں:

سوال: مفتی صاحب! تعلیم قرآن کومہر بنانا درست ہے، یا نہیں؟ ایک غیر مقلد کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کومہر بنایا ہے۔ احناف کا تعلیم قرآن کومہر بنانے سے منع کرنا حدیث کے خلاف ہے۔ برائے مہربانی یہ بیان فرمائیں کہ ان صاحب کا یہ کہنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

تعلیم قرآن کومہر بنانا درست نہیں۔ ان صاحب کا یہ کہنا کہ احناف کا تعلیم قرآن کومہر بنانے سے منع کرنا حدیث کے خلاف ہے، درست نہیں؛ اس لیے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ تم مال کے ذریعے عورتوں کو تلاش کرو اور تعلیم قرآن مال نہیں۔ جس حدیث مبارکہ میں تعلیم قرآن کومہر بنانے کا ذکر ہے، اوّل تو وہاں اس بات کی صراحت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاوہ کوئی اور چیز مہر مقرر نہ فرمائی ہو؛ بلکہ عرب کا یہ طریقہ تھا کہ وہ عورت کو جماع سے پہلے کچھ نہ کچھ دیا کرتے تھے؛ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ جب صحابی نے عرض کیا کہ کچھ نہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس جو قرآن ہے، اس کے سبب سے میں نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کیا؛ یعنی جماع سے پہلے عورت کو دینے کے لیے تمہارے پاس کچھ نہیں؛ لیکن تمہارے پاس قرآن کی نعمت ہے، اس کی برکت سے نکاح کیا اور اگر تعلیم قرآن کے مہر بنانے کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ ان صحابی کی خصوصیت ہوگی، نہ کہ عام حکم۔

لمافی القرآن الكريم (النساء: ٢٤): ﴿وَاُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾

وفی البخاری (٧٧٣/٢): **حدثنا علی بن عبد الله، حدثنا سفيان، سمعت أبا حازم، يقول: سمعت سهل بن سعد الساعدی يقول: إنی لفی القوم عند رسول الله صلی الله عليه وسلم، إذ قامت امرأة فقالت: يا رسول الله، إنها قد وهبت نفسها لک، فرأ فيها رأيک، فلم يجبها شيئا، ثم قامت فقالت: يا رسول الله،إنها قد وهبت نفسها لک، فرأ فيها رأيک، فلم يجبها شيئا، ثم قامت الثالثة فقالت: إنها قد وهبت نفسها لک، فرأ فيها رأيک، فقام رجل فقال: يا رسول الله أنكحنيها، قال:هل عندک من شیء؟ قال: لا، قال:اذهب فاطلب ولو خاتما من حديد فذهب فطلب،ثم جاء، فقال: ما وجدت شيئا ولا خاتما من حديد، فقال:هل معک من القرآن شیء؟ قال: معی سورة كذا وسورة كذا، قال:اذهب فقد أنكحتكها بما معک من القرآن.**

وفی الشامية (١٠٢/٣): **قلت ولا بد من كونها مما يستحق المال بمقابلتها ليخرج ما يأتی من عدم صحة التسمية فی خدمة الزوج الحر لها وتعليم القرآن.**

وفیہ أیضاً (۱۰۱/۳): فیحمل المنع المذکور علی الندب أی ندب تقدیم شیء إدخالا للمسرة علیها تألفا لقلبها وإذا کان ذلک معهودا وجب حمل ما خالف ما رویناه علیه جمعا بین الاحادیث وهذا وإن قیل إنه خلاف الظاهر فی حدیث التمس ولو خاتما من حدید لکن یجب المصیر إلیه لانه قال فیه بعده زوجتکها بما معک من القرآن فإن حمل علی تعلیمه إیاها ما معه أو نفی المهر بالکلیة عارض کتاب الله تعالی وهو قوله تعالی } أن تبتغوا بأموالکم {فقید الاحلال بالابتغاء بالمال فوجب کون الخبر غیر مخالف له وإلا لم یقبل لانه خبر واحد وهو لا ینسخ القطعی فی الدلالة وتمام ذلک مبسوط فی الفتح. (نجم الفتاویٰ: ۲۱۰/۵-۲۱۱)

زیورات کی شکل میں مہر ادا کرنا کیسا ہے:

سوال: بقیہ تین ہزار اس طور سے ادا کئے کہ مختلف اوقات میں زائد از ایک ہزار کے زیورات ایک ایک، دو دو کر کے بنوا دئے اور دو ہزار نقد دے دیا۔ کیا بعد میں عورت دعویٰ مہر کر سکتی ہے، یا مہر کے جزو کی وصیت کر سکتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

شوہر نے جس قدر روپیہ اور زیورات وغیرہ مہر کے نام سے دیئے، وہ سب مہر میں محسوب ہوں گے، عورت اس حصہ کے متعلق مہر کا دعویٰ، یا وصیت نہیں کر سکتی، شوہر کے قول کا اس بارہ میں اعتبار کیا جاوے گا۔

"أعطاها مالا وقال: من المهر، وقالت: من النفقة، فالقول للزوج، إلا أن تقیم هی البینة، کذا فی فتح القدیر. (۱)

ومن بعث إلی امرأته شیئا، فقالت: هو هدیة، وقال: هو من المهر، فالقول قوله فی غیر المهیأ للأکل کالعسل والسمن، الخ. (فتاویٰ عالمگیریة) (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۵۴/۸)

مہر میں زیور دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص مہر میں نقد رقم کے بجائے بیوی کو دینے کے لیے زیور طے کرے تو مہر کی ادائیگی ہو جائے گی اور ایسا کرنا جائز ہے، یا نقد رقم مہر میں طے ہوئی، پھر اتنی رقم کا زیور دیدے یا زیادہ قیمت کا زیور دے دے تو اس طرح مہر ادا ہو جائے گا، اس سلسلہ میں شریعت کی رہنمائی درکار ہے؟ (المستفتی: جلیل حسن، نواب پورہ، مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہر ایسی چیز کا مہر مقرر کرنا صحیح ہے، جو عرف میں مال سمجھی جاتی ہو، لہٰذا زیور کا مہر مقرر کرنا بلاشبہ درست ہے اور مہر میں

(۱-۲) الفتاویٰ الهندیة، مصری، الباب السابع، الفصل الثانی عشر: ۳۲۲/۱، ظفیر

رقم مقرر کرکے اس کے بدلے میں اگر اسی قیمت، یا زیادہ کا زیور وغیرہ دے دیا جائے تو اس سے بھی مہر ادا ہو جائے گا۔

المهر لا يكون إلا ما هو مال،أو ما يوجب تسليم مال. (التاتارخانية: ١٥٩/٤، رقم: ٥٨٣٤)

المهر لا يخلو إما أن يكون ديناً،أو عينا، ونعني بالعين العروض، والحيوان، والعقار، و المكيل، والموزون إذا كانا بأعيانهما، ونعني بالدين الدراهم، والدنانير، أما إذا كان المهر عينا، فليس للزوج أن يدفع إليها غيره، وإن كان دينا كان للزوج أن يحبسه ويدفع غيره. (التاتارالخانية: ١٦٣/٤،رقم: ٥٨٤٣)

ومن بعث إلى إمرأته شيئًا، فقالت: هو هدية وقال هو من المهر فالقول قوله، من غير المهيا للأكل؛ لأنه المملك، فكان أعرف بجهة التمليك،الخ. (تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المهر، امداديه ملتان: ٥٨١/٢، زكريا: ٥٨١/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۰ رصفر المظفر ۱۴۳۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۹ر۱۲۰۸۷) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳ر۷۴۳-۷۴۴)

بیوی کو مہر میں زیور دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مندرجہ ذیل عبارت صحیح ہے یا غلط مثبت، یا منفی جو فیصلہ ہو، وہ باعث ازالہ نزاع ہوگا، عبارت یہ ہے، جو زیور بیوی کو دیا گیا ہے، اگر اس کے بارے میں یہ بات پہلے سے طے ہو چکی تھی کہ مہر میں زیور دیا جائے گا تب تو مہر میں زیور دینا درست ہے اور اگر یہ بات طے نہیں ہوئی تھی؛ بلکہ یہ زیور اسی طرح بیوی کو دیا گیا ہے، جس طرح معاشرہ اور سماج میں دلہنوں کو دیا جاتا ہے اور بعد میں اس طرح کے زیور کو مہر کہہ دیا جائے تو یہ درست نہیں ہے؟ مہر کی وہ رقم جو قاضی کے نکاح نامہ میں تحریر کی گئی ہے، وہ دینی لازمی ہے الا یہ کہ بیوی اپنا مہر خود ہی معاف کردے تو معاف ہو جائے گا؟ جواب جلد از جلد عنایت فرمائیں۔

(المستفتی: عبد اللہ، امروہہ)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

مذکورہ تحریر میں جو مسئلہ لکھا گیا ہے، وہ صحیح اور درست ہے۔

ومن بعث إلى امرأته شيئا فقالت هو هدية وقال الزوج هو من المهر فالقول قوله، لأنه هو المملك فكان أعرف بجهة التمليك ألخ. (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفي ديوبند: ٣٣٧/٢)

وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك ...لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع. (شامي، باب المهر،زكريا: ٢٣٣/٤، كراتشي: ١٠٢/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۲ر۴۲۸۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۶ر۱ر۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳ر۷۴۴-۷۴۵)

زیورات کے ذریعہ مہر کی ادائیگی:

سوال: کچھ ہی دنوں کے بعد میرے ایک دوست کی شادی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ مہر کی جو رقم انہیں ادا کرنی ہے، اسے شادی کے موقع سے زیورات کی شکل میں کوئی چیز بنا کر دے دیں، کیا اس سے مہر ادا ہو جائے گا؟

(محمد عبدالحمید، بورابنڈہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

بہتر طریقہ یہی ہے کہ نکاح کے وقت ہی مہر ادا کر دیا جائے، یا کم سے کم صحبت سے پہلے مہر ادا کر دے؛ اس لئے آپ کے دوست کا یہ سوچنا بہت ہی مناسب ہے، اگر سونا ہی مقرر ہو تو مہر میں اس کو منہا کرنا آسان ہے، اگر روپیہ کے ذریعہ متعین ہو، تو اس سونے کی جو مالیت ہو، اتنے حصے کی ادائیگی سمجھی جائے گی، البتہ یہ مناسب ہے کہ نکاح کے وقت صراحت کر دی جائے کہ یہ سونا بطور مہر کے ادا کیا جا رہا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳۹۰/۴) ☆

نکاح میں دیئے گئے زیورات کو مہر میں دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) جو زیور بوقت نکاح عورت کو چڑھایا جاتا ہے کیا وہ مہر میں دیا جا سکتا ہے؟

(۲) اگر زیورات دینے کی نیت نہ تھی تو بعد میں اس طرح کے چڑھائے ہوئے زیورات کو مہر کہنا درست ہے، یا نہیں؟

☆ **زیورات کی صورت میں مہر کی ادائیگی:**

سوال: مفتی صاحب! میرے چھوٹے بھائی کی شادی ہونے والی ہے۔لڑکی والوں کی طرف سے حق مہر کی رقم مبلغ پچیس ہزار روپے (25000) طے ہوئی ہے، جب کہ میرے بھائی کی دلہن کا جو سونے کا زیور ہے، اس کی قیمت ایک لاکھ روپے ہے۔اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ زیور جو سونے کا ہے، اس کا چوتھائی حصہ حق مہر میں ادا ہو جائے، جسے دلہن جب چاہے فروخت کر کے حق مہر لے لے۔آپ سے التماس ہے کہ ہمیں شریعت کے حکم سے آگاہ کریں۔

الجواب ـــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مذکورہ طریقہ سے لڑکی کا مہر ادا کرنا جائز ہے، البتہ صراحۃً بتا دیا جائے کہ حق مہر میں فلاں فلاں چیز مثلاً بالیاں وغیرہ ہیں اور باقی زیور ہدیہ ہے۔اگر صراحۃً نہیں بتایا (کہ اس سونے میں سے ایک چوتھائی، یا مخصوص اشیا مہر میں سے ہیں) تو چوں کہ شادی کے موقع پر دیا جانے والا زیور عموماً ہدیہ ہوتا ہے؛ اس لیے عرف کے مطابق پورا زیور ہدیہ بن جائے گا۔

لمافی الشامية (۱۵۳/۳): قلت ومن ذلک ما يبعثه إليه قبل الزفاف فی الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلی وكذا ما يعطيها من ذلک أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى فی العرف صبحة فإن كل ذلک تعورف فی زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا. (نجم الفتاویٰ:۲۰۳/۵۔۲۰۴)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ———— وبالله التوفيق

(۱)　دیا جا سکتا ہے اور بہتر ہے کہ دیتے وقت مہر کی صراحت کردے؛ تا کہ بعد میں اختلاف نہ پیدا ہو۔

ولو بعث إلىٰ امرأته شيئًا: أى من النقدين أو العروض أو مما يؤكل قبل الزفاف أو بعد ما بنى بها، نهر. قوله: (ولم يذكر، الخ) المراد أنه لم يذكر المهر ولا غيره، فقالت هو: أى المبعوث هدية، وقال: هو من المهر أو من الكسوة أو عارية، فالقول له بيمينه والبينة لها. (الدر المختار مع الشامي، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة: ۱۵۱/۳، كراتشي، ۳۰۱، زكريا)

(۲)　اس صورت میں عرف کا اعتبار ہوگا، اگر لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کو زیورات کے مالک بنا دینے کا عرف ہو اور دیتے وقت شوہر نے مہر کی ادائیگی کی نیت نہ کی ہو تو بعد میں اسے مہر میں شمار نہیں کریں گے۔

مستفاد: ولم يذكر جهة عند الدفع غير المهر ... فالقول له. (التنوير مع الدر: ۱۵۱/۳، كراتشي، شامي: ۳۰۱/٤، زكريا)

لوقوعه هدية فلاينقلب مهراً. (كذا فى الدر المختار: ۱۵۱/۳، كراتشي، ۳۰۱/٤، زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۵/۶/۲۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۰۹/۸-۴۱۰)

زیورات کو مہر میں دیتے وقت رجسٹر میں درج کرنا ضروری نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جب مہر میں زیورات دینے کی نیت تھی تو قاضی کے نکاح نامہ میں زیورات کی وضاحت ضروری تھی، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ———— وبالله التوفيق

ضروری نہیں تھی؛ البتہ بہتر تھا کہ وضاحت کردی جاتی؛ تا کہ بعد میں اختلاف کا اندیشہ نہ رہتا۔

اشترى لامرأته أمتعة بأمرها بعد ما بنى بها ودفع إليها دراهم حتى اشترت هى أيضًا، ثم اختلفا فقال الزوج: هو من المهر، وقالت المرأة: هٰذه هدية، فالقول قول الزوج، إلا أن يكون شيئًا مأكولاً. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۱۰/٤، رقم: ۵۹۹۰، زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۶/۱/۲۸ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۱۰/۸)

شوہر کی جانب سے مہر کے ارادے سے دیئے گئے زیورات کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہم نے شادی میں زیور لڑکے کی دولہن کو مہر کی نیت سے چڑھایا ہے؛ لیکن نکاح کے وقت رسید میں لکھوانے کا دھیان نہیں رہا، وزن زیور ۹/ تولے کا ہے، اس وقت سونے کا بھاؤ چھ ہزار روپیہ تولہ کا تھا، یہ زیور مہر کی رقم میں ادا ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ طلاق ہونے

پر زیور لڑکے والوں کو واپس ہو جاتا ہے اور جہیز لڑکی والوں کو واپس ہو جاتا ہے؟ (المستفتی: محمد ابراہیم)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

مہر کی نیت سے جو زیورات چڑھائے گئے ہیں، ان کو مہر میں شمار کر کے واضح کر سکتے ہیں، اگر اس وقت رسید میں چڑھانے کا دھیان نہیں رہا تو بعد میں اس بات کو واضح کر سکتے ہیں کہ جو زیور ہم نے چڑھایا ہے، وہ مہر میں شمار ہوگا۔

نیز آپ کی برادری میں چوں کہ تفریق کے وقت لڑکے کی جانب سے چڑھائے گئے زیورات واپس کر دیئے جاتے ہیں تو اگر مذکورہ زیور مہر کی نیت سے نہ چڑھایا ہوتا، تب بھی اس کو مہر میں شمار کر کے واضح کرنا درست ہے۔

ومن بعث إلى امرأته شيئاً، فقالت: هو هدية، وقال الزوج هو من المهر، فالقول قوله لأنه هو المملك، فكان أعرف بجهة التمليك كيف وإن الظاهر أنه يسعىٰ في إسقاط الواجب. وفي الحاشية تحت هذه العبارة؛ لأن ذٰلك شيء في ذمته، فالظاهر من حاله أنه يريد إبراء ذمته.

(الهداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفي ديوبند: ۳۳۷/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ (فتویٰ نمبر: الف ۸۳۸۶/۳۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۵/۲۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۷۴۲/۱۳)

بدل مہر دینے کے بعد زوجہ کا حق باقی ہے، یا نہیں:

سوال: نور خان اپنی عورت نذیرن کو کسی وجہ سے برادری کے پانچ آدمیوں کے سامنے شریعت کے مطابق چھ سال پہلے طلاق دے چکا ہے اور مہر ساڑھے بتیس روپے کا تھا۔ بتیس روپے کے بجائے اس نے مہر میں ۸۵؍ رتی چاندی کا زیور ادا کر دیا تھا۔ اب میرے خلاف خرچہ بندھوانے کے لیے چھ سال کے بعد عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا ہے۔ آپ حضرات سے میری گزارش ہے کہ شریعت کے مطابق مجھے خرچ دینے کا حق ہے، یا نہیں؟ اگر شریعت کے مطابق مجھے خرچہ دینے کا حق نہیں ہے تو آپ کے یہاں کی سند کی ضرورت ہے، فتویٰ بھیجنے کی جلدی سے مہربانی کریں؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلياً

جب کہ آپ نے مہر کے عوض ۸۵؍ رتی چاندی کا زیور دیا اور اس نے قبول کر لیا تو آپ بری الذمہ ہو گئے، اب آپ پر دعویٰ کرنا غلط ہے، آپ کے ذمہ کچھ لازم نہیں۔ (۱) مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے، جو پونے تین تولے کے قریب ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۴۰۶/۷/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰۱/۱۲)

(۱) ومن بعث إلى امرأته شيئا فقالت: هو هدية، وقال: هو من المهر، فالقول له في غير المهيأ للإكل. (كنز الدقائق، كتاب النكاح، باب المهر، ص: ۱۰۷، رشيدية)

(۲) عن جابر رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ولا مهر أقل من عشرة. (إعلاء السنن، باب: لا مهر أقل من عشرة: ۸۱/۱۱، إدارة القرآن كراتشي)

پچیس روپیہ نقد مہر کے عوض پچیس روپیہ بھر چاندی دینے کا حکم:

سوال: زید کا مہر مبلغ پچیس روپیہ ہے اور اس نے ایک، یا دو زیور پچیس روپیہ بھر کا مہر میں دے دیا، عورت اور اس کے گھر کے لوگ کہتے ہیں کہ چاندی کا نرخ آج کل بہت ارزاں ہے، ہم کو پچیس روپیہ کی جتنی چاندی ملتی ہے، اسی قدر وزنی زیور ملنا چاہیے اور شوہر کہتا ہے چاندی چاندی کے مقابل برابر سرابر کا حکم رکھتی ہے، ہمارا مہر ادا ہوگیا، اگر اس سے زیادہ دیں تو سود لازم آئے گا، اس صورت میں زید کے ذمہ سے مہر ساقط ہوا، یا مطابق کہنے زوجہ کے اور دینا پڑے گا؟

الجواب

زید کے ذمہ نقد ہے، غیر نقد اس کے عوض دینا تراضی طرفین پر ہے اور جس شق پر شوہر راضی ہے اور اس پر عورت راضی نہیں اور جس پر عورت راضی ہے، وہ جائز بھی نہیں ہے؛ اس لیے یہ حکم ہے کہ زیور واپس کرلے اور نقد دے۔ واللہ اعلم

۱۰ شعبان ۱۳۱۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۹۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۲/۳۰۷)

مہر کے بدلے میں مکان دیا تو کیا حکم ہے:

سوال: زید کی زوجہ ہندہ کے مہر پچاس روپیہ کے تھے، زید جب مرنے کے قریب ہوگیا تو اس وقت مجھ کو بلایا اور قاضی کے رجسٹر میں قاضی سے یہ لکھوا دیا کہ بعوض مہر اپنی زوجہ ہندہ کو ایک مکان خام دیتا ہوں، روبرو گواہان کے یہ کام کیا گیا، اس صورت میں مہر ادا ہو گئے، یا نہیں؟ اور کوئی امر خلاف شریعت تو نہیں ہوا؟

الجواب

اس صورت میں مہر ادا ہو گئے اور کچھ خلاف شریعت نہیں ہوا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۸/۲۴۷)

عورت کہتی ہے کہ شوہر یہ مکان مہر میں دے گیا ہے، ورثہ انکار کرتے ہیں، کیا حکم ہے:

سوال: زید و عمرو دو بھائی حقیقی ہیں، یہ علاحدہ علاحدہ شہروں میں مقیم ہیں، عمرا اپنے باپ کی جائداد پر قابض ہے، زید کا اس سے کچھ سروکار نہیں ہے، زید نے اپنا ذاتی مکان دوسرے شہر میں بنالیا ہے، زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، زوجہ زید کو دو سال بعد بکر نے نکاح کا پیام دیا، زوجہ زید نے بکر سے نکاح سے انکار کیا اور عظیم کے ساتھ نکاح کرلیا، عظیم و بکر کی پہلے سے مخالفت تھی، اس نکاح سے اور زیادہ ہوگئی، جب زوجہ زید کے نکاح ثانی کی اطلاع عمرو داماد زید کو ہوئی تو وہ دونوں زید کے مکان پر آئے اور اس کی زوجہ سے کہا کہ مکان خالی کردو؛ کیوں کہ تم نے اپنا نکاح کرلیا ہے، اب تمہارا اس مکان میں کوئی حق نہیں رہا۔ سابقہ زوجہ زید نے کہا کہ یہ مکان میرا شوہر میرے مہروں میں دے گیا ہے، میں اس پر قابض ہوں۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

شرعاً شہادت کافی کسی طرف بھی نہیں ہے، ادائے مہر کی اور نہ مکان کے مہر میں دئے جانے کی؛ اس لیے ادائے

مہر کا گواہ صرف بکر ہے اور ایک شخص اگر چہ ثقہ بھی ہو، اس کی گواہی شرعا معتبر نہیں ہوتی، (۱) اور اس پر کوئی حکم شرعاً نہیں ہوسکتا اور اس صورت میں تو وہ اس وجہ سے بھی مخدوش اور نا قابل اعتبار ہے کہ عداوت اس کی ظاہر ہے اور مکان کا مہر میں ملنے کا بھی ثبوت نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ صرف عورت کا بیان ہے؛ لیکن چوں کہ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ ترکہ میت سے اول دیون وغیرہ ادا کر کے جو کچھ باقی رہے، وہ ورثا کو ملتا ہے اور مہر بھی ایک دین بذمہ شوہر ہے اور مہر کا ادا ہونا ثابت نہیں ہے اور عورت مدعی مہر کی ہے، لہذا اس کا مہر اول دلوایا جاوے گا، پس اگر میت نے یعنی زید نے کچھ اور ترکہ سوائے مکان کے چھوڑا ہو تو اس میں سے مہر ادا کیا جاوے گا اور اگر سوائے مکان کے اور کچھ نہ چھوڑا ہو تو مکان سے مہر دیا جاوے گا، (۲) اور وارثوں کو یہ بھی اختیار ہے کہ مہر اپنے پاس سے ادا کریں اور مکان بقدر حصہ خود رکھ لیں اور علاوہ مہر کے آٹھواں حصہ عورت کا میراث کے طریق سے ہے اور نکاح ثانی کرنے سے اس کا مہر اور حصہ میراث ساقط نہیں ہوتا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۷۲/۸-۲۷۳)

جو مکان مہر میں لکھ دیا، وہ عورت بیچ سکتی ہے، یا نہیں:

سوال: زلفو نے اپنے لڑکے محمد حسین کا نکاح حسین بخش کی لڑکی سے کیا اور حسین بخش نے اپنی لڑکی کا مہر دوسو روپیہ مقرر کیا اور زلفو نے اپنے لڑکے محمد حسین کے مہر کے عوض اپنی جائداد میں سے ایک مکان مہر کے عوض میں لڑکے کی بیوی کے نام لکھ دیا۔ یہ درست ہے، یا نہیں؟ اور زلفو اس مکان کو فروغت کرسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

وہ مکاں حسین بخش کی دختر کا ہو گیا، مسمی زلفو کو اس کے فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۹۳/۸-۲۹۴)

مہر میں مکان دینا درست ہے اور اس سے نکاح ہو گیا:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر میں ایک مکان دینا مقرر کیا اور کہا کہ رجسٹری بعد نکاح

---

(۱) (و) نصابها (لغيرها من الحقوق سواء كان) الحق (مالا أوغيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبي) ولو (للإرث رجلان) ... (أورجل وامرأتان) ولا يفرق بينهما، الخ. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۵۱۶/۴-۵۱۶، ظفير)

(۲) تتعلق بتركه الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولاتقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته. (السراجي، ص: ۵-۶، ظفير)

(۳) اس لیے کہ مہر عورت کا حق ہے اور وہی اس کی مالک ہے۔

ثم المهر واجب شرعا إبانة لشرف للمحل. (الهداية، باب المهر: ۱۹۸/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت/ وكذا في البحرالرائق، باب المهر، مطبع دارالكتاب ديوبند: ۲۴۹/۳، انيس)

کے کرادوں گا، دو سال ہو گئے، رجسٹری نہیں ہوئی، اس صورت میں نکاح ہوا، یا نہیں؟ اور نیز وہ شخص ٹھیٹر میں ملازم ہے اور یک چشم ہے۔ ان امور سے نکاح میں تو کچھ فرق نہیں آیا۔؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

نکاح ہو گیا اور جو مکان شوہر نے مہر میں دینا مقرر کیا تھا، وہ مہر ہوا اور زوجہ کی ملک ہو گیا، رجسٹری اگر نہ کی گئی، تب بھی وہ مکان زوجہ کی ملک ہے، شوہر کی رجسٹری نہ کرانے سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آیا، (۱) اور نہ اس وجہ سے کہ شوہر ٹھیٹر میں ملازم ہے اور یک چشم ہے، نکاح میں کچھ فرق نہیں آ سکتا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۶/۸)

بغیر رجسٹری کے مکان مہر مقرر کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کا نکاح کسی لڑکی سے ہوا اور مہر میں مکان مقرر کیا اور رجسٹری نہیں کراتا ہے، اس وقت کہا کہ رجسٹری بعد میں کراؤں گا، اب وہ رجسٹری نہیں کرا رہا تو اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہوگا آیا نکاح صحیح ہوگا، یا ختم ہو جائے گا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح میں مہر مقرر کیا جائے، یا مقرر نہ کیا جائے، دونوں صورتوں میں نکاح درست ہو جاتا ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نکاح درست ہے اور جو مہر مقرر ہے، وہ خاوند کے ذمہ لازم ہے، اگر وہ نہیں دیتا اور انکار کرتا ہے تو اس صورت میں گنہگار ہوگا؛ تاہم نکاح میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

لمافي الهندية (۳۰۳/۱): ثم الاصل في التسمية أنها إن صحت وتقررت يجب المسمى ثم ينظر إن كان المسمى عشرة فصاعدا فليس لها إلا ذلك وإن كان دون العشرة يكمل عشرة عند أصحابنا الثلاثة.

وفي الشامية (۱۰۲/۳): (ويتأكد) أي الواجب من العشرة أو الاكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه وبه ظهر أن ما في الدرر من أن قوله عند وطء متعلق بالوجوب غير مسلم كما أفاده في الشرنبلالية قال في البدائع وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لان البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع، آه. (نجم الفتاویٰ: ۱۹۶/۵)

---

(۱) ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر ويتأكد عند وطء أوخلوة صحت. (الدرالمختار) وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد، الخ. (ردالمحتار: ۴۵۴/۲، باب المهر، ظفير) أن المسمى إن كان غير النقود بأن كان عرضا أوحيوانا إما أن يكون معينا بإشارة أوإضافة فيجب بعينه. (ردالمحتار: ۴۷۹/۲. مطلب: تزوجها على عشرة دراهم أوثوب، ظفير)

مہر میں دیئے گئے مکان میں وراثت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری شادی پر میرے والدین نے ایک مکان میری بیوی کے حق مہر میں دے دیا تھا، میں اور میری بیوی پاکستان بننے پر پاکستان چلے گئی، میری والدہ محترمہ اس مکان میں رہتی رہیں، والد صاحب کا انتقال میرے سامنے ہوگیا تھا، لہٰذا میں اور میری بیوی والدہ صاحبہ کے پاس آتے جاتے رہے، درمیان میں مجھے والدہ صاحبہ سے ملنے آنے میں کچھ زیادہ عرصہ ہوا؛ لیکن جب میں آیا تو والدہ صاحبہ بیمار چل رہی تھیں، میرے آنے پر والدہ صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ یہ مکان تمہاری بیوی کے مہر میں ہے، میں آج تک اس کی حفاظت کرتی رہی ہوں۔ اب میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے کہ کب وقت پورا ہوجائے، لہٰذا اب تم آگئے ہو، تم جو چاہو، اس کا کرو، میں نے والدہ صاحبہ سے کہا: یہ مہر کا مسئلہ ہے، میں اپنی بیوی کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا اور اس وقت بیوی پاکستان میں ہے اور حکومت کے قانون کے مطابق تو وہ مالک نہیں ہے تو والدہ صاحبہ نے کہا کہ میں قرآن وسنت کے قانون پر عمل کررہی ہوں اور قرآن وسنت کا قانون پوری دنیا میں ایک ہے، لہٰذا یہ مکان تمہاری بیوی کے حق مہر کا ہے اور وہ اس کی مالک ہے، لہٰذا قرآن وسنت کی روشنی میں معلوم یہ کرنا ہے کہ والدہ صاحبہ کا انتقال ہوچکا ہے، میری بیوی حق مہر چھوڑنے کو تیار نہیں ہے، میری سگی دو ہمشیرہ ہیں، لہٰذا یہ مکان صرف میری بیوی کا ہے یا دونوں ہمشیرہ کا؟ برائے کرم اس مسئلہ کا حل تحریر فرمائیں، مندرجہ بالا بیان میرا حلفیہ بیان ہے، غلط بیانی اس میں بالکل نہیں خدا گواہ ہے۔

(المستفتی: عبدالباری، محلّہ: سرائے ترین، مرکز والی مسجد، مراد آباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفیق

اگر سائل کا تحریر کردہ بیان صحیح ہے، تو مذکورہ مکان صرف سائل کی بیوی کی ملکیت میں ہے، اس میں سائل کی ہمشیراں وغیرہ کسی کا کوئی حق وابسطہ نہیں ہے اور سائل کی ہمشیراں کے لئے اس میں اپنے حق کا دعویٰ کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

لایجوز أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند: ۱۱۰)

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، کراتشی: ۶۱/۴، زکریا: ۱۰۶/۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۰ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۹۶۰/۲۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۰/۱/۱۴۱۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۵۴-۷۵۵)

مہر میں نصف کی جگہ قاضی غلطی سے پورا مکان لکھ دے تو کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شمس الحق ولد عبدالحق، ساکن: محلّہ اصالت پورہ مراد آباد کا نکاح نازیہ انجم بنت محمد اعظم صاحب محلّہ اصالت پورہ مراد آباد سے تاریخ

۱۸رفروری ۲۰۰۴ء بروز اتوار کو ہوا تھا، میری شادی میں جو مہر طے ہوا تھا، نکاح کی رسید میں قاضی جی نے لکھا تھا، وہ مہر فاطمی ایک سو اکتیس تولہ چاندی اور ایک مکان؛ لیکن قاضی جی نے غلطی سے مکان کے نصف حصہ کے بجائے ایک مکان لکھ دیا، نصف حصہ مکان کا دین مہر میری امی نے بحق میری زوجہ بیع نامہ رجسٹری کرادیا تھا۔ اب نوبت الگ ہونے کی آ گئی اور میری ایک بیٹی بھی ہے، جس کی عمر ایک ماہ ہے، یہ بتائیں کہ قاضی جی نے جو غلطی سے نکاح نامہ میں ایک مکان لکھا ہے، وہ دیا جائے گا، یا وہ جس کا نصف حصہ مکان طے پایا تھا، جس کی رجسٹری ہوئی تھی اور اس میں میری بیٹی کا کتنا حصہ بنتا ہے اور اگر میری زوجہ مجھ سے الگ ہو کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے، تب بھی وہ اس جائیداد کی مالک رہے گی؛ لیکن میں اپنی زوجہ کو الگ کرنا نہیں چاہتا؛ لیکن میری زوجہ کے ماں باپ الگ کرنا چاہتے ہیں۔

(المستفتی: شمس الحق ولد عبد الحق، اصالت پورہ، مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اگر مکان کا نصف حصہ مہر میں دینے کی بات چیت ہوئی تھی اور جانبین میں یہی طے ہوا تھا اور اسی کی بنیاد پر نصف حصہ بیع نامہ رجسٹری کر کے زوجہ کے نام مستقل کر دیا گیا ہے تو نکاح نامہ میں جو غلطی سے ایک مکان لکھا گیا ہے، وہ نصف مکان ہی ایک مکان شمار ہوگا، لہٰذا مذکورہ مکان کو نصف حصہ کر کے دیوار کھینچ دی جائے، تو دو مکان خود بخود ہو جائیں گے۔ نیز نکاح نامہ میں یہ بھی متعین نہیں ہے کہ ایک مکان کتنے گز کا ہے اور کس محلّہ کا ہے؛ اس لیے مکان سے نصف مکان مراد ہو سکتا ہے، لہٰذا طلاق دینے کے بعد مہر فاطمی کے ساتھ رجسٹری شدہ نصف مکان بھی مہر میں آپ کی بیوی کو مل جائے گا، نیز طلاق دینے کے بعد جب عورت کا نکاح دوسرے مرد کے ساتھ ہو جائے، تب بھی مہر میں ملا ہوا مکان اسی کا ہوگا، دوسری جگہ نکاح کر لینے کی وجہ سے اس کا حق باطل نہ ہوگا۔

أن المسمىٰ تأكد بالتسمية، والعقد جميعا، فلتأكده لا يسقط كله لا بالطلاق، ولا بالموت. (مبسوط السرخسي، دار الكتب العلمية بيروت: ٥/٦٤)

أن الحق متى ثبت واستقر لا يسقط إلا بإسقاطه. (الهداية، باب طلب الشفعه، اشرفي: ٤/٤٩٣)

بیوی کے دین مہر میں بیٹی کا کوئی حصہ نہیں ہے، ہاں البتہ بیوی کی موت کے بعد اگر باقی ہے تو بطور وراثت اس کا حصہ بن سکتا ہے، نیز اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پنی بیوی کو طلاق دینا نہیں چاہتے ہیں اور زوجہ کے ماں باپ الگ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے، اگر آپ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو رہی ہے تو ان کا علاحدگی چاہنا درست ہے اور اگر آپ کی طرف سے کسی قسم کی ظلم وزیادتی نہیں ہے اور حق زوجیت صحیح طریقہ سے ادا ہو رہا ہے، اس کے باوجود زوجہ کے ماں باپ علیحدگی چاہتے ہیں، تو وہ لوگ گنہگار رہوں گے۔

وقال صلى الله عليه وسلم: أيما امرأة اختلعت من زوجها من نشوز فعليها لعنة الله والملائكة والناس أجمعين ولأن فيه كفران النعمة. (مبسوط السرخسي، دار الكتب العلمية بيروت: ٦/٢)

عن ثوبانؓ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أیما امرأة سألت زوجها طلاقاً فی غیر مابأس فحرام علیها رائحة الجنة. (أبوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، النسخة الهندیة: ۱/۳۰۳، دار السلام رقم: ۲۲۲۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۸/صفر المظفر ۱۴۲۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۶۹۰)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۶/۲/۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۷۴۶-۷۴۸)

یہ دوسو گز کا مکان ہے، اس کو بیچ کر مہر لو کہنے سے مہر کی ادائیگی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص کی شادی ہوئی تھی، نکاح میں مہر فاطمی مقرر ہوا تھا، ابھی مہر ادا نہیں کیا تھا کہ بیوی نے ایک دن مہر کا مطالبہ کیا تو شوہر نے کہا: یہ دوسو گز کا مکان ہے، اس کو بیچ کر مہر لے لو تو کیا اس طرح سے مہر ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟

(المستفتی: محمد واصف، امروہہ، جے پی نگر)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ——————— وباللّٰه التوفیق

شوہر کا یہ کہنا کہ یہ دوسو گز کا مکان ہے، اس کو بیچ کر مہر لے لو، محض اس طرح کہنے سے مہر ادا نہیں ہوگا؛ بلکہ شوہر پر لازم ہے کہ یا تو مکان بیوی کے نام کردے، یا بیوی اس مکان کو بیچ کر اپنا دین مہر وصول کر کے بقیہ رقم شوہر کو لوٹا دے۔

کان للزوج أن یحبسه ویدفع غیره؛ لأن الدراهم، والدنانیر لا تتعینان لعقود المعاوضات. (الفتاوی التاتارخانیة: ۱۶۳/٤، رقم: ۵۸٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۱۰۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۴/۵/۱۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۷۴۸-۷۴۹)

موروثی زمین کو مہر قرار دینا:

سوال: زید نے ہندہ کو نکاح اور اس کے مہر میں ایک زمین جو اس کے ہاتھ میں ہے اور دراصل یہ زمین زمیندار کی ہے اور وہ شخص سالانہ زمین دار کو خزانہ دیتا ہے اور اس کی پیداوار کا مالک زید رہتا ہے اور اس جگہ یہ بھی رواج ہے کہ اس قسم زمین رعایا لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ میں فروخت کرواتے ہیں اور خریدار زمیندار کو بعد میں کچھ روپیہ نذرانہ دیتا ہے، زمیندار راضی ہو جاتا ہے۔ ان تمام باتو کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا زمین اس کی مہر میں ہندہ کے سپرد کرنا واجب ہے، یا دیگر مال سے اگر دوسرے مال سے ادا کرے تو کس قدر ادا کرے؟ بینوا توجروا۔ (بندہ: امتیاز الدین سلہٹی، متعلم مدرسہ مظاہر علوم، دار الطلبہ)

الجواب ——————— حامداً ومصلیاً

نفس زمین کو مہر قرار دینا درست ہے، اگر زمیندار وہ زمین زید کو دے دے، خواہ قیمۃً، خواہ ہبۃً، تب تو اس زمین کا

دینا زید کے ذمہ واجب ہے، ورنہ اس زمین کی قیمت واجب ہوگی۔

”ومذا تزوجها علی هذا العبد وهو ملک الغیر،أو علی هذا الدار أو صاحب العبد ذلک، فلها عین المسمی، وإن لم یجز المسمی لا یبطل النکاح ولا التسمیة حتی لا یجب مهر المثل، وإنما تجب قیمة المسمی، کذا فی المحیط“. (الفتاویٰ الهندیة)(۱)

لیکن حق موروثیت شرعاً کوئی چیز نہیں، ، لہٰذا اس حق کو مہر قرار دینا درست نہیں۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۶/۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۶/۱۳۵۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۹۲-۹۳)

مہر میں بیوی کو جائیداد اور قبرستان دینا:

سوال: زید نے شادی کی، بچے ہوئے اور تقریباً ۲۰/ برس بعد زید نے اپنے باپ کی جائیداد اپنی بیوی کو مہر میں ہبہ کردی، حالاں کہ مہر بہت کم ہے اور جائیداد بہت بڑی ہے۔اس جائیداد میں ایک بڑا قبرستان بھی شامل ہے تو مہر کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت مقرر ہے، یا نہیں؟ زید کی عمر اب نوے برس کی ہے، زید کے انتقال کے بعد قبرستان کاشت ہونے اور باغ کٹ جانے کا قوی خطرہ ہے۔اس صورت میں مہر ادا ہوگیا، یا نہیں؟ اور اس ہبہ کرنے سے مہر ادا ہوگیا کہ نہیں؟ فقط

(ڈاکٹر عبد اللطیف، سرالہ نگر، ضلع گونڈہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر زید کے والد زندہ ہیں تو ان کی جائیداد میں کوئی تصرف بغیر ان کی اجازت کے زید کے لیے جائز نہیں، (۲) اگر والدہ کا انتقال ہوکر تنہا زید وارث و مالک ہو چکا ہے تو وہ جائیداد خود زید کی ہے، اس کے والد کی نہیں رہی، زید کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہے، (۳) اگر زید کا مقصد بعوض مہر بیوی کو دے دینے سے کسی شرعی مستحق کو محروم کرنا نہیں ہے تو یہ بھی درست ہے، (۴) اور جس قدر مقرر کیا تھا، اگر اس سے زائد دے دے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

مہر جب چاہے، ادا کرسکتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ طلاق، یا موت کے وقت ہی ادا کیا جائے؛ بلکہ جس قدر جلد ادا

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الباب السابع فی المهر،الفصل الأول: ۳۰۳/۱،رشیدیة

(۲) لایجوز التصرف فی مال غیره بلا إذنه، الخ“.(الدرالمختار، کتاب الغصب، مطلب فی مایجوز من التصرف بمال الغیر بدون إذن صریح: ۲۰۰/۶،سعید)

(۳) کل یتصرف فی ملکه کیف شاء،الخ“.(شرح المجلة، الباب الثالث فی المسائل المتعلقة بالحیطان والجیران ... الفصل الأول (رقم المائدة: ۱۱۹۲)،دارالکتب العلمیة بیروت)

(۴) عن أبی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ: لابأس به إذا لم یقصد به الإضرار“.(الفتاویٰ الهندیة، الباب السادس فی الهبة للصغیر: ۳۹۱/۴،رشیدیة وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف،مطلب مهم فی قول الواقف علی الفریضة الشرعیة: ۴۴۴/۴،سعید)

کرے، بہتر ہے۔ بیوی اپنے حق سے کم، یا زیادہ جتنے میں رضا مند ہوجائے، اس کا حق ہے اور اس سے مہر ادا ہو جائے گا، وہ بخوشی کل ہی معاف کردے تو کل ہی معاف ہو جائے گا۔(۱)

قبرستان اگر وقف ہے تو وہ کسی کی ملکیت نہیں، مہر میں میں دینا بھی درست نہیں اور اس سے وہ بیوی کی ملک نہیں ہوگا؛ بلکہ بدستور قبرستان ہی رہے گا، (۲) اگر وہ وقف نہیں؛ بلکہ مملوک ہے تو اس کو مہر میں دینا بھی درست ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۶/۱/۱۹۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۶/۱/۱۹۹۱ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۹۳-۹۵)

جس زمین کا مہر میں وعدہ کیا جائے، اس کا دینا ضروری ہے:

سوال: ایک بیوی ہے، جس کے تین جیٹھ دیور موجود ہیں، نکاح کرنے کے لیے بڑی کوشش کرتے رہے؛ مگر اس نے نکاح کرنے سے انکار کیا۔ اتفاق سے اس کے نام ایک چوتھائی حصہ زمین کا چڑھ گیا اور وہ زمین کے فروخت کی کوشش میں لگی۔ جیٹھ دیور کو جب معلوم ہوا تو پھر بہت نکاح کی کوشش کی، اس نے بڑی مشکل سے نکاح کو کہا اور یہ بھی کہا کہ نکاح میرا نہیں ہوتا، یہ تو زمین کا نکاح ہوتا ہے؛ مگر شریعت سے اس کو زمین کا حق نہیں پہونچتا فقط، اس کے ایک لڑکی ہے؛ مگر ان جیٹھ دیوروں نے وعدہ کیا کہ ہم تجھے پندرہ بیگھہ زمین مہر میں دیں گے تو وہ اپنے بڑے جیٹھ سے نکاح کے لیے رضا مند ہوگئی اور نکاح ہوگیا۔ اب اس کو زمین دیں، یا نہ دیں؟ قبضے کا وعدہ کیا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مہر میں جتنی زمین مقرر کی گئی ہے، وہ بھی اس کا حق ہے، اس کو دینا لازم ہے، ورنہ اس کا وبال سخت ہوگا۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۶/۱/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۶/۱/۱۳۹۱ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۹۵)

---

(۱) وصح حطها لكله أولبعضه عنه".(الدرالمختار، باب المهر، مطلب في حط المهر والابراء منه:۳/۱۱۳)

(۲) "(الوقف) لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن".(الدر المختار)

(قوله:لايملك):أى لا يكون مملوكا لصاحبه، ولا يملك:أى لا يقبل التملبك لغيره بالبيع، الخ".(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب مهم: فرق أبويوسف بين قوله:موقوله: فموقوفة على فلان:٤/٣٥٢،سعيد)

(۳) كل يتصرف في ملكه كيف شاء، الخ".(شرح المجلة، الباب الثالث في المسائل المعتلقة بالحيطان والجيران ... الفصل الأول، (رقم المادة:١١٩٢،دارالكتب الهندية بيروت)

(۴) تنبيه:حاصل هذه المسألة أن المسمى إذا كان من غير النقود بأن كان عرضا او حيوانا، إما أن يكون معينا بإشارة أوإفافة، فيجب بعينه،الخ".(ردالمحتار، كتب النكاح، باب المهر، مطلب: في أحكام الخلوة:٣/١٢٩،سعيد) ==

مہر میں روپیہ کے بجائے زمین:

سوال: کوئی شخص اپنی بیوی کو مہر کی رقم کے عوض زمین دے سکتا ہے؟ اس کی نیت یہ ہو کہ مہر کی رقم دینے پر بیوی استعمال کر لے گی اور زمین خود اپنے استعمال میں آئے گی، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

(محمد عبدالصمد، زیبا باغ)

الجواب ——————————

اگر مہر روپے میں طے پایا ہو تو مہر کے طور پر روپیہ ہی دینا واجب ہے۔ ہاں! اگر بیوی خود روپیہ کے بجائے کوئی سامان لینے کو تیار ہو تو پیسے کے بجائے سامان بھی دیا جا سکتا ہے؛ لیکن محض اس نیت سے روپیہ کے بجائے زمین دینا کہ میں خود مہر سے استفادہ کر سکوں، قطعاً جائز نہیں اور اکل حرام میں داخل ہے، مہر خوش دلی کے ساتھ عورت کو دے دینے کا حکم ہے اور اس کے بعد اسے تصرف کا پورا اختیار ہے۔ ہاں اگر عورت خود ہی مہر کا کچھ حصہ شوہر کو اپنی رضامندی سے کسی دباؤ کے بغیر دے دے تو کچھ حرج نہیں۔

﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَکُلُوْهُ هَنِیْٓئًا مَّرِیْٓئًا ﴾ (النساء: ٤) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۳۹۹-۴۰۰)

مہر کے روپیوں کے عوض زمین خرید کر دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے نکاح کیا فاطمہ سے اور مہر مقرر ہوا ساٹھ ہزار روپئے، زید نے اب تک مہر ادا نہیں کیا، اب زید مہر کے عوض سو گز زمین فاطمہ کے نام کرانا چاہتا ہے، جس کی قیمت ایک لاکھ پچھتر ہزار روپئے ہے اور فاطمہ اس پر راضی ہے تو کیا مہر ادا ہو جائے گا، یا ساٹھ ہزار روپئے بھی ادا کرنے ہوں گے؟

(المستفتی: ظہیر احمد، اغوان پور، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب —————— وباللّٰه التوفيق

سوال نامہ سے معلوم ہوا کہ فاطمہ کا مہر ساٹھ ہزار روپیہ ہے، جو زید کے اوپر واجب الادا ہے اور زید کی سو گز زمین جس کی قیمت ایک لاکھ پچھتر ہزار روپیہ ہو سکتی ہے، اس کے بارے میں زید کو اختیار ہے کہ ساٹھ ہزار روپیہ مہر کے عوض میں بیوی کے نام فروخت کر دے اور مالک کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنی ملکیت کی چیز جتنے میں چاہے فروخت کرے اور اس طرح زید کی طرف سے فاطمہ کا مہر ادا ہو جائے گا۔

== "المهر: هو كل مال متقوم معلوم مقدور على تسليمه، فيصح كون المهر ذهبا او فضة ... ويصح مكيلا او موزونا، حيوانا او عقارا، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل السادس، آثار الزواج، المبحث الاول، ثالثا: شروط المهر او ما يصلح أو مايصلح أن يكون مهرا، الخ: ٦٧٦٨/٩، رشيدية)

لأن الـملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامی، کتاب البيوع، زکريا :۱۰/۷، کراتشی:۵۰۲/٤، الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۹/٤۱،٤/۵۰۲)

ولـو بـعث إلى امرأته شيئًا ولم يذكر جهة عند الدفع غير جهة المهر (إلى قوله) **وقال هو من الـمهـر فالقول له.** (شـامـی، كـتـاب الـنـكـاح، باب المهر، كراتشی: ۱۵۱/۳، زكـريا: ۳۰۱/٤،الهـداية،اشرفی ديوبند: ۳۳۷/۲، الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۰۵/۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ؛ ۳/ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۰۹۲۳/۴۰)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۴/۱/۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۷۴۹/۱۳-۷۵۰)

حق مہر میں نقدی کے بجائے زمین وغیرہ دینا:

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقے میں یہ دستور ہے کہ لوگ حق مہر میں نقدی کے بجائے مکان، زمین یا سونے کے زیورات دیتے ہیں۔ کیا نقد رقم کی جگہ مذکورہ اشیا دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

حق مہر میں ہر وہ چیز دینا جائز ہے جو بذات خود مال ہو، صورت مسئولہ میں چوں کہ مذجورہ اشیاء بھی مال متقوم ہیں؛ اس لیے ان اشیا کو مہر میں دینا جائز ہے۔

وفی الهندية: المهر إنما يصح بكل ما هو مال متقوم. (الفتاویٰ الهندية: ۳۰۲/۱،الفصل الاوّل فی بيان ادنی مقدار المهر وبيان مايصلح مهرًا...)

قال العلامة أبوبكر الكاسانی: منها أن يكون المسمّى مالاً متقوماً. (بدائع الصنائع: ۲۷۷/۲، فصل وأما بيان ما يصح تسمية مهر) (فتاوی حقانیہ: ۲۵۸/۴)

موقوفہ زمین کو مہر بنانا درست نہیں:

سوال: حضرت مفتی صاحب! ایک مولانا صاحب مدرسے کے مہتمم تھے، ان کے چار بیٹے تھے، آخری اوقات میں حضرت نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ مدرسہ کی جو جگہ اور مکانات ہیں ان کو اپنی وراثت میں شامل نہیں کرنا، یہ مدرسہ کی جگہ تمہارے پاس بطور امانت ہے، اس میں خیانت نہیں ہونی چاہیے، پھر جب مولانا اپنے رب کو پیارے ہوئے تو ان کے بڑے بیٹے نے مدرسہ کو سنبھالا، بعد ازاں جب اپنے چھوٹے بھائی کے لیے ایک آدمی سے رشتہ مانگا تو اس آدمی نے یہ شرط رکھی کہ ایک مکان لڑکی کے نام پر میرے حوالے کرو، پھر رشتہ دوں گا تو اس مہتمم نے مدرسہ کا ایک مکان کا غذات سمیت لڑکی کے نام پر گواہوں کے ساتھ حوالے کیا، پھر رشتہ طے ہوا اور منگنی بھی ہوگئی۔ عنقریب شادی ہونے والی ہے، آیا اس وقف شدہ زمین کو مہر میں دینا مرحوم کے بیٹے کے لیے جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہتمم اوّل کا اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے وقت مذکورہ الفاظ کہنا کہ ''مدرسہ کی جگہ اور جو مکانات ہیں، ان کو وراثت میں شامل نہیں کرنا، یہ مدرسہ کی جگہ تمہارے پاس بطور امانت ہے اس میں خیانت نہیں ہونی چاہیے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کی زمین اور مکانات مہتمم اوّل کے پاس وقف کے طور پر تھے، لہٰذا ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے کی طرف بھی بطور وقف اور امانت کے منتقل ہوئے اور شریعت میں وقف شدہ زمین، یا مکان وغیرہ کو بیچنا، کسی کو ہبہ کرنا، یا مالک بنانا جائز نہیں، لہٰذا اب موجودہ مہتمم صاحب کا مدرسہ کے مکان کو لڑکی کے نام کرنا درست نہیں تھا؛ اس لیے اس مکان کی واپسی ضروری ہے، نیز ابھی عقد نہیں ہوا ہے، لہٰذا اس مکان کی جگہ باہمی رضامندی سے کوئی دوسری چیز مہر مقرر کرلی جائے۔

لمافي صحيح البخاري (۲۸۸/۲-۲۸۹،باب الوقف) وكيف يكتب: عن ابن عمر رضى الله عنهما، قال: أصاب عمر بخيبر أرضا، فأتى النبى صلى الله عليه وسلم، فقال: أصبت أرضا لم أصب مالا قط أنفس منه، فكيف تأمرني به؟ قال:إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها،فتصدق عمر أنه لا يباع أصلها ولا يوهب ولا يورث في الفقراء، والقربى والرقاب وفي سبيل الله والضيف وابن السبيل، لا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف، أو يطعم صديقا غير متمول فيه.

وفي الهندية (۳۵۰/۲):ولا يلزم إلا بطريقتين إحداهما قضاء القاضي بلزومه والثاني أن يخرج مخرج الوصية فيقول أوصيت بغلة داري فحينئذ يلزم الوقف كذا في النهاية وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذا في الهداية وفي العيون واليتيمة إن الفتوى على قولهما كذا في شرح أبي المكارم للنقاية.

في الشامية (۳۳۸/٤):قوله (على حكم ملك الله تعالى) قدر لفظ حكم ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالى الذي لا ملك فيه لاحد سواه وإلا فالكل ملك الله تعالى واستحسن في الفتح قول مالك رحمه الله أنه حبس العين على ملك الواقف فلا يزول عنه ملكه لكن لا يباع ولا يورث ولا يوهب. (نجم الفتاویٰ:۲۰۸/۵)

وقف زمین مہر رکھنے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی:

سوال: مفتی صاحب! ایک آدمی کے پاس وقف کیا ہوا مکان تھا، اس کے پاس کوئی اور مکان نہیں تھا، اس نے بھائی کی شادی پر وہ مکان حق مہر میں دے دیا اور بعد میں استفتاء لے لیا تو وہ مکان واپس کرنے کا فتویٰ ملا۔ کیا وہ آدمی مکان واپس لے سکتا ہے؟ اگر لے سکتا ہے تو حق مہر کتنا ادا کرنا چاہیے اور مکان کی قیمت کا اعتبار کیا جائے تو مکان کی قیمت چھ، سات لاکھ ہوتی ہے اور اب لڑکے والوں کے پاس اتنی رقم بھی نہیں ہے کہ مکان کی قیمت ادا کرسکیں۔ اگر ان کو پتہ ہوتا کہ یہ مکان شریعت کے تحت نہیں دے سکتے ہیں تو ہرگز نہیں دیتے۔ لڑکی کے باپ مکان کے کاغذات بھی لے چکے ہیں

اورشادی کو تین ماہ گزر چکے ہیں، لہٰذا لڑکے والے زیادہ حق مہر دینے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں اورلڑکی والے کم حق مہر پر راضی نہیں ہیں تو کیا صورت اختیار کی جائے، جس میں وقف کیا ہوا مکان واپس ہوجائے اورمہر بھی ادا ہوجائے۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں اور ہمارے اس تنازع کو شریعت کے مطابق حل فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح کے اندر جب کسی ایسی چیز کومہر بنایا جائے، جومہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہو؛ مگر کسی وجہ سے مہر میں نہ دی جاسکے تو اس صورت میں اس کی قیمت دینی ہوتی ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اولاً لڑکی والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ وقف شدہ مکان جوان کوبطور مہر ملا تھا، واپس کردیں؛ کیوں کہ جس طرح وقف شدہ چیز کا کسی کو دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح کسی سے لینا بھی جائز نہیں ہے۔ لڑکے والوں نے مہر میں جومکان دیا تھا، وہ فی نفسہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے؛ لیکن وقف شدہ ہونے کی بنا پر اس کومہر میں نہیں دے سکتے تو اس کی قیمت ان پر بطور مہر لازم ہوگی، البتہ اگرلڑکی اس قیمت میں سے اپنی مرضی اور خوشی سے کم کردے تو پھر جائز ہے اور مکان کی قیمت مہر ہونے کی وجہ سے اس لڑکی ہی کا حق ہے، لہٰذا اسے معاف کرنے اور کم کرنے کا حق بھی صرف لڑکی ہی کو ہے، اگرلڑکی معاف نہیں کرتی تو پھر پوری قیمت دینی پڑے گی۔

لمافي الهندية (۳۰۳/۱): وإذا تزوجها على هذا العبد وهو ملك الغير أو على هذه الدار وهي ملك الغير فالنكاح جائز والتسمية صحيحة فبعد ذلك ينظر إن أجاز صاحب الدار وصاحب العبد ذلك فلها عين المسمى وإن لم يجز المستحق لا يبطل النكاح ولا التسمية حتى لا يجب مهر المثل وإنما تجب قيمة المسمى كذا في المحيط.

وفي الشامية (۱۳۱/۳): (كما لو استحق أحدهما) أي أحد العبدين المسميين فإن لها الباقي وقيمة المستحق ولو استحقا جيمعا فلها قيمتهما وهذا بالإجماع كما شرح الطحاوی. (نجم الفتاویٰ:۲۰۹/۵)

عقد کے وقت رائج سکہ کا اعتبار ہوگا:

سوال: زید نے ہندہ سے ۱۳۰۶ھ میں نکاح بمہر ایک ہزار روپیہ کیا اورمہر مؤجل (یعنی عندالطلب) رہا۔ اب سنہ پچاس کے بعد مسماۃ ہندہ ہزار روپیہ زرمہر کی طالب ہے۔ اگراس درمیان میں دوسرا سکہ رائج ہوجائے تو مسماۃ مذکور اپنا مہر مقررہ ایک ہزار روپیہ پائے گی، یا بوجہ تبدیل ہوجانے سکہ کے کم وبیش کا اثر بھی اس کی رقم معینہ زرمہر میں پڑے گا؟

(المستفتی:۱۶۸۲، محمد یوسف صاحب انسپکٹر انکم ٹیکس، بھوپال)

الجواب ــــــــــــــــ

جس وقت مہر مقرر ہوا تھا، اس وقت جوسکہ رائج تھا، وہی ایک ہزار واجب الادا ہے۔(۱) اگراب اس کی مقدار، یا

(۱) تزوج امرأة على ألف درهم وفي البلد نقود مختلف ينصرف إلى الغالب منها. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع: ۳۱۰/۱، ماجدية)

قیمت کم ، یا زیادہ ہوگئی ہوتو نکاح کے وقت کی مقدار ادا کرنا ہوگی؛ مگر چندی کے سکہ میں وزن اور سکہ دونوں معتبر ہوں گے، مثلاً اس وقت کے ایک ہزار روپے دس سیر وزن کے ہوتے تھے تو اب یہی دس سیر وزن کے سکے دینے پڑیں گے، خواہ ان کی قیمت ایک ہزار سے زیادہ ہوجائے۔ (۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۸/۵)

مہر میں سونے کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا:

سوال: زید کی شادی ۱۹۹۵ھ میں ہوئی، جس میں مبلغ گیارہ سو روپے اور دو سرخ دینار مقرر ہوئے، دو سرخ دینار دو تولہ سونے کے مماثل ہے، زید کو مہر ادا کرنا ہو تو سونے کی قیمت اس وقت کی یا موجودہ قیمت کی ادا کرنا ہوگا؟

(غ،ق،م، سلاخ پوری)

الجواب

جس وقت مہر ادا کر رہا ہے اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ اصل میں سونا ادا کرنا واجب ہے، لہذا جب بھی قیمت ادا کی جائے ضروری ہے کہ ادا کرتے وقت اس رقم میں سونے کی اتنی مقدار خرید ی جاسکے:

”حتی لو تزوجها على ثوب أو كيل أو موزون و قيمته يوم العقد عشرة فصارت يوم القبض أقل ليس لها الرد وفي العكس لها ما نقص“. (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۰/۴-۳۹۱)

مہر میں کسی سکے کی تخصیص نہ کی گئی ہو تو کیا حکم ہے:

سوال (۱) مسماۃ ہندہ کا نکاح زید سے بعوض مبلغ گیارہ ہزار روپیہ مہر مؤجل ۱۳۰۶ھ میں بمقام بھوپال ہوا تھا۔

(۲) یہ کہ ۱۳۰۶ھ میں بھوپال میں جہاں نکاح ہوا تھا، سکہ بھوپالی رائج تھا؛ مگر زر مہر میں تعین کسی سکہ کی نہیں تھی۔

(۳) نکاح کے تقریباً تین سال کے بعد سکہ بھوپالی مسدود ہوگیا اور بجائے اس کے سکہ انگریزی رائج کردیا گیا۔

(۴) یہ کہ سکہ کی تبدیلی کے ۳۸/ سال بعد زید کا انتقال ہوگیا اور اب مسماۃ ہندہ مہر کی طالب ہے۔

(۵) حالات مذکورہ بالا میں جب کہ سکہ بھوپالی موقوف ہوئے ۳۸/ سال کا زمانہ ہو چکا ہے اور سکہ رائج انگریزی کا ہے اور وجوب مہر کا اس وقت ہوا ہے، جب کہ سکہ انگریزی رائج ہے، مہر کی ادائیگی کس صورت سے عمل میں آئے گی، آیا سکہ رائج الوقت ادا کیا جائے گا، یا وہ سکہ جو بوقت نکاح رائج تھا اور اب مفقود ہو گیا ہے؟ اور اگر سکہ مروجہ بوقت نکاح سے ادائیگی ہوگی تو شرح تبادلہ کیا قرار دی جائے گی؟

(المستفتی: ۲۱۳۹، منشی محمد ابراہیم صاحب، بھوپال، ۱۸/ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۷ء)

(۱) ولو تزوجها على دراهم من نقد البلد فكسدت وسار النقد غيرها فكان على الزوج قيمة تلك الدراهم يوم كسدت على المختار. (حاشية الطحطاوی على الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۳۷/۲، بيروت)

(۲) الفتاوى الهندية: ۳۰۲/۱

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

گیارہ ہزار سکہ بھوپالی مہر تھا، وہی واجب الادا ہے؛ مگر اس کے مسدود ہوجانے پر اس کی قیمت سکہ رائجہ میں ادا کی جائے گی۔ شرح مبادلہ وہ قرار پائے گی، جو بھوپالی سکہ کے بند اور موقوف ہونے کے وقت قرار دی گئی تھی، پھر اگر وہ روپیہ جو اس قیمت کے حساب سے معین ہوا اور وزن میں سکہ مسدود کے برابر ہو تو انگریزی روپیہ دلوایا جائے گا اور اگر وزن میں کمی بیشی ہو تو ادائیگی کسی دوسری جنس کی صورت میں مثلاً گیہوں کی صورت میں واجب ہوگی۔

”**رجل تزوج امرأة على ألف درهم فكسدت الدراهم وصار النقد غيرها تجب قيمة تلك الدراهم يوم كسدت هو المختار ذكره الصدر الشهيد**“. (الفتاوی الهندية: ۳۳۰/۱، طبع مصر) (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۰/۵)

مہر میں اشرفی کی جگہ روپئے، پیسے دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص نے مہر میں تین اشرفی متعین کی اشرفی کا دور ختم ہونے کی وجہ سیشو ہر اپنی بیوی کو اختیار دیتا ہے کہ بتاؤ بعوض اشرفی تم کتنے روپئے لوگی، اگر بیوی تین، یا پانچ، یا دس ہزار روپئے پر راضی ہوجائے تو مہر ادا ہوگی، یا نہیں؟ اشرفی کی قیمت اور اس کی مقدار بتائیں؟

(المستفتی: محمد جہانگیر، محلّہ: شیام نگر، میرٹھ (یوپی))

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

ایک اشرفی کا وزن ایک مثقال کے برابر ہے اور ایک مثقال میں چار گرام ۳۷۴ ملی گرام ہوتا ہے، لہٰذا ۳؍ اشرفی کی مقدار ۱۳؍ ہزار ایک سو بائیس ملی گرام ہوا، جس میں ایک تولہ تین گرام ایک سو بائیس ملی گرام بنتا ہے، اس کی قیمت آج کے زمانہ میں تیس ہزار روپیہ سے اوپر ہی ہوگی اور بیوی تین اشرفی کی قیمت کی مستحق ہے، جو ۳۰-۳۱؍ ہزار روپیہ کی بنتی ہے، وہی ادا کرنا شوہر پر لازم ہے اور دھوکہ دے کر کم ادا کرنے سے بقیہ ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل: ۴۰/۱۲، فتاوی دار العلوم: ۲۵۴/۸، جواہر الفقہ قدیم: ۴۲۳/۱، جدید زکریا: ۴۰۹/۳)

المثقال هو الدينار عشرون قيراطاً، والدرهم أربعة عشر قيراطاً، والقيراط خمس شعيرات. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة، زكريا: ۱۹۷/۱، جديد زكريا: ۲۴۰/۱)

فلو كسدت وصار النقدغيرها، فعليه قيمتها يوم كسدت على المختار. (شامي، كراتشي: ۱۰۲/۳، زكريا: ۲۳۳/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۵؍ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۶۰۶۲/۳۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۵/۴/۱۴۳۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۷۲/۱۳-۶۷۳)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الخامس في المهر: ۳۱۰/۱، ماجدية

چیک کے ذریعہ مہر ادا کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرے ایک دوست کی شادی ہونے والی ہے اور وہ مہر کی رقم چیک کے ذریعہ دینا چاہتا ہے، چیک لڑکی کے نام ہوگا، دوراندیشی کے لیے دوسرا بہانہ نہ ہوسکے، یہ چیک قاضی کے سامنے دیا جائے گا، یا جب لڑکی سے ملاقات کی جائے، اس وقت یعنی شادی والے دن سے چار پانچ روز کے بعد رقم لڑکی کے کھاتے میں جمع ہوگی؟ ؛ لہٰذا اس مسئلہ کا جواب مطلوب ہے۔

(المستفتی: محمد نسیم کرولہ، مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ——————— وباللّٰہ التوفیق

مہر کی رقم کو چیک کے ذریعہ سے دینا جائز اور درست ہے۔ نیز اس میں رقم کی زیادہ حفاظت ہوتی ہے، جب کہ شوہر کے کھاتے میں رقم موجود ہو اور مہر کی رقم کا چیک رقم ہی کے قائم مقام ہوتی ہے۔

الصک کتاب الإقرار بالمال وغیرہ. (لغة الفقهاء، كراتشي: ۲۷۵)

وغیر الدراهم یقوم مقامها باعتبار القیمة وقت العقد فی ظاهر الروایة. (الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع فی المهر الفصل الاول، زکریا: ۱/۳۰۲، جدید: ۱/۳۶۸) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ، ۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۱۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲/ ۵/ ۱۴۱۷ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۷۵۰-۷۵۱)

بیوی کا اپنے شوہر کے مال پر مہر کے عوض قبضہ کرنا کیسا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ہمارے ملک میں جو یہ رواج ہے کہ عورت بعد مرنے اپنے شوہر کے، اس کی متروکہ پر بدین مہر قابض اور مالک سمجھی جاتی ہے اور دین مہر ایک قرض ہے عورت کا بذمہ مرد کے اور کوئی دائن جزو، یا کل جائیداد مدیون پر مالکانہ طور سے بلا استحصال حق ملکیت، مجرد دعویٰ دین کی وجہ سے مالک اور قابض نہیں ہوسکتا۔ پس اگر وہ عورت متروکہ شوہر کے قبضہ کر لینے سے حقیقتاً اور شرعاً مالک ہوسکتی ہے تو مثلاً جائیداد متروکہ شوہری ہزار، یا آٹھ سو روپیہ کی ہے اور دین مہر دو ہزار روپیہ کا تو ایسی کم قیمت جائیداد پر، اس عورت کے قابض ہوجانے سے، تمامی دین مہر ذمگی شوہر [سے] ادا ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ اور شرع میں وارثان شوہر کے لیے ادائے دین مہر کی بابت کوئی میعاد مقرر ہے، یا نہیں؟

مثلاً: کوئی عورت بعد مرنے اپنے شوہر کے بیس برس تک، ایسی جائیداد متروکہ شوہری پر قابض رہی کہ جس کی آمدنی پچاس روپیہ، یا سو روپیہ سالانہ اس کو وصول ہوئے اور اس قدر مدت کے بعد وارثان شوہر دین مہر اس کا جو ہوا ادا کرنا اور جائیداد مقبوضہ کا واپس لینا چاہیں تو ان ورثا کو اداء دین مہر مذکور کا مجاز اور اس عورت کو عند الشرع لے لینے زر مہر اور

واپس کر دینے جائیداد مقبوضہ کا، استحقاق حاصل ہے، یا نہیں؟ اور بعد اس قدر مدت کے اگر عورت منکوحہ مستحق لینے دین مہر کی وارثان شوہر سے ہوسکتی ہے تو مدت قبضہ جائیداد کی آمدنی زرمہر میں مجرا اور محسوب ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

اگر وہ آمدنی لائق مجراء دین مہر کے نہیں ہے تو وہ محاصل جائیداد شوہری بعد وصول ہوجانے کل زرمہر کے کس حق میں محسوب اور شمار ہوگی؟

الجواب

اگر عورت ترکہ شوہر پر بوجہ اپنے دین مہر کے قبضہ کرے، نیت معاوضہ اور ملک سے تو بفتویٰ متاخرین مالک ہوجاتی ہے، اگر اس کی نیت یہ ہے کہ بعوض کل دین مہر کے اس کو لیتی ہوں تو تمام مہر ادا ہوگیا، اب اس کا کچھ دعویٰ زوج پر ثابت مہر کا نہیں رہا۔

اور جو یہ نیت ہے کہ قدر قیمت مثل کے جو اس نے کوئی قدر معین کر دی ہے، اس میں لیتی ہوں تو باقی مہر جو زائد قدر قیمت مثل سے ہے، ذمہ زوج کے باقی رہتا ہے، پس بعد اس کے کہ اس نے اپنے مہر میں اس ترکہ کو لیا، خواہ تمام مہر میں یا بعض میں تو بعد اس کے ورثہ زوج اگر مہر ادا کر کے ترکہ کو واپس لے لیویں تو عورت پر جبر نہیں ہوسکتا، البتہ اگر عورت برضاء خود دے دیوے، مختار ہے کہ عورت اس کو یا بیع کرتی ہے، یا اقالہ بیع سابق کا کرتی ہے تو اس صورت میں آمدنی جو عورت نے اس ترکہ سے حاصل کی ہے، مجرا نہیں ہوسکتی کہ وہ محصول اپنی ملک کا اس نے حاصل کیا ہے۔

(کذا یفہم من کتب الفقہ) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں ص ۲۲۳-۲۲۴) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۸۵، ۲۸۶)

مہر میں دیئے گئے مکان کا ہبہ:

سوال: زید نے اپنا ذاتی مکان اپنی بیوی کو مہر میں دے دیا، اس کی موجودہ مالیت دس لاکھ روپے ہے، زید کی نو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، جن میں دو کا انتقال ہو چکا ہے، زید کی بیوی یہ مکان صرف ایک لڑکا، ایک لڑکی اور ایک نواسہ جس کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے کو دینا چاہتی ہے، ایک لڑکے کو ۱۲ر آنہ، ایک لڑکی کو ۲ر آنہ اور نواسہ کو ۲ر آنہ، کیا از روئے شرع یہ درست ہے؟ (سید شکیل احمد، کٹہل گوڑہ)

الجواب

اگر زید کی بیوی نے اس تفصیل کے مطابق ہبہ کر دیا تو ہبہ شرعا اور قانونا نافذ ہوگا؛ لیکن کسی معقول وجہ کے بغیر اپنی اولاد میں سے کسی کو دینا اور کسی کو محروم کر دینا مناسب نہیں، حضرت عمرہ بنت رواحہ کی خواہش پر ان کے شوہر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے ان کو کچھ مال دینا چاہا اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گواہ بننے کی خواہش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا اپنی تمام اولاد کو دے رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل سے کام لو؛(۱) اس لیے یہ بات بہتر نہیں ہے کہ اپنی اولاد میں سے بعضوں کو دیا جائے اور بعض کو نہیں، یا بعض کو زیادہ دیا جائے اور بعض کو کم۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۸۶)

زمین کے بدلہ میں شادی:

سوال: ایک شخص نے اس طرح زمین لی ہے کہ اس کی ایک لڑکی تھی، اس نے اس کی شادی کردی اور بدلے میں زمین لی، اب اس شخص کے پوتے پڑپوتے ہیں، ان کے واسطے اس زمین کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ زمین رشوت کے حکم میں ہے، اس کی واپسی لازم ہے، اس کی آمدنی خود نہ وصول کریں؛ بلکہ جس کی تھی، اس کو یا اس کے ورثہ کو واپس کردیں۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/رمضان/۱۳۶۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۹۶)

مہر کب ادا کرنا چاہیے:

سوال: بیوی کا مہر کس وقت دینا چاہیے؟ کاغذات صحیح طور پر لکھنا چاہیے، یا غلط لکھا گیا تو اسے مان لینا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مہر شریعت کا مقرر کردہ ایک فریضہ ہے؛ اس لیے مہر کی ادائیگی نکاح کے بعد بیوی سے ملنے سے پہلے ہونی چاہیے، البتہ بعد میں بھی ادا کیا جائے تو ادا ہو جائے گا۔ مہر طے کرتے وقت جتنا مہر طے ہوا تھا اور جس طرح ہوا تھا، اسی طرح ادا کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿واٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئاً مَرِيْئاً﴾ (سورة النساء:٤)

﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (سورة النساء:٢٥)

﴿فَمااسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ (سورة النساء:٢٤)

فریقین کو اپنے معاہدے پر قائم رہنا لازم ہے اور اس سے انحراف شرعاً حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً﴾ (سورة بنی اسرائیل:٣٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہد الاسلام قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/)

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/۳۷

(۲) أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم، فللزوج أن يسترد؛ لأنه رشوة. (الدرالمختار، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۳/۱۵۶، سعيد)

مجلس نکاح میں مہر ادا کرنا کیسا ہے:

لڑکا، لڑکی کی شادی کے وقت عقد پڑھایا جاتا ہے اس میں مہر کا جو اقرار کیا جاتا ہے وہ نکاح کے بعد مجلس میں ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کب تک ادا کیا جاسکتا ہے؟ اگر اسی وقت ادا کیا جاسکتا ہے تو اس کے بارے میں جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

مہر عورت کا حق واجب ہے جس کی ادائیگی شوہر کے لیے ضروری ہے، خواہ معجّل ہو یا مؤجل، نکاح کے بعد نکاح کی مجلس میں بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

﴿واٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (سورۃ النساء: ٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۱۶/۲/۱۴۲۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۰)

بیس برس بعد مہر کے مطالبہ کا حق ہے، یا نہیں:

سوال: زید کہتا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو بیس برس ہوئے طلاق دے دی ہے؛ مگر اب تک زید نے دین مہر اپنی زوجہ کا ادا نہیں کیا، ایسی صورت میں زید کی زوجہ کو دین مہر کے مطالبہ کا حق شرعاً حاصل ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس صورت میں زید کی زوجہ اپنے مہر کا مطالبہ شرعاً کرسکتی ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۲۵)

ایک زمانہ کے بعد مہر کی ادائیگی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دریافت طلب امر یہ ہے کہ میری شادی ۱۹۴۵ء میں ہوئی تھی، اس وقت انگریزی سکہ چاندی کا روپیہ تھا تعداد مہر میں مبلغ ۳۵/روپیہ ۱۰/آنہ چھ پائی مقرر ہوئی تھی؛ لیکن احقر آج تک اس کو ادا نہ کرسکا اہلیہ کا انتقال بھی ہوگیا۔ احقر اب اس کی ادائیگی کرنا چاہتا ہے، اب اس کی تعداد کیا ہوگی اور اس کا قاعدہ کیا ہوگا؟ جس سے احقر اپنے قرض سے بری ہوجائے، اہلیہ کے بھتیجے بھی ہیں اور پانچ لڑکے ایک لڑکی ہے۔ تفصیل سے نوازیں ایک صاحب کہتے ہیں: ۳۵/روپیہ دس آنہ چھ پائی کے بقدر چاندی موجودہ اوزان کے اعتبار سے دوسونناوے، دوسوساڑھے چون ملی گرام ہوتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اگر اس زمانہ میں جب آپ کی شادی ہوئی تھی، چاندی کا سکہ چلتا تھا تو آج آپ کی اہلیہ کا مہر چاندی کے ۳۵/روپیہ ۱۰/آنہ چھ پائی کا حساب لگا کر ادا کیا جائے گا اور اس کا وزن اور قیمت صرافہ سے جا کر معلوم کیا جائے کہ آج سے

۵۸ سال پہلے چاندی کا جوسکہ چلتا تھا، اس کا وزن کتنا ہوتا تھا؟

استقرض من الفلوس الرائجة فعليه مثلها كاسدة ولا يغرم قيمتها. قال الشامي: أى إذا هلك وإلا فيرد عينها اتفاقاً. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، كراتشي: ۱۶۲/۵، زكريا: ۳۹۰/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۸۰۹۴/۳۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۴/۶/۳۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۱۳ا۷-۱۴ا۷)

کیا کوئی مدت ہے، جس کے بعد مہر کا مطالبہ جائز نہیں ہوتا:

سوال: کیا شرعاً ایسی کوئی مدت ہے، جس کے گزرنے کے بعد مطالبہ مہر کا حق زوجہ کو نہ رہے؟

الجواب

شرعاً کسی مدت کے گزرنے سے حق کسی وارث کا اور صاحب حق کا ساقط نہیں ہوتا۔

شامی میں ہے:

" **قالوا: إن الحق لايسقط بالتقادم**". (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۵/۸)

مہر کی قیمت وقت عقد کی معتبر ہوگی، یا وقت ادا کی:

سوال: عقد میں مہر نواؤ قئے زر سرخ خالص مقرر کیا گیا تھا، زر خالص یعنی طلاء کی قیمت کا اعتبار زمانۂ عقد کا ہوگا، یا زمانۂ مابعد مطالبہ کی قیمت کا ہوگا؟ از روئے احکام شرع شریف بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً

جب زر خالص کی مخصوص مقدار کو مہر قرار دیا گیا ہے تو اس کا ادا کرنا واجب ہے، اگر سونا ادا نہ کیا جائے؛ بلکہ اس کی قیمت دی جائے تو گویا اب اس زر خالص کو (جس کی زوجہ مستحق ہے) شوہر اس سے حکماً خرید کر قیمت دے رہا ہے تو اب جو قیمت ہوگی، اس کے اعتبار سے معاملہ ہوگا، یہ دوسری بات ہے کہ بیوی کم قیمت لے لے، اس صورت میں گویا بیوی نے اتنی مقدار معاف کر دیا۔

رز خالص کے علاوہ اگر کسی اور چیز کو مہر قرار دیا جاتا، مثلاً پچاس من گندم تو گندم کا دینا واجب ہوتا، پھر جب گندم کے بجائے قیمت دی جاتی تو اس کی صورت بھی یہ ہوتی کہ گویا وہ پچاس من گندم مملوکہ زوجہ شوہر کے پاس تھے اور شوہر نے ان کو اب خریدا ہے اور قیمت دے رہا ہے، لہٰذا خریداری کے وقت کی قیمت معبر ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں اس کی

(۱) دیکھئے: **الأشباه والنظائر مع شرح الحموی، كتاب القضاء، ص: ۱۱٤، ردالمحتار، كتاب الدعویٰ، مطلب هل ينبغی النهی بعد موت السلطان: ۷۲۰/۳، ط: سعيد، ظفير**

تعبیر یہ ہے کہ بیوی دین مہر میں قبل الوقت تصرف کررہی ہے؛ یعنی شوہر کے ہاتھ فروخت کر کے اس کے روپیہ وغیر کی شکل میں حاصل کررہی ہے۔

وجاز التصرف فی الثمن بهبة أو بیع أو غیرها لو عینا: أی مشار إلیه ولو دینا فالتصرف فیه تملیک ممن علیه الدین ولو بعض قبل قبضه، سواء تعین بالتعین کمکیل، أو لا کنقود، کذا الحکم فی کل دین قبل قبضه کمهر". (الدر المختار)

"(قوله: بعوض) کأن اشتری البائع من المشتری شیئا بالثمن الذی له علیه ... (قوله: وکذا الحکم فی کل دین): أی یجوز التصرف فیه قبل قبضه؛ لکن بشرط ان یکون تملیکا ممن علیه بعوض أو بدونه، کما علمت... (قوله: کمهر، الخ) وکذا القرض. (ردالمحتار)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۸۵-۵۹) ☆

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، باب المرابحة والتولیة، مطلب فی بیان المثمن والمبیع والدین: ۱۵۲/۵، سعید

☆ مہر کی ادائیگی میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا نکاح ۱۲/ربیع الاوّل ۱۴۲۴ھ مطابق ۷/دسمبر ۲۰۰۳ء کو ہوا اس وقت جو زید کے نکاح میں مہر مقرر ہوا مہر فاطمی، جس کی قیمت اس وقت ساڑھے ۱۲/ہزار روپیہ تھی، جو نکاح کے وقت رسید میں لکھ دی گئی تھی۔ اب کیا اس کو اُس وقت کی رقم دینی ہے، یا اِس وقت کی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

(المستفتی: مشاہد حسین اشرفی، سرائے سنبھل، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ———— وباللّٰه التوفیق

رسید میں مہر کی صراحت دیکھی گئی ہے، اس میں مہر فاطمی لکھا ہوا ہے، جس کی قیمت بوقت عقد ساڑھے بارہ ہزار روپیہ تھی، یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ مہر کی ادائیگی جس وقت کی جائے، اسی وقت کی قیمت کا اعتبار ہے اور عقد کے وقت کی قیمت کا اعتبار نہیں ہے اور مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کیلو ۳۰/گرام ۹۰۰/ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت ادائیگی کے دن بازار سے معلوم کر کے ادا کردیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۳۰)

وإن کان دینا کان للزوج أن یحبسه ولایدفع غیره؛ لأن الدراهم والدنانیر لاتتعینان لعقود المعاوضات وإن عینت إلا إذا کانت نقرة، أوتبراً، أو ذهباً، أو فضةً؛ فإنها تتعین إذا عنیت وإذا ورد الطلاق قبل الدخول لها، ففی کل موضعٍ کان للرجل أن یعطیها غیره. (التاتارخانیة، کتاب النکاح، الفصل السابع عشر، زکریا: ۱٦۳/٤، رقم: ٤٨٤۳)

وعندهما فی الفصلین جمیعاً یودی قیمتها یوم الاداء فی النقصان درهمین، ونصفاً. وفی الزیادة عشرة هما یقولان: الواجب جزء من النصاب وغیر المنصوص علیه حق تعالیٰ غیر أن الشرع أثبت له ولایة أداء القیمة أما تیسرا علیه وأما نفلا للحق والتسیر له فی الاداء دون الواجب. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، فصل فی التصرف فیمال الزکاة قدیم: ۲۳/۲، جدید زکریا: ۱۱۵/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۳/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۴۲۰)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ، ۳/۳/۱۴۳۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۷۱۰-۷۱۲)

نکاح کے بعد مہر کی قیمت میں تغیر ہو گیا:

سوال: زید کا نکاح ہندہ سے بعوض مبلغ ایک ہزار روپیہ بسکہ رائج الوقت دین مہر ہوا ہے اور اس وقت روپیہ مختلف شکلوں میں رائج تھا؛ یعنی وکٹوریہ کا روپیہ، ایڈورڈ ہفتم کا روپیہ، جارج پنجم کا روپیہ، جارج ششم کا روپیہ اور کاغذی نوٹ۔ اب پچیس سال بعد زید ہندہ کا دین مہر ادا کرنا چاہتا ہے تو اس کو ایک ہزار روپے ادا کرنا ہوگا، یا ایک ہزار روپے کی چاندی کی قیمت، جب کہ مختلف رائج روپوں میں چاندی کی مقدار مختلف ہے اور کاغذی نوٹ میں چاندی کا وجود نہیں؟ امید ہے کہ جواب سے سرفراز فرما کر مجھے دین مہر کی ادائیگی میں مدد فرمائیں گے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

وقت عقد جو سکہ مروج تھا اور وہاں کے ماحول میں جس کا لین دین زیادہ تھا، وہی مراد ہوگا، اگر اس میں چاندی غالب تھی تو اتنی مقدار چاندی لازم ہوگی، اگر چاندی مغلوب تھی تو وقت عقد جو قیمت تھی، وہ قیمت لازم ہوگی، اگر وہی روپیہ مل جائے، جو بوقت عقد رواج تھا تو وہی دے دیا جائے، بشرطیکہ اس میں چاندی غالب ہو۔

"ومما يكثر وقوعه مالو اشترى بقطع رائجة فكسدت بجرب جديدة، يجب قيمتها يوم البيع ... ولا يدفع قيمتها من الفضة الجديدة؛ لأنها ما لم يغلب غشها فجيدها ورديئها سواء إجماعا، وفي الذخيره عن المنتقى: إذا غلت الفلوس قبل القبض أو رخصت، قال أبويوسف: قولي وقول أبي حنيفة في ذلك سواء، وليس له غيرها، ثم رجع أبويوسف رحمه الله تعالىٰ وقال: عليه قيمتها من الدراهم يوم دفع البيع ويوم دفع القبض".

"(قوله: يوم دفع البيع): أى في صور ة البيع، (قوله: يوم دفع القبض): أى في صورة القرض وحاصل مامر انه على قول ابي يوسف المفتى به لا فرق بين الكساد والانقطاع والركص والغلاء في انه تجب قيمتها يوم دفع البيع او القرض لامثلها ... استقرض منه دانق فلوس حال كونها عشره بدانق، فصارت ستة بدانق، اورخص وصار عشرون بدائق، يأخذ منه عدد ما اعطى ولا يزيد ولاينقص، قلت: هذا مبنى على قول الامام وهوقول أبي يوسف اولا، وقد علمت ان المفتى به قوله ثانيا بوجوب قيمتها يوم القرض، وهو دانق: أى سدس درهم، سواء صار الان ستة فلوس بدانق او عشرين بدانق ينصرف مطلقه إلى غالب نقدالبلد: أى بلد العقد؛ لانه المتعارف، وإن اختلف النقود مالية، فسد العقد مع الاستواء في رواجها، أما إذا اختلف روجا مع اختلاف مليتهما او بدونه، فيصح وينصرف إلى الاروج". (الدرالمختار وردالمحتار، كتاب البيوع مختصراً)(۱)

---

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب مهم في احكام النقود إذا كسدت او انقطعت او غلت اورخصت: ۵۳۳/۴ـ۵۳۴، سعيد

”وللشارح رسالة: بذل المجهود فی مسئلة تغير النقود، وللمحشی أيضا رسالة: ”تنبيه الرقود فی أحكام النقود، فيهما المبسط كل البسط. (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۲/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۲/۲۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۵۹-۶۱)

زوجہ اپنے شوہر سے اس کی زندگی ہی میں جب چاہے مہر طلب کر سکتی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک زوجہ اپنے شوہر سے مہر درمیان میں طلب کرتی ہے۔ مہر کے دینے پر شوہر کو استطاعت ہو تو زوجہ کے تقاضے کے مطابق دینی چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

کسی شخص نے جب کسی عورت سے نکاح کر کے اس سے خلوت کر لی تو اسی وقت اس پر اس کا پورا مہر واجب ہو گیا۔ (۲) عورت جب چاہے اپنا مہر طلب کر سکتی ہے اور خاوند کو بھی چاہیے کہ استطاعت ہوتے ہوئے جب تقاضا کیا تو دے دے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۳۲)

طلاق سے پہلے بھی بیوی مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر شوہر طلاق نہ دے، پھر بھی عورت اپنے مہر جہیز طلب کرے تو مہر جہیز وغیرہ دینا پڑے گا؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

مہر اور جہیز کا سامان عورت کا حق ہے اور وہ طلاق سے پہلے بھی شوہر سے اس کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

عن محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كشف خمار امرأة ونظر إليها فقد وجب الصداق الخ. (سنن الدار قطنی: ۲۱۳/۳، رقم: ۳۷۸۰)

إن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كلها. (شامی، مطلب فی دعوى الأب أن الجهاز عارية: ۱۵۸/۳، کراچی)

وفى الثيب البالغة حق القبض لها دون غيرها. (الفتاویٰ الهندية: ۳۱۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۴/۸/۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۰۱/۸-۴۰۲)

---

(۱) رسائل ابن عابدين، تنبيه الرقود على مسائل النقود: ۶۰/۲-۶۲، سهيل اكادمی لاهور

(۲) والزيادة إنما تتأكد بأحد معان ثلاثة: إما بالدخول وإما بالخلوة الصحيحة وإما بموت أحد الزوجين فإن وقعت الفرقة بينهما من غير هذه المعانی الثلاثة بطلت الزيادة وتنصف الأصل ولا تتنصف الزيادة، كذا فی المضمرات. (الفتاویٰ الهندية: ۳۱۳/۱، دارالفكر بيروت، انيس)

خلوت صحیحہ سے قبل طلاق کی صورت میں نصف مہر لازم ہوگا:

سوال: ایک بالغ کا نکاح مطابق قانون اسلامی کے دس ہزار سکۂ مروجہ دین مہر پر ہوا۔ رخصتی کی مدت بعد تین سال قرار دی گئی۔ چند ماہ سے یہ شخص بمصالح چند اس نکاح سے بیزار ہو رہا ہے اور نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کیا کوئی صورت شرعی ہے؟ اور کتنا دین مہر لازم آئے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں جب کہ ابھی صرف نکاح ہوا ہے، خلوت صحیحہ نہیں ہوئی ہے تو طلاق دینے پر نصف دین مہر (پانچ ہزار روپیہ) واجب الادا ہوگا، (۱) طلاق کے سوا علاحدگی کا اور کوئی شرعی طریقہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۴۹/۸/۲۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/) ☆

بغیر خلوت طلاق سے نصف مہر ہوتا ہے:

سوال: اگر زوج اپنی منکوحہ کو نکاح کے بعد بغیر رخصتی کے طلاق دے دے۔ مہر لازم ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

بدون خلوت صحیحہ اور وطی و جماع کے اگر شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دے دے تو آدھا مہر لازم ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف مافرضتم﴾ (الآية) (۲)

وفى الدر المختار: ويجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة، الخ. (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/۳۰۵-۳۰۶)

---

(۱) ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْفَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ﴾ (سورة البقرة: ۲۳۷)

☆ **خلوت صحیحہ سے قبل نصف مہر لازم ہے:**

سوال: مسمّی بدری کا نکاح مسماۃ خاتون سے ہوا، لڑکی ہنوز نابالغہ ہے، رخصتی کے قبل ہی بدری نے اپنی منکوحہ کو طلاق دے دی۔ اس صورت میں لڑکی دین مہر کی مستحق ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں جب ان دونوں کا صرف نکاح ہوا تھا، شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ نہیں کیا تھا تو طلاق کے بعد نصف مہر واجب ہوا، خاتون اپنے شوہر سے نصف مہر لے سکتی ہے۔ (﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْفَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ﴾ (سورة البقرة: ۲۳۷)) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۶۹/۱۱/۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/)

(۲) سورة البقرة: ۱۲، ظفیر

(۳) الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب المهر: ۲/۴۵٦، ظفیر

خلوت سے پہلے طلاق دینے پر مہر لازم ہوگا، یا نہیں:

سوال: زید نے اپنا عقد ہندہ سے بہ تقرری مہر سوا چالیس روپیہ کے کیا اور قبل وطی اور خلوت صحیحہ کے زید نے ہندہ کو طلاق بائن دے کر نکاح سے خارج کردیا اور مہر دینے سے انکار کرتا ہے اور موضع القرآن سے آیۃ کریمہ ﴿**لا جناح عليكم**﴾ (الآية) دلیل میں پیش کرتا ہے۔ اس صورت میں مہر دینا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں قبل دخول وخلوت طلاق دینے سے نصف مہر لازم آتا ہے، جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿**وإن طلقتموهن من قبل أن تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف مافرضتم**﴾ (الآية) (۱)

اور یہ آیت ﴿**لا جناح عليكم**﴾ (الآية) (۲) کے بعد ہے، اس کی تفسیر کو بھی موضع القرآن میں دیکھ لیں، وہ پہلا حکم مہر واجب نہ ہونے کا اس وقت ہے کہ مہر بالکل مقرر نہ ہوا اور قبل دخول وخلوت طلاق دی جاوے اور جب کہ مہر کی مقدار مقرر ہوئی ہو، جیسا کہ اس صورت میں ہے اور طلاق دخول وخلوت واقع ہوئی ہو تو نصف مہر لازم آتا ہے، اس آیت ﴿**وإن طلقتموهن**﴾ (الآية) میں اس کا بیان ہے اور کتب فقہ میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح ہے۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۳/۸-۳۲۴)

نکاح بعد پورا مہر دے دیا؛ مگر خلوت سے پہلے طلاق دے دی تو آدھا مہر شوہر واپس لے سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر بھی دیدیا لیکن رخصت نہیں کی؛ یعنی قبل خلوت طلاق دے دی تو نصف مہر واپس لے سکتا ہے، اگرچہ مہر میں جانور ذی روح دیا ہو اور وہ مر گیا ہو، یا روپیہ ہو اور خرچ ہو گیا ہو، یا کپڑے ہوں، وہ پہننے سے گل گئے ہوں؟

الجواب

اس صورت میں شوہر نصف مہر واپس لے سکتا ہے اور جو بعینہ واپس نہ ہوسکتا ہو تو اس کی مثل، یا قیمت واپس کی جاوے گی۔

فی الدرالمختار: قبضت ألف المهر فوهبته له وطلقت قبل وطء رجع عليها بنصفه لعدم تعين النقود فی العقود. (۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۷/۸)

---

(۱) سورة البقرة: ۳۱، ظفير

(۲) سورة البقرة: ۳۱، ظفير

(۳) ويجب نصفه بطلاق قبل وطء أوخلوة. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۶/۲، ظفير)

(۴) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۷۴/۲، ظفير

خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں مہر وغیرہ:

سوال: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا، دونوں میں تنہائی؛ یعنی صحبت نہیں ہوئی تھی کہ طلاق کو نوبت آ گئی۔ کیا پورا مہر لینے کی حق دار ہے؟ اور زید نے بوقت نکاح جو زیور دیئے تھے، اس کی واپسی کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا، (۱) جو زیور وغیرہ شوہر کی طرف سے بیوی کو تملیکاً دیا گیا ہے، یا بیوی کے والدین نے جو کچھ داماد کو تملیکاً دیا ہے، اس کی واپسی نہیں ہوگی؛ بلکہ جو کچھ جس کو دیا گیا ہے، اسی کا ہوگا، لڑکی کے والدین نے جو کچھ سامان اپنی لڑکی کو دیا ہے، وہ لڑکی کا ہے، شوہر اس کو لینے کا حقدار نہیں۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۸۷/۵/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بند نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۸۷/۵/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیو بند، ۱۳۸۷/۶/۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۰۴-۱۰۵)

خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں آدھا مہر واجب الادا ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۸/ جون ۱۹۲۸ء)

سوال: زید نے مسماۃ ہندہ سے ہزار روپیہ مہر اور دیگر چند شرائط پر جو جنس مال سے تھیں، نکاح کیا۔ نکاح پڑھے عرصہ زائد از نو ماہ گزر چکا ہے۔ ابھی تک زید نے اس سے خلوت نہیں کی، ہندہ کے والد نے ہندہ کو زید کے ساتھ بھیجنا پسند نہیں کیا۔ دوسرے جو زیور زید نے ہندہ کے لیے اس کے والدین کو دیا تھا، وہ کسی ساہوکار کے پاس رہن رکھ دیا گیا ہے۔ لڑکی بالغ ہے گو برتھ سٹیفکیٹ میں عمر کم لکھی ہوئی ہے۔ اب اگر زید دوسری شادی کر لے اور ہندہ کو چھوڑ دے تو مہر کس قدر واجب الادا ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جب کہ ہندہ کے اقارب ہندہ کو نہیں بھیجتے اور زیادتی ان کی ہے تو آپ مہر کی معافی کی شرط پر طلاق دے سکتے ہیں۔ دوسری شرائط کا بھی یہی حال ہے؛ لیکن اگر آپ بغیر کسی مفاہمت کے طلاق دے دیں گے تو نصف مہر واجب الادا ہوگا۔ (۳)

محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۵/۱۴۱)

---

(۱) ولزم نصفه: أی المسمی بلاطلاق قبل الدخول وقبل الحلوة الصحیحة. (مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/۳۴۶، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) لو جهز ابنته وسلمه إلیها لیس له فی الاستحسان استرداده منها، وعلیه الفتویٰ ... وإذا بعث الزوج إلی أهل زوجته أشیاء عند زفافها، منها دیباج، فلمازفت إلیه ،أراد أن یسترد من المرأة الدیباج، لیس له ذلک إذا بعث إلیها علی جهة التملیک، کذا فی فصول العمادیة. (الفتاویٰ الهندیة، الفصل السادس عشر فی جهاز البنت: ۱/۳۲۷، رشیدیة)

(۳) ویجب نصف مهر بطلاق قبل وطء أو خلوة. الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر: ۳/۱۰۴)

وطی، یا خلوۃ صحیحہ سے پہلے طلاق دے تو نصف مہر واجب ہوگا، ورنہ کل مہر لازم ہوگا:

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت کے انتقال کے بعد ایک بیوہ عورت سے شادی کیا۔ نکاح کو ہوئے دو تین مہینے گزر گئے۔ مرد، عورت میں خلوۃ نہیں ہوئی ہے۔ رات کو مرد ایک طرف سوتا ہے، عورت ایک طرف سوتی ہے۔ عورت مرد سے ناراض ہے۔ وہ عورت نکاح سے پہلے ایک نامحرم کے گھر رہتی تھی، وہ اب کہتی ہے کہ مہینے میں ایک بار اس نامحرم کے گھر جاؤں گی، مجھے اس کی اجازت ملنی چاہیے۔ مرد وہاں بھیجنے پر راضی نہیں ہے۔ وہ عورت کہتی ہے کہ وہاں مجھے بھیجیں تو میں یہاں رہوں گی نہیں تو مجھے طلاق دے دو اور میرا مہر ادا کردو۔ اب سوال یہ ہے کہ اس عورت کو طلاق دی جائے، یا نہیں؟ طلاق دیں تو مہر کی ادائیگی واجب ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

درصورت صدق سوال مرد مختار ہے، چاہے اپنی عورت کو حسنِ معاشرت کے ساتھ اپنے ذمہ میں رکھے، یا طلاق دے دے۔ اگر وطی، یا خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دے گیا تو آدھی مہر اور اگر وطی، یا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دے گا تو پوری مہر دینا لازم ہوگا۔ خلوت صحیحہ یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں تندرست ہوں اور عورت حیض ونفاس سے پاک ہو اور رمضان شریف کا روزہ بھی نہ رکھے ہوئے ہو۔ ایسی حالت میں دونوں ایسے مقام میں جمع ہوں، جہاں ان کی اجازت کے بغیر کوئی ان کے حال سے کوئی مطلع نہ ہو سکے اور مرد عورت کے بارے میں یہ بھی جانتا ہو کہ وہ اس کی زوجہ ہے، جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے:

وخلوة بلامانع وطء حساً أو شرعاً أو طبعاً كمرض يمنع الوطء وصوم رمضان وحيض ونفاس تؤكده، أن المراد بالخلوة إجتماعهما بحيث لايكون معهما عاقل في مكان لايطلع عليهما أحد بغير إذنهما ويكون الزوج عالما بأنها امرأته،انتهٰى.

پس سوال میں جو مرقوم ہے کہ مرد عورت میں خلوت نہیں ہوئی ہے، اگر اوپر لکھے ہوئے شرائط پر ہو تو طلاق دینے کی صورت میں آدھی مہر دینا لازم ہوگا، ورنہ پوری مہر دینا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص:۱۴۸)

رخصتی سے قبل طلاق دے کر لڑکی والوں کو کچھ رقم دینا:

سوال: یہاں ایک لڑکے کا نکاح ہوا؛ لیکن کسی وجہ سے رخصتی نہ ہو سکی؛ بلکہ لڑکے نے بیوی کو طلاق دیدی، اگر یہ لڑکا لڑکی والوں کو کچھ رقم دے تو یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہوا ہو تو طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر لازم ہے اور اگر مہر مقرر نہ ہوا ہو تو

متعہ دینا لازمی ہے؛ تاہم اگر لڑکے والے اپنی طرف سے مہر مستحق کے علاوہ کچھ رقم لڑکی، یا اس کے رشتہ داروں کو بطور ہدیہ دے دیں تو بہتر ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ومن سمى مهرًا عشرة فما زاد فعليه المسمى إن دخل بها أو مات عنها... وإن طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف المسمى... قال وإن تزوجها ولم يسلم لها مهرًا أوتزوجها علٰى أن لامهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها... ولو طلّقها قبل الدخول بها فلها المتعة. (الهداية: ۳٤٠/۲، باب المهر) (۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۳۵۵/۴)

طلاق قبل الدخول میں مہر کی مقدار:

سوال: ایک منکوحہ عورت کو رخصتی سے پہلے طلاق دی گئی تو یہ عورت کتنے مہر کی حق دار ہے؟

الجواب

اگر کسی منکوحہ عورت کو خلوت صحیحہ اور جماع سے پہلے طلاق دی جائے تو وہ عورت مقرر شدہ مہر کے نصف کی حق دار ہے۔

قال العلامة الحصكفي: ويجب نصفه بطلاق قبل وطء ووخلوة فلو كان على ما قيمته خمسة كان لها نصفه. (الدرالمختارعلى صدر ردّالمحتار: ۱٠٤/۳، باب المهر) (۲) (فتاویٰ حقانیہ: ۳۷۴/۴)

رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کی ادائیگی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک جگہ میرے بڑوں نے میرا رشتہ طے کردیا، ۱۵، ۲۰/ دن کے بعد میرے دل میں والدہ کو حج پر لے جانے امنگ پیدا ہوئی ہے، سوچا کہ اگر نکاح ہوتا تو میں ان کا بھی فارم بھر کر تینوں لوگ ساتھ چلیں گے، پھر ایسا ہو گیا کہ اس لڑکی سے میرا نکاح ہو گیا، میں نے پاسپورٹ کی تیاری شروع کردی، کچھ ٹائم کے بعد مجھے پتہ چلا کہ جس لڑکی سے میرا رشتہ یعنی نکاح ہوا ہے، وہ لڑکی کریکٹر کی غلط ہے، اس پر میں نے غور وفکر شروع کردی، سچائی سامنے آتی چلی گئی، میں نے اس لڑکی سے فون پر بات کر کے سب کچھ بتادیا، جس کے میں نے ثبوت حاصل بھی کئے، مجھے نفرت تو ہوئی، پھر بھی میں نے سوچا کہ اسے نبھانے کی کوشش کرلیں گے؛ مگر نکاح کے بعد بھی اس نے کسی لڑکے سے اپنا گندہ تعلق بنانے کی پوری کوشش کی؛ جو کہ نہایت گندگی بھری کیسٹ ہے، جو کہ میں نے حاصل کرلی۔

---

(۱) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿لاجناحَ عَلَيْكُمُ اَنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قدره وَعَلَى الْمُقْتِر قدره مَتَاعًا بالمعروف حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ o وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلَ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْف مَا فَرَضْتُمْ﴾ (سورة البقرة: ۲۳٦ـ۲۳٤)

ومثلهٗ في الهندية: ۳٠۳/۱، كتاب النكاح، باب المهر

(۲) قال النسفي: وبالطلاق قبل الدخول يتنصف. (كنزالدقائق على هامش البحرالرائق: ۱٤٤/۳، باب المهر)

اب مجھے پوری طرح نفرت ہوگئی اور میں نے اس سے فون پر ہی تین بار طلاق لفظ کہہ کر اپنے معاملے کو پاک صاف کرلیا، اب وہ بھی اپنے میکے میں ہے، رخصت نہیں ہوئی تھی، رخصتی عید پر ہوگی، صرف نکاح ہوا تھا۔ اب مجھے برائے مہربانی بتائیں شریعت کی رو سے اس کا میرے اوپر کیا حق بنتا ہے اور کیا مجھے دینا ہے؟ اس کے مہر ۵۰/ ہزار روپیہ بندھے تھے، کیا مہر دینا ہے اور کتنا دینا ہے؟ مجھے آگاہ کریں؛ تاکہ اس قرض کو ادا کرکے میں سبک دوش ہوجاؤں۔

(المستفتی: پیرغیب، کھنی گلی)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جس لڑکی سے پچاس ہزار روپیہ مہر پر عقد نکاح کیا، پھر رخصتی سے پہلے اس کو تین طلاق دے دی ہے تو وہ زوجیت سے خارج ہوچکی ہے اور اس طرح رخصتی سے پہلے طلاق دینے سے شرعاً نصف مہر ادا کرنا لازم ہوجاتا ہے، لہٰذا پچاس ہزار روپیہ مہر میں سے پچیس ہزار روپیہ ادا کرنا لازم ہوگا، اس کے علاوہ اور کسی چیز کے مطالبہ کا حق باقی نہیں رہے گا۔

﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ﴾ (سورة البقرة: ٢٣٧)

وللمطلقة قبل الدخول نصف المفروض. (التاتارخانية، زكريا: ٢٢٠/٤، رقم: ٦٠٢٢)

ويجب نصفه: أى نصف المهر بطلاقٍ قبل وطء، أوخلوةٍ. (شامى، كتاب النكاح، باب المهر، كراتشى: ١٠٤/٣، زكريا: ٢٣٥/٤)

وإن طلقها قبل الدخول، والخلوة، فلها نصف المسمىٰ. (الهداية، اشرفى ديوبند: ٣٢٤/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۰۴۵۵/۳۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۶/۲۹ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۲۲/۱۳-۲۲۳) ☆

☆ ہمبستری سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے نکاح کیا اور نکاح کے بعد بغیر ہمبستری کے ممبئی چلا گیا، وہاں سے اس کو تین طلاق دے دی، اس صورت میں مہر کتنا مقرر ہوگا، جب کہ فاطمی مہر مقرر کیا گیا تھا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

(المستفتی: شیخ جسیم الدین)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر شوہر کے گھر آنے کے بعد شوہر زید اور لڑکی دونوں ایک کمرہ میں تنہائی اختیار کرچکے ہیں تو ایسی صورت میں اگرچہ ہمبستری نہیں کی ہے، پھر بھی پورا مہر ادا کرنا لازم ہوگا۔

وإن طلقها قبل الدخول، والخلوة، فلها نصف المسمىٰ (وقوله) وشرط أن يكون قبل الخلوة؛ لأنها كالدخول. (الهداية، كتا ب النكاح، باب المهر اشرفى ديوبند: ٣٢٤/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۶/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ (فتویٰ نمبر: الف ۵۱۶۰/۳۳)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۱/۲۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۲۴/۱۳-۲۷) ==

== خلوت صحیحہ سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی شادی زینب کے ساتھ مہر متعینہ سے ہوئی چھ سات مہینہ گزر گئے؛ مگر ابھی تک میاں بیوی نے نہ کبھی خلوت اختیار کی اور نہ ہی کسی طرح کی بات چیت کی، ایک دن مجلس بلائی گئی اور زید کو زینب کی طرف آمادہ کیا گیا؛ مگر وہ اس کی طرف مائل ہونے کے بجائے حاضرین کے سامنے اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دے دی۔ اب ایسی صورت میں زید پر زینب کو کیا کیا چیز دینا فرض، واجب اور سنت ہے؟ مدلل اور مفصل جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں عین کرم ہوگا۔ (المستفتی: عبدالباری، مسکونہ مہتری، ڈاکخانہ: پھرکیہ، پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر نابالغ شوہر نے اپنی بیوی کوخلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی ہے تو شوہر پر نصف مہر ادا کرنا واجب ہے، متعہ وغیرہ واجب نہیں ہے۔

ویجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة. وفی الشامی: أی نصف المهر المذکورة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب النکاح، باب المهر، زکریا: ۲۳۵/٤، کراتشی: ۱۰٤/۳)

وتستحب المتعة عن سواها: أی المفوضة إلا من سمیٰ لها مهر وطلقت قبل وطء، فلا تستحب لها. (الدر المختار، باب المهر، کراتشی: ۱۱۱/۳، زکریا: ۲٤٥/٤) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۵۶۸/۲۵) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۲۵-۷۲۶)

رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں کتنا مہر دیا جائے گا:

سوال: میرا نام ذکیہ بانو ہے، میں ایک بیوہ ہوں، میرا ایک ہی بیٹا ہے، اس کا نام محمد سلیم ہے، اس کی تنخواہ چار ہزار (۴۰۰۰) روپے ہے، میں نے اس کا نکاح ایک سال پہلے کر دیا تھا؛ لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ نکاح کے بعد مزاج میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے رخصتی سے قبل ہی طلاق کی نوبت آ گئی، اس نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ لڑکی کو چھوڑ دے گا، جب کہ ابھی رخصتی نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی قسم کا ازدواجی تعلق قائم ہوا ہے۔ لڑکی کا مہر ۲۵؍ ہزار روپے طے پایا تھا۔ آپ بتائیں کہ مہر کتنا ادا کیا جائے گا؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

بر تقدیر صحت واقعہ نکاح ہو چکا ہے؛ لیکن ابھی رخصتی عمل میں نہیں آئی اور ازدواجی تعلقات قائم نہیں ہوئے، اگر شوہر نے اپنی منکوحہ کو طلاق دے دی تو شوہر کو کل مہر پچیس ہزار روپے (25000) کا نصف بارہ ہزار پانچ سو روپیہ (12500) لڑکی کے حوالے کرنا ہوگا؛ کیوں کہ یہ لڑکی کا حق ہے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۷): ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِن قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا اَن يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ (الآیة)

وفی الدر المختار (۱۰٤/۳): (و) یجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة).

وفی الرد تحته: قوله (ویجب نصفه) أی نصف المهر المذکور وهو العشرة أن سماها أو دونها أو الاکثر منها إن سماه والمتبادر التسمیة وقت العقد... قوله (بطلاق) الباء للمصاحبة لا للسببیة لما مر من أن الوجوب بالعقد... قوله (قبل وطء أو خلوة) هو معنی قول الکنز قبل الدخول فإن الدخول یشمل الخلوة أیضا لأنها دخول حکما، کما فی البحر عن المجتبی. (نجم الفتاویٰ: ۲۱۸/۵)

بلامہر نکاح ہوا اور قبل خلوت طلاق دے دی تو مہر اب کیا ہوگا:

سوال: ایک مرد ۱۶؍سالہ عمر کا نکاح دختر ۷؍سالہ نابالغہ سے ہوا اور بوقت ایجاب وقبول مہر کا ذکر بھی نہیں ہوا اور نہ کابین نامہ میں تحریر ہوا، مرد نے بوجہ عدم بلوغ زوجہ، زوجہ کو قبل وطی طلاق دے دی تو اس صورت میں مہر کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

حکم شرعی اس صورت میں ہے کہ جب کہ بوقت نکاح مہر کا تذکرہ اور تسمیہ نہیں ہوا اور طلاق دخول وخلوت سے پہلے دی گئی تو مہر کچھ لازم نہیں ہے، صرف متعہ؛ یعنی تین کپڑے، یا ان کی قیمت لازم ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۲/۸)

صحبت اور خلوت صحیحہ سے پہلے کتنا مہر دینا لازم ہوگا:

سوال: مفتی صاحب! میں ایک اہم مسئلہ کا فتویٰ لینا چاہتا ہوں، میں نے اپنے بیٹے کا نکاح اپنے بڑے داماد کی بھانجی سے کیا ہے۔ وہ اس لیے کہ منکوحہ لڑکی کی والدہ عظمیٰ بیگم ہارٹ کی مریضہ تھیں اور ان کی حالت بہت خراب تھی تو میرے داماد اور بیٹی کو بچی کا ہاتھ دے کر یہ کہا کہ یہ بیٹی تمہاری ہے اور لڑکی کا نام مدیحہ ہے۔ میرے بیٹی داماد میرے گھر آئے اور انہوں نے میرے بیٹے محمد فیضان کو بلایا جو ڈیوٹی پر تھا اور میرے بیٹی داماد نے یہ کہا کہ امی آپ فیضان سے مدیحہ کا رشتہ کر دیں، عظمیٰ کی بہت حالت خراب ہے۔ مدیحہ کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں نے اپنے بچے سے یہ کہا کہ بیٹا یہ ثواب کا کام ہے، بچی کے والد نہیں ہیں اور وہ بہن بھائیوں سے بھی محروم ہے، وہ بچی اکلوتی ہے، میرے بیٹے نے یہ کہا کہ امی جیسے آپ کی مرضی اور اس نے حامی بھر لی۔

اس نکاح کو تین سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور کوئی بھی شکایت نہیں ہوئی، میں اور میرا بیٹا اپنی حیثیت کے مطابق خرچہ اور کپڑے وغیرہ دیتا رہا، اب کچھ عرصے سے دونوں میں نااتفاقی ہوگئی ہے اور ایک دوسرے پر بیہودہ الزام لگا رہے ہیں اور معاملہ کافی سنجیدہ ہوگیا ہے، چناں چہ میں بیٹے کی ماں ہونے کے حوالے سے ان لوگوں سے صلح کے ارادے سے گئی تو وہ لوگ نہیں مانے اور زیادہ سے زیادہ الزام تراشی ہوئی تو میں واپس آ گئی، اب ہم خاندان کے لوگ دونوں بچوں کو سمجھا رہے ہیں؛ لیکن میرا بیٹا راضی نہیں ہو رہا۔ میں نے اور والد صاحب نے اس کو بہت سمجھایا کہ بیٹا

---

(۱) (و) تجب (متعة لمفوضة) وهي من زوّجت بلا مهر (طلقت قبل الوطء) وهي درع وخمار وملحفة لا تزيد على نصفه) أى نصف مهر المثل لو الزوج غنيا، الخ. (الدر المختار) (كذا فى درر الحكام شرح غرر الحكام، باب المهر: ۳۴۳-۳۴۲/۱، دار إحياء الكتب العربية، انيس)

ولو دفع قيمتها اجبرت عن القبول. (ردالمحتار، باب المهر: ۴۶۲-۴۶۱/۲، ظفير) (كذا فى النهر الفائق، باب المهر: ۲۳۳/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

وہاں ہماری بیٹی ہے اور داماد صاحب بہت زیادہ برہم ہورہے ہیں؛ لیکن مدیحہ کے گھر والوں میں تھوڑی سی لچک نہیں آرہی ہے؛ اس لیے میں بہت زیادہ پریشان ہورہی ہوں۔ میرا بیٹا فیضان جس کو میں نے سمجھایا کہ بیٹا میری خاطر آپ یہ شادی کرلو تو انہوں نے مجھے جواب دیا کہ میں آپ کی خاطر یہ کرلوں گا؛ لیکن کل کا جواب میرے پاس نہیں ہوگا۔

مدیحہ کے گھر والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم تمہیں کورٹ میں کھنچوا دیں گے۔ مدیحہ کا مہر پچاس ہزار (50000) ہے، لڑکے کی تنخواہ چھ ہزار (6000) روپے ماہانہ ہے، ہم نے دومرتبہ جاکر صلح کی کوشش کی ہے؛ لیکن وہ سمجھوتہ نہیں کررہے ہیں۔ میرے داماد نے یہ کہا ہے فیضان میری دہلیز نہیں چڑھے گا۔ انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے، اس پر میں نے بھی یہ کہا کہ مدیحہ اب میری دہلیز نہیں چڑھے گی۔

برائے مہربانی مجھے قرآنی ہدایت سے فتویٰ چاہیے کہ مدیحہ کو طلاق دینے کے بعد میرے بیٹے کو اسے مہر دینا ضروری ہوگا، یا نہیں؟ اگر ضروری ہوگا تو کتنا مہر ادا کرنا ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

اگر نکاح کے بعد صحبت اور خلوتِ صحیحہ (خلوت صحیحہ یعنی اپنی منکوحہ سے اکیلے میں ایسی حالت میں ملنا کہ صحبت سے کوئی مانع نہ ہو، اگرچہ صحبت وغیرہ نہ کی جائے) سے پہلے طلاق دی جائے اور مہر کی رقم متعین ہو تو شوہر پر نصف مہر کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کا بیٹا اگر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور اس نے اب تک اپنی بیوی سے صحبت اور خلوت صحیحہ نہیں کی ہے تو پھر آپ کے بیٹے پر نصف مہر کا ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر صحبت اور خلوت صحیحہ پائی گئی ہے تو پھر کُل مہر کا ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لما فی القرآن الكريم (البقرة:۲۳۷)﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِن قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا اَن يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾(الآية)

وفى الهندية (۳۱۳/۱): والزيادة إنما تتأكد بأحد معان ثلاثة: إما بالدخول وإما بالخلوة الصحيحة وإما بموت أحد الزوجين فإن وقعت الفرقة بينهما من غير هذه المعانى الثلاثة بطلت الزيادة وتنصف الاصل ولا تتنصف الزيادة كذا فى المضمرات.

وفى (۳۰۹/۱): فمهرها يتنصف بالطلاق قبل الدخول كذا فى العتابية.

وفى الشامية (۱۰۳/۳): (ويتأكد) أى الواجب من العشرة أو الاكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه. (نجم الفتاویٰ:۲۱۸/۵-۲۱۹)

ایجاب وقبول کے فوراً بعد شوہر کی وفات ہوجائے:

سوال: اگر ایجاب وقبول کے فوراً بعد مباشرت کے بغیر شوہر کا انتقال ہوجائے تو مہر کی کیا مقدار واجب ہوگی؟

مہر کون ادا کرے گا؟ عدت کے کیا احکام ہوں گے؟ کیا اسی وقت محفل میں دوسرے نوشہ کا انتخاب کیا جا سکتا ہے؟

(عبدالرشید، بشارت نگر)

الجواب

تین صورتوں میں بیوی کا پورا مہر واجب ہوتا ہے، میاں بیوی کے درمیان ہمبستری ہوگئی ہو، یا ایسی تنہائی، یا یکجائی ہوئی ہو، جس میں کوئی چیز صحبت سے مانع نہیں تھی، یا صحبت یا یکجائی سے پہلے ہی زوجین میں سے کسی ایک کا انتقال ہوجائے، (۱) لہذا دلہن کا پورا مہر مقررہ شوہر متوفی کے متروکہ میں سے واجب ہوگا، جو حکم میت کے ذمہ باقی رہ جانے والے دوسرے دیون کی ادائیگی کے ہیں، وہی مہر کے بھی ہیں؛ یعنی مرحوم کے متروکہ میں سے پہلے مہر ادا کیا جائے گا، پھر میراث جاری ہوگی اور میراث میں بھی بیوی حق دار ہوگی۔ عدت وفات ہر اس عورت پر واجب ہے، جس کا نکاح صحیح ہو چکا ہے، (۲) لہذا اس دلہن پر بھی عدت وفات واجب ہے؛ کیوں کہ عدت کا مقصد شوہر کی وفات پر حزن کا اظہار ہے اور وہ اس کے حق میں بھی پایا جاتا ہے؛ اس لیے عدت گزارنے سے پہلے اسی مجلس میں، یا مجلس کے بعد کسی اور مرد سے اس عورت کا نکاح حرام ہے۔ (۳) بیوہ عورت کے لیے عدت گزارنے کے جو احکام ہیں؛ یعنی بناؤ، سنگار اور زیبائش و آرائش سے اجتناب اور شوہر کے گھر میں ایام عدت پورے ہونے تک قیام بشرطیکہ جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ نہ ہو، یہی حکم اس کمسن بیوہ دلہن کے لیے بھی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۶/۴-۳۹۷)

رخصتی سے پہلے شوہر مر جائے تو مہر کتنا دینا ہوگا:

سوال: ہندوستان میں دستور ہے کہ بعض مرتبہ نکاح بالغ و بالغہ کا ہوجاتا ہے اور رخصت کی دوسری تاریخ مقرر ہوتی ہے، ایسی صورت میں اگر قبل رخصت خاوند فوت ہوجاوے تو بیوی کو کتنا دین مہر دیا جائے گا؟

الجواب

اس صورت میں مہر پورا واجب ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

ویتأکد عند وطء أو خلوة صحت، الخ، أو موت أحدهما، الخ. (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۱/۸)

خلوت سے قبل شوہر کا انتقال ہوجائے تو مہر کتنا لازم ہوگا:

سوال: زید کا نکاح زاہدہ نابالغہ سے ہوا تھا، رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی کہ اچانک شوہر زید کا انتقال ہوگیا، اب ایسی صورت میں بتلایا جائے کہ زاہدہ پورے مہر کی حق دار ہے، یا نصف مہر کی؟

---

(۱) ردالمحتار: ۲۳۳/٤

(۲) ردالمحتار: ۱۹۷/٥

(۳) ردالمحتار: ۱۸۸/٥

(۴) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب المهر: ٤٥٤/٢، ظفیر

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

زوجہ خواہ بالغہ ہو، یا نابالغہ اور زوجین کے درمیان خلوت صحیحہ، تنہائی ویکجائی بھی نہ ہوئی ہو اور شوہر کا انتقال ہو جائے اور مہر مقرر ہو تو ایسی صورت میں بیوی پورے مہر کی حق دار ہوگی، لہٰذا مذکورہ صورت میں گرچہ زاہدہ نابالغہ ہے اور رخصتی عمل میں نہیں آئی، پھر بھی وہ پورے مہر کی حق دار ہے، جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کی حسب ذیل عبارت سے یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے۔

”والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحدالزوجين كذافي البدائع“. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۳۰۳-۳۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۱۲/ جمادی الثانیہ: ۱۴۱۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴)

شوہر قبل خلوت مر جائے تو مہر کا کیا حکم ہے:

سوال: ایک لڑکی بالغہ کا نکاح ہوا؛ مگر قبل خلوت صحیحہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، ایسی حالت میں اس کے لیے عدت دس دن چار ماہ واجب ہے، یا نہیں؟ اگر اس نے قبل دس دن چار ماہ کے نکاح ثانی کر لیا تو نکاح جائز ہوا، یا نہیں؟ دین مہر پورا واجب ہے، یا نہ؟

الجواب ـــــــــــــــ

مہر کل واجب ہے؛ کیوں کہ شوہر کے مرنے کی صورت میں زوجہ مدخولہ ہو، یا غیر مدخولہ پورا مہر شوہر کے ترکہ سے دلوایا جائے گا۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/۲۹۲) ☆

(۱) ويتأكد (أي المهر) عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب المهر: ۲/ ٤٥٤، ظفير)

☆ بوقت موت قبل خلوت پورا مہر عورت کیوں پاتی ہے:

سوال: بصورت تسمیہ مہر عند النکاح قبل خلوت اگر زوج ہو جاوے تو فقہ کی کتابوں سے کل مہر کا واجب الادا ہونا معلوم ہوا ہے، فالمسمى عند الوطء أو موت أحدهما سواء كان الموت قبل خلوة أو بعده؛ لیکن اس حکم کا ثبوت کہاں سے ہے، آیہ قرآنی، یا حدیث سے؟

الجواب ـــــــــــــــ

موت احد الزوجین کی صورت میں پورا لازم ہونا باجماع ثابت ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

”ولا اختلاف للأربعة في هذا“. ((قَوْلُهُ وَالشَّيْءُ بِانْتِهَائِهِ يَتَقَرَّرُ)؛ لِأَنَّ انْتِهَائَهُ عِبَارَةٌ عَنْ وُجُودِهِ بِتَمَامِهِ فَيَسْتَعْقِبُ مَوَاجِبَهُ الْمُمْكِنَ إلْزَامُهَا مِنَ الْمَهْرِ وَالْإِرْثِ وَالنَّسَبِ بِخِلَافِ النَّفَقَةِ، وَيُعْلَمُ مِنْ هَذَا الدَّلِيلِ أَنَّ مَوْتَهَا أَيْضًا كَذَلِكَ، فَالِاقْتِصَارُ عَلَى مَوْتِهِ اتِّفَاقٌ، وَلَا خِلَافَ لِلْأَرْبَعَةِ فِي هَذِهِ سَوَاءٌ كَانَتْ حُرَّةً أَوْ أَمَةً. (فتح القدير، باب المهر: ۳/۳۲۲، دار الفكر بيروت، انيس)

اور وہ حدیث جو عدم تسمیہ مہر و موت قبل دخول کی صورت میں پورا مہر لازم ہونے میں وارد ہے، اس اجماع کی دلیل ہے۔

حدیث یہ ہے: وَعَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا شَيْئًا، وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى مَاتَ، قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيرَاثُ،==

صحبت سے پہلے بیوی مرجائے تو پورا مہر دینا ہوگا:

سوال (۱) اللہ دتہ کی زوجہ مسماۃ خانم جان قبل از وطی فوت ہوگئی، کیا اس صورت میں اللہ دتہ پر سالم (مکمل) مہر واجب ہوگا، یا نصف؟

نکاح کے وقت سسر کو دی ہوئی رقم وغیرہ شوہر واپس لے سکتا ہے، یا نہیں:

(۲) اللہ دتہ نے وقت خطبہ اور وقت عقد نکاح کے جو ماکولات ومشروبات اور نقدی روپیہ وزیورات اپنے خسر کو بموجب اس کی طلب دیئے ہیں؛ یعنی خسر نے اس کو تنگ کیا کہ مجھے یہ اشیاء غیر مذکورہ بالا دے گا تو اس وقت میں اپنی لڑکی کا نکاح کردوں گا تو کیا یہ اشیاء ونقد وزیور اللہ دتہ واپس لے سکتا ہے، یا نہیں؟ درمختار میں یہ عبارت مذکور ہے:

ومن السحت ما يأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتى لو كان يطلبه يرجع الختن به، مجتبى. (۱)

قال في العالمكيرية: خطب امرأة في بيت أخيها فأبى أن يدفعها حتى يدفع إليه دراهم فدفع وتزوجها يرجع بما دفع لأنه رشوة، كذا في القنية. (۲)

قال في البحر الرائق: لو أخذ أهل المرأة شيئًا عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنّه رشوة، انتهٰى. (۳)

تو قابل دریافت یہ امر ہے کہ اللہ دتہ اپنے خسر سے ماکولات ومشروبات ونقد وزیور جملہ اشیاء واپس لے سکتا ہے؟ اور بموجب حوالہ جات سابقہ کے اور اللہ دتہ عند الشرع اپنی زوجہ متوفی کے ترکہ سے کتنے حصہ کا وارث ہوگا؟

(المستفتی: ۲۲۷۲، مولوی عبدالغفور صاحب، کمیل پور، ۲۸/ربیع الاول ۱۳۵۷ھ)

الجواب ــ

(۱) اللہ دتہ کے ذمہ زوجہ مرحومہ کا پورا مہر واجب ہوا۔ (۴) ہاں! خاوند بی زوجہ کا وارث ہے؛ اس لیے اس کو حصہ میراث ملے گا۔ (۵)

== فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ فَقَالَ: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا بِمِثْلِ مَا قَضَيْتَ فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَالدَّارِمِيُّ)(مشكاة المصابيح، باب الصداق، ص:۲۷۷)(۱۲۰۱/۵ ،دار الفكر بيروت، رقم:۳۲۰۷ ،انيس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳۱۵/۸)

(۱) ردالمحتار كتاب الحظر والإباحة:٦/٤٢٤، سعيد

(۲) الفتاوىٰ الهندية،الباب الحادى عشر فى المتفرقات:٤/٤٠٣ ،دار الفكر بيروت،انيس

(۳) البحر الرائق،باب المهر:٣/٢٠٠ ،دار الكتاب الإسلامى بيروت،انيس

(۴) والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل. (التفاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثانى: ١/٣٠٣، ماجدية)

(۵) وأما للزوج فحالتان: النصف عند عدم الولد وولد الإبن. (السراجى، ص:٦، سعيد)

(۲) جو اشیاء کہ اللہ دتہ کے خسر کے طلب کرنے پر اللہ دتہ نے دی تھیں، ان میں سے جو باقی ہوں، وہ اللہ دتہ واپس لے سکتا ہے اور جو کھا پی لی گئیں، ان کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۲/۵)

شوہر کے انتقال کے بعد تقسیم ترکہ سے پہلے

عورت نے دوسرا نکاح کرلیا تو اس کے مہر و میراث کا استحقاق ساقط نہیں ہوتا:

سوال: ماقولکم دام فضلکم أیها العلماء الکرام فی امرأة إذا تزوجت بعد موت زوجها قبل قسمة ترکته هل تسحق المهر والمیراث، أم لا؟

الجواب

نعم! تستحق المهر والمیراث ولا یکون التزوج مانعا من تحصیل المهر الذی أکد بموت الزوج وکذا لیس هو من موانع المیراث فقط، کذا فی کتب الفقه واللّٰه أعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللّٰہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۷۴)

غیر مدخولہ بیوی کا مہر اور عدت:

سوال: زید نے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا، ایسی صورت میں زید کی بیوی کو کتنا مہر ملے گا؟ اور کیا وہ دوسری شادی کرسکتی ہے؟

(فضل حق، سدا سیو پیٹ)

الجواب

ایسی صورت میں زید کی بیوہ کو پورا مہر ملے گا، اگر نکاح کے بعد شوہر کے ساتھ بیوی کی ایسی تنہائی ہوجائے، جس میں کوئی چیز صحبت سے مانع نہ ہو، یا زوجین میں سے کسی کی موت واقع ہوجائے تو پورا مہر واجب ہوجاتا ہے، (۲) شوہر کی وفات کی صورت میں عورت پر عدت وفات واجب ہے، جو غیر حاملہ عورت کے لیے چار ماہ دس دن ہے، اس عرصہ کے گزارنے کے بعد وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۸۶/۴-۳۸۷)

---

(۱) أخذ أهل المرأة شیئًا عند التسلیم فللزوج أن یسترده لأنه رشوة. (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المهر: ۱۵۶/۳، سعید)

وکذا یسترد ما بعثه هدیة وهو قائم دون الهالک والمستهلک، لأن فیه معنی الهبة. (تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب النکاح: ۲۵/۱، قندهار افغانستان)

(۲) "وإذاخلا الرجل بامرأته و لیس هناک مانع من الوطئ ثم طلقها فلها کمال المهر". (الهدایة: ۳۲۵/۲)

خاوند کے مرنے کے بعد بھی بیوہ مہر کی حق دار ہے:

سوال: بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ اگر خاوند مرجائے اوراس کی بیوہ کسی دوسری جگہ شادی کرلے تو اس کو پہلے خاوند سے مہر نہیں دیا جاتا، کیا یہ شرعا درست ہے؟

الجواب

نکاح کے انعقاد کے بعد خاوند کے فوت ہوجانے سے بیوی کا حق مہر مؤکد ہوجاتا ہے؛ اس لیے بیوہ مہر کی حق دار ہے، خواہ وہ دوسری جگہ شادی کرے، یا نہ کرے۔

قال في الهندية: والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق. (الفتاویٰ الهندية: ۳۰٤/۱، الباب السابع في المهر)(۱)(فتاوی حقانیہ:۳۷۴/۴)

خلوتِ صحیحہ سے مہر موکد ہوجاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری بچی کی شادی چند ماہ پیشتر محمد عادل کے ہمراہ ہوئی تھی، بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکا قطعاً نامرد اور حق زوجیت کی ادائیگی سے قاصر ہے، اس بناپر ہم نے طلاق کا مطالبہ کیا تو اُن لوگوں نے طلاق تو دلوادی؛ لیکن مہر ہم سے یہ کہہ کر واپس لے لیے کہ لڑکی اگر ازخود طلاق مانگے تو اُس کو مہر واپس کرنے ہوتے ہیں، حالاں کہ ہم تو آج تک علما سے یہ سنتے آئے ہیں کہ خلوت کے بعد پورا مہر لڑکی کا حق ہے، جو اس سے واپس نہیں لیا جاسکتا۔ ازروئے شریعت فیصلہ فرمائیں کہ کیا اُن کا مہر واپس لے لینا

(۱) قال الحصكفي: ويتأكد عند وطأ أو خلوت صحت من الزوج أو موت أحدهما. (الدرالمختار على صدر ردالمحتار: ۱۰۲/۳، باب المهر)

ومثلهٗ في البحر الرائق: ۱٤۳/۳، باب المهر

☆ **رخصتی سے قبل شوہر کی وفات پرعورت پورے مہر کی حق دار ہے:**

سوال: اگر کسی عورت کا شوہر رخصتی سے قبل وفات پاجائے تو کیا عورت پورے مہر کی حق دار ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

موت ایک ایسا حادثہ ہے کہ جس کی وجہ سے مہر متأکد ہوجاتا ہے، لہذا صورت مسئولہ کے مطابق اگر عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے تو عورت بوقت نکاح مقرر کردہ پورے مہر کی حقدار ہے۔

قال العلامة الحصكفي: ويتأكد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما، الخ. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۳۵۸/۲، باب المهر)

قال في الهندية: والمهر يتأكد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين.

(الفتاویٰ الهندية: ۳۰۳/۱، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة)(فتاوی حقانیہ:۳۶۴/۴)

صحیح تھا؟ اگر نہیں تو کیا وہ مہر انہیں لڑکی کو لوٹانا ہوگا؟ واضح رہے کہ فریقین میں یہ طے ہوگیا تھا کہ کوئی فریق دوسرے فریق سے کوئی مطالبہ نہیں کرے گا؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جب طلاق دیتے وقت یہ طے ہوگیا کہ کوئی فریق ایک دوسرے سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا تو ایسی صورت میں لڑکے کو طلاق دینے کے بعد مہر کا مطالبہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ ہاں اگر طلاق دیتے وقت مہر کی واپسی کی شرط لگادیتا تو پھر مہر واپس لینا درست ہوتا، اب جو مہر کی رقم واپس لے لی ہے، اس کا لوٹانا ضروری ہے؛ کیوں کہ مہر عورت کا حق ہے، جو خلوت سے موکد ہوگیا ہے۔

عن محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كشف خمار امرأة ونظر إليها، فقد وجب الصداق، دخل بها أو لم يدخل بها. (سنن الدار قطني: ۲۱۳/۳، رقم: ۳۷۸۰، السنن الكبرىٰ للبيهقي، الصداق، باب من قال: من أغلق بابا أو أرخى سترًا فقد وجب الصداق: ۵۱/۱۱، رقم: ۱۴۴۵۰)

فإن كان البدل مسكوتا عنه، ففيه روايتان: أصحهما براءة كل منهما عن المهر لا غير، فلا ترد ما قبضت، ولا يطالب هو بمابقي. (شامي: ۵۴/۳، كراتشي، ۱۰۵/۵، زكريا)

ويتأكد عند وطء أوخلوة صحت من الزوج. (شامي: ۱۰۳/۳، كراتشي، ۲۳۳/۴، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۸/۷/۱۴۲۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۱۷/۸-۴۱۸)

بعد خلوت خواہ عورت نافرمانی کرتی رہی ہو تو بھی طلاق کے بعد کل مہر واجب ہے:

سوال: زید اپنی منکوحہ ہندہ سے بعد از نکاح خلوت صحیحہ سے مستفیض ہوا، بعد چندے ہندہ ناشزہ و نافرمان ہوکر مباشرت سے مانع ہوئی، باوجودیکہ زید مباشرت و جماع پر علی وجہ التام قادر ہے؛ لیکن ہندہ اطاعت زید سے برگشتہ ہے، اگر زید ہندہ کو طلاق دیدے تو زید پر کل مہر واجب الادا ہے، یا بعض؟ ہندہ نے صلب عقد میں زید سے یہ شرط کی تھی کہ میری بلا اجازت اگر دوسری عورت سے نکاح کروگے تو میری طلاق میرے اختیار کروں گی تو کل مہر دینا پڑے گا، زید اگر دوسرا نکاح نہیں کرے گا تو زنا میں مبتلا ہوجاوے گا، اس صوورت میں شرعا کیا حکم ہے؟

الجوابـــــــــــــــــــــــــــ

جب کہ خلوت صحیحہ ہوگئی تو زید کے ذمہ کل مہر واجب الادا ہوگیا، زید اگر ہندہ کو طلاق دے گا تو پورا مہر زید کو ادا کرنا ہوگا، ہندہ یہ شرط کرتی، یا نہ کرتی، زید کو مہر دینا ہی ہوگا؛(۱) لیکن دوسرے نکاح سے یہ شرط حارج نہیں ہے، دوسری نکاح کرلے، جس وقت مہر دینے کی طاقت ہو، مہر ادا کردیوے۔ (**هكذا في الدر المختار**) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۶۴/۸-۲۶۵)

---

(۱) **والخلوة، الخ، كالوطء في ثبوت النسب، الخ، وفي تأكيد المهر المسمى.** (**الدر المختار على هامش رد المحتار، باب المهر، مطلب في أحكام الخلوة: ۴۶۵/۲، ظفير**)

شوہر کی بیماری میں بلانے پر عورت کے نہ جانے کے باوجود خلوتِ صحیحہ ہوچکی ہوتو پورا مہر واجب ہوگا:

سوال: زید نے بیمار ہوکر اپنی زوجہ کو کئی خطوط روانہ کئے کہ میں بیمار ہوں، تیمارداری کے لیے آؤ؛ مگر ایک سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ زوجہ نے ایک خط کا بھی جواب نہ دیا، زید ہنوز بیمار ہے، زید کی زوجہ زید کے پاس نہ آکر اپنے ماں باپ کے یہاں ہی رہتے ہوئے ہر طلب کرتی ہے۔ ایسی صورت میں زید کی زوجہ کو از روئے فتویٰ حنفی مہر مل سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

ھو الموفق للصواب: زید نے اپنی عورت سے نکاح کر کے جب اس سے خلوت کی ہے تو اس کا پورا مہر زید کے ذمہ واجب ہوگیا، بغیر ادا کرنے یا عورت کے بخشنے سے ساقط نہیں ہوتا؛ لیکن اگر اس کا مہر معجّل ہو (یعنی معاً دینے کا ہو)، یا مؤجل الیٰ غایۃِ معلوم ہو (یعنی ایک مقررہ مدت تک میں دینے کا ہو) اور وہ مدت گزرگئی ہو تو جب وہ مطالبہ کرے گی تو دینا ہوگا، اگر مؤجل؛ یعنی علی الفور دینے کا نہ ہو اور اس کے ادا کرنے کی مدت بھی مقرر نہ ہو، جیسا کہ ہمارے اس ملک کا رواج ہے) تو اس کی مدت وقتِ طلاق، یا موت ہے۔ بغیر اس کے طلب کرے گی تو دینا لازم نہ ہوگا، جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے:

وَالْمَهْرُ يَتَأَكَّدُ بِأَحَدِ مَعَانٍ ثَلَاثَةٍ: الدُّخُولُ، وَالْخَلْوَةُ الصَّحِيحَةُ، وَمَوْتُ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ سَوَاءٌ كَانَ مُسَمًّى أَوْ مَهْرَ الْمِثْلِ حَتَّى لَا يَسْقُطَ مِنْهُ شَيْءٌ بَعْدَ ذَلِكَ إلَّا بِالْإِبْرَاءِ مِنْ صَاحِبِ الْحَقِّ، كَذَا فِي الْبَدَائِعِ.(۱)

اور اسی میں ہے:

لَا خِلَافَ لِأَحَدٍ أَنَّ تَأْجِيلَ الْمَهْرِ إلَى غَايَةٍ مَعْلُومَةٍ نَحْوَ شَهْرٍ أَوْ سَنَةٍ صَحِيحٌ، وَإِنْ كَانَ لَا إلَى غَايَةٍ مَعْلُومَةٍ فَقَدْ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ قَالَ بَعْضُهُمْ يَصِحُّ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْغَايَةَ مَعْلُومَةٌ فِي نَفْسِهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ أَوْ الْمَوْتُ.(۲)

اور فتاوی بزازیہ میں ہے:

ولو شرط فی العقد تعجيل الكل جاز ويعجل الكل ولو أجل الكل ذكر الإمام صاحب المنظومة فی فتاواه: يصح وتاويله أن يذكر التاجيل إلٰى وقت الموت أو الطلاق للجهالة والصحيح أنه لايصح لأنه الثابت عرفا بلاذكر فذكر الثابت لايبطل وكذا الواجل بأجل مجهول لما ذكرنا انتهٰى. فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۳۷-۱۳۸)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الثانی فيما يتأكد به المهر والمتعة: ۳۰۳/۱-۳۰۴، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) الفتاویٰ الهندية، الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها: ۳۱۸/۱، دارالفكر بيروت، انيس

بالغہ عورت کا حائضہ نہ ہونے کے باوجود زوجین میں جب خلوۃ صحیحہ ہو چکی ہے تو مہر کی مستحق ہوگی:

سوال: ایک عورت اپنے نکاح کے بعد اپنے خاوند کی خدمت میں تقریبا چودہ سال تک رہی۔ یہ عورت ہمبستری کے لائق ہے۔نسوانیت کی ساری علامات موجود ہیں؛ مگر وہ اب تک حائضہ نہیں ہوئی، ماہواری بند ہیں۔ یہ عورت مہر کی مستحق ہوگی، یا نہیں؟ اور اپنے خاوند پر مہر کا دعویٰ کرسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

هو المصوب: اگر عورت مذکورہ کے خاوند نے اس سے خلوۃ صحیحہ کی ہے؛ یعنی عورت کی عمر نو سال سے زیادہ رہنے کی حالت میں دونوں تندرستی کے ساتھ ایک خالی مکان میں (جس میں ان دونوں کی اجازت کے بغیر دوسرا کوئی ان کے کاموں پر مطلع نہیں ہوسکتا) رہے ہوں تو وہ عورت پورے مہر کی حق دار ہو جائے گی۔ پس اگر مہر معجّل ہو، یا کسی خاص مدت میں دینے کا وعدہ ہو اور وہ مدت گزر گئی ہو تو ان دونوں صورتوں میں عورت دعویٰ کرسکتی ہے، اگر مدت مقرر نہیں (جیسا کہ ہمارے علاقہ کا دستور ہے کہ عقد نکاح میں فقط مقدار مہر کا ذکر کیا جاتا ہے، مہر معجّل، یا مؤجل کا ذکر نہیں ہوتا ہے) تو جب تک مرد عورت میں سے کوئی ایک نہ مر جائے، یا مرد عورت کو طلاق نہ دے، تب تک عورت کو دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے، جیسا کہ وقایہ میں ہے:

وخلوة بلا مانع تؤكده.

اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

لَا خِلَافَ لِأَحَدٍ أَنَّ تَأْجِيلَ الْمَهْرِ إلَى غَايَةٍ مَعْلُومَةٍ نَحْوَ شَهْرٍ أَوْ سَنَةٍ صَحِيحٌ، وَإِنْ كَانَ لَا إلَى غَايَةٍ مَعْلُومَةٍ فَقَدْ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ قَالَ بَعْضُهُمْ يَصِحُّ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْغَايَةَ مَعْلُومَةٌ فِي نَفْسِهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ أَوْ الْمَوْتُ. (۱) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۴۱-۱۴۲)

خلوت صحیحہ کے بعد کتنا مہر لازم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائل کی شادی ۱۰/دسمبر ۲۰۰۴ء کو انجام پذیر ہوئی، شب عروسی میں جب میں دولہن کے کمرے میں گیا، تو وہ دیوانوں جیسی حرکتیں کرنے لگی کہ میرے قریب مت آنا میں تیری صورت سے نفرت کرتی ہوں، میں تیرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، تو نے اگر میرا جسم چھونے کی کوشش کی تو میں چھت پر سے نیچے کود جاؤں گی، میں نے ذرا سختی اختیار کی تو وہ فورا کمرہ سے باہر چلی گئی اور اپنی چوڑیاں توڑ ڈالیں اور خودکشی کرنے پر آمادہ ہوگئی اور گھر کی عورتوں کے سامنے بھی دیوانگی کی حرکتیں کیں، دو ماہ

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها: ۳۱۸/۱، دار الفكر بيروت، انيس

سے وہ اپنے ماں باپ کے گھر ہے، اس حالت میں اگر اس کو طلاق دیتا ہوں تو کیا یہ میرا عمل شریعت کی رو سے جائز ہوگا یا نہیں اور چونکہ میں حق زوجیت ادا کرنے میں ناکام رہا، تو کیا اس کے مہر کی رقم ادا کرنا مجھ پر لازم ہوگا؟

(المستفتی: ضیاء الرحمٰن، مراد آباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

جب میاں بیوی دونوں نے ایک کمرہ میں تنہائی اختیار کرلی اور کمرہ کا دروازہ بند کر کے تنہائی حاصل ہوگئی۔ نیز شوہر کا خود اس بات کا اقرار کرنا کہ میں نے اس سے ہمبستری پر سختی اختیار کی تو معلوم ہوا کہ اس خلوت میں آگے بھی کچھ کام ہوا ہے اور مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ شوہر نے اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ لڑکی کے بغل کے بال کافی لمبے لمبے تھے، اس نے اس کو صاف نہیں کیا ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں خلوت صحیحہ پائی گئی؛ اس لیے اب اگر شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے گا تو پورا مہر ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم مرسلا: من كشف خمار امرأة ونظر إليها، فقد وجب الصداق دخل بها، أو لم يدخل. (السنن الكبریٰ للبيهقی، كتاب الصداق، دار الفكر بيروت: ۱۱/۰۱۰، رقم: ۱٤۸٥۰)

وروی عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم، أنه قال: من كشف خمار امرأته ونظر إليها وجب الصداق دخل بها، أو لم يدخل وهذا نص فی الباب. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل و أما بيان ما يتأكد به المهر، كراتشی: ۲/۲۹۲، جديد زكريا: ۲/٥۸٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴/ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۶۳۲) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۳۱-۷۳۲)

بعد خلوت صحیحہ کے جماع میں زوجین کا اختلاف غیر معتبر ہے:

سوال: اور ایک مسئلہ ضرور یہ ہے "إذا اختلف الزوجان فی الدخول"، تو بعض فتاویٰ میں لکھا ہے: "القول قوله وفی بعض القول قولها" تو کس پر فتویٰ ہوگا تو جس صورت میں زوج محلل بعد خلوت صحیحہ و دخول بوجہ خبث باطنی ولالچ دنیاوی دخول سے انکاری ہے اور زوجہ اقراری ہے اور شاہدین ان کی خلوتِ صحیحہ و تنہائی کی شہادت دیتے ہیں تو قطع نظر از دخول یہ خلوت صحیحہ دخول مجازاً تو ہے گو حقیقۃً نہیں اور غالب ظن اس امر کا ہے کہ مرد و عورت جب چار پانچ روز ایک ہی مکان میں بدون ثالث شب باشی کریں تو کیوں کہ سالم رہیں گے، اگرچہ محلل انکار کردے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

فی الدر المختار، أول باب المهر: (وَ) يَجِبُ (نِصْفُهُ بِطَلَاقٍ قَبْلَ وَطْءٍ أَوْ خَلْوَةٍ). (۱)

(۱) الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۰٤، دار الفكر بيروت، انيس

(وَ) يَجِبُ (نِصْفُهُ بِطَلَاقٍ قَبْلَ وَطْءٍ أَوْ خَلْوَةٍ).(۱)

(قَوْلُهُ فَقَالَتْ بَعْدَ الدُّخُولِ) يُطْلَقُ الدُّخُولُ عَلَى الْوَطْءِ وَعَلَى الْخَلْوَةِ الْمُجَرَّدَةِ، وَالْمُتَبَادِرُ مِنْهُ الْأَوَّلُ، وَالْمُرَادُ هُنَا الِاخْتِلَافُ فِي الْخَلْوَةِ مَعَ الْوَطْءِ، أَوْ فِي الْخَلْوَةِ الْمُجَرَّدَةِ لَا فِي الْوَطْءِ مَعَ الِاتِّفَاقِ عَلَى الْخَلْوَةِ لِأَنَّ الْخَلْوَةَ مُؤَكِّدَةٌ لِتَمَامِ الْمَهْرِ.(۲)

وَيَظْهَرُ لِي أَرْجَحِيَّةُ الْقَوْلِ الْأَوَّلِ(أي أن القول لها لا له)وَلِذَاجَزَمَ بِهِ الْمُصَنِّفُ،الخ.(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جب خلوت صحیح ہو چکی ہے، جیسا سوال سے ظاہر ہے تو یہ اختلاف مضر نہیں؛ کیوں کہ خلوت بدون وطی کے بھی مؤکد ہے، تمام مہر کی البتہ اگر خلوت میں بھی اختلاف مثل وطی کے نہیں۔

فی الدرالمختار: (وَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ فِي نِكَاحٍ فَاسِدٍ) وَهُوَ الَّذِي فَقَدَ شَرْطًا مِنْ شَرَائِطِ الصِّحَّةِ كَشُهُودٍ(بِالْوَطْءِ) فِي الْقُبُلِ (لَا بِغَيْرِهِ) كَالْخَلْوَةِ لِحُرْمَةِ وَطْئِهَا.(۴)

اور اگر اس میں اختلاف ہو تو بھی عورت کا قول مع الیمین معتبر ہے۔

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۸۹) (امداد الفتاویٰ: ۲/)

جو عورت خود طلاق حاصل کرے، کیا وہ مہر لے سکتی ہے:

سوال: جو عورت اپنے خاوند سے خود مانگ کر طلاق لے، کیا مہر لینا شرعاً درست ہے، یا نہیں؟ جس حال میں کہ خلع نہ ہوا، اگر خاوند مہر دینے سے انکار تو اس کا قیامت میں مواخذہ ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

مہر اس عورت کا لازم ہے، اگر مدخولہ ہے تو پورا مہر واجب ہے، ورنہ نصف اور نہ دینے سے شوہر حقوق العباد میں ماخوذ ہوگا۔(۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۹/۸)

طلاق کے بعد مہر دینا ہوگا اور جو زیور ہبہ کر چکا ہے، وہ بیوی کا ہے:

سوال: زید بوجہ نااتفاقی و نافرمانی کے زوجہ کو طلاق دینا چاہتا ہے، عورت کو چوں کہ یہ معلوم ہوگیا ہے، بدیں وجہ تمام زیورات جو کہ زید نے بعد نکاح کے بنوائے تھے، کسی غیر جگہ پوشیدہ کر دیئے ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ بعد طلاق یہ تمام زیورات جو میرے قبضہ میں ہیں اور جو مہر زید سے لے لوں گی۔ آیا شرعاً بعد طلاق زید کے ذمہ اس عورت کا حق کس قدر ہے؟

---

(۱) الدرالمختار، باب المهر: ۱۲۱/۳، دارالفکر بیروت، انیس

(۲-۳) ردالمحتار، مطلب فی حط المهر والابراء منه: ۱۲۱/۳، دارالفکر بیروت، انیس

(۴) الدرالمختار، مطلب فی النکاح الفاسد: ۱۳۱/۳، دارالفکر بیروت، انیس

(۵) وتجب العشرة إن سماها أو دونها ويجب الأكثر منها ان سمى الأكثر ويتأكد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما ويجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة.(الدرالمختار)

وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد،الخ،وإنما يتاكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه.(ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۴/۲، ظفیر)

الجواب

طلاق کے بعد شوہر کے ذمہ مہر کا ادا کرنا لازم ہے اور عدت کا نفقہ بذمہ شوہر ہے،(۱) اور قبل طلاق جو کچھ شوہر نے کپڑا وزیور اس کو ہبہ کیا، وہ اس کی مالک ہوگئی اور جو زیور و کپڑا اعاریۃً دیا، وہ شوہر کو واپس ملے گا، یا مہر میں شمار ہوگا۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸/۲۵۸-۲۵۹)

عورت کا یہ کہنا: ہم بستر ہو تو گویا اپنی بہن سے ہو، طلاق دے گا تو بھی مہر ضروری ہے:

سوال: ایک عورت نے کسی بات پر اپنے شوہر کو کہا کہ اگر تو میرے ساتھ ہم بستر ہو تو گویا اپنی بہن کے ساتھ ہم بستر ہو، شوہر نے ہم بستر ہونا چھوڑ دیا اور طلاق دینے پر آمادہ ہے، اگر طلاق دیوے تو مہر دینا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں اس شخص کی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوئی، عورت کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، اگر اس عورت کو رکھنا چاہیے تو رکھ سکتا ہے اور اگر طلاق دینا چاہے تو طلاق دے دے، اگر طلاق دے دے گا تو مہر ادا کرنا لازم ہوگا۔(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸/۲۷۱)

طلاق کے بعد مہر کی ادائیگی میں لڑکی اور حمل دینا کیسا ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک جلسہ میں تین طلاق دے کر گھر سے نکال دیا اور بعوض مہر مقررہ کے اپنی ایک دختر تین سالہ اور ایک حمل سات ماہ کا دیا، دختر اور حمل کا مہر میں دینا شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

دختر اور حمل کو مہر میں دینا ناجائز اور لغو ہے، مہر پورا شوہر کے ذمہ لازم ہے اور مہر مال سے ہوتا ہے، لڑکی اور حمل مہر نہیں ہوسکتا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿أن تبتغوا بأموالكم محصنين غير مسافحين﴾ (الآية) (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸/۲۸۰)

---

(۱) وتجب لمطلقة الرجعي والبائن والفرقة بلامعصية،الخ،النفقة والسكنى والكسورة إن طالت المدة.(الدر المختار)وفى المجتبى:نفقة العدة كنفقة النكاح،الخ واطلق فشمل الحامل وغيرها والبائن بثلاث أو أقل،كما فى الخانية.(ردالمحتار،باب النفقة،مطلب فى نفقة المطلقة:۲/۹۲۱،ظفير)

(۲) ولوبعث إلى امرأته شيئا ولم يذكر جهة عند الدفع غير جهة المهر،الخ،فقالت:هو أى المبعوث هدية وقال: هومن المهر،الخ، فالقول له بيمنيه والبينة لها.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار،باب المهر، ص:۴۹۹،ظفير)

(۳) ويتأكد أى المهر عند وطء أوخلوة صحت،الخ.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر:۲/۴۵۴،ظفير)

(۴) سورة النساء:۲۴،ظفير

حالت طلاق میں مہر فیصلہ کیا ہوگا:

سوال: زید نے ایک عورت سے نکاح کیا اورحسب رواج مبلغ دوہزار روپیہ مہر مقرر ہوا، چند ماہ بعد نااتفاقی ہوگئی، جس کوتقریبا سات سال ہوئے، اب وہ بموجب شرع فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔آیا حالت طلاق میں مہر وغیرہ کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب________________

اگرطلاق بطریق خلع ہو؛ یعنی اس طرح کہ عورت اپنا مہر معاف کردیوے اورشوہر طلاق دیوے تو بعد طلاق کے عورت مطالبہ مہر وغیرہ کا نہیں کرسکتی اوراگرشوہر ویسے ہی بلاعوض مہر وغیرہ کے طلاق دیوے تو پھر عورت اگر مدخولہ ہے اورخلوت ہوچکی ہے تو وہ پورا اپنا مہر لے سکتی ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۴/۸)

اطاعت نہ کرنے کی صورت میں مہر:

سوال: زید کی بیوی اس کی اطاعت نہیں کرتی، اگر زید اس کوطلاق دے دے تو مہر لازم ہوگا، یانہیں؟

الجواب________________

اگردخول، یا خلوت صحیحہ ہوچکی ہے تو طلاق کے بعد پورا مہر ادا کرنا لازم ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۰/۸)

طلاق بائن کے بعد جب دوبارہ شادی کی تو پہلا مہر عورت لے سکتی ہے، یانہیں:

سوال: ایک عورت کا نکاح ایک مرد سے مہر مقررہ پر ہوا، تین چار ماہ بعد شوہر نے زوجہ منکوحہ کوطلاق بائن دے دی، چندایام کے بعد بروئے شرع پھراسی سے نکاح ثانی کرلیا اورمہر دوسری مرتبہ مہر جدید بوعدہ عندالطلب قرار پایا اورمہراول کی بات کوئی تصفیہ نہیں ہوا۔ایسی صورت میں مہراول قابل ادائیگی رہا، یانہیں؟

الجواب________________

وطی، یا خلوت صحیحہ کے بعد اگرطلاق دی جائے تو پورا مہر لازم ہوتا ہے، پھر جو دوسرا نکاح ہوگیا، اس کا مہر علاحدہ واجب ہے، مہراول بھی ادا کرنا چاہیے اورمہر ثانی بھی۔

"ویتأکد عند وطء أو خلوة صحت، الخ. (الدرالمختار) (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۷/۸-۳۱۸)

---

(۱) ویتأکد المهر عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أوموت أحدهما، الخ ویجب نصفه بطلاق قبل وطء أوخلوة. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۵٦/۲، ظفیر)

(۲) ویجب الأکثر منها إن سمی الأکثر أو دونه ویتأکد عندوطء أوخلوة صحت. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۴۸۷/۲، باب المهر، ظفیر)

(۳) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۴/۲، ظفیر

مہر کا ایک حصہ دے دیا تو اب طلاق کے وقت پھر کل کی مستحق ہے، یا نہیں:

سوال: وقت نکاح تشریح مہر مؤجل ومعجّل کی نہ تھی اور بعد نکاح کے زید نے ایک جز و مہر کا ہندہ کو ادا کیا تو طلاق کے وقت کل مہر ادا کرنا ہوگا، یا کیا؟

الجواب

طلاق کے وقت کل مہر باقی ماندہ ادا کرنا ہوگا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۹/۸)

مطلقہ کا مہر شوہر کے ذمہ لازم ہے:

سوال: ایک عورت نافرمان کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی اور شوہر صرف آٹھ روپیہ کا ملازم ہے تو اس صورت میں شوہر کے ذمہ دین مہر زوجہ کا واجب ہے، یا نہ؟ اور شوہر کی مفلسی کا بوجھ کچھ لحاظ شریعت میں ہوگا، یا نہ؟

الجواب

دین مہر زوجہ کا جو مطلقہ ہے، شوہر کے ذمہ لازم و واجب ہے، جس وقت ہو، ادا کرے، اس دین میں حاکم شوہر کو قید کرسکتا ہے، بعد ثابت ہونے افلاس کے رہا کردیوے، پھر جس وقت وسعت ہوگی، ادا کرنا لازم ہے، بہرحال دین مہر بذمہ شوہر واجب الادا ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۳/۸)

بعد طلاق مہر اور زیور کس قدر عورت کو ملے گا:

سوال: ایک شخص کی ایک عورت ہے، وہ ہمیشہ اپنے شوہر کو ناراض رکھتی ہے، جس کی وجہ سے شوہر نے عورت کو اپنے گھر سے نکال دیا، عورت نے عدالت میں خرچہ کا دعویٰ کیا، عورت وشوہر میں صلح ہوگئی، خرچہ دینے پر شوہر عورت کو طلاق دینا چاہتا ہے، ہمارے یہاں یہ دستور ہے کہ نکاح کے وقت کچھ زیور اور مہر زیادہ باندھی جاتی ہے اور مہر اس زمانہ میں کوئی عورتوں کو دیتا نہیں ہے، اسی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ کیا مہر دینا ہوتا ہے، جو کہیں منظور کرلو، جن لوگوں کو کبھی ایک ہزار روپیہ ملتا بھی نہیں، ان کو ہزار روپیہ کی مہر باندھی جاتی ہے اور ہمارے یہاں یہ بھی دستور ہے کہ عورت کے مرجانے کے بعد اس کے میکے والے زیور شوہر والا جتنا ہوتا ہے واپس کردیتے ہیں اور بعض آدمی اپنا دیا ہوا لے لیتے ہیں اور شوہر والا شوہر کو دیتے ہیں تو ایسی حالت میں اگر عورت کو طلاق دینا چاہے تو کتنا زیور و مہر پانے کا حق رکھتی ہے؟

الجواب

اگر طلاق بعد دخول، یا خلوت صحیحہ کے ہوگی تو پورا مہر شوہر کو دینا لازم ہے اور اگر قبل وطی وخلوت صحیحہ ہوگی تو نصف

(۱) وبالطلاق يتعجل المؤجل. (ردالمحتار، باب المهر: ۴۹۳/۲، ظفير)

(۲) ومن سمى مهراً عشرة فمازاد فعليه المسمى إن دخل بها أومات عنها (إلى قوله) وإن طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف المسمى. (الهداية، باب المهر: ۳۰۴/۲، ظفير)

مہر دینا لازم ہے اور زیور جو مرد کا ہے اور عورت کو عاریۃ دے رکھا تھا، وہ مرد واپس لیوے گا اور جو زیور عورت کا ماں باپ کے گھر کا ہے، یا شوہر نے اس کی ملک کر دیا تھا، وہ عورت کو ملے گا۔

کما فی الدر المختار: ویتأکد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج، الخ، ویجب نصفه لطلاق قبل وطء أو خلوة، الخ. (۱) فقط واللہ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۴۴/۸)

طلاق سے مہر ساقط نہیں ہوتا:

سوال: معین نے اپنی زوجہ راشدہ کو طلاق دے دی؛ اس لیے کہ وہ بغیر برقعہ کے اس کے گھر سے چلی گئی تھی، اس کے بعد راشدہ کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا گیا، راشدہ کا مہر معین کو دینا چاہیے، یا نہیں، جب کہ وہ بلا اجازت چلی گئی تھی؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس نافرمانی کی وجہ سے مہر ساقط نہیں ہوا، معین کے ذمہ راشدہ کا مہر واجب ہے۔ (۲) راشدہ کا دسرا نکاح اگر طلاق کی عدت تین حیض گزرنے پر کیا گیا ہے، وہ صحیح ہو گیا۔ (۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۲/۲/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷۸/۱۲)

مطلقہ مہر کی حق دار ہے:

سوال: ایک آدمی نے اپنی مدخولہ بیوی کو فاحشہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی تو کیا یہ عورت اب مہر کی حق دار ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

دخول سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے؛ اس لیے بعد از اں طلاق دینے سے حق مہر پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مطلقہ عورت شرعاً مہر کی حق دار ہے، طلاق خواہ کسی بھی وجہ دی گئی ہو۔

---

(۱) الدر المختار، باب المهر: ۱۰۲/۳-۱۰۴، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط منه شئ بعد ذلك إلا بالابراء من صاحب الحق". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فى بيان مايتأكدبه المهر؛ ۵۲۰/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) عدة الحرة المدخولة التى تحيض للطلاق او الفسخ ... ثلاثة فورء: أى حيض، لقوله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربص بأنفسهن ثلاثة قروء﴾. (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴۶۴/۱، دار إحياء التراث العربى بيروت)

قال في الهندية: والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة، الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين سواء كان مسمى اَوُ مهر المثل حتٰى لايسقط منه شيئ بعد ذٰلک اِلَّا بالإبراء من صاحب الحق. (الفتاویٰ الهندية: ۳۰٤/۱، الباب السابع فی المهر) (۱) (فتاوی حقانیہ: ۳۷۳/۴)

طلاق ثلاثہ کے بعد دین مہر اور جہیز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ طلاق ثلاثہ کے بعد لڑکی کا مہر لڑکے کے ذمہ واجب ہے، یا نہیں؟ اور جو لڑکی کے باپ نے سامان جہیز دیا ہے، وہ لڑکے کے گھر موجود ہے، وہ بھی واپس ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور اس لڑکی کے دو بچے ہیں ایک لڑکا اور ایک لڑکی، لڑکی کی عمر ۴/سال، لڑکا ۵/ماہ کا ہے، لڑکی اپنے بچوں کو لے کر اپنے باپ کے گھر آ گئی ہے بچوں کا کیا ہوگا؟

مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب مطلوب ہے:

(۱) میری مطلقہ ثلاثہ لڑکی کا دین مہر لڑکے (شوہر) کے ذمہ موجود ہے تو کیا اس کو دینا ضروری ہے، یا نہیں؟ جب کہ لڑکے نے تینوں طلاقیں دے دی ہیں؟

(۲) لڑکی کا سامان جہیز بھی لڑکے کے یہاں ہے تو کیا لڑکے پر اس کا واپس کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟

(۳) لڑکی کے دو بچے ہیں، ایک لڑکی ۴/سال اور لڑکا ۵/ماہ کا ہے، ان کا حق پرورش کس کو ہے اور پرورش کے خرچ کا ذمہ دار کون ہوگا لڑکی یا لڑکا؟ (المستفتی: گوچھن بیگ، محلّہ: اصالت پورہ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جب شوہر کی طرف سے شرعی طلاق سے تفریق ہوگئی ہے تو شوہر پر پورے دین مہر ادا کرنا واجب ہے اور بیوی کے سامان جہیز اس کو واپس کر دینا واجب ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم: ۳۵۷/۸) اور لڑکا ۷/سال کی عمر تک اور لڑکی بالغ ہونے تک بیوی اپنی پرورش میں رکھ سکتی ہے، اس عرصہ میں بچوں کے اخراجات شوہر پر لازم رہیں گے۔

فعليه المسمیٰ إن دخل بها، أومات عنها؛ لأنه بالدخول يتحقق تسليم المبدل وبه يتأكد البدل وبالموت ينتهي النكاح نهايته (إلى قوله) فيتقرر بجميع مواجبه. (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفی دیوبند: ۳۲٤/۲)

والحاضنة أمّاً، أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتیٰ (إلى قوله) أحق بها بالصغيرة حتى تحيض أي تبلغ في ظاهر الرواية. (الدر المختار، باب الحضانة، كراتشي: ٥٦٦/۳، زكريا: ۲٦۷/٥)

ونفقة أولاد الصغار على الأب. (الهداية، أشرفي ديوبند: ٤٤/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱/رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ (فتویٰ نمبر: الف ۸۹۱/۲۴) (فتاویٰ قاسمیہ: ۷۲۸/۱۳-۷۲۹)

---

(۱) قال الحصكفي: ويتأكد عند وطأ أوخلوت صحت من الزوج أوموت أحدهما. (الدرالمختارعلى صدر ردالمحتار: ۱۰۲/۳، باب المهر) ومثلهٗ في البحر الرائق: ۱٤۳/۳، باب المهر

مطلقہ مدخولہ کا مہر کتنا ہے، نصف، یا کامل:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کی شادی کو تقریباً پونے دوسال گزر گئے ہیں، وہ اپنے شوہر کے ساتھ، شوہر کے ماں باپ و بھائی بہن کے ساتھ راضی خوشی سے رہ رہی ہے اور اس کا ایک ۵/ ماہ کا بیٹا بھی ہے، ایک دن اچانک صبح ۱۱/ بجے اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں ساس ونند سے چھپ کر اپنے اس بچے کو ساتھ لے کر اپنی سسرال سے بھاگ کر اپنے والدین کے گھر چلی گئی ہے، شوہر کو جب اس بات کا پتہ چلا تو شوہر نے اپنے ایک عزیز کو اس کے والدین کے گھر دیکھنے کے لیے بھیجا، اس شخص کے معلوم کرنے پر اس نے بتایا کہ میں اپنی سسرال والوں کو دھوکہ دے کر اپنے والدین کے گھر آ گئی ہوں۔ اب میں وہاں نہیں جاؤں گی، میں اپنے والدین کے گھر رہ کر اپنا مستقبل بناؤں گی، یا مجھے میرے شوہر کے والدین سے علاحدہ مکان لے کر دے دو، اس کا یہ بیان ہے کہ میرا شوہر پانچ روپیہ کا بھی آدمی نہیں ہے، مجھے شوہر نہیں چاہیے، مجھے اس بچے کے لیے باپ کا نام چاہیے، اس کے گھر سے بھاگ جانے اور اس کی اس بیان بازی سے اس کا شوہر سخت ناراض ہے اور وہ بھی اس لڑکی کو جو ابھی تک اس کی بیوی ہے، اپنے گھر میں، یا اپنے دل میں کوئی جگہ دینا نہیں چاہتا، لہٰذا میں مسئلہ یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان حالات میں اور لڑکی کے اس طرح کے بیان سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ کیا لڑکی اپنے اس شوہر سے طلاق چاہتی ہے، جب کہ وہ اپنی زبان سے طلاق کا لفظ ادا کرنا نہیں چاہتی، کیا اس طرح گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کو شوہر اگر اپنی طرف سے طلاق دے تو کیا لڑکی اپنے اس مہر کی حقدار ہے، جو حق مہر شوہر کی طرف واجب ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: تحسین جمال)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سوال میں ذکر کردہ حالت میں طلاق واقع ہوجائے تو بھی شوہر کے ذمہ مہر کی ادائیگی لازم رہے گی، بغیر ادا کئے ساقط نہ ہوگا، خواہ بیوی کا قصور ہو۔

وإذا تأكدالمهر بما ذكر لا يسقط بعد ذٰلك، وإن كانت الفرقة من قبلها. (شامی، کتاب النکاح، باب المهر، كراتشي: ۱۰۲/۳، زكريا: ۲۳۳/٤)

إنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه. (شامی، كراتشي: ۱۰۲/۳، زكريا: ۲۳۳/٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۸/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ (فتویٰ نمبر: الف ۸۴۴۹/۳۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۷/۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۲۳۳-۷/۳۲/۱۳)

بدکارہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد مہر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی کے

پاس ایک موبائل برآمد کیا، جو میں نے اپنی بیوی کو نہیں دیا تھا، جب میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا کہ کہاں سے ملا، تو وہ لڑنے لگی اور زور زور سے شور مچانے لگی اور میرے اوپر طلاق دینے کے لیے دباؤ ڈالنے لگی اور مجھ سے جھگڑا کر کے بچوں کو روتا ہوا چھوڑ کر گھر سے نکل گئی اور جب میں اسے ڈھونڈتا ہوا جامع مسجد پارک کے سامنے ایک دوکان پر پہونچا، جہاں پر مجھے اس کے ہونے کا شک تھا تو وہ ہاں پر ایک شخص کے ساتھ موجود تھی، مجھے دیکھ کر وہ زور زور سے چیخنے لگی کہ مجھے طلاق دے، میں نے اسے وہیں پر تین طلاق دے دی اور وہ اس شخص کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر چلی گئی۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ مہر دینا ہے، یا نہیں؟ طلاق ہوئی یا نہیں طلاق کا اقرار بھی کرتی ہے؟

(المستفتی: ریاض الدین، فیل خانہ، مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مسئولہ صورت میں جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہیں تو طلاق مغلظہ وقع ہوکر بیوی قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے، اب آپ کے لیے اس کو بیوی بنا کر اپنے پاس رکھنا قطعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس سے علاحدگی لازم ہے۔ نیز آپ کے ذمہ مقررہ مہر کی ادائیگی بہر حال لازم اور ضروری ہے۔

ولو قال لزوجته: أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثاً. (الأشباه، قديم مطبع ديوبند: ۲۱۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة،أو ثنتين في الأمة، لايحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها،ثم يطلقها، أو يموت عنها. (التاتارخانية، زكريا: ۱۴۷/۵، رقم: ۷۵۰۳، ومثله في الفتاوى الهندية، زكريا: ۴۷۳/۱، جديد: ۵۳۵/۱)

ويتأكد عند وطء،أو خلوة صحت من الزوج،أو موت أحدهما. (الدرالمختار)

وتحته في الشامية: إنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه. (شامي، كراتشي: ۱۰۲/۳، زكريا: ۲۳۳/۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۰۵۸۹/۳۹) (فتاوی قاسمیہ: ۱۳/۳۴۷-۳۵۷)

شوہر پر دباؤ ڈال کر طلاق لینے کی صورت میں مہر اور جہیز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ محمد انیس عرف گڈو کی بیوی کے گھر والے طلاق لینا چاہتے ہیں، حالاں کہ کئی پنچایت ہوئیں اور اس میں محمد انیس نے پنچایت کی جانب سے لڑکی والوں کی ساری شرائط کو منظور کرتے ہوئے اپنی بیوی کو رکھنا چاہا اور اپنا گھر بسانا چاہا، سارے فیصلے اور پنچایت کے سارے شرائط ماننے کے باوجود لڑکی والے لڑکے سے طلاق لینا چاہتے ہیں، کیا اس صورت میں مہر اور سامان کو واپس کرنا ہے، یا نہیں؟ وضاحت سے مدلل جواب دیں۔

(المستفتی: محمد انیس عرف گڈو، خلونئ بستی گلی-۲، مراد آباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

صورت مسئولہ میں جب لڑکا لڑکی والوں کی تمام شرائط ماننے کو تیار ہے تو اس پر بلا وجہ طلاق کا دباؤ ڈالنا صحیح نہیں ہے؛ تاہم اگر وہ طلاق دینے پر تیار ہو جائے تو دو شکلیں ہے:

(۱) اگر بلا کسی شرط کے طلاق دے گا تو مہر اور سامان سب واپس کرنا لازم ہوگا۔

(۲) اگر اس شرط پر طلاق دے کہ میں مہر نہیں دوں گا، تو ایسی صورت میں طلاق کے بعد مہر دینا اس پر واجب نہ ہوگا اور سامان اگر ایسا ہے کہ جو خالص لڑکی کی ملک ہے، مثلاً وہ چیز جو لڑکی والوں کی طرف سے اپنی لڑکی کو دی گئی ہے تو اس کی واپسی بہر حال لازم ہے، خواہ وہ جس حال میں ہو اور لڑکے والوں کی طرف سے دیئے گئے سامان کے بارے میں برادری کے عرف کو دیکھا جائے گا، اگر واپسی کا عرف ہوگا تو واپسی لازم ہوگی اور اگر واپسی کا رواج نہ ہوگا تو واپسی لازم نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم: ۲۹۲/۱، کفایت المفتی قدیم: ۱۲۳/۵، جدید زکریا: ۱۲۳/۵)

ويسقط المهر عنه في الخلع؛ لأنه مسقط. (الطحطاوي على الدرالمختار، كوئٹه: ۸۱/۲)

فإن خفتم ان لا يقيما حدود الله فلا جناح عليهمافيما افتدت به على ما إذا كان النشوز منها سواء كان منه نشوزاً أيضاً أو لا. (الطحطاوي على الدرالمختار، كوئٹه: ۱۸۸)

لوجهز ابنته بجهاز أوسلمها ذلک ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلک في صحته؛بل تختص به ويفتىٰ. (شامي زكريا: ۳۰۶/٤،باب المهر كراتشي: ۱۵۵/۳، الفتاوى الهندية،الباب السابع في المهر الفصل السادس عشر في جهاز البنت،زكريا قديم: ۳۲۷/۱، جديد: ۳۹۳/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۶ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۵۶۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۶/۳/۱۴۲۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۳۵/۱۳-۷۳۶-۷۳۶)

طلاق ثلاثہ کے بعد لڑکی والوں کا مہر اور جہیز کا مطالبہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ محمد سلیمان عرف مسلم نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں اور اب لڑکی والے بوقت نکاح جہیز میں دیئے گئے سامان اور مہر کا مطالبہ کر رہے ہیں تو ان کا یہ مطالبہ شرعاً کیسا ہے؟

(المستفتی: عبدالغنی، بارہ دری، سرائے؛ حسینی بیگم کھجور والی مسجد، مراد آباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جب محمد سلیمان نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں تو طلاقیں واقع ہو کر بیوی محمد سلیمان پر حرام ہو گئی، اب بغیر شرعی حلالہ کے بیوی محمد سلیمان کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل

بهـا، ثم يطلقها،أو يموت عنها. (الـفـتـاوىٰ الهـنـدية،كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة،الخ، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به قديم: ۱/٤٧٣،جديد: ۱/٥٣٥)

والدین کی طرف سے شادی کے موقع پر لڑکی کو جو چیزیں جہیز میں دی گئیں، وہ اس کی ملکیت ہیں، وہ کسی کا حق نہیں؛ اس لیے اب طلاق کے بعد شوہر سے جہیز اور اپنے مہر کے مطالبہ کا حق لڑکی کو حاصل ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی: ۴۴۵)

بـل كـل أحـد يـعـلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شـامـي، كتـاب النكاح، باب المهر، كراتشي: ۳/۱٥٨، زكريا: ٤/۳۱۱)

لو جهز إبنته وسلمه إليها ليس له في الاستحسان استرداده منها وعليه الفتوى. (الفتاوى الهندية، الباب السابع في المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت زكريا قديم: ۱/۳۲۷، جديد: ۱/۳۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۲/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۷۴۲۴/۳۶) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۷۳۶-۷۳۷)

کیا مطلقہ مغلظہ کا مہر اور عدت کا نفقہ شوہر پر لازم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک لڑکی جس کا نکاح تقریباً ایک سال قبل ہوا تھا، اس دوران لڑکی اپنی سسرال آتی جاتی رہی، اب آ کر لڑکی غیر محرم کے ساتھ فرار ہوگئی، دوسرے دن لڑکی کے سسرال والے اس کو برآمد کر کے میکہ لے آئے اور شوہر کو بلا کر تین دفعہ طلاق دلا دی، جب کہ شوہر نے ابھی تک مہر ادا نہیں کیا ہے، اب بعد طلاق اس منکوحہ مطلقہ کا مہر شوہر پر ادا کرنا اور عدت کا خرچہ ادا کرنا واجب ہے، یا نہیں؟ (المستفتی: محمد عرفان سنبھل)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

شوہر نے چوں کہ بلا شرط معافی مہر طلاق دی ہے؛ اس لیے اس پر پورا مہر ادا کرنا لازم ہے اور ناشزہ نافرمان بیوی کے لیے عدت کا خرچہ شوہر پر لازم نہیں ہوتا اور جب بیوی شوہر کو چھوڑ کر کے دوسرے مرد کے ساتھ فرار ہوگئی ہے تو اس کا ناشزہ اور نافرمان ہونا واضح ہوگیا ہے۔

والـمهـر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين سواء كان مسـمـىٰ، أو مهـر الـمثـل حتـى لا يسقط شيء منه بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق. (بدائع الـصـنـائـع،كتـاب الـنـكـاح، فصل وأما بيان مايتأكد به المهر، زكريا: ۲/٥٨٤،الهـندية، زكريا: ۱/۳۰۳،جديد: ۱/۳۷۰، شامي،كراتشي: ۳/۱۰۲، زكريا: ٤/۲۳۳)

جاء ت من قبل المرأة بمعصية مثل الردة وتقبل ابن الزوج فلا نفقة لها؛ لأنها صارت حابسة نفسها بغير حق، فصارت كما إذا كانت ناشزة. (الهداية ياسر نديم واشرفي ديوبند: ۲/٤٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۸/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۸۶/۴۰)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۵/۱/۱۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۷۳۷-۷۳۸)

بیوی کا طلاق وعدت کے بعد مہر کا مطالبہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نشہ کی حالت میں شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، انیس دن کے بعد بچہ پیدا ہوا، اس کا خرچ سب شوہر نے اٹھایا، بائیس دن کے بعد اپنے میکہ چلی آئی تو اب ازروئے شرع کیا بیوی کو مہر اور عدت کے خرچ میں سے کون سا مطالبہ دینا لازم ہوگا؟؛ لہٰذا سوال کا جواب شریعت کی رو سے عنایت فرمائیں۔

(المستفتی: حاجی محمد یامین، لالباغ، نئی آبادی، گلی-۱، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، لہٰذا بچہ کی ولادت سے ۱۹/دن پہلے شوہر نے جو تین طلاق دی ہیں، اس کی وجہ سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے اور ولادت کا خرچہ برداشت کرنا شوہر کے اوپر ہر حال میں لازم ہوتا ہے، اس نے جو خرچہ برداشت کیا ہے، وہ اپنی جگہ درست ہے اور بیوی کا اپنے میکہ چلی جانا اس لیے درست ہے کہ اب وہ اس کی بیوی نہیں رہی ہے اور بیوی کا اپنے مہر اور جہیز کا مطالبہ کرنا درست ہے، وہ سب ادا کرنا شوہر کے اوپر لازم ہے۔

قال في البدائع: وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذٰلك، وإن كانت الفرقة من قبلها؛ لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا: ٣٣٣/٤، كراتشي: ١٠٢/٣)

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة، والسكنىٰ، كان الطلاق رجعياً، أو بائناً، أو ثلاثا، حاملا كانت المرأة، أو لم تكن. (الهندية، زكريا: ٥٥٧/١، جديد: ٦٠٥/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴/صفر المظفر ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۹۸۷۹/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۱/۲/۱۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۷۴۰-۷۳۹/۱۳)

کیا طلاق مغلظہ کے بعد اسی سے نکاح کی صورت میں دوبارہ مہر واجب ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ افضل نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیا اور مہر بھی ادا کردیا، پھر افضل نے اسی عورت سے شادی کی از سرنو (دوبارہ) مہر واجب ہوگا، یا نہیں؟ سوال مذکور کا مدلل جواب دیں۔ (المستفتی: محمد معین الدین، گڈاوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جب افضل نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے دی ہے، تو اب بغیر حلالہ شرعیہ کے اس کے ساتھ از سرنو نکاح کرنا

جائز نہیں اور اگر حلالہ کے بعد از سر نو نکاح ہوا ہے تو مہر ادا کرنا واجب ہوگا اور مہر کی مقدار وہی ہوگی، جو اس میں طرفین کی رضا مندی سے متعین ہوگی۔

إذا تزوج المرأة ودخل بها، ثم طلقها بائناً، ثم تزوجها كان عليه مهر بالنكاح الأول، ومهر كامل بالنكاح الثاني. (الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثالث عشر في تكرار المهر، زكريا: ۳۲۳/۱، جديد: ۳۹۰/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۷۶۱۲/۳۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۳/۴/۲۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۷۳۰/۱۳)

طلاق کے بعد مہر اور شوہر کے دیئے ہوئے زیور کا حکم:

سوال: زوج نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی، اب اس کے پاس جو زیور نقرئی، یا طلائی شوہر کی طرف سے دیا ہوا موجود ہے، اس حق دار شرعاً کون ہے؟ دوم یہ کہ عورت نے شوہر کو ایک عورت کے سامنے اپنے مہر اللہ واسطے معاف کر دئے تھے، اس صورت میں وہ معاف ہوئے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر وہ زیور شوہر کی طرف سے عورت کو تملیکاً دیا گیا تھا تو وہ عورت کا ہے اور اگر عاریۃً دیا گیا تھا تو وہ عورت کا نہیں ہے؛ بلکہ شوہر کا ہے اور اگر دیتے وقت کوئی تصریح تملیک، یا عاریت کی نہیں کی گئی تھی تو رواج اور عرف کا اعتبار ہوگا، اگر رواج تملیک کا ہے تو وہ زیور عورت کا ہے، اگر رواج عاریت کا ہے تو شوہر کا، اگر رواج دونوں طرح کا ہے اور گواہ عورت کے پاس تملیک کے موجود نہیں تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ (كذا في العالكيرية، ص: ۳۴۰)(۱)

اگر عورت کہتی ہے کہ مہر میں معاف کر چکی ہوں، یا اس پر گواہ موجود ہوں، گوا ایک ہو تو وہ مہر دیانۃً معاف ہوگیا اور قضا معاف ہونے کے لیے عورت کا اقرار، یا دو عادل مرد، یا ایک عادل مرد اور دو عورتیں گواہ ضروری ہیں۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ ۱۳۵۳/۱۲/۲۲ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰۵/۱۲-۱۰۷)

---

(۱) وإذا بعث الزوج إلى اهل زوجته أشياء عند رفافها منها ديباج فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة، ليس له ذلك إلا إذا بعث إليها على جهة التمليك ... جهز زوجها ثم زعم أن الذى دفعه إليها ماله، وكان على وجه العارية عندها، وقالت: هو ملكى جهزتنى به، أو قال الزوج ذلك بعد موتها ... وقال فى الواقعات من كان العرف ظاهراً بمثله فى الجهاز كما فى ديارنا فالقول قول الزوج، الخ". (الفتاوىٰ الهندية، الفصل السادس عشر فى جهاز البنت: ۳۲۷/۱، رشيدية)/ ردالمحتار: ۵۶۱/۲)

ولوبعث إلى امرأته شيئا ولم يذكر جعته عند الدفع غيرجهة المهر كقوله: شمع أوحناء، ثم قال: ==

طلاق بائن کے بعد نکاح اور مہر:

سوال: طلاق بائن کے بعد میاں بیوی پھر سے نکاح کرنا چاہیں تو کیا پھر سے مہر مقرر کرنا ہوگا؟

(عائشہ راوی، صنعت نگر)

الجواب

طلاق بائن سے نکاح ختم ہوجاتا ہے، البتہ اگر تین طلاق نہ دی گئی ہو تو دوبارہ نکاح کی گنجائش رہتی ہے، چوں کہ یہ نیا نکاح ہے اور نکاح کے ساتھ مہر ضروری ہے، اس لیے اس نکاح میں بھی مہر مقرر کرنا اور اس کے مطابق دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے۔(۱)(کتاب الفتاویٰ:۳۸۹/۴)

بذریعہ جرگہ طلاق لینے کی صورت میں مہر کا مطالبہ کرنا:

سوال: بعض عورتیں گھریلو ناچاقی کی وجہ سے شوہر سے بذریعہ جرگہ وغیرہ طلاق لے لیتی ہیں تو کیا طلاق لینے کے بعد مہر کا مطالبہ کرسکتی ہیں، یا نہیں؟

الجواب

اگر طلاق دیتے وقت شوہر نے معاف کرنے کی شرط لگائی ہو اور عورت نے قبول کر کے شوہر سے طلاق لی ہو تو اسے مہر کے مطالبہ کرنے کا حق نہیں رہتا اور طلاق دیتے وقت ایسی کوئی شرط نہ لگائی ہو اور نہ عورت نے مہر معاف کیا ہو تو مہر اس کا حق ہے اور وہ مطالبہ کرسکتی ہے۔

قال ابن عابدين: أفاد أنّ المهر وجب بنفس العقد ... إنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء، ونحوه. (ردالمحتار: ۳۵۸/۲، باب المهر)(۲)(فتاوی حقانیہ:۳۶۱/۴)

== إنه من المهر، لم يقبل، قنية، لوقوعه هدية،فلا ينقلب مهر(فقالت:هو):أى المبعوث هدية،وقال: هو من المهر او من الكسوة او عارية، فالقولله بيمينه،الخ". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة:۱۵۱/۳،سعيد)

(۲) وماسوى ذلک من الحقوق، يقبل فيها شهادةرجلين او رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالا او غير مال، مثل النكاح والطلاق والعتاق والوكالة والوصية". (الهداية، كتاب الشهادات:۱۵۳/۳ـ۱۵٤،إمداديه ملتان)

حاشية صفحه هذا:

(۱) "و إذا تزوج امرأتة و دخل بها ثم طلقها بائنا ثم تزوجها في العدة ثم طلقها قبل الدخول بها في النكاح الثاني كان عليه مهر النكاح الأول و هو كامل بالنكاح الثاني". (الفتاوى الهندية:۳۲۳/۱)

(۲) وفى الهندية:امرأة قالت لزوجها اخلعي أو قالت خويشتن خريدم، فقال الزوج مجيبًا لها: أنت طالق، صار بمنزلة قوله خلعت،هكذا ذكر فى النوازل والفتوىٰ على أنه أراد به الجواب يكون جوابًا ولو قال فروختم بيک طلاق ويكون جوابًا بدون النّية (وبعد أسطرٍ)... وهل يبرء الزوج عن المهر؟اختلفوا فيما بينهم، قال بعضهم: لايبرأ، وهو الأصح. (٤۹۱/۱، الفصل الأول فى شرائط الخلع وحكمه وما يتعلق به) ومثلہ فی فتاویٰ دیوبند:۲۱۵/۸،مسائل واَحکام مہر)

مہر ادا کئے بغیر طلاق:

سوال (۱) دین مہر زوجہ کے بغیر معاف کئے ہوئے اگر زید اپنی زوجہ کو طلاق دے دے تو جائز ہوگا، یا نہیں؟

(۲) زید کی بیوی نے زنا کیا اور زنا سے بچہ پیدا ہوا، اس کے بعد بچہ مر گیا۔ زید کو اس زنا کی ولادت کی خبر ملی، زید یہی کہتا ہے کہ ولد الزنا تھا، چوں کہ ہم دونوں عرصہ سے یکجا نہ ہوئے۔ دوسرے زوجہ بھی زنا سے انکار نہیں کرتی ہے۔ زید چاہتا ہے کہ طلاق دوں۔ زید کی زوجہ دین مہر معاف نہیں کرتی ہے۔ لوگ زید کو کہتے ہیں کہ بغیر دین مہر ادا کئے طلاق نہیں ہوسکتی ہے۔ اس وجہ سے وہ مجبور ہے، صلاحیت ادا کرنے کی نہیں ہے۔ نہ وہ ادا کرسکتا ہے اور نہ زوجہ کو رکھے گا، جس میں اور بھی زنا کا اور ہر قسم کی لغویت کا احتمال ہے۔ ایسی صورت میں دونوں کو علاحدہ کردینا مناسب ہے کہ نہیں، تاکہ دونوں اپنی اپنی شادی طبیعت کے مطابق کرلیں؟ دوسرے جو لوگ کہتے ہیں کہ بغیر دین مہر ادا کئے طلاق نہیں ہوسکتی، حق بجانب ہیں کہ نہیں، ان کے لیے حکم ہے؟

(المستفتی: ۱۶۰۴، مولوی عبدالرزاق صاحب (ضلع گیا) ۶/ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵/ جولائی ۱۹۳۷ء)

الجواب

لوگوں کا یہ کہنا کہ بغیر دین مہر ادا کئے ہوئے طلاق نہیں ہوتی غلط ہے، طلاق تو ہوجائے گی۔ (۱) ہاں! دین مہر کی ادائیگی شوہر کے ذمہ واجب الادا رہے گی، (۲) جب قادر ہو، ادا کردے، جب کہ خاوند بیوی کو رکھنا پسند نہیں کرتا تو طلاق دے دینا مناسب ہے، (۳) اور اگر رکھنا چاہے تو رکنا اور تعلقات زوجیت قائم کرنا بھی جائز ہے۔ (۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۵/۱۲۷)

طلاق کے بعد بھی مہر عورت کا حق ہے:

سوال: مفتی صاحب! حلیمہ نے زید سے شادی کی، پانچ سال بعد زید نے حلیمہ کو طلاق دیدی۔ زید نے حلیمہ کو مہر ادا نہیں کیا تھا۔ طلاق کے ایک سال بعد حلیمہ نے خالد سے شادی کرلی۔ اب حلیمہ زید سے مہر لے سکتی ہے، یا نہیں؟

---

(۱) ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ. (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر: ۳/۲۳۵، سعید

(۲) والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحیحة وموت أحد الزوجین .... حتی لا یسقط منه شئ بعد ذلک إلا بالابراء من صاحبالحق. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثانی: ۱/۳۰۳، ماجدیة)

(۳) إلا إذا خافا أن لا یقیما حدود الله فلا باس أن یتفرقا. (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۵۰، سعید)

(۴) ولا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة. (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۵۰، سعید)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ لِي امْرَأَةً لا تَرُدُّ يَدَ لامِسٍ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَطَلِّقْهَا، قَالَ: إِنِّي أُحِبُّهَا، قَالَ: فَأَمْسِكْهَا إِذَنْ. (مسند الشافعی ترتیب السنجر، باب إنکار لون الولد، رقم الحدیث: ۱۲۰۶، انیس)

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر چوں کہ عورت کا حق ہے، جو کہ شریعت کی طرف سے مرد پر لازم کیا گیا ہے، لہٰذا اگر عورت کو مہر ادا نہیں کیا، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو پھر عورت کو حق ہے کہ وہ اپنے مہر کے لیے اپنے پہلے شوہر سے مطالبہ کرے؛ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ مہر معجّل ہو، یا مؤجل ہو اور اس میں مدت متعین ہو، نیز مدت پوری بھی ہوگئی ہو اور اگر مہر مؤجل تھا؛ لیکن مدت متعین نہیں تھی تو بھی مہر مؤجل، طلاق دینے سے معجّل ہو جائے گا اور عورت مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر مہر مؤجل تھا اور مدت متعین تھی اور مدت پوری نہیں ہوئی تو پھر عورت کو مدتِ مہر پوری ہونے سے قبل مطالبہ کا حق نہیں۔

لمافي بدائع الصنائع (۲/۲۹۱): فصل وأما بيان ما يتأكد به المهر فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط شيء منه بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق أما التأكد بالدخول فمتفق عليه والوجه فيه أن المهر قد وجب بالعقد وصار دينا في ذمته والدخول لا يسقطه لانه استيفاء المعقود عليه واستيفاء المعقود عليه يقرر البدل لا أن يسقطه كما في الإجارة ولان المهر يتأكد بتسليم المبدل من غير استيفائه لما نذكر فلان يتأكد بالتسليم مع الاستيفاء أولى.

وفي الشامية (۳/۱٤٤): (قوله: إلا التأجيل) استثناء من المستثنى ح قوله (فيصح للعرف) قال في البحر وذكر في الخلاصة والبزازية اختلافا فيه وصحح أنه صحيح وفي الخلاصة وبالطلاق يتعجل الموجل ولو راجعها لا يتأجل، آه، يعني إذا كان التأجيل إلى الطلاق أمالو إلى مدة معينة لا يتعجل بالطلاق كما قد يقع في مصر من جعل بعضه حالا وبعضه مؤجلا إلى الطلاق أو الموت وبعضه منجما فإذا طلقها تعجل البعض الموجل لا المنجم فتأخذه بعد الطلاق على نجومه كما تأخذه قبله. (نجم الفتاویٰ: ۵/۲۱۷-۲۱۸)

مطلقہ کے لیے مہر اور عدت کے خرچہ کے مطالبہ کا حق:

سوال: مفتی صاحب! مجھے شادی کے چھ سات ماہ بعد شوہر (کامران) نے تین طلاق دے دیں اور ابھی تک مہر ادا نہیں کیا۔ آیا اب میں شرعاً شوہر سے مہر اور عدت کے نان نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہوں، یا نہیں؟ اور شوہر پر ان کا دینا شرعاً ضروری ہے، یا نہیں؟ شوہر کا کہنا ہے کہ طلاق آپ نے طلب کی ہے، حالاں کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر عورت کا حق شرعی ہے، جو کہ نفسِ عقد ہی سے واجب ہو جاتا ہے اور شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہوتی ہے،

البتہ اگر عورت خود اپنا مہر معاف کردے تو پھر شوہر پر کوئی ادائیگی واجب نہ ہوگی۔ نیز دورانِ عدت کا نان، نفقہ اور سکنیٰ (رہائشی مکان) شوہر پر لازم ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ اپنے مہر کا مطالبہ شوہر سے کرسکتی ہیں اور اسی طرح ایامِ عدت کے نفقہ کا مطالبہ بھی کرسکتی ہیں، جو کہ از روئے شرع شوہر پر لازم ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ٤): ﴿آتُوا النِّسَائَصَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (الآیة)

وفی الخانیة: (١/١٧٧): إذا زوجت المرأة ولها مهر معلوم کان لها أن تحبس نفسها لاستیفاء المهر، الخ.

وفیه أیضاً (١/٢٠٢): المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسکنی کان الطلاق رجعیاً أو بائناً أو ثالثاً حاملاً کانت أو لم تکن.

وفی الشامیة (٣/١٠٢): (ویتأکد) أی الواجب من العشرة أو الاکثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لکن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبیلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما یتأکد لزوم تمامه بالوطء ونحوه... قال فی البدائع وإذا تأکد المهر بما ذکر لا یسقط بعد ذلک وإن کانت الفرقة من قبلها؛ لأن البدل بعد تأکده لا یحتمل السقوط إلا بالإبراء کالثمن إذا تأکد بقبض المبیع، آه. (نجم الفتاویٰ: ۵/۲۲۴)

مجبور ہو کر طلاق دینے کی صورت میں مہر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر بیوی شوہر کو چھوڑ کر چلی جائے اور باوجود کوشش کے نہ آئے، مجبور ہو کر طلاق دینی پڑے تو کیا ایسی صورت میں طلاق دینے کے بعد شوہر کے ذمہ دین مہر کی ادائے گی لازم ہے؟

(المستفتی: عبدالجبار، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

اگر طلاق دینے سے قبل بیوی سے طلاق علی المال، یا خلع بعوض مہر کا معاملہ نہیں کیا گیا تو ایسی صورت میں آپ کے ذمہ مہر کی ادائیگی لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم: ۸/۲۴۹)

وتجب العشرة إن سماها، أو دونها ویجب الاکثر منها إن سمیٰ الاکثر ویتأکد عند وطء، أو خلوة صحت من الزوج، أوموت أحدهما. (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المهر، کراتشی: ٣/١٠٢، زکریا: ٤/٢٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۰۵۳)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۹/۱/۱۴۲۲ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۷۷۳)

طلاق نہ دینے کی صورت میں کیا حکم ہے:

سوال: درصورت نہ دینے والا طلاق کے کل مہر کا دعویٰ ہوسکتا ہے، یا جز وکا، یا نہیں ہوسکتا؟

الجواب

نہیں ہوسکتا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۹/۸)

شوہر کے مرتد ہونے کے بعد بھی اس سے مہر وصول کیا جائے گا:

سوال: ہندہ کا شوہر نوسال سے عیسائی ہوگیا ہے؛ لیکن وہ ہندہ کی خبر نان ونفقہ سے لیتا رہا ہے۔ اب ہندہ کے اقربا کہتے ہیں کہ ہم مہر کی نالش (مقدمہ دیوانی عدالت میں) کریں گے، آیا بصورت ارتدادِ شوہر اگر مہر کی نالش ہوسکتی ہے تو کس میعاد تک؟ اور مرتد نے جو روپیہ کثیر ہندہ کو دیا ہے، اس کا لینا ہندہ کو جائز تھا، یا نہیں؟ اور اب شوہر مرتد ہندہ سے وہ روپیہ واپس لے سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

بصورت ارتدادِ شوہر کے زوجہ مہر لے سکتی ہے، (۱) اور میعاد اس کی شرعاً کچھ نہیں ہے؛ یعنی کسی مدت کے گزرنے سے مہر ساقط نہیں ہوتا اور جو کچھ عیسائی نے اس عورت کو دیا اور ہبہ کردیا، وہ اس کی مالک ہوگئی، موانع رجوع کے پائے جانے کی صورت میں وہ عیسائی اس دیئے ہوئے مال کو واپس نہیں لے سکتا اور اسلام لانے کے بعد دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۲/۸)

تجدید نکاح میں مہر ضروری ہے، یا نہیں:

سوال: تجدید نکاح میں تعین مہر ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب

ضروری ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۶/۸)

تجدید نکاح کی صورت میں مہر پھر از سر نو ہوگا اور بیوی دونوں مہروں کی مستحق ہوگی:

سوال: جب کسی کو تجدید نکاح کی ضرورت ہو تو ایجاب وقبول کے وقت مہر سابقہ کا اعادہ کیا جاوے، یا از سر نو جداگانہ مہر مقرر کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس مہر کی تقرری میں عورت کو اختیار ہوگا، یا کیا؟ اور مرد کو ہر دو مہر ادا کرنے ہوں گے، یا کیا، جب کہ مہر سابقہ بھی ہنوز ادا نہیں کیا ہے؟

(۱) وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد،الخ،وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه،الخ،لأن البدل بعد التأكد لايحتمل السقوط إلا بالابراء.(ردالمحتار، باب المهر: ٤٥٤/٢،ظفير)

(۲) ثم المهر واجب شرعاً إبانة لشرف المحل.(الهداية،باب المهر: ٣٠٣/٢،ظفير)

الجواب

نکاح جدید میں مہر جدید ہوگا اور وہ باختیار عورت ہے، جو مقدار وہ کہے، وہی ہوگی اور شوہر کو دونوں مہر ادا کرنے ہوں گے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۲/۸)

نکاح جدید میں جدید مہر کے ساتھ پرانا مہر بھی دینا ہوگا:

سوال: نکاح جدید میں زرمہر کی کیا صورت ہو اور پہلا زرمہر جو شوہر کے ذمہ دینا باقی ہے، اس کی کیا صورت ہو؟

(المستفتی: ۱۰۰۵، محمد یوسف صدر بازار دہلی، ۲۹/ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۰/جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

پہلا زرمہر تو زید کے ذمہ واجب الادا ہے۔ تجدید نکاح کی صورت میں اس نکاح جدید کا مہر علاحدہ مقرر ہوگا، (۲) اور اگر زوجین میں سلوک ہو اور دونوں باہم راضی ہوں تو ممکن ہے کہ دوسرے نکاح کا مہر دس بیس روپے مقرر کرلیں؛ یعنی ایک معمولی چھوٹی سی رقم پر نکاح کرلیں؛ تا کہ زید پر جداگانہ مستقل دوسرے مہر کی بڑی رقم کا بار نہ پڑے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایۃ المفتی: ۱۲۲/۵)

تجدید نکاح کے لیے مہر کی تعیین ضروری ہے:

سوال: جس عورت کا بوجہ اقوال کفر نکاح ساقط ہوا ہو تو اب اسے شوہر سے تجدید نکاح کے لیے تعیین مہر کی ضرورت ہے، یا نہیں؟ اور جب کہ عورت کے قصور سے نکاح ساقط ہوا ہے تو مہر مقررہ بصورت علاحدگی واجب الادا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۲۵۱، شجاعت حسین (ضلع آگرہ) ۱۵/ربیع الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۶/مئی ۱۹۳۸ء)

الجواب

ہاں تجدید نکاح کی صورت میں مہر بھی جدید مقرر کرنا ہوگا۔ (۳) خواہ تھوڑا ہی ہو، مثلاً تین چار روپے اور پہلا مہر بھی واجب الادا ہوگا۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۹/۵)

---

(۱) وتجب العشرة إن سماها أو دونها ويجب الأكثر منها إن سمى الاكثر ويتأكد عند وطء أوخلوة صحت من الزوج أوموت أحدهما أوتزوج ثانيا في العدة. (الدرالمختار) فيما لوطلقها بائنا بعدالدخول ثم تزوجها في العدة وجب كمال المهر الثاني بدون الخلوة والدخول. (ردالمحتار، باب المهر: ۲/۲۵۴، ظفير)

(۲-۳) والطلاق بعد الدخول يعقب الرجعة ويوجب كمال المهر، فيجب عليه المسمى في النكاح الثاني فيجتمع عليه مهران. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الهندية، كتاب النكاح، الفصل الثالث عشر: ۱/۳۹۳، ماجدية)

(۳) وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعدذلك وإن كانت الفرقة من قبلها، لأن البدل بعد تاكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء. (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

تجدید نکاح میں مہر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صرف تجدید نکاح ہو، مثلاً کوئی کلمہ کفر نہ ہو اور نہ طلاق کا وقوع ہوا ہو، فقط تجدید ہو برائے تجدید۔ کیا اس صورت میں دوبارہ مہر اور گواہ کا ہونا ضروری ہے؟ اگر اس تجدید میں بھی گزشتہ کی طرح دس ہزار مہر طے ہو تو بیس ہزار مہر ہو جائے گا، یا یہ دوسرا لغو ہے؟ از راہ کرم تجدید نکاح کے تمام مسائل (اس میں مہر شرط ہے یا نہیں وغیرہ) تفصیلاً تحریر فرما دیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر ملک بضع کے بدلے میں واجب ہوتا ہے، جہاں پر حرمت پہلے سے ہو، وہاں اگر وطی ہوگی تو مہر مثل لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر حرمت کے بعد بضع حلال ہو تو اس کے بدلے بھی مہر لازم ہوگا، مثلاً اگر وطی بالشبہ ہو جائے، یا طلاق بائن، یا ردّت کے بعد تجدید نکاح ہو تو ان تمام صورتوں میں ہر بار نیا مہر لازم ہوگا۔ وطی بالشبہ میں مہر مثل اور نکاح صحیح میں مہر مسمی، یا مہر مثل واجب ہوگا۔ تجدید نکاح اگر بغیر کسی علت (طلاق، یا ردّت) کے ہو تو چونکہ اس صورت میں حرمت پہلے سے نہیں (کیوں کہ بیوی تو پہلے سے حلال ہے) لہذا اس صورت میں مہر لازم نہیں آئے گا؛ لیکن اگر اضافہ کی غرض سے ہی نکاح کرے اور پچھلے دس ہزار مہر پر یہ دس ہزار اضافہ کرنا مقصود ہو تو پھر اس اضافے کا اعتبار ہے اور بیس ہزار مہر دینا ہو گا۔ اگر اضافہ نہ ہو تو صرف احتیاطاً تجدید میں کوئی مہر لازم نہیں آتا، البتہ تجدید نکاح میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے؛ کیوں نکہ نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط ہے، بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا، لہذا اگر کوئی تجدید نکاح احتیاطاً کرنا چاہتا ہو تو اس صورت میں نیا مہر لازم نہیں ہوگا؛ بلکہ پہلے والا مہر ہی واجب ہوگا، البتہ گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

لمافی الدر المختار(۱۱۲/۳): وفی الكافی جدد النكاح بزيادة ألف لزمه ألفان علی الظاهر.

وفی الردّ تحته: ثم ذكر أن قاضيخان أفتی بأنه لا يجب بالعقد الثانی شیء ما لم يقصد به الزيادة فی المهر...أقول بقی ما إذا جدد بمثل المهر الاول ومقتضی ما مر من القول باعتبار تغيير الأول إلی الثانی أنه لا يجب بالثانی شیء هنا إذ لا زيادة فيه وعلی القول الثانی يجب المهران.

(تنبيه) فی القنية جدد للحلال نكاحا بمهر يلزم إن جدده لاجل الزيادة لا احتياطا اه أی لو جدده لاجل الاحتياط لا تلزمه الزيادة بلا نزاع، كما فی البزازية.

وفی الشا مية (۲۱/۳): قوله (وشرط حضور شاهدين) أی يشهدان علی العقد. (نجم الفتاویٰ: ۱۹۵/۵)

حلالہ کے بعد نکاح میں مہر مقرر کرنا لازمی ہے:

سوال: جو شخص طلاق مغلظہ کے بعد حلالہ شرعی کر کے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہو تو کیا اس کو دوبارہ مہر مقرر کرنا ضروری ہے، یا کہ سابقہ مہر ہی کفایت کر جائے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

مہر کے تقرر کا تعلق نکاح باندھنے کے ساتھ ہے، جب بھی نکاح باندھا جائے گا تو مہر مقرر کیا جائے گا، چاہے اپنی مطلقہ سے حلالہ شرعی کے بعد نکاح کرنا ہو، یا کسی اور عورت سے نکاح کرنا ہو، لہٰذا صورت مسئولہ میں دوبارہ مہر مقرر کرنا ہوگا، ورنہ مہر مثل لازم ہوگا۔

قال العلامة الحصكفي: وكذا يجب مهر المثل فيما اذا لم يسم مهرًا أو نفى إن وطىء الزوج اَوُ مات عنها إذا لم يتراضِيا على شئ يصلح مهرًا وإلا فذٰلک الشئ هو الواجب. (الدرالمختار على هامش ردّالمحتار: ۳۶۳/۲، باب المهر)

قال العلامة قاضی خان: المهر يتكرر بالعقد مرة بالوطء أخرىٰ يتكرر بهما. (فتاویٰ قاضی خان على هامش الهندية: ۳۹۲/۱، فصل فی تكرار المهر) (فتاوی حقانیہ: ۳۵۷/۴)

حلالہ کے نکاح میں بھی مہر لازم ہے:

سوال: مفتی صاحب! حلالہ کی صورت میں بھی کیا نکاح کے لیے مہر کا ذکر کرنا، یا متعین کرنا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو جب پہلی مرتبہ نکاح کر کے مہر لیا ہے، اب دوبارہ نکاح (چاہے پہلے شوہر کے ساتھ ہو، یا اس دوسرے شوہر کے ساتھ ہو) کی صورت میں بھی مہر ملے گا؟ اور اگر ضروری نہیں تو کیا حلالہ کے لیے جو نکاح کیا جاتا ہے، اس کے وہی احکامات نہیں ہوتے، جو دوسرے نکاح کے ہوتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

حلالہ کی نیت سے کئے گئے نکاح کے احکامات وہی ہیں، جو دوسرے نکاح کے ہیں، چناں چہ عام نکاح میں چوں کہ تعیینِ مہر اور ذکرِ مہر عقد کرتے وقت ضروری نہیں اور اس کے متعین نہ کرنے سے نکاح کے منعقد ہونے میں کچھ فرق نہیں پڑتا تو اسی طرح حلالہ کے لیے کئے گئے نکاح میں بھی عدمِ تعیینِ مہر اور عدمِ ذکر سے نکاح کے منعقد ہونے میں کچھ فرق نہیں آئے گا؛ لیکن چوں کہ مہر تو دینا لازم ہے؛ اس لیے اگر عقد کرتے وقت مہر مقرر کیا ہے تو وہی مہر مسمی ادا کرنا لازم ہے، ورنہ مہرِ مثل دینا ہوگا۔

لمافی اعلاء السنن (۲۳۹/۱۱): وقال من ذهب إلى صحة نكاح المحلل: إن الله تعالىٰ قال: ﴿فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره﴾ وهذا زوج قد عقد بمهر وولى ورضاها عن الموانع الشرعية وهو راغب فی ردها إلى زوجها الأول فيدخل فی حديث ابن عباس رضی الله عنهما: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا إلا نكاح رغبة وهذا نكاح رغبة فی تحليلها للمسلم.

وفی الدرالمختار (۴۰۹/۳): (لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذ كما سنحققه (بها) أی بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة)... (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله وقدره

شیخ الإسلام بعشر سنین... (بنکاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف فلو نکحها عبد بلا إذن سیده ووطئها قبل الإجازة لا یحلها حتٰی یطأها بعدها.

وفی الفقه الإسلامی (٦٥٨٨/٩): الزواج الصحیح النافذ تترتب علیه جمیع آثاره من الحقوق الزوجیة کالمهر ونفقة الزوجة... أی أنه تثبت أحکام ستة بمجرد عقد الزواج الصحیح: وهی وجوب المهر، واستحقاق النفقة الزوجیة. (نجم الفتاویٰ: ۱۶۳/۵-۱۶۴)

حلالہ سے پہلے نکاح کی صورت میں مہر آتا ہے، یا نہیں:

سوال: شخصے زوجہ خود را سہ طلاق داد، بعدہ قبل از تحلیل نکاح منعقد ساخت ومقاربت وقربان بایام بوجود رسید، دریں صورت نکاح شرعاً صحیح شد، یانہ؟ ومہر لازم است، یانہ؟

الجواب ——————

دریں صورت نکاح صحیح نہ شد ومہر مثل در نکاح فاسد لازم می شود، بعد دخول وصحبت۔

قال فی الدرالمختار: ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد، الخ، بالوطء، الخ.(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۴۳/۸)

برائے حلالہ نکاح میں مہر کی مقدار ومعافی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرانے کی شکل میں مہر کتنا مقرر ہونا چاہیے، وہ بھی تحریر فرمادیں؛ چونکہ یہ دوسرا نکاح صرف حلالہ کے لیے کیا جائے گا اور جس کے ساتھ یہ نکاح ہوگا اس شخص کو یہ مہر دینا ہوگا یا معاف کرانے سے معاف ہوجائے گا، حلالہ کی شرط کیا ہوگی؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب —————— وباللہ التوفیق

آپس کی رضامندی سے جتنا چاہے مہر باندھ سکتا ہے؛ لیکن دس گرام کے تولہ سے تین تولہ ۶۱۸ رملی گرام چاندی، یا اس کی قیمت سے کم نہ ہو۔ نیز بیوی اگر اپنی خوشی سے مہر معاف کر دیتی ہے تو معاف ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۸/۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۴۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۱/۶/ ۱۴۱۲ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۹۴/۱۳)

دوسری بیوی کو مہر دینے سے پہلی بیوی کا مہر ساقط نہ ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شریعت پیغمبری مہروں کا

---

(۱) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۸۱/۲، ظفیر

مسئلہ اور شریعت بی بی فاطمہ کا مسئلہ چاہتا ہوں، کس حساب سے ہیں؟ اور اگر لڑکے کے پاس اس وقت مہر ادا کرنے کے لیے نہیں ہوں تو لڑکا اپنی بیوی سے کس طرح مہروں کے بارے میں بات چیت کرسکتا ہے؟ اور اگر بیوی کا انتقال ہوجائے اور مہر ادا نہیں ہوئے ہوں، لڑکی کی نیت ادا کرنے کی ہوجائے تو انتقال کے بعد کس طرح مہر ادا ہوسکتے ہیں، اور اگر بچے موجود ہوں بیوی کا انتقال ہوگیا تو اس کا کیا مسئلہ ہوسکتا ہے، اور اگر لڑکے نے دوسری شادی کرلی اور اس نے دوسری بیوی کے مہر ادا کردئے تو پہلی بیوی کا بھی کیا مسئلہ ہوتا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

''شرعِ پیغمبری مہر'' عرف میں کم سے کم مقدار مہر کو کہتے ہیں، دس درہم ۲؍تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی، یا ۳۰؍گرام ۶۱۸؍ملی گرام چاندی ہوتی ہے اور مہرِ فاطمی کی مقدار ۵۰۰؍درہم ۱۵۳۰؍گرام ۹۰۰؍ملی گرام چاندی ہے۔ (ایضاح المسائل:۱۲۹)

اس کا حساب بازار بھاؤ سے لگا کر مہر ادا کئے جائیں اور اگر اس وقت پیسے نہ ہوں تو عورت سے مہلت لے لے، اور جب استطاعت ہوادا کردے، عورت کے انتقال کے بعد اگر مہر دینے ہوں تو اس کے شرعی ورثہ کو دینے ہوں گے، ورثہ میں بچے اور خود شوہر بھی داخل ہے اور دوسری بیوی کو مہر دینے سے پہلی بیوی کے مہر کی ادائیگی نہ ہوگی۔

وإن علم أنها ماتت أولا فنصب الزوج من ذٰلک يسقط. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۱۲۲/۳، الفتاویٰ الهندية: ۳۲۱/۱، زکريا)

إذا مات الزوجان وقد سمى لها مهرًا ثبت ذٰلک بالبينة أو بتصادق الورثة فلو رثتها أن يأخذوا ذٰلک من ميراث الزوج، هٰذا إذا علم أن الزوج مات أولاً، أو علم أنهما ماتا معًا أو لم تعلم الأولية، وأما إذا علم أنها ماتت أولاً فيسقط منه نصيب الزوج، كذا في فتح القدير. (الفتاویٰ الهندية: ۳۲۱/۱، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۵/۴/۱۴۱۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۲۷/۸-۴۲۸)

تیسرے خاوند کرنے کے بعد بھی پہلے دونوں شوہروں سے مہر پانے کی مستحق ہے:

سوال: حلیمہ نے تین نکاح کئے، اب تیسرے خاوند کی موجودگی میں دو سابقہ خاوند فوت شدہ سے مہر لینے کی مستحق ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

وہ عورت مستحق مہر لینے کی ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۵۳/۸)

---

(۱) **ومن سمى مهراً فما زاد فعليه المسمى إن دخل بها أومات عنها؛ لأنه بالدخول يتحقق تسليم المبدل وبه يتأكد البدل وبالموت ينتهي النكاح نهايته والشيء بانتهائه يتقرر ويتأكد بجميع مواجبه.** (الهداية، باب في المهر: ۳۰۴/۲، ظفير)

عورت مہر کا مطالبہ کس سے کرے گی:

سوال: یہاں صوبہ سرحد میں اکثر والدین بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیاں کراتے ہیں تو کیا عورت مہر کا مطالبہ شوہر سے کرے گی، یا سسر سے؟ (جس نے اس کا نکاح کرایا ہے)

الجواب

مہر منفعت زوجیت کا عوض ہے، جو شرعاً شوہر کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر لڑکے کے باپ نے مہر کا ضمان اپنے ذمے لیا ہو تو عورت سسر اور شوہر دونوں سے اس کا مطالبہ کر سکتی ہے، بصورت دیگر مہر کا مطالبہ صرف شوہر سے ہوگا۔

وفی الهندية: زوج ابنة الصغيرة أو الكبيرة وهي بكر أو مجنونة رجُلاً أو ضمن عنه مهرها صح ضمانه، ثم هي بالخيار إن شاء ت طالبت زوجها أو وليها إن كانت أهلاً لذٰلک ويرجع الولي بعد الأداء على الزوج إن ضمن بامره. (۳۲٦/۱، الفصل الرابع عشر في ضمان المهر)(۱)(فتاویٰ حقانیہ:۳۵۹/۴)

بیوی مہر کا مطالبہ کس سے کرے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاق دی اور عدت گزر چکی، عدت زید کے گھر میں ہی گزاری، زید لگ بھگ ایک سال کے عرصہ سے زیادہ سعودی عرب میں رہتا ہے، وہیں سے زید نے بذریعہ ٹیلی فون کے طلاق دی، لڑکی کے وارثین چاہتے ہیں کہ اب دوسری جگہ پر اس لڑکی کا نکاح کر دیں، زید نے مہر ادا کئے، یا نہیں، یہ معلوم نہیں ہے اور نہ یہاں پر اس کی ایسی کوئی ملکیت ہے اور سعودی عرب میں بھی قرض دار ہے اور والدین بھی زید کے خوشحال نہیں ہیں، ایسی حالت میں لڑکی کے وارثین اگر زید کے وارثین سے مہر طلب کریں تو کیا یہ جائز ہے، یا نہیں؟ یا زید ہی ذمہ دار ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب وبالله التوفيق

مہر کا ذمہ دار شوہر ہی ہوتا ہے، لہٰذا مطلقہ بیوی کو اپنے شوہر ہی سے اس حق کے مطالبہ کا حق ہے، شوہر کے والدین اور وارثین پر اس کی ادائیگی لازم نہیں ہے؛ اس لیے وارثین سے مطالبہ کا حق بھی نہیں ہے۔

﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾(سورة النساء: ٢٤)

---

(۱) **وقال العلامة الحصكفي: (وتطالب أيا شاء ت) من زوجها البالغ والولي الضامن. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۳۷۸/۲، مطلب في ضمان المهر)**
ومثلہٗ فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۴/۲، مسائل واحکام مہر)

وإذا خلا الرجل بامرأته وليس هناك مانع من الوطء، ثم طلقها فلها كمال المهر. (الهداية، أشرفي ديوبند: ۳۲۵/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ (فتویٰ نمبر: الف ۶۳۷۷/۳۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۵/۱۱/۱۴۲۰ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۸۶/۱۳-۶۸۷)

مہر کا دعویٰ کس پر کیا جائے:

سوال: ہندہ کا نکاح زید سے بتعیین مہر مبلغ پانچ ہزار روپیہ ہوا اور اس نکاح کے ٹھہرانے والے اور اس کے متعلق تمام مراسم کے انجام دینے والے زید کا بھائی خالد اور زید کی والدہ سعیدہ تھی۔ زید نے بعد اس کی لاولد وفات کی اور زید کے باپ نے بحالت حیات خود جائداد زرعی کل اپنی زوجہ کے نام، جو کہ مسماۃ ہندہ کی ساس ہے، ہبہ کردی تھی، صرف مکان مسکونہ ہبہ سے مستثنیٰ تھا، جس کے مالک وراثۃً زید اور خالد اور ایک بہن حمدیہ اور مسماۃ سعیدہ ہوئے، حالت علالت میں زید سے خالد نے ایک بیع نامہ حصہ مکان کا بالعوض سات سو روپیہ کے لکھا لیا، حالانکہ وہ حصہ بہت زیادہ قیمت کا ہے اور سعیدہ نے قبل نکاح ہندہ کے دستاویز کے ذریعہ چار روپیہ ماہوار تاحیات ہندہ کا کفاف مقرر کر کے اس کے ادا کے لیے ایک جائداد زرعی مکفول کردی تھی، اب اس حالت میں اول دعوی کا مہر ہندہ کو کس پر کرنا چاہیے، آیا خالد اور سعید بذات خود بھی ذمہ دار ادائے مہر کے ہیں، یا نہیں؟ دوم آیا زر مہر اس حصہ مکان سے وصول کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ جو کہ زید کا تھا اور اس حالت میں وہ بیع جو بحالت مرض الموت زید نے بنام خالد کی تھی، جائز تھی، یا نہیں؟ یا اسی خریداری کے ذریعہ سے خالد ادائے دین مہر ذمہ زید متوفی کا ہو گیا، یا نہیں؟

الجواب

خالد اور سعیدہ پر جب کہ وہ متکفل اور ضامن مہر کے نہیں ہوئے، دعویٰ مہر کا نہیں ہو سکتا اور مکان کا حصہ جو زید نے بحالت مرض موت خالد کے ہاتھ فروخت کیا ہے، بیع اس کی صحیح ہوگئی؛ لیکن جس قدر قیمت زید نے خالد سے کم لی ہے، وہ خالد سے لی جاوے گی اور ہندہ مہر میں اسی کو لے سکتی ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۲۶۱/۸)

مہر بذمہ شوہر ہے اور اس کے والد کے ساتھ گستاخی گناہ ہے:

سوال: زید نے اپنے فرزند عمر عاقل بالغ کا نکاح اس کی رضامندی اور اجازت سے بکر کی دختر سے کیا، قبل از عقد نکاح زید نے بحیثیت ولی ہونے کے حسب معمول اپنے فرزند عمر کی اجازت اور رضامندی سے بکر کو حق مہر اور دیگر شرائط تحریر کردی، بکر نے اپنے داماد عمر کو اس کے والد زید کی عداوت اور مخالفت پر آمادہ کیا اور عاق بنا دیا، بکر اپنی دختر

(۱) إعتاقه ومحاباته وهبته،الخ، كل ذلك حكمه كحكم وصية ولا وصية لوارث. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب العتق في المرض: ۵۹۶/۵-۵۹۷، ظفير)

کے حق مہر اور دیگر شروط کی ابقا اور ادائیگی شرعاً زید والد عمر سے طلب کرنے کا مستحق، یا اپنے داماد عمر سے اور کیا اپنے والد زید کا عاق ہے؛ کیوں کہ عمر نے اپنے والد زید کو سخت صدمہ پہنچایا اور گستاخی سے پیش آیا؟

الجواب

مسئلہ یہ ہے کہ مہر بذمہ شوہر لازم آتا ہے؛ لیکن اگر باپ ذمہ داری کر لیوے اور ضامن ہو جاوے تو باپ سے مہر کا مطالبہ ہو سکتا ہے۔

كما في الدر المختار: ولايطالب الأب بمهر ابنه الصغير، الخ، إلا إذا ضمنه، على المعتمد.(۱)

پس صورت مسئولہ میں اگر زید نے ذمہ داری مہر کی اپنے پسر کی طرف سے کر لی ہے تو زید سے مطالبہ مہر کا ہو سکتا ہے اور اگر ذمہ داری نہ کی تھی تو نہیں ہو سکتا اور عمر بسبب افعال مذکورہ کے اپنے باپ کا عاق اور نافرمان ہے، اس کو اپنے باپ معاف کرانا چاہیے، ورنہ عاصی وفاسق رہے گا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۳۳۸/۸-۳۳۹) ☆

عورت کے ورثا شوہر سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں:

سوال: ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی، طلاق کے بعد اس عورت کا نکاح دیور سے ہو گیا، اب وہ عورت وفات پا گئی ہے تو کیا عورت کے ورثا دونوں شوہروں سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

نکاح کرنے کے بعد مہر عورت کا حق بن جاتا ہے، جو کسی وقت بھی مطالبہ کر سکتی ہے، چوں کہ اس عورت نے دو

---

(۱) **الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۹۱/۲، ظفير**

☆ **حق مہر خاوند کے ذمہ واجب ہے:**

سوال: نکاح باندھتے وقت اگر بالغ لڑکے کا باپ حق مہر میں مقرر شدہ مال کی ادائیگی کا وعدہ کرے؛ مگر ناداری اور غربت کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو کیا خاوند کے ذمے مہر دینا واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

صراحتاً، یا عرفاً لڑکے کی طرف سے اجازت کی صورت میں مذکورہ حق مہر اس کے ذمہ واجب الادا ہے، حق مہر کی ادائیگی کا اصل ذمہ دار خاوند ہے؛ تاہم اگر باپ نے بیٹے کی جگہ حق مہر میں کوئی چیز دے دی تو وہ حق مہر شمار ہوگا، خاوند پر دوبارہ ادائیگی ضروری نہیں اور اگر باپ وعدہ کر کے نہ دے سکے تو خاوند پر لازمی ہے کہ مقرر شدہ حق مہر ادا کرے۔

قال ابن نجيم: أما ولي الزوج الكبير فهو وكيل عنه كالأجنبي ولايته عليه ولاية استحباب وحكم ضمان مهره كحكم ضمان الأجنبي فإن ضمن عنه باذنه رجع وإلا فلا. (البحر الرائق: ۱۷۵/۳، باب المهر)(قال في الهندية: ويرجع الولي بعد الأداء على الزوج ان ضمن بأمره، هٰكذا في التبيين. (الفتاوىٰ الهندية: ۳۲۶/۱، الفصل الرابع عشر في ضمان المهر)ومثلهٗ في الدرالمختار على صدر ردالمحتار: ۱۴۱/۲، باب المهر، مطلب في ضمان الولي المهر) (فتاوی حقانیہ: ۳۶۹/۴)

مردوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا ہے، لہٰذا اگر دونوں نے اس کی وفات تک حق مہر ادا نہ کیا ہو تو ان کے ذمے عورت کا مہر لازمی ہے؛ اس لیے عصبات کے بعد عورت کے ورثا دونوں سے مطالبہ کر سکتے ہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: أفاد أنّ المهر وجب بنفس العقد. (ردالمحتار: ۳۵۸/۳، باب المهر) (۱) (فتاوی حقانیہ: ۳۶۰/۴) ☆

مہر کا مطالبہ شوہر کے بعد اس کے باپ سے کیسا ہے:

سوال: زید بالغ کا نکاح بولایت والد ہندہ کے ساتھ ہوا، زید و ہندہ ہر دو کا کفیل زید کا والد رہا، اب زید کا انتقال ہو گیا، کوئی جائداد نہیں چھوڑی، ہندہ مہر اپنا زید کے والد سے شرعاً وصول کرنے کی مجاز ہے، یا نہیں؟

الجواب

مہر ہندہ کا بذمہ اس کے شوہر زید کے تھا، زید کے والد سے بدون اس کے ضامن ہونے کے ہندہ مطالبہ مہر کا نہیں کر سکتی۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۴/۸)

---

(۱) **قال العلامة الكاساني: المهر فى النكاح الصحيح يجب بالعقد لانهٗ احدث الملک والمهر يجب بمقابلة احدث الملک. (بدائع الصنائع: ۲۸۷/۲، فصل وامّا بيان ما يجب المهر) ومثلهٗ فى فتاویٰ قاضى خان على هامش الهندية: ۳۹۲/۱، فصل فى تكرار المهر)**

☆ **مہر عورت کے ورثا کو دیا جا سکتا ہے:**

سوال: اگر کوئی عورت شوہر کے گھر فوت ہو جائے اور اس کے والدین و دیگر رشتہ دار شوہر سے مہر کا مطالبہ کریں تو کیا مہر ورثا کو دیا جا سکتا ہے، یا شوہر ہی اس کا حق دار ہے؟

الجواب

اگر مہر شوہر کے ذمے قرض ہو تو بیوی کی عفات کے بعد مہر بطریق میراث تقسیم ہوگا، جس میں شوہر عورت کی اولاد اور والدین شریک ہیں؛ اس لیے کل مہر نہ تو شوہر کے پاس رہے گا اور نہ کل مہر عورت کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔

قال العلامة الكاساني: ومنها الارث من الجانبين جميعًا لقوله عزوجل: ﴿وَلَكُمْ نِصف ماترک ازواجكم﴾ الى قوله عزّوجلّ: ﴿ولهنّ الثمن مما تركتم من بعد وصيّة توصون بها أو دين﴾. (بدائع الصنائع: ۳۳۲/۲، فصل: ومنها الإرث)

(حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن فرماتے ہیں: جو مہر ہندہ کا بذمہ شوہر ہے اس میں نصف شوہر کو پہنچے گا اور نصف ہندہ کے والدین کو ملے گا، زید کو اپنے حصہ کا اختیار ہے کہ خیرات کر دے، والدین کا حصہ ان کو دینا چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۴/۸، فصل اول مسائل واحکام مہر) (فتاوی حقانیہ: ۳۶۰/۴)

(۲) **وصح ضمان الولى مهرها، الخ، وتطالب أيّا شاء ت من زوجها البالغ أو الولى الضامن فإن أدى رجع على الزوج إن امر، كما هو حكم الكفالة. (الدرالمختار)**

لأنه لايطالب بلاضمان. (ردالمحتار، باب المهر: ۲۹۰/۲-۲۹۱، ظفير)

شوہر کے باپ سے مہر کا مطالبہ درست ہے، یا نہیں:

سوال: اگر شوہر بحیات پدر خود مفلس بمیرد، زوجہ راحق مطالبہ مہر خود از پدر زوج می رسد، یا نہ؟

الجواب

اگر شوہر بحیات پدر خود مفلس بمیرد، زوجہ را مطالبہ مہر از پدر شوہر بدون ضمان او نمی رسد، کذا فی الشامی وغیرہ۔(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۳۶/۸)

باپ نے بیٹے کے لیے نکاح کیا، اب مہر کس کے ذمہ واجب ہے:

سوال: باپ نے بیٹے کے لیے نکاح کرایا، یہ مہر ادا کرنا باپ کے ذمہ واجب ہے۔ اگر مہر ادا کرنے سے باپ انکار کرے تو بیٹے کا نکاح فسخ ہو جائے گا، یا نہیں؟

الجواب

اگر والد نے مہر کی ضمانت کی ہو تو والد پر ادائیگی لازم ہے، (۲) ورنہ بیٹے پر ادا کرنا لازم ہے، اگر والد انکار کردے تو نکاح نہیں ٹوٹتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۲/۵)

مہر کے مطالبہ کے واسطے ڈگری کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

نیز شوہر کے مفلس ہونے کی صورت میں کیا شوہر کے باپ سے مہر کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے:

سوال: اگر اس کی دختر کے شوہر کے پاس فی الحقیقت کچھ زر نقد، یا جائداد منقولہ وغیر منقولہ نہیں ہے تو اس کے باپ کو شرعاً یہ جائز اور مناسب ہے کہ اگر عدالت انگریزی میں اپنے مطالبہ مہر کی ڈگری کرا کر اس کے شوہر کو بموجب قانون انگریزی قید خانہ میں ڈلوا دے، کسی صحابی، یا سلف صالحین نے ایسا کیا ہے؟ کوئی شخص اپنی دختر کے شوہر کے باپ کو شرعاً مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کے ذمہ کا مہر جبراً اس کی زوجہ کے باپ کو ادا کرے؟

(۱) ولا يطالب الأب بمهر ابنه الصغير الفقير، أما الغنى فيطالب أبوه بالدفع من مال ابنه لا من مال نفسه إذا زوجه امرأة إلا إذا ضمنه، كما فى النفقة، فإنه لايؤخذ بها إلا إذا ضمن. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر، مطلب فى ضمان الولى المهر: ۴۹۱/۲، ظفير)

(۲) وصح ضمان الولى مهرها ولو المرأة صغيرة وتطالب أيّا شاء ت من زوجها البالغ أو الولى الضامن ... ولا يطلب الأب بمهر ابنه الصغير إلاّ إذ ضمنه.

وفى الرد: سواء كان ولى الزوج أو الزوجة صغيرين كانا أو كبيرين، اما ضمان ولى الكبير منهما فظاهر، لأنه كالأجنبى، ثم إن كان يامره رجع وإلا لا. (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۴۰/۳، سعيد)

الجواب

دائن کو بیشک اتنا حق ہے کہ اگر مدیون ہٹ دھرمی کرتا ہو اور باوجود قدرت کے دین ادا نہ کرتا ہو تو اس کو حبس کرادے؛ لیکن جب حاکم کو یہ بات محقق ہوجائے کہ مدیون تنگدست ہے تو پھر اس کو قید کرنا جائز نہیں، علی ہذا قید کرانا بھی بصورت مذکور درست نہیں۔ حق تعالی فرماتا ہے:

﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾(۱)

یعنی اگر مدیون تنگ دست ہو تو زمانۂ وسعت تک مہلت دینی اس کو ضروری ہے، باقی علاوہ مدیون کے دوسرے شخص کو جب تک وہ ضامن نہ ہوجائے قید کرنا، یا کرانا درست نہیں۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾(سورة الأنعام: ١٦٤، انیس)

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا یجنی جان إلا علی نفسه ولا یؤخذ المرأ بجریمة غیره، أو کما قال. (۲) واللّٰہ أعلم بالصواب

احقر عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرس مظاہر علوم سہارنپور۔ الجواب صحیح حق: عنایت الٰہی عفی عنہ۔

الأجوبة کلها صحیحة: احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۸؍ شوال ۱۳۴۱ھ۔ (امداد الاحکام: ۳/۳۵۶)

عورت اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے خسر سے مہر کا مطالبہ نہیں کرسکتی:

سوال: ایک شخص عبدالقادر نامی گزر گیا اور اس کی بیوی حاملہ تھی، دو ماہ بعد مرحوم کی اہلیہ کو لڑکی پیدا ہوئی۔ مرحوم کے باپ زندہ ہیں۔ اب مرحوم کے باپ پر مرحوم کی اہلیہ کا مہر ادا کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟ اور مہر کا دعویٰ خسر پر چل سکتا

(۱) سورة البقرة: ٢٨٠، انیس

(۲) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، أَنَّهُ شَهِدَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَذَكَّرَ وَوَعَظَ ثُمَّ قَالَ: أَيُّ يَوْمٍ أَحْرَمُ، أَيُّ يَوْمٍ أَحْرَمُ، أَيُّ يَوْمٍ أَحْرَمُ؟ قَالَ: فَقَالَ النَّاسُ: يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ، وَلَا يَجْنِي وَالِدٌ عَلَى وَلَدِهِ، وَلَا وَلَدٌ عَلَى وَالِدِهِ، أَلَا إِنَّ الْمُسْلِمَ أَخُو الْمُسْلِمِ، فَلَيْسَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ إِلَّا مَا أَحَلَّ مِنْ نَفْسِهِ، أَلَا وَإِنَّ كُلَّ رِبًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، لَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ غَيْرَ رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ، أَلَا وَإِنَّ كُلَّ دَمٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ دَمٍ وُضِعَ مِنْ دَمِ الْجَاهِلِيَّةِ دَمُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، كَانَ مُسْتَرْضَعًا فِي بَنِي لَيْثٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، أَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَلِكَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا، أَلَا وَإِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ، فَلَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ، وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ، أَلَا وَإِنَّ حَقَّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. (سنن الترمذی، باب ومن سورة التوبة، رقم الحدیث: 3087، انیس)

ہے، یانہیں؟ مرحوم کے دادا کی ملک دوہزار روپیہ کی مالیت کے باغات وغیرہ مرحومہ کے باپ کے پاس موجود ہیں، مرحوم کی اہلیہ کومرحوم کے دادا کی ملک سے حصہ ملے گا، یانہیں؟ اگرنہیں تو اس صورت میں مرحوم کی اہلیہ اور مرحوم کی پرورش کی کیا سبیل ہے؟ نیز مرحوم کے دادا کی ملک سے مرحوم کی لڑکی کوحصہ مل سکتا ہے، یانہیں؟ حضرت والا کے سابقہ فتویٰ میں جوتحریر ہے کہ عورت اپنے خسر پردعوی نہیں کرسکتی تو پھر مرحوم کی اہلیہ اوراس کی لڑکی کا گزران کیسے ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

ھو المصوب: باپ اگر بیٹے کے مہر کا ضامن ہوا ہوتواس پردعوی ہوسکتا ہے، ورنہ نہیں۔ مرحوم کے باپ کی کمائی ہوئی ملک ہو، یااس کے دادا کی، اس میں مرحوم کی اہلیہ کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے اوراس کا مہر بھی اس سے نہیں دیا جائے گا اوراس کا نفقہ بھی خسر پرواجب نہیں ہے۔ وہ یا تو خود کما کر کھائے، دوسرے خاوند سے نکاح کرلے، وہ اس میں مختار ہے؛ لیکن اس کی لڑکی کا نفقہ اس کے دادا پر ہے اور دادا کی میراث کا حال اس کی موت کے وقت معلوم ہوگا، ابھی کچھ ہیں کہہ سکتے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۳۳-۱۳۴) ☆

مہر شوہر کی جائداد سے وصول ہوگا، یا شادی کرانے والے کی:

سوال: زید بالغ ہے؛ مگراس کا کوئی ولی وارث نہیں ہے، ایک غیرشخص نے اس کا نکاح ایک بالغ العمر سے ایسی حالت میں کرایا کہ زید بالکل بے حس تھا اوراس کا مرض بتدریج بڑھتا چلاگیا، یہاں تک کہ زید کا انتقال ہوگیا، زید کوخلوت صحیحہ کا موقع تک نہیں ملا، زید کے انتقال کے ایک ہفتہ بعد غالبًا اس کی بیوی بھی فوت ہوگئی، بیوی کے وارث

☆ **مرحوم بیٹے کا مہر ادا کرنا باپ پر لازم نہیں:**

سوال: زید کا انتقال ہوا اوراس نے ایک عورت ایک لڑکا اور ماں باپ چھوڑے۔ زید کا اپنا کوئی مال نہیں ہے، جو کچھ ملک ہے، وہ اس کے باپ کی ہے۔ زید کی عورت اپنے خسر سے اپنا مہر طلب کرتی ہے۔ کیا زید کے باپ پر اس کا مہر دینا لازم ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

ھو الموفق للصواب: کیا زید کا باپ اپنے بیٹے پر لازم شدہ مہر کا ذمہ دار نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کا ضامن ہوا ہے تو دینا لازم ہوگا، ورنہ لازم نہیں ہے، چناں چہ درمختار میں لکھا ہے:

(وَلَا يُطَالِبُ الْأَبُ بِمَهْرِ ابْنِهِ الصَّغِيرِ الْفَقِيرِ) أَمَّا الْغَنِيُّ فَيُطَالَبُ أَبُوهُ بِالدَّفْعِ مِنْ مَالِ ابْنِهِ لَا مِنْ مَالِ نَفْسِهِ (إذَا زَوَّجَهُ امْرَأَةً إلَّا إذَا ضَمِنَهُ) عَلَى الْمُعْتَمَدِ.

ردالمحتار میں لکھا ہے:

لِأَنَّ الْمَهْرَ مَالٌ يَلْزَمُهُ ذِمَّةُ الزَّوْجِ وَلَا يَلْزَمُ الْأَبَ بِالْعَقْدِ، انتهى. (الدر المختار مع ردالمحتار، مطلب في ضمان الولي المهر: ۱٤١/۳، دار الفكر بيروت، انيس) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۷۵)

مہر کے مدعی ہیں، کیا شرعاً یہ مہر واجب الادا ہے؟ اور ہندوستان میں اس کا کیا دستور ہے؟ اور پنجاب میں کیا؟ کیا یہ مہر اس شخص پر واجب ہے، جس نے زید کا نکاح کرایا تھا، یا زید کی جائداد سے وصول ہوگا؟

الجواب

مہر بذمہ شوہر پورا واجب ہوگیا، زید کی جائداد سے لیا جاوے گا اور یہ شرعی حکم عام ہے، ہندوستان اور پنجاب میں کچھ فرق نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۱/۸)

اگر مرنے والے شوہر کی جائداد مہر سے کم ہو تو بقیہ ورثہ کے ذمہ ہوگی، یا نہیں:

سوال: اگر متوفی کی جائداد مہر سے کم ہو تو ورثہ کے ذمہ اس کی ادائیگی ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب

متوفی کی جائداد سے مہر لیا جاسکتا ہے، (۲) اگر متوفی کی جائداد اس کو کافی نہ ہو تو وارثوں پر ادا کرنا لازم نہیں ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۱/۸)

شوہر کی موت کے بعد مہر کی ادائیگی اس کے باپ کے ذمہ نہیں ہے، شوہر کی جائداد سے لے سکتی ہے:

سوال: ایک شخص کا لڑکا جب جوان ہوا تو اس کے باپ نے اس کی شادی کردی، اس کی بیوی کا مہر الضمان ہزار روپیہ مقرر ہوا، زیور چاندی سونے کا اور پارچہائے ریشمی حسب دستور اس کی بیوی کو چڑھایا گیا، شادی سے ایک سال بعد وہ لڑکا فوت ہوگیا، اس کی بیوی کبھی سسرے کے یہاں، کبھی باپ کے یہاں رہتی رہی، اب وہ بیمار ہوکر باپ کے یہاں آگئی، کچھ تھوڑا زیور جو ہر وقت پہنا جاتا ہے، وہ اس کے پاس ہے اور باقی کل زیور کپڑے سسرے کے یہاں ہیں اور باپ اس لڑکی کا غریب ہے، اس کی بیماری کا خرچ برداشت نہیں کرسکتا، کیا اس کا سسرا اپنے لڑکے کے عوض مہر اس کی بیوہ کو دے سکتا ہے، یا نہیں؛ کیوں کہ وہ اپنے باپ سے علاحدہ نہیں تھا؟ اور اس کا سسر مہر ادا نہیں کرسکتا تو وہ زیور جو اس کو چڑھایا گیا تھا، وہ اپنے مہر میں لے سکتی ہے، یا نہیں؟ اور جو زیور لڑکی کے پاس ہے، اس کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

مہر جو بذمہ شوہر متوفی ہے، اس کا ذمہ دار شوہر کا باپ نہیں ہے؛(۳) لیکن اگر وہ تبرعاً اپنے بیٹے کی طرف سے اس

---

(۱) ویتأکد المهر عندوطء أوخلوة صحت من الزوج أوموت أحدهما.(الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب المهر: ۲/۵۵٤،ظفیر)

(۲) تتعلق بترکه المیت حقوق أربعة مرتبة: الأول یبدأ بتکفینه وتجهیزه من غیر تبذیر ولاتقتیر، ثم تقضی دیونه من جمیع مابقی من ماله،الخ.(السراجی: ٤،ظفیر)

(۳) لأن المهر مال یلزم ذمة الزوج ولایلزم الأب بالعقد إذ لو لزمه لما أفاد الضمان.(ردالمحتار،باب المهر: ۲/٤۹۱،ظفیر)

کا مہر ادا کر دیوے، یا زیورو پارچہ کو جو بوقت نکاح چڑھایا گیا تھا، مہر میں شمار کر کے ملک عورت کی کر دیوے تو یہ درست ہے، باقی ویسے وہ ذمہ دار مہر کا نہیں ہے، شوہر کی چیز سے عورت اپنا مہر لے سکتی ہے، پس اگر اس کی ملک میں کچھ نہ تھا تو عورت کچھ نہیں لے سکتی اور زیورو پارچہ جو چڑھایا گیا تھا، اگر وہ عاریۃً سمجھا گیا تھا؛ یعنی عورت کی ملک کرنا مقصود نہ تھا تو اس کا مالک شوہر کا باپ ہے اور اگر اپنے پسر کی ملک کر کے اس کی زوجہ کو دیا تھا، جیسا کہ عرف ہے تو وہ ملک شوہر ہے ،اس میں سے عورت اپنا مہر لے سکتی ہے اور اگر دینے کے وقت بہو کی ملک کر دی تھی تو وہ مالک ہوگئی ہے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۳۶/۸-۳۳۷) ☆

مہر قرض میں شمار ہوگا، یا نہیں:

سوال: زوجہ کا مہر قرض میں شمار ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

زوجہ کا مہر دینا بذمہ شوہر ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا تقسیم ترکہ سے مقدم ہوتا ہے۔

(معلوم ہوا کہ قرض میں شمار ہوگا۔ظفیر)(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۲۰/۸)

☆ دین مہر کی ادائیگی مرحوم کے ترکہ سے کی جائے گی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مرحوم کی بیوی کے مہر پچیس ہزار روپئے تھے، شادی کے موقعہ پر مرحوم نے اپنی بیوی کو چاندی سونے کے زیورات وغیرہ چڑھائے تھے، جو ابھی موجود ہیں، اب دین مہر کی ادائیگی کیسے ہو؟ ادائیگی کی ذمہ داری مرحوم پر تھی، یا مجھ پر یعنی لڑکے کے باپ پر؟

(المستفتی: عبدالباری، پوڑی والے، نجیب آباد، بجنور)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب وباللّٰہ التوفیق

مہر کی ادائیگی مرحوم کے ترکہ سے ہوگی، جو زیور چڑھایا تھا، اس کو دیتے وقت اگر ملکیت، یا عدم ملکیت کی صراحت نہیں کی ہے تو برادری کے رواج وعرف کے مطابق حکم ہوگا، اگر برادری کا رواج مالک بنانے کا ہے تو وہ مرحوم کی بیوی کا ہوگا اور اگر مالک بنانے کا نہیں ہے تو وہ مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوگا۔

إذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج فلما زفت إليه أراد أن يستود من المرأة الديباج ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك. (الهندية قديم زكريا: ۳۲۷/۱، جديد زكريا: ۳۹۳/۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۹/ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۴۴۱۶/۳۲)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۴/۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۸۷/۱۳-۶۸۸)

(۱) وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد. (ردالمحتار، باب المهر: ۲۵۲/۱، ظفير)

مہر کی ادائیگی، ترکہ کی تقسیم سے مقدم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس صورت میں کہ محمد جعفر فوت ہوئے مسماۃ نادری بیگم زوجہ ومسماۃ زینب دختر ومسماۃ ستارہ بیگم والدہ، مسمایان حاجی بیگم وفضل النساء وحیدری بیگم ہمشیرگان زندہ چھوڑیں، نادری بیگم زوجہ خواستگار دین مہر ہے اور بقیہ دیگر ورثاء خواستگار حقوق شرعیہ بروئے وراثت شرعی کے ہیں اور ماسوا ان وارثوں کے دو برادرعم زاد بھی چھوڑے، پس ادائے دین مہر مقدم ہے، یا توریث؟ اور مدعیہ مہر نے مہر اپنا نہیں بخشا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اول دین مہر تمام وکمال ادا کیا جاوے گا، اگر بعد ادائے مہر کے کچھ باقی رہے، اس وقت فرائض جاری ہوویں، چوں کہ ترکہ مہر سے بہت قلیل ہے، لہٰذا توریث ورثہ باطل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ: رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں، ص: ۱۱۸) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۸۴-۲۸۵)

کیا بیوہ نکاح کرلے تو مہر اور ترکہ کی مستحق نہیں رہتی:

سوال: زید کا انتقال ہوگیا، اس کے پسماندگان دو تین بچہ نابالغ اور ایک بیوی ہے، زید نے اپنی حیات میں چند متولیان مقرر کردیئے تھے، جن کے زیر نگرانی اس کی پسماندگان کی پرورش ہوتی رہی، زید کی زوجہ جوان ہے، نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے، متولیان کہتے ہیں کہ اگر نکاح ثانی کیا تو مہر اور ترکہ کچھ نہ دیا جائے گا۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

زید کی زوجہ کا جو کچھ حصہ شرعی زید کی جائداد میں سے ہے اور مہر اس کا جو بذمہ شوہر واجب ہے، وہ بہر حال زوجہ کو دیا جائے گا، خواہ وہ عقد ثانی کرے، یا نہ کرے، اوصیا اور متولیان کا یہ کہنا کہ اگر اس نے عقد ثانی کرلیا تو اس کو کچھ نہ دیا جائے گا، غلط ہے اور خلاف شرع ہے، زوجہ بہر حال اپنے حصہ شرعیہ اور مہر کی حقدار اور مالک ومستحق ہے، اگر اس کو کچھ نہ دیا جائے گا تو یہ ظلم اور گناہ کبیرہ ہے اور حق العباد کا مواخذہ ان کے ذمہ رہے گا۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۸/۳۲۵-۳۲۶)

شوہر نے زیورات دینے کا وعدہ کیا تھا، پھر مر گیا تو اس کے ترکہ سے بیوی زیورات لے سکتی ہے:

سوال: زید نے ہندہ سے بوقت نکاح کچھ زیورات کا اقرار کرکے مستعار زیور دے کر شادی کی، بعد شادی کے مستعار زیور واپس لے لیا؛ لیکن اقرار پورا کرنے سے پہلے زید کا انتقال ہوگیا۔ متوفی پر اقرار کردہ زیور دین ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۵۸، عبد الرحمٰن، مدراس، ۲۱/ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

---

(۱) وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد، الخ، وإذا تأكد المهر بما يذكر لايسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكده لايحتمل السقوط إلا بالإبراء. (الدر المختار، باب المهر: ۲/ ۴۰۴، ظفير)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

وہ زیور جس کا زید نے وعدہ کیا تھا اور ایفائے وعدہ سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا، زید کے ترکہ میں سے وصول نہیں کیا جا سکتا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی:۱۱۲/۵)

لڑکے کا باپ کی طرف سے ماں کا مہر ادا کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرے والد نے اپنی زندگی میں میری والدہ کا مہر ادا نہیں کیا اور نہ ہی کچھ مال چھوڑا، جس سے مہر ادا کیا جا سکے؛ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنے مال سے اپنے والد کی طرف سے اپنی والدہ کا مہر ادا کروں تو کیا میرے لیے ایسا کرنا درست ہے؟ اور کیا اس طرح مہر ادا ہو جائے گا، یا کوئی اور شکل ہو تو تحریر فرمائیں؟　　(المستفتی: احمد سعید، دہلی)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

آپ کی والدہ کا مہر والد کے اوپر مالی قرضہ ہے، جب ادا کئے بغیر والد دنیا سے فوت ہو گئے تو والد کی طرف سے مہر کا قرضہ ادا کر دینا اولاد کی خوش نصیبی ہے اور والد کے لیے نجات کا باعث ہے؛ اس لیے آپ کے والد کی طرف سے مہر کا قرضہ ادا کرنا بلاتردد جائز ہے اور والد کے لیے عذاب سے نجات پانے کا ذریعہ ہوگا اور خود آپ کے لیے باعث خوش نصیبی ہوگی۔

عن ابن عباس، أن رجلاً قال: یا رسول اللّٰہ! إن أمہ توفیت أ فینفعہا إن تصدقت عنہا، فقال: نعم! قال: فإن لی مخرفا وأشہدک انی قد تصدقت بہ عنہا. (مسند أحمد: ۳۷۰/۱، رقم: ۳۵۰٤، صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب مایستحب لمن توفی فجأۃ أیتصدقوا عنہ، النسخۃ الہندیۃ: ۳۸٦/۱، رقم: ۲٦۷۹، ف: ۲۷٦۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۹/رجب المرجب ۱۴۲۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۸۱۲۶/۳۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۹/۷/۱۴۲۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۶۸۹، ۶۹۰)

شوہر کی وفات کے بعد اس کے والد سے مہر کا مطالبہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرے لڑکے یونس کی شادی زینب بنت یونس کے ساتھ ہوئی تھی، میرا لڑکا چوڑی کی کٹائی پر مزدوری کا کام کرتا تھا، شادی سے پہلے تو صحت

---

(۱) اس لیے کہ محض وعدہ کرنے سے قضاء زیور اس کے ذمہ واجب الادا نہیں، لہٰذا اس کو دین نہیں کہہ سکتے، جب کہ ترکہ سے دین (قرض) ہی وصول کیا جا سکتا ہے۔ تتعلق بترکۃ المیت حقوق أربعۃ مرتبۃ: الأول: یبدأ بتکفینہ وتجہیزہ من غیر تبریز ولا تقتیر، ثم تقضی دیونہ من جمیع ما بقی من مالہ (السراجی فی المیراث: ۲، سعید)

مند تھا، کوئی بیماری نہیں تھی، اچانک بعد شادی بخار آیا کچھ پیلیا جیسا، بڑے ڈاکٹروں کو دکھلانے پر پتہ چلا کہ اس کے گردے میں خرابی آ گئی ہے، ہم نے اس کا بھی علاج کرایا، میں ایک مزدور ہوں، رکشہ چلاتا ہوں اور مکھن وغیرہ لاتا ہوں، پریشانی کی حالت میں میں نے لڑکی والے کو اطلاع دی کہ لڑکا بیمار ہے اور پوری تفصیل میں نے انہیں بتادی، اس کے باوجود بھی ان لوگوں نے کوئی مشورہ نہیں دیا؛ بلکہ لڑکی کو اپنے گھر لے گئے، یہ کہہ کر کہ ہمیں لڑکی کا علاج کرانا ہے، لڑکی کے نہ آنے پر لڑکے کی حالت اور بگڑتی گئی، انہوں نے درمیان والے کو بھیج کر یہ کہلوایا کہ ہماری لڑکی کو طلاق دے دو اور جو سامان ہم نے تمہیں دیا ہے، اسے واپس کردو، پھر بھی ہم نے کئی بار لڑکی کو بلایا؛ لیکن لڑکی نہیں آئی، ہم نے ان سے کہا کہ فتوی منگالو، اسی کے مطابق کام کریں گے، اچانک وہ ایک دن چھ سات لوگوں کو لے کر آئے، پھر ایک دن آٹھ دس لوگوں کو لے کر آئے اور شادی سے پہلے کی عیب نکالنے لگے کہ لڑکا پہلے سے ہی بیمار تھا، دھوکہ دے کر شادی کرالی گئی ہے، اس کا صدمہ لڑکے کو ہوا، جس کے سبب اس کی موت ۳۱/مئی ۲۰۰۷ء کو؛ یعنی شادی کے سات ماہ بعد ہوئی، میت کی ہم نے انہیں اطلاع بھی دی؛ لیکن وہ لوگ نہیں آئے اور ہم سے مہر وسامان کا مطالبہ کرتے ہیں تو ہم سامان واپس کرنے کو تیار ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ مہر کی ادائیگی کس پر واجب ہے، جب کہ لڑکا ادائیگی مہر سے پہلے ہی گزر چکا اور والدین اس لائق نہیں کہ مہر ادا کریں؛ کیوں کہ خود ہی مجبور ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

(المستفتی: محمد شفیق عالم، محلّہ: چکر کی ملک، مرادآباد (یوپی))

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر لڑکے کا کچھ مال اس کے والد کے پاس ہے تو اسی مال کے ذریعہ بیوی کا مہر ادا کرنا ضروری ہے؛ لیکن اگر لڑکے نے مرتے وقت کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے تو مہر کا مطالبہ اس کے والد سے کرنا درست نہیں ہے، ہاں البتہ اگر لڑکی معاف کردے تو لڑکا قیامت کے حساب وکتاب سے محفوظ ہوجائے گا اور جو کچھ بھی جہیز کا سامان ہے اور جو زیورات اس کے ماں باپ کے دئے ہوئے ہوں، یا اس کی ملکیت میں دیگر زیورات ہوں، وہ سب لڑکی کا حق شرعی ہے اور مہر جو ادا ہو چکا ہے، وہ بھی لڑکی کا شرعی حق ہے اور جو ادا کرنے سے باقی رہ گیا ہو، وہ بھی لڑکی کا حق ہے۔

ولا يطالب الأب؛ لأن المهر مال يلزم ذمة الزوج ولا يلزم الأب بالعقد إذ لو لزمه لما أفاد الضمان شيئاً. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراتشي: ۱۴۱/۳، زكريا: ۲۸۷/۴)

ثم ذكر أن المهر لايلزم الله با الفقير بلا ضمان. (شامي، كراتشي: ۱۴۲/۳، زكريا: ۲۸۸/۴)

بل كل أحد يعلم أن الجهاز للمرأة. (شامي، كراتشي: ۱۵۸/۳، زكريا: ۳۱۱/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ (فتویٰ نمبر: الف ۹۳۳۵/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ، ۱۴۲۸/۶/۱۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۶۹۰-۶۹۲)

شوہر مہر ادا نہ کرے تو باپ پر ادا کرنا لازم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ راشدہ خاتون بنت شمس احمد اصالت پورہ کا عقد انور علی پسر حاجی عبد السلام صاحب پیرزادہ کے ساتھ ہوا ہے، ۲۳؍ اگست ۱۹۸۶ء کو انور علی کا انتقال ہوگیا، شوہر اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا، جو کچھ کماتا تھا باپ کے حوالہ کر دیتا تھا؛ اس لیے اپنا کوئی ترکہ نہیں چھوڑ سکا، راشدہ خاتون کا دین مہر ۱۵؍ ہزار ہے اور راشدہ خاتون کو والدین جہیز میں اتنا سونے کا زیور، بندے، ۱؍ تولہ ٹیکہ، آدھا تولے چوڑی ۲؍ عدد، ۱؍ تولے تھن چار آنے بھر، انگوٹھی ۶؍ آنے بھر کل وزن ۳؍ تولے ۲؍ آنے بھر چاندی ایک جوڑا توڑے بجھوائے وزن ۱۵؍ تولے دیا۔ اب سوال طلب یہ ہے کہ راشدہ خاتون کے دین مہر اور سامان جہیز اور زیورات کا شرعاً کیا فیصلہ ہے؟ شوہر کے یہاں کا زیور سونا، جھومر ۳؍ تولے، چوڑی ۶؍ عدد ۳؍ تولے، کنگن ۲؍ عدد ۲؍ تولے، ایک سیٹ (ہار، بندے، انگوٹھی) ۵؍ تولے، شوق بند ۵؍ تولے چاندی کا وزن ۵۰؍ تولے سونے کا کل وزن ۱۸؍ تولے۔ اور دونوں بچے والدہ کے ساتھ نانی کے گھر پر رہتے ہیں۔

(المستفتی: شمس احمد، اصالت پورہ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر راشدہ خاتون کے شوہر انور علی نے ذاتی طور پر کوئی ترکہ نہیں چھوڑا ہے تو اس کا دین مہر شوہر کے والد عبد السلام پر ادا کرنا لازم نہیں ہے، اگر وہ تبرعاً ادا کرنا چاہے تو وہ اس کی مرضی ہے، اگر باپ نے ادائیگی کی ذمہ داری نہیں لی تھی۔

نیز شوہر کی طرف سے جو زیورات دیئے گئے ہیں، اگر لڑکی کی صراحتہً ان کی مالک بنائی گئی ہے تو وہ بھی لڑکی کی ملکیت میں ہوں گے اور اگر کوئی صراحت نہیں تھی تو اگر آپ کے یہاں کا عرف لڑکی کے مالک ہوجانے کا ہے تو بھی لڑکی ہی ان کی مالک ہوگی، ورنہ نہیں اور راشدہ خاتون کے تمام وہ زیورات وسامان جہیز جو اس کے والدین نے دیئے ہیں، ان سب کی حق دار راشدہ خاتون ہے، ان میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم: ۸/۳۳۷)

لأن المهر مال يلزم ذمة الزوج، ولا يلزم الأب بالعقد. (شامی، کراتشی: ۳/۱٤۱، زکریا: ٤/۲۸۷)

جهـز إبنته، ثم مات فطلب بقية الورثة القسمة (إلى قوله) **فهو لها خاصة.** (شامی، کتاب النکاح، باب المهر، زکریا: ٤/۳۰۹، کراتشی: ۳/۱۵۷)

اور انور علی کے دونوں بچوں کے اخراجات انور علی کے باپ پر واجب ہوں گے۔

والنفقة لكل ذى رحم محرم إذا كان صغيرا فقيراً (قوله) لأن الصلةفى القرابة القريبة واجبة. (الهداية، اشرفی دیوبند: ۲/٤٤٦)

ونفقة الأولاد الصغار (إلى قوله) **إذا لم يكن له أب (وقوله: وإن كان له جد)** (إلى قوله) **وروى الحسن**

عن أبی حنیفة أنها علی الجد وحده لجعله کالأب،الخ. (فتح القدیر، کوئٹہ: ۲۷۱/٤، زکریا: ٤/۳۷۱-۳۷۲، دارالفکر بیروت: ٤/٤۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۳/ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۲۳۴/۲۴) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۹۲/۱۳-۶۹۴)

مہر دینے کے لیے باپ کا بیٹے کی طرف سے ضامن ہونا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کا باپ گواہوں کے سامنے بیٹے کی حق مہر کی ادائیگی کا وعدہ کرے اور گواہوں کے سامنے دستخط بھی کر دے تو بیٹے کی وفات کی صورت میں لڑکی، یا اس کے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

صورت مذکورہ میں باپ بیٹے کی طرف سے مہر کا ضامن ہے، اگر عورت مہر معاف نہیں کرتی تو اس کے شوہر کے انتقال کے بعد عورت، یا اس کے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

قال العلامة الحصکفی: وتطالب أیًّا شاء ت من زوجها البالغ او الوالی الضامن. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۳۸۷/۲، باب المهر)

(**قال العلامة المرغینانی: وإذا ضمن الولی المهر صح ضمانه ثم المرأة بالخیار فی مطالبتها زوجها أو ولیّها الخ.** (الهدایة: ۳۱۳/۲، باب المهر) (فتاوی حقانیہ: ۳۷۴/۴)

لڑکے کے والد نے مہر کا ذمہ لیا تھا، شوہر کے مرنے کے بعد اس سے مطالبہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی لڑکی نکاح ایک شخص سے کر دیا، بوقت نکاح مہر مقرر ہوا اور لڑکے کے والد نے کہا کہ اس کا مہر میں ادا کر دوں گا؛ کیوں کہ لڑکا نابالغ تھا اور اس شخص کے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا، لڑکا تو باپ کے سامنے فوت ہو گیا، اب تین لڑکیاں زندہ ہیں اور لڑکے کی زوجہ مہر کا دعویٰ کرتی ہے، اس کو میراث سے کتنا حق پہنچتا ہے اور مہر کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

"**ولایطالب الأب بمهر ابنه الصغیر الفقیر،الخ،إلا إذا ضمنه الأب،علی المعتمد،الخ.** (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ باپ اگر مہر کا ضامن ہو گیا تو اس سے مہر کا مطالبہ ہو سکتا ہے، باقی میراث کا حصہ پسر متوفی کے زوجہ کو کچھ نہیں مل سکتا؛ کیوں کہ لڑکا جو باپ کی حیات میں فوت ہو گیا، وہ ترکہ پدری سے محروم رہا، لہٰذا اس کی زوجہ بھی اس ترکہ سے محروم ہو گئی۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۸/۸-۳۳۹)

---

(۱) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار،باب المهر: ۲۹۱/۲،ظفیر

باپ اگر لڑکے کے مہر کا ضامن ہوا ہے تو لڑکے کی موت کے بعد مہر دینا باپ پر لازم ہے:

سوال: ایک پندرہ سالہ لڑکی کا نکاح ایک بائیس سالہ لڑکے سے ہوا۔ نکاح کے چھٹے دن لڑکا طاعون میں مبتلا ہوکر ساتویں دن انتقال کرگیا۔ پس اس صورت میں کہ خلوۃ صحیحہ ہوچکی ہے، منکوحہ کا مہر مرقومہ متوفی کے والدین پر لازم ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ھو الموفق للصواب: ناکح کے انتقال کرجانے سے گو خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو، اس کی عورت کا پورا مہر اسی پر لازم ہوتا ہے، نہ کہ اس کے باپ پر۔ ہاں! اگر اس کا باپ اس کی مہر کا ضامن ہوا ہے تو اس کے باپ پر لازم ہوگا، جیسا کہ رد المحتار میں ہے:

فَكَذَا عَقْدُ النِّكَاحِ يَلْزَمُ بِهِ تَمَامُ الْمَهْرِ بِحَيْثُ لَا يَسْقُطُ إِلَّا بِالْأَدَاءِ أَوْ الْإِبْرَاءِ مَا لَمْ يَعْرِضْ لَهُ مُسْقِطٌ لِكُلِّهِ أَوْ نِصْفِهِ. (۱)

درمختار میں ہے:

وَيَتَأَكَّدُ (عِنْدَ وَطْءٍ أَوْ خَلْوَةٍ صَحَّتْ) مِنْ الزَّوْجِ (أَوْ مَوْتِ أَحَدِهِمَا)، انتھٰی. (۲)

اور اسی میں لکھا ہے:

(وَصَحَّ ضَمَانُ الْوَلِيِّ مَهْرَهَا). (۳)

اور رد المحتار میں قول مذکور کے تحت لکھا ہے:

(قَوْلُهُ وَصَحَّ ضَمَانُ الْوَلِيِّ مَهْرَهَا) أَيْ سَوَاءٌ وَلِيُّ الزَّوْجِ أَوْ الزَّوْجَةِ صَغِيرَيْنِ كَانَا أَوْ كَبِيرَيْنِ، أَمَّا ضَمَانُ وَلِيِّ الْكَبِيرِ مِنْهُمَا فَظَاهِرٌ لِأَنَّهُ كَالْأَجْنَبِيِّ. (۴)

ضیاء الدین محمد کان اللہ لہ

الجواب صحیح: شیخ آدم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: عبدالرحیم عفی عنہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۸۰-۱۸۱)

والد مہر کا ضامن ہو تو اسے دینا ضروری ہے:

سوال: محمد سلیم کا نکاح ہوا، اس وقت تیس ہزار روپئے ایک مرلہ زمین حق مہر مقرر ہوا، اب سلیم اپنے والد ابراہیم سے کہتا ہے کہ ایک مرلہ حق مہر میں ادا کرو، شریعت کے رو سے فرمائیں کہ آیا مہر خاوند کے ذمہ ہے، یا اس کے والد کے

---

(۱) ردالمحتار، مطلب کفالۃ المال: ۳۰۲/۵-۳۰۳، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) الدرالمختار، باب المھر: ۱۰۲/۳، دارالفکر بیروت، انیس

(۳-۴) الدرالمختار، مطلب فی ضمان الولی المھر: ۱٤۰/۳، دارالفکر بیروت، انیس

ذمہ، جب کہ والد نے زبانی طور پر کوئی شرط وقید نہیں لگائی کہ میں ادا کروں گا، البتہ نکاح نامہ میں والد کی اجازت سے ایک مرلہ مکان کی زمین بطورمہر کے لکھی گئی تھی۔محمد سلیم اپنے والد سے اس کی زندگی میں ہی جائیداد کی تقسیم کا مطالبہ کرسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں والد کو چاہیے کہ مکان کا جتنا حصہ بطور مہر لکھوایا تھا، وہ یا اس کی قیمت وہ محمد سلیم کی زوجہ کو ادا کرے، مہر کے خانہ میں لکھوانا ایک قسم کی ضمانت ہے اور ولی شرعاً مہر کا ضامن بن سکتا ہے۔

درمختار میں ہے: "وصح ضمان الولی مهرها ولو صغيرة ... وتطلب أياً شاء ت من زوجها البالغ أو الولی الضامن". (۱)

محمد عبداللہ عفی عنہ، ۳۰/۴/۱۴۰۸ھ۔(خیر الفتاویٰ: ۵۳۳/۴-۵۳۴) ☆

باپ کا بیٹے کی طرف سے بہو کو دَین مہر دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ محمد صدیق کی شادی ہوئی اور دوثلث آراضی دین مہر میں متعین کئے گئے، اب ناکح کے والد کلن (عرف کریم بخش) نے اپنے بیٹے (محمد صدیق) کی جانب سے اپنی بہو (بی بی ہاجرہ) کے نام اپنی اراضی میں سے دوثلث دین مہر میں لکھ دیئے، اب زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ کیا ادائے گی دین مہر کا اختیار ناکح کو ہے، یا اس کے علاوہ کسی اور کو بھی؟ اور ناکح کی جانب سے ناکح کے والد نے جو اپنی بہو کے نام دوثلث آراضی دین مہر میں لکھوا کردیئے ہیں تو کیا یہ دین مہر ادا ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

صورتِ مسئولہ میں محمد صدیق کے والد کا اپنے بیٹے کی جانب سے دین مہر کا ادا کرنا شرعاً درست ہے اور محمد صدیق کے ذمہ سے دین مہر ساقط ہوگیا، اب کسی کو اس سے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔

---

(۱) الدرالمختار علی ردالمحتار، مطلب فی ضمان الولی المهر: ۱۴۰/۳-۱۴۱، دارالفکر بیروت، انیس

☆ **باپ ضامن ہو تو اس سے مہر کا مطالبہ کیا جائے گا:**

سوال: لڑکا نابالغ ہے اور باپ کی اجازت سے مہر مقرر ہوا تھا اور نابالغ کے دستخط بھی کرائے گئے تھے، اس صورت میں مہر کس پر واجب ہے اور کس سے لینا چاہیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

دستخط ہوئے، یا نہ ہوئے، لڑکا دراصل ذمہ دار مہر کا ہے، اگر باپ ضامن ہوگیا تھا تو اس سے مہر لیا جاوے گا۔(من سمی مهراً عشرة فمازاد فعليه المسمی إن دخل بها أومات (إلی أن قال) وإن طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف المسمیٰ. (الهداية: ۳۰۴/۲، ظفير) إذا زوج ابنه الصغير امرأة وضمن عنه المهر (إلی قوله) للمرأة أن تطالب الولی بالمهر. (عالمگيری كشوری: ۳۳۹/۲، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۴/۸)

وإذا زوّج ابنه الصغير امرأة وضمن عنه المهر، وكان ذٰلك في صحته جاز، إذا قبلت المرأة الضمان، وإذا أدّى الأب ذٰلك إن كان الأداء في حالة الصحة لا يرجع على الابن بما أدّى استحسانًا، إلا إذا كان بشرط الرجوع في أصل الضمان، كذا في الذخيرة. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الرابع عشر: ۱/۳۲٦، زكريا)

وصح ضمان الولي مهرها. (الدر المختار)

وفي الشامية: ثم إن كان بأمره رجع وإلا فلا. (شامي: ٢٨٦/٤، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۰/۲/۱۴۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/۴۲۳-۴۲۴)

شوہر کے عاجز ہونے کی وجہ سے لڑکی والوں کا اُس کے بہنوئی سے مہر طلب کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرا نکاح دو سال قبل 21000 روپیہ مہر کے عوض سائمہ بی بنت حسین کے ساتھ ہوا تھا، نکاح کے ٹائم جہیز وغیرہ کے لیے کسی بھی طرح کی کوئی مانگ ہماری طرف سے نہیں کی گئی تھی، اس درمیان ایک لڑکی پیدائش ۱۱/ ماہ قبل ہوئی تھی، شادی کے کچھ وقت بعد یہ بات سامنے آئی کہ لڑکی ضدی ہے اور من مانی کرنے والی ہے، اس میں ناراضگی بھی ظاہر کی گئی اور سمجھایا بھی گیا؛ لیکن اس کی ضد والی بات ختم نہیں ہوئی، گھر اور خاندان کے دوسرے لوگوں نے سمجھایا؛ لیکن بے کار ثابت ہوا، میں نے یہ طریقہ اختیار کیا جب بھی وہ کسی بات پر اڑ جاتی اور ضد کم نہیں کرتی تو میں گھر نہیں آتا تو وہ اپنے میکہ چلی جاتی اور پھر میری بڑی بہن سے معاملہ رفع دفع کراتی اور یہ وعدہ کرتی کہ آئندہ شکایت کا موقع نہیں دوں گی؛ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا، یہ شکایت بدستور ہوتی رہی، معزز لوگوں نے بیچ میں پڑ کر سمجھایا؛ لیکن وہ نہیں مانی اور یہ بات بار بار کہی گئی کہ اگر عادت نہیں بدلی تو فیصلہ ہوگا، میں نے بیوی کو برا بھلا نہیں کہا، بس ہر بار یہی کہا کہ اب فیصلہ کرنا ہے، ایک بار وہ اپنے میکے گئی اور اس کے ماں باپ اور بھائی بہن نے ہمارے گھر پر ہنگامہ کیا اور یہ دھمکی دی کہ گھر پر نہیں رہو گے تو جہیز ایکٹ میں رپورٹ لکھوادی جائے گی اور یہ بھی کہ مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا ہے اور نازیبہ کلمات بھی کہے ہیں، میری طرف سے امید ختم ہوگئی بس فیصلہ کرنا باقی رہ گیا تھا، چوں کہ میں کاروبار کے اعتبار سے کمزور تھا؛ اس لیے میں نے کہا کہ قرض لے کر تمہارا مہر ادا کروں گا، سسرال والے کہنے لگے کہ تمہارے بدلے تمہارے بہنوئی ادا کریں تو کیا یہ بات درست ہے کہ میرے بدلے میرے بہنوئی مہر ادا کریں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ———— وبالله التوفيق

مسئولہ صورت میں اگر آپ اپنی مرضی سے طلاق دیں گے تو پوری مہر اور عدت کا نان ونفقہ ادا کرنا ہوگا، البتہ اگر آپ لڑکی والوں کی طرف سے طلاق کے مطالبے پر یہ شرط لگا دیں کہ میں اسی صورت پر طلاق دوں گا، جب کہ مہر

معاف کردی جائے اور یہ شرط لڑکی منظور کرلے تو ایسی صورت میں آپ پر مہر ادا کرنا لازم نہ ہوگا اور آپ کی سسرال والوں کا یہ کہنا کہ شوہر کے بدلے اس کا بہنوئی مہر ادا کردے، یہ قطعاً درست نہیں ہے، ان کو اس طرح کے کسی مطالبے کا حق حاصل نہیں ہے۔

النفقة واجبة للمعتدة. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۳۹۹/۵، رقم: ۸۳۰۳، زکریا)

المهر يتأكد بأحد معاني الثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين. (الفتاویٰ الهندية: ۳۰۳/۱)

رجل خلع امرأته بمالها عليه من المهر ... كان الخلع بمهرها إن كان المهر على الزوج يسقط. (الفتاویٰ الهندية: ۴۸۹/۱)

إن طلقها على مال فقبلت وقعت الطلاق ولزمها المهر وكان الطلاق بائنا. (الفتاویٰ الهندية: ۴۹۰/۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲؍۱۱؍۱۴۳۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۳۰/۸-۴۳۱)

جس نے غلط تعریف کر کے شادی کرائی، اس سے مہر وصول کیا جا سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید نے بکر کو اشتعال دیا کہ مسماۃ زینب بیوہ منکسر المزاج خوبصورت ہے، بکر نے اس بیان پر اس سے نکاح کرلیا، بعدہ معاملہ مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ زید کی تعریف کے برعکس ہے اور مطلقہ ہے، اب بکر اپنی منکوحہ کو طلاق دیتا ہے، اگر منکوحہ مہر طلب کرے تو بکر زید سے رجوع کرسکتا ہے؛ کیوں کہ زید نے بکر کو دھوکہ دیا ہے؟

الجواب

اس صورت میں بکر کے ذمہ مہر واجب ہوا، بوجہ استمتاع منکوحہ کے تو بکر اس کو زید سے نہیں لے سکتا ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿أن تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين﴾(۱)

پس معلوم ہوا کہ مہر کا ذمہ دار شوہر ہی ہے، زید سے اس کو لینے کا حق نہیں ہے اور اس دھوکہ دہی کی وجہ سے زید کے ذمہ ضمان مہر کی لازم نہ ہوگی۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۳/۸)

مہر لازم ہے، خواہ حالت ظاہر نہ کی ہو:

سوال: نکاح کے وقت لڑکی کی حالت قاضی صاحب پر ظاہر نہیں کی تو نکاح صحیح اور مہر لازم ہوا، یا نہیں؟

الجواب

حالت ظاہر کی، یا نہ کی، نکاح ہوگیا، اب کچھ نہیں ہوسکتا اور مہر لازم ہوگیا۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۵/۸)

---

(۱) سورۃ النساء: ۲۴، ظفیر

(۲) وينعقد أي النكاح ويثبت ويحصل انعقاده بالايجاب والقبول. (ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳۶۱/۲، ظفیر)

بیوی کی ہر چیز میں شوہر کا جو حصہ ہے، وہ وضع ہوسکتا ہے، یانہیں:

سوال: جب کہ زید شوہر نے نفقہ اور سکنی ہمیشہ اپنے ذمہ رکھا اور نیز جو چیز باسن وغیرہ مسماۃ کے باپ کے گھر کی تھی، یا کوئی جائداد کہ جس کا مالک بعد وفات مسماۃ کے نصف کا زید ہوا، اس کی بھی قیمت لگانی درست ہے، یانہیں؟

الجواب

شوہر اپنے نصف حصہ کا حساب کر کے مہر کے معاوضہ میں اس کو لگا سکتا ہے، مثلاً عورت کا باپ اپنے حصہ کا مہر لینا چاہتا ہے اور شوہر کا حق اس ترکہ عورت میں ہے، جو کہ باپ کے قبضہ میں ہے تو اس کا حساب کر کے جس کا جو کچھ لینا دینا باقی رہے، اس کے موافق عمل درآمد ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۱/۸)

شوہر پر مہر کس عمر میں واجب ہے:

سوال: لڑکے پر کس وقت اور کس عمر میں مہر واجب ہوتا ہے؟

الجواب

مہر کے واجب ہونے کے لیے بلوغ لڑکے کا شرط نہیں ہے، نابالغ کے ذمہ بھی مہر لازم ہوجاتا ہے۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۴/۸-۳۰۵)

نابالغ پر مہر لازم ہے، یانہیں:

سوال: نابالغ لڑکے پر مہر واجب ہوتا ہے، یانہیں؟ یا نابالغ کے باپ پر مہر لازم ہے؟

الجواب

مہر نابالغ لڑکے پر لازم ہوا، اگر باپ اس کا ذمہ دار ہوگیا تھا تو باپ سے وصول ہوسکتا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۴/۸)

نابالغ کی بیوی مہر کا دعویٰ کس پر کرے:

سوال: اگر لڑکا لڑکی کو چھوڑ دے تو مہر کا دعویٰ کس پر ہوسکتا ہے؟

الجواب

نابالغ کا لڑکا طلاق نہیں دے سکتا، بعد بلوغ کے طلاق دے سکتا ہے، مہر کا دعویٰ لڑکے؛ یعنی شوہر پر ہوگا اور اگر باپ ذمہ دار ہوتا ہے تو باپ بھی ہوسکتا ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۴/۸)

---

(۱) من سمی مهراً عشرة فمازاد فعلیه المسمیٰ. (الهداية: ۳۰٤/۲، ظفیر

(۲) إذا زوج ابنه الصغیر امرأة وضمن عنه المهر وكان ذلک فی صحته جاز (إلی قوله) ثم للمرأة أن تطالب الولی بالمهر. (عالمگیری کشوری: ۳۳۹/۲، طبع ماجدية: ۳۲٦/۱، ظفیر)

(۳) لایقع طلاق (إلی قوله) الصبی ولو مراهقا. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۲۱۷/۲، ظفیر)

شوہر نابالغ انتقال کرجائے تو بھی مہر اور عدت ضروری ہے، یا نہیں:

سوال: شوہر اگر صغیر نابالغ ہو اور اس کی زوجہ ابھی رخصت نہ ہوئی ہو، اسی حالت میں شوہر صغیر کا انتقال ہوجائے تو زوجہ کا مہر واجب ہوگا، یا نہیں؟ اور زوجہ پر عدت لازم ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

شوہر اگر مرجائے، اگرچہ صغیر ہو، (۱) اور اس کی زوجہ رخصت نہیں ہوئی، مہر اور عدت لازم ہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۳۳/۸-۳۳۴)

شوہر نابالغی میں فوت ہوجائے تو عورت مہر اور نفقہ کی حق دار ہے، یا نہیں:

سوال: نابالغوں کی شادی ان کے اولیا نے کردی تھی، شوہر نابالغی کی حالت میں گزر گیا، آیا دلہن حق دار مہر وخرچ ہوسکتی ہے، یا نہ؟

الجواب

اس صورت میں زوجہ پورے مہر کی مستحق ہے، شوہر کے ترکہ سے پورا مہر وصول کرسکتی ہے اور خرچ خوراک زمانہ عدت کا واجب نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: ''لا تجب النفقة، الخ، لمعتدة موت مطلقا، الخ. (۳)

درمختار، باب النفقہ اور درمختار، باب المہر میں ہے:

ویتأکد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما. (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۵۳/۸)

نابالغہ لڑکی کو نکاح میں لاکر اگر طلاق دے تو اس صورت میں مہر کا حکم:

سوال: زید ایک نابالغہ لڑکی کو اپنے نکاح میں لایا۔ چند ماہ گزرنے کے بعد وہ لڑکی اب اپنے باپ کے گھر ہے۔ زید نے جاکر جو بلایا تو اس کا باپ اپنی لڑکی کا فیصلہ اور مہر چاہتا ہے۔ لڑکی کے نابالغہ رہنے سے زید دوسرا دعویٰ نہیں کرسکتا؛ اس لیے فیصلہ کرنا ہو تو اس کے کل مہر میں سے لڑکی کو کتنا حق پہنچتا ہے؟

---

(۱) ولو بزوج لا يطاق معه الجماع. (الدر المختار) أی ولو كان الصغر لصاحب الزوج؛ يعني لا فرق بين أن يكون الزوج أو الزوجة أو كل منهما صغير، الخ، وتجب العدة بخلوة وإن كانت فاسدة، لأن تصريحهم بالخلوة الفاسدة شامل لخلوة الصبي. (ردالمحتار، باب المهر: ۲/۴۶۶، ظفير)

(۲) المهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق. (الفتاویٰ الهندية، المهر: ۲/۳۱۴، ط: نول كشور لكهنؤ، ظفير)

عدة المرأة في الوفاة أربعة أشهر وعشرة أيام، سواء كانت مدخولا بها أو لا، مسلمة أو كتابية، صغيرة أو كبيرة أو آيسة، الخ. (الفتاویٰ الهندية: ۲/۵۴۵، ظفير)

(۳) الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب النفقة: ۲/۸۲۲، ظفير

(۴) الدر المختار، باب المهر: ۲/۴۵۴، ط: استانبول، ظفير

الجواب

ھو المصوب: زیداگراپنی عورت کوطلاق دے گاتو آدھامہراس کودیناہوگا۔اگراس عورت کے باپ نے اس کامہر بخش کراس کوچھوڑ دینے کے لیے کہا،تب اس کوکچھ نہ دیناہوگا۔(اس کوخلع کہتے ہیں)(کذا فی کتب الفقہ) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ:عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات،ص:۱۴۷)

زوجہ اپنامہر نابالغ شوہر کی جائیداد سے لے سکتی ہے:

سوال: زید نے اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح نابالغ ہندہ سے کردیا تھا،کچھ عرصہ کے بعد زید کالڑکا بحالت بلوغ انتقال کرگیا کیا،اس صورت میں ہندہ کے والدین زید پرادئیگی زرمہر کادعویٰ کرسکتے ہیں،یانہیں؟

الجواب

اگر بوقت نکاح زید نے مہر کا ذمہ اپنے اوپرنہیں لیاتھاتواس کےلڑکے متوفی خالد کے ذمہ جومہر واجب ہے،اس کامطالبہ زید سےنہیں کیاجاسکتا،البتہ اگرلڑکے متوفی خالد کے نام کوئی جائیدادیامال وغیرہ ہوتواس میں سے مہروصول کیاجاسکتاہے۔

کذافی الدر المختار:(ولا یطالب الأب بمهر ابنه الصغیر الفقیر)أما الغنی فیطالب أبوه بالدفع من مال ابنه،لا من مال نفسه (إذا زوجه امرأة إلا اذا ضمنه)علی المعتمد (کما فی النفقة).(۱)

(امدادالمفتین:۲/۴۷۰)

نابالغ خاوند کاانتقال ہوجاوے تومہراورمیراث عورت کاحق ہے:

سوال: زید نے اپنی لڑکی کانکاح بکر کےلڑکے سے کردیا،جوکہ ابھی دونوں نابالغ تھے،بعدکچھ مدت کے بکر کےلڑکے کاانتقال ہوگیا؛لیکن بالغ نہیں ہواتھا؛اس لیے بکارت بھی زائل نہیں۔اب زید کی لڑکی کے زیور کامستحق کون ہوگا؟اورمہرکس کوملے سکتاہے؟اوربکرپہلی بیوی کایہ لڑکاتھااوراب بکر کی دوسری بیوی موجودہے،جس سے دولڑکے موجود ہیں اورپہلی بیوی کاانتقال ہوگیاتواب بیوی مرحومہ،یابیوی موجودہ کے مہر میں سے بھی کچھ حصہ زید کی لڑکی کومل سکتاہے،یانہیں؟اورلڑکی کازیوراورمہرزید کومل سکتاہے،یابکرکومل سکتاہے؟

الجواب

جوزیورلڑکی کامملوکہ ہے،اس کی خودلڑکی مالک ہےاورمہربھی لڑکی کاحق ہے،وہ بھی لڑکی کوملے گااوربکر کی کسی زوجہ کے مہر میں سے زید کی لڑکی کوکچھ حصہ نہیں ملے گا؛کیوں کہ زید کی لڑکی وارث بکر کی زوجات کی نہیں ہےاورزید کی لڑکی جب تک خودزندہ ہے،اس کے زیوراورمہر سے زید کوکچھ نہیں مل سکتااوربکرکسی حال وارث اپنےلڑکے کی زوجہ کانہیں۔

کتبہ مسعوداحمدعفااللہ عنہ (امدادالمفتین:۲/۴۷۴)

---

(۱) الدرالمختار،مطلب فی ضمان الولی المهر:۳/۱۴۱-۱۴۲،دارالفکربیروت،انیس

نابالغ لڑکے کی شادی کے مہر کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے بچپن میں اپنے لڑکے کی شادی کردی تو اب بیوی کا حق مہر نابالغ شوہر پر واجب ہوگا، یا سسر پر؟

الجواب

مہر کے وجوب کے لیے بلوغ شرط نہیں، اس کا تعلق نکاح سے ہے؛ یعنی جس سے بھی نکاح ہو، اس کے ذمے مہر دینا واجب ہے، چاہے بالغ ہو، یا نابالغ، اگر چہ باپ ضامن بن سکتا ہے۔

وفی الهندية: وإذا زوّج ابنه الصغير امرأة وضمن عنه المهر وكان ذٰلک فی صحته جاز إذا قبلت المرأة الضمان وإذا أدّى الابّ ذٰلک إن كان الأداء فی حالة الصّحة لايرجع على الابن بما ادّى استحسانًا إلاَّ إذا كان بشرط الرجوع فی أصل الضمان. (الفتاویٰ الهندية: ۳۲۶/۱، الفصل الرابع عشر فی ضمان المهر) (فتاوی حقانیہ: ۳۶۱/۴)

بچے کے نکاح میں ولی مہر کی ضمانت لے سکتا ہے:

سوال: مفتی صاحب! اگر ولی نے نابالغ بچے کی طرف سے مہر کی ضمانت اُٹھائی تو یہ ضمانت صحیح ہے، یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو لڑکی کو مہر نہ ملنے کی صورت میں لڑکی ولی سے مطالبہ کرسکتی ہے، یا نہیں اور مہر ولی کے ذمے واجب الادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

اگر ولی نے صغیر کی طرف سے مہر کی ضمانت اٹھائی تو یہ ضمانت صحیح ہے اور لڑکی کو مہر نہ ملنے کی صورت میں ولی سے مطالبہ کیا جائے گا؛ کیوں کہ یہ مہر ولی کے ذمہ واجب ہے۔

لمافی الهداية المطبوع مع فتح القدير (۳۶۸/۳): (وإذا ضمن الولی المهر صح ضمانه) لأنه من أهل الالتزام وقد أضافه إلى ما يقبله فيصح (ثم المرأة بالخيار فی مطالبتها زوجها أو وليها) اعتبارا بسائر الكفالات ويرجع الولی إذا أدى على الزوج إن كان بأمره.

وفی الدر المختار (۱٤٠/۳): (وصح ضمان الولی مهرها ولو) المرأة (صغيرة) ولو عاقدا لانه سفير، الخ. (نجم الفتاویٰ: ۲۱۱/۵)

☆ ☆ ☆

(۱) قال العلامة الحصكفی: (وتطالب أيّا شاء ت) من زوجها البالغ أو الولی الضامن. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۳۸۷/۲، مطلب فی ضمان الولی المهر)

مہر کے اقسام
(معجّل، مؤجل اور مطلق)

مہر کی ادائیگی کی شرعاً کیا حیثیت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مہر کی ادائیگی کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ (المستفتی: محمد انس قاسمی، ہردوئی)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

مہر کی ادئیگی معجّل (نقد) ہونے کی صورت میں شوہر پر فی الفور واجب ہے اور موجل (ادھار) ہونے کی صورت میں تاخیر کی گنجائش ہے؛ لیکن اس کا ادا کرنا شوہر پر بہرصورت لازم اور ضروری ہے، حتی کہ مہر ادا کئے بغیر شوہر کے انتقال کر جانے کی صورت میں تجہیز وتکفین کے بعد تقسیم ترکہ سے پہلے اولاً بیوی کا مہر ادا کیا جائے گا۔

ثم عرف المهر فى العناية إسم للمال الذى يجب فى عقد النكاح على الزوج فى مقابلة البضع. (شامی، كتاب النكاح، باب المهر، كراتشي: ۱۰۰/۳، زكريا: ۲۳۰/٤)

موجب النكاح عند الإطلاق لتسليم المهر، أولا عيناً، أو ديناً. (حاشية سعدى، چلپى مع فتح القدير، كوئٹه: ۲٤۹/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۰؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۶۹/۴۰) (فتاویٰ قاسمیہ: ۲۶۷/۱۳)

مہر کی اقسام:

سوال: مہر کے کتنے اقسام شرعی طور پر معروف ومشہور ہیں، مع معانی تحریر فرمائیں؟

(المستفتی: ۲۰۳۴: منشی سید الطاف صاحب، گنٹور، ۱۲؍رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۷؍نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب ــــــــــــــ

مہر معجّل جو بوقت نکاح ادا کر دیا جائے، یا ہر اس وقت ادا کرنے کا اقرار کیا جائے، جس وقت عورت طلب کرے۔

مہر مؤجل جس کی ادائیگی کسی مدت معینہ مبینہ پر محول کی گئی ہو۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۰/۵)

---

(۱) والمهر المعجل أو المؤجل ان بينا فى العقد كله أو بعضه يكون معجلاً أو مؤجلاً فذاک المبين واجب أداءه على ما بين. (جامع الرموز، كتاب النكاح: ٤۲۳/۲، كريميه)

مہر کی اقسام اور ان کی تشریح:

سوال: مہر دو طرح کا ہوتا ہے: (۱) معجّل: جلدی، فوراً (۲) مؤجل: دیر سے، مہلت سے، کیا اس کے علاوہ کوئی اور قسم بھی ہے۔ معجّل عند الطلب، مؤجل عند الطلب کے کیا معنی ہیں اور کون صحیح ہے؟

(المستفتی: ۲۴۲۷، شادانی صاحب، آگرہ، ۲۱ر شوال ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۴ر دسمبر ۱۹۳۸ء)

الجواب

معجّل کے معنی یہ ہیں کہ جس کی ادائیگی فوراً واجب ہو، اس میں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ زوج مجلس عقد میں ادا کردے، یا مجلس عقد کے بعد ادا کردے۔ دوم یہ کہ معجّل ہونے کے بعد عورت اس کو عند الطلب قرار دے دے؛ یعنی زوج ادا نہ کرے اور عورت فوراً طلب نہ کرے؛ بلکہ اس کی طلب کی مؤخر کردے تو یہ قسم حکماً معجّل ہی ہوتی ہے۔(۱) مؤجل کے معنی یہ ہیں کہ ادائیگی مہر کے لیے کوئی اجل؛ یعنی مدت مقرر کردی جائے۔ اس میں مدت معینہ سے پہلے عورت کو مطالبہ کا حق نہیں اور مرد پر مدت معینہ سے پہلے ادائیگی واجب نہیں۔ اس قسم میں مدت کی تعیین مثلاً سال، دو سال، دس سال، یا طلاق، یا موت بطور مدت کے قرار دے سکتے ہیں،(۲) اور مدت کے طور پر جو چیز ذکر کردی جائے گی، اس سے پہلے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ (۳) مؤجل عند الطلب کوئی صحیح قسم نہیں؛ کیوں کہ اجل مجہول ذکر کرنا درست نہیں اور صرف مؤجل کہہ دینا اور اجل کی تعیین نہ کرنا بھی صحیح نہیں، اس صورت میں کہ اجل معلوم و متعین نہ ہو مہر معجّل لازم ہوجاتا ہے۔ (۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۳/۵)

مہر کی اقسام کے معنی وتشریح:

سوال (۱) مہر معجّل کے کیا معنی ہیں اور اس کی تشریح مع حوالہ کتب؟

(۲) مہر مؤجل کے کیا معنی ہیں؟

---

(۱) أن المعجل إذا ذكر في العقد ملكت طلبه. (الفتاویٰ البزازية على هامش الهندية، كتاب النكاح، الثاني عشر في المهر: ۱۳۲/٤، ماجدية)

(۲) لاختلاف لأحد أن تاجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع: ۳۱۸/۱، ماجدية)

(۳) تزوج امرأة على الف إلى سنة فأراد الزوج الدخول بها قبل السنة قبل ان يعطيها شيئًا فإن شرط الزوج الدخول بها في العقد قبل السنة فله ذلك وليس لها المنع عنه بلا خلاف. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، باب المهر: ۱٤٤/۳، سعيد)

(۴) إذا جهل جهالة فاحشة فيجب حالاً. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱٤٤/۳، سعيد)

(۳)　مہر عند الطلب کے کیا معنی ہیں اور اس کی تشریح؟

مہر معجّل عورت فوراً طلب کرسکتی ہے:

(۴)　کیا ہر معجّل کو عورت فوراً طلب کرسکتی ہے اور اپنے نفس کو روک سکتی ہے اور اگر وہ فوراً طلب نہیں کرتی اور رخصت ہوکر شوہر کے یہاں جانے کو تیار ہے تو کیا شوہر بغیر ادائیگی مہر معجّل اس کو نہیں چھوسکتا، اس کا لے جانا کیا خلاف شرع ہے اور کیا اس کا ایسا نکاح مہر معجّل کے ساتھ ہونا از روئے شرع شریف شرعی جرم، یا گناہ ہے؟

کیا شوہر پر عورت کے مطالبہ کے غیر بھی فوراً مہر ادا کرنا لازمی ہے:

(۵)　مہر معجّل کو جیسا کہ عورت فوراً طلب کرسکتی ہے اور اپنے نفس کو روک سکتی ہے، جیسی قدرت اس کو حاصل ہے۔ اسی طرح پر کیا مرد کے ذمہ بھی عورت کے بغیر مطالبہ کے بھی اس مہر کا ادا کردینا فوری لازمی ہے؟ اور کیا فوراً ادائیگی نہ ہونے پر نکاح میں کوئی نقص واقع ہوگا؟ یہ ملحوظ رہے کہ عورت کے مہر معجّل کا کوئی مطالبہ نہیں کررہی ہے؛ بلکہ یہاں کے چند اصحاب اور ایک مولوی صاحب کا خیال ہے کہ یہ مہر معجّل مرد کو فی الفوادا کردینا چاہیے، ورنہ نکاح میں خرابی ہے۔

عورت مہر معجّل طلب نہ کرے تو عند الطلب کے معنی میں ہوجائے گا:

(۶)　اگر عورت اپنے مہر معجّل کو فوراً طلب کرتی ہے تو کیا وہ مہر مذکور عند الطلب کے معنی میں آجائے گا؟

(المستفتی: ۲۴۹۱، حافظ سید شفقت علی صاحب، علی گڑھ، ۱۲؍ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۳؍مئی ۱۹۳۹ء)

الجواب

(۱)　مہر معجّل وہ ہے کہ بوقت عقد فوراً ادا کردیا جائے، یا فوراً ادائیگی کی شرط کرلی جائے۔ (۱)

(۲)　مہر مؤجل وہ ہے کہ اس کی ادائیگی کی کوئی اجل مدت مانی گئی ہو، اگر مدت معین ومعلوم ہو تو تاجیل صحیح، مثلاً: دس ۱۰؍برس میں ادا کیا جائے گا، یا بیس برس میں ایک دفعہ، یا قسط وار۔ (۲)

(۳)　مہر عند الطلب درحقیقت کوئی نئی قسم نہیں ہے؛ بلکہ یہ مہر معجّل میں داخل ہے، جس کے مطالبہ کو فوراً عمل میں لانے سے ذرا ڈھیلا کرکے مطالبہ کرنے تک ملتوی کردیا گیا ہے۔ (۳)

---

(۱)　وإن شرطوا فی العقد تعجیل کل المهر یجعل الکل معجلاً. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع: ۳۱۸/۱، ماجدیة)

(۲)　لا خلاف لأحد أن تاجیل المهر إلی أجل معلومة نحو شهر أو سنة صحیح. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع: ۳۱۸/۱، ماجدیة)

(۳)　ولو شرط علیها أن یدخل قبل ایفاء المعجل صح الشرط. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع: ۳۱۸/۱، ماجدیة)

(۴) مہر معجّل قرار پائے تو عورت فوراً مطالبہ کرسکتی ہے اور اپنے نفس کو روک بھی سکتی ہے اور شوہر جبراً بغیر ادائیگی مہر عورت کو لے جانے کا حق نہیں رکھتا۔(۱) ہاں عورت اپنی خوشی سے خاوند کے ساتھ چلی جائے تو اسے اختیار ہے۔

(۵) اگر مہر معجّل قرار پائے تو شوہر کو لازم ہے کہ فوراً ادا کردے؛ لیکن اگر وہ ادا نہ کرے، یا ادا نہ کرسکتا ہو تو عورت کو یہ حق ہے کہ جب تک مہر وصول نہ کرے، خاوند کو اپنے اوپر قدرت نہ دے؛(۲) لیکن اگر عورت مطالہ نہ کرے اور خود بغیر وصول کئے ہوئے خاوند کے پاس چلی جائے، یا اپنے گھر رہے، دونوں صورتوں میں نکاح کے اندر کوئی نقصان اور خرابی نہیں آتی۔مرد کے ذمہ یہ لازم ہے کہ مہر معجّل فوراً ادا کردے۔عورت مطالبہ کرے، یا نہ کرے، مرد پر ادا کردینا ضروری ہے۔

(۶) ہاں، اگر عورت نے فوراً وصول نہ کرلیا تو گویا وہ عند الطلب جیسا ہوگا، جس وقت بھی چاہے، مطالبہ کرسکتی ہے۔فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۵/۵)

حق مہر کی قسمیں:

جناب مفتی صاحب! مہر کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب

شریعت مقدسہ میں حق مہر کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) مہر مسمی: وہ مہر ہے جو زوجین، یا ان کے وکلاء نکاح کرتے وقت باہمی رضامندی سے مقرر کرتے ہیں۔

(۲) مہر مثل: یہ وہ مہر ہے جو عورت کے خاندان کی دیگر عورتوں مثلاً: سگی بہنوں، پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں کے مہر کے برابر مقرر کیا جائے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل مہر مہر مثل ہے۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي: المهر عند الفقهاء نوعان مهر مسمٰى ومهر مثل، أما المهر المسمٰى فهو ما سمى فى العقد او بعد بالتراضي... أما مهر المثل فقد حد رد الحنفية بانه مهر امرأة تماثل الزوجة وقت العقد من جهة أبيها لا أمها إن لم تكن من قوم إليها كاختها وعمّتها وبنت عمّها فى بلدها وعصرها. (الفقه الاسلامى وأدلّتهٗ: ۲۶۶/۷، رابعًا: أنواع المهر) (فتاوی حقانیہ: ۳۶۸/۴)

مہر عند الطلب کا حکم:

سوال: مفتی صاحب! ایک عورت کے نکاح کے وقت یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ عند الطلب؛ یعنی جب بھی بیوی مطالبہ کرے تو مہر ادا کرنا ضروری ہوگا تو مفتی صاحب اس طرح مہر مقرر کرنا درست ہے۔نیز یہ مہر جب بیوی مانگے تو

(۱) ولها منعه من الوطء ودواعيه ... والسفر بها. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۴۳/۳، سعيد)

(۲) للمرأة أن تمنع نفسها من زوجها لاستيفاء المهر المعجل. (فتاوى النوازل: ۱۲۰/۱، شمس الاسلام حيدر آبادى)

ادا کرنا واجب ہوگا؟ کیا اس کے بعد بیوی ہمبستری سے روک سکتی ہے؟ جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب ـــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) معجّل (۲) مؤجل۔ معجّل وہ مہر، جسے فی الفور ادا کرنا لازم ہو اور مؤجل میں تاخیر ہوتی ہے۔

مہر واجب عند الطلب (یعنی جب بیوی مانگے تب ادا کرنا واجب ہو) یہ الگ سے کوئی مہر کی قسم نہیں؛ بلکہ مہر معجّل ہی کی ایک صورت ہے، فقط بیوی کے مطالبہ کو الفاظ میں بھی شرط قرار دے دیا جاتا ہے، لہٰذا حقیقتاً تو یہ بھی مہر معجّل ہے، فی الفور ادا کر دینا چاہیے، البتہ بیوی کے مطالبے تک تاخیر کی گنجائش ہے؛ لیکن بیوی کے مطالبے کے بعد تو اسے ادا کرنا بہرحال لازم ہے۔

لمافي الهندية (۳۱۸/۱): ولو شرط عليها أن يدخل بها قبل إيفاء المعجل صح الشرط.

وفي الدر المختار (۴۱۳/۳): (ولها منعه من الوطء) دواعيه شرح مجمع (والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما) لأن كل وطأة معقود عليها فتسليم البعض لا يوجب تسليم الباقي (لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه.

وفي الردّ تحته: قوله (فكما شرطا) جواب شرط محذوف تقديره فإن أجل كله أو عجل كله.

(نجم الفتاویٰ: ۲۳۰/۵)

نکاح کے وقت نقد اور اُدھار مہر کا تذکرہ کرنا بھول گیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح پڑھاتے وقت اگر مہر کے اُدھار، یا نقد ادا کرنے کی کوئی بات نکاح پڑھانے والے نے نہیں کہا؛ بلکہ مطلق مہر کی رقم کی مقدار بتایا تو کیا ایسی صورت میں بیوی کو پہلی ملاقات میں ہی مہر کی رقم اَدا کرنا ضروری ہے، یا اُس کے بعد بھی کسی وقت بھی دے سکتے ہیں؟ نیز اگر مہر نقد اَدا کرنے کی بات نکاح پڑھاتے وقت آئی ہو تو اُس کا کیا حکم ہے؟ اگر اِس صورت میں پہلی ملاقات میں بیوی کو مہر ادا نہیں کیا؛ بلکہ کسی بھی وقت دینے کا اِرادہ ہے، تو اس میں کوئی ممانعت تو نہیں ہے؟

باسمه سبحانه وتعالى، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اصل میں مہر بیوی کا حق ہے اور اس کو پہلی فرصت میں اَدا کرنا افضل اور بہتر ہے، حتی کہ اگر نکاح میں مہر پیشگی ادا کرنے کی شرط لگائی گئی ہے تو بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر وصول کئے بغیر شوہر کو اپنے اوپر قدرت نہ دے، البتہ اگر بیوی کی طرف سے نکاح کے وقت یا بعد میں تاخیر کی اجازت ہو جائے تو مہر بعد میں ادا کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

عن سفيان قال: إذا لم يقم بينة فيمينها وتأخذ مهرها، وإذا تزوج الرجل المرأة على مهر مسمى فهو عليه حال كله، ولها أن تأبى حتى يوفيها مهرها. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب النكاح / باب الرجل يتزوج المرأة: ۲۹۷/۶، رقم: ۱۰۹۰۸)

ولها منعه من الوطء، ودواعيه والسفر بها، ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما؛ لأن كل وطأة معقود عليها، فتسليم البعض لايوجب تسليم الباقي لأخذ ما بين تعجيله من المهر كله أو بعضه. (الدر المختار، مطلب في منع الزوجة نفسها، الخ: ٢٩٠/٤، زكريا، كذا في الفتاوىٰ الهندية، الفصل الحادي عشر: ٣١٧/١، البحر الرائق، باب المهر: ٣٠٨/٣، زكريا، خلاصة الفتاوى، الفصل الثاني عشر: ٣٢/٢، لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۴/۱/۱۴۱۸ھ - الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۱۶/۸)

مہر معجّل ومؤجل کسے کہتے ہیں:

سوال (۱) مہر معجّل اور مؤجل کس کو کہتے ہیں، آیا معجّل اور مؤجل کے جو لغوی ہیں، وہی کتب فقہ میں معتبر ہیں، یا فقہا نے اپنی اصطلاح میں کوئی دوسرے معنی لے کر فقہ میں استعمال کیا ہے؟

مہر نصف معجّل ہوا اور نصف مؤجل تو مطالبہ کرنا کیسا ہے:

(۲)　کسی مرد کا نکاح کسی عورت سے ہوا اور اس میں مہر نصف اور نصف موجل قرار پایا اور بعد بیس برس نکاح عورت قبل طلاق اور قبل موت احد الزوجین مطالبہ مہر کا کیا۔ یہ مطالبہ کرنا عورت کا صحیح ہے، یا نہیں؟

جب مہر میں تفصیل نہ ہو تو مطالبہ کا کیا حکم ہے:

(۳)　کسی مرد کا نکاح کسی عورت سے ہوا اور مقدار مہر ذکر کی گئی؛ لیکن معجّل اور موجل کا کچھ تذکرہ نہیں ہوا تو بلا طلاق اور بلا موت احد الزوجین کے عورت کو حق مطالبہ مہر کا حاصل ہے، یا نہیں؟

الجواب

مہر معجّل اور مؤجل کے جو معنی لغوی ہیں وہی اصطلاح فقہا میں ہیں، جو مہر فی الحال دیا گیا، یا فی الحال دینا اس کا قرار پایا، وہ معجّل ہے اور جس مہر کی کچھ مدت ادا کے لیے مقرر کی گئی، یا لاعلی التعیین چھوڑا گیا ہو، وہ موجل ہے اور غیر معین مدت کے لیے مدت موت، یا طلاق ہے، پس اگر نصف مہر معجّل اور نصف مؤجل ہے تو معجّل کا مطالبہ عورت فی الحال کر سکتی ہے، (۱) اور مؤجل غیر معین کا مطالبہ بدون مفارقت کے یعنی بدون طلاق، یا موت کے نہیں ہو سکتا اور تیسرے سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ بلا طلاق، یا موت کے مطالبہ مہر کا نہیں ہو سکتا، کما في العالمكيرية :

"لاخلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى

---

(۱)　(ولها منعه من الوطء) ودواعيه ... (لأخذ مابين تعجيله) من المهر، كله أوبعضه، (أو) أخذ (قدر ما يجعل لمثلها عرفاً)، به يفتى؛ لأن المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل)، أويعجل (كله)، الخ. (الدرالمختار، باب المهر: ٤٩٢/٢-٤٩٣، ظفير)

غاية معلومة فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم: يصح، وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت، الخ. (عالمگيرية) (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۴۹/۸-۲۵۰)

مہر معجّل اور مؤجل کے معنی:

سوال: نکاح میں مہر معجّل اور مؤجل کے کیا معنی ہیں؟ تفصیل کی سخت ضرورت ہے۔

(المستفتی: ۱۴۳۷: امیر زماں خاں صاحب (برابر) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء)

الجواب

مہر معجّل سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی ادائیگی فی الفور لازم ہو اور مؤجل سے یہ مراد ہے کہ ادائیگی کے لیے کوئی مہلت اور میعاد مقرر کر دی جائے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۵/۵)

مہر معجّل اور موجل کی تعریف:

سوال: مہر معجّل یا مہر مؤجل کسے کہا جاتا ہے، اگر مہر کے معجّل، یا موجل ہونے کی تعیین نہ کی جائے تو پھر شوہر پر کس وقت اس کی ادائیگی واجب ہوگی؟

الجواب بعون الملك الوهاب

مهر معجل: اس مہر کو کہا جاتا ہے، جسے فی الفور ادا کرنا قرار پائے۔ مہر معجّل کی جو بھی رقم طے ہو، اس کی ادائیگی سے قبل بیوی شوہر کو ہمبستری سے منع کر سکتی ہے، بہر حال مہر معجّل کا فی الفور ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مهر مؤجل: مہر موجل کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ کوئی خاص مدت متعین کر دی جائے، مثلاً: ۵ر سال بعد مہر دوں گا تو یہ مہر مؤجل کہلائے گا اور اس مدت کے آنے سے قبل بیوی کو مطالبہ مہر کا حق نہیں۔

(۲) دوسری صورت مہر مؤجل کی یہ ہے کہ عقد کے وقت کوئی خاص مدت متعین نہ کی جائے، اس صورت میں بھی مہر مؤجل شمار ہوگا اور اس کی مدت خود ہی فرقت (طلاق، یا موت) شمار ہوگی اور بوقت طلاق، یا میاں بیوی میں سے ایک کی موت کے وقت اس مہر کی ادائیگی لازم ہو جائے گی، البتہ اس صورت میں اگر کچھ رقم فی الفور دینے کا عرف ہو تو وہ رقم فی الفور ادا کرنا ضروری ہوگی، بقیہ رقم موت، یا طلاق پر لازم ہوگی، ہمارا عرف فی الفور ادائیگی کا نہیں۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية مصرى، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الحادى عشر فى منع المرأة نفسها: ۲۹۸/۱، ظفير

(۲) وإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلک ... ولا خلاف لأحد أن تاجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع: ۳۱۸/۱، ماجدية)

لمافی الهندية (٣١٨/١): لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت ألا يرى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم ينصا على غاية معلومة كذا فى المحيط وبالطلاق الرجعى يتعجل الموجل.

وفى الدرالمختار (١٤٤/٣): (ولها منعه من الوطء) دواعيه... (لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى لأن المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية إلا التأجيل لطلاق أو موت فيصح للعرف، بزازية. (نجم الفتاویٰ: ۱۷۰/۵-۱۷۱) ☆

☆ **مہر معجّل اور موجل کی تعریف:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ عقد مسنونہ میں جو بھی مہر زوجین کی طرف سے متعین ہو، اس کی ادائیگی واجب ہے؛ تاہم معجّل اور موجل کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں، عمر کہتا ہے معجّل اور موجل جب زوجین کی طرف سے متعین ہو چکا ہے تو اسی طرح ادائیگی واجب ہوگی، اس کے برخلاف شوہر عاصی کہلائے گا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ شریعتِ محمدیہ میں معجّل اور مؤجل کو کیا حیثیت حاصل ہے؟ معجّل اور موجل کے شرعی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

جو مہر فی الحال دینا قرار پائے، اسے مہر معجّل کہتے ہیں اور جس مہر کو ادا کرنے کے لیے کچھ مدت مقرر کی گئی ہو، یا لاعلی التعیین چھوڑ دیا گیا ہو، وہ مہر مؤجل کہلاتا ہے، مہر معجّل کے مطالبہ کا حق عورت کو علی الفور حاصل ہوتا ہے اور موجل کے متعلق حق مطالبہ مدتِ متعینہ، یا طلاق وموت کے وقت ملتا ہے، اس سے پہلے وہ مطالبہ نہیں کرسکتی؛ لیکن اگر شوہر مہر مؤجل پہلے ہی ادا کردے تو اسے اختیار ہے اور اس پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر زوجہ کی رضامندی سے مہر معجّل کو موجل کردے تو بھی گنہگار نہ ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۴۹/۸)

عن الشعبى أنه كان يقول: فى الآجل من المهر إلى أن يكون طلاق أو موت. (سنن سعيد بن منصور، النكاح، باب التزويج بالعاجل والآجل: ٢١٥/١، رقم: ٨٣٥)

عن الحسن أنه كان يقول: فى الآجل من المهر هو حال إلا أن تكون له مدة معلومة. (المصنف لابن أبى شيبة، النكاح، فى الرجل يتزوج المرأة على صداق عاجل وآجل: ٩٠/٩، رقم: ١٦٤٤١، سنن سعيد بن منصور، النكاح، باب التزويج بالعاجل والآجل: ٢١٥/١، رقم: ٨٣٤)

ولها منعه فى الوطء ...، لأخذ ما بين تعجيله من المهر كله أو بعضه. (الدر المختار: ١٧٣/٣)

وفى الهندية: لاخلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح، وإن كان لا إلى غاية معلومة، فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم: يصح، وهٰذا؛ لان الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق والموت. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الحادى عشر: ٣١٨/١، زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية: ١٩١/٤، رقم: ٥٩٣٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۳/۳/۱۴۱۱ھ۔ (کتاب النوازل: ۳۹۵/۸-۳۹۶) ==

مہرِ معجّل اور مہرِ مؤجل کا رواج:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر مؤجل کی کیا بنیاد ہے؟ اس کی اصطلاح اور رواج کہاں سے آیا؟ کیا دورِ صحابہ میں اس کی کوئی مثال موجود ہے؟ چوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس لفظِ موجل اور غیر معجّل نے مہر کی اِفادیت اور قدر کو بہت گرا دیا ہے؛ بلکہ یہ سمجھئے کہ نہ دینے والا مہر ہے، جس کی ادائیگی یا تو عند الطلاق ہوتی ہے، یا شوہر کی موت پر معاف کرایا جاتا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

مہر کو نقد دینا بہتر اور اَفضل ہے؛ لیکن اگر نقد کا موقع نہ ہو تو بعد میں بھی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، دورِ صحابہ میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ نکاح اور رخصتی کے بعد مہر کی ادائیگی کی گئی۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی اور صحابیہ کا نکاح کرایا اور نکاح کے وقت اُن کا کوئی مہر مقرر نہیں ہوا، پھر اُن صحابی نے اپنے انتقال سے پہلے اپنی بیوی کا مہر اس حصہ سے ادا کیا، جو اُنہیں جہاد سے حاصل ہوا تھا، جس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں بھی دیا جا سکتا ہے؛ لیکن جب بھی وسعت ہو، ضرور ادا کرنا

== **مہر معجّل، مؤجل اور مہر عند الطلب کسے کہتے ہیں:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر موجل کیا اور مہر معجّل کسے کہتے ہیں؟

(۱) مہر معجّل کس وقت ادا کیا جائے اور مہر مؤجل کس وقت ادا کرنا چاہئے؟

(۳) نیز مہر عند الطلب کسے کہتے ہیں؟

(المستفتی: چودھری عبد الباری، محلّہ: اصالت پورہ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱) مہر مؤجل وہ ہے، جو بعد میں ادا کرنا طے پایا ہو اور مہر معجّل وہ ہے، جو فی الحال ادا کرنا طے پایا ہو۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم: ۲۴۹/۸)

(۲) مہر معجّل ہمبستری ہوتے ہی ادا کرنا شوہر پر لازم ہوتا ہے اور مہر مؤجل کے لیے اگر کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا ہے تو موت، یا طلاق کے وقت ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اس سے قبل لازم نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم: ۲۸۵/۸، ۲۷۴/۸)

ولم يذكر الوقت للموجل (إلى قوله) ويقع ذٰلك على وقت وقوع الفرقة بالموت، أو بالطلاق. (الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الحادي عشر، زكريا: ۳۱۸/۱، جديد زكريا: ۳۸٤/۱، الموسوعة الفقهية: ۱٦٦/۳۹)

(۳) مہر عند الطلب جس کے بارے میں یہ طے کر لیا جائے کہ عورت جب مطالبہ کرے گی، اس وقت ادا کرنا ہوگا۔

والذي عليه العادة في مثل هذا التأخير إلى اختيار المطالبة. (شامی، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا: ۲۹۲/٤، كراتشي: ۱٤٥/۳، ٤۹٤/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ (فتویٰ نمبر: الف ۵۸۳/۲۳) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۶۸/۱۳-۶۶۹)

چاہیے، خواہ مخواہ ٹال مٹول کرنے کی اجازت نہیں اور ہمارے یہاں جو یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ مہر صرف طلاق، یا موت پر ادا کیا جاتا ہے، یہ محض جہالت ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ:﴿وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نَحْلَةً﴾(سورة النساء:٤)

عن عقبة بن عامر رضی اللّٰہ عنه أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لرجل: أترضی أن أزوجک فلانة؟ قال: نعم، وقال للمرأة: أترضین أن أزوجک فلانا؟ قالت: نعم، فزوج أحدهما صاحبه، فدخل بها الرجل، ولم یفرض لها صداقًا، ولم یعطها شیئا، وکان ممن شهد الحدیبیة، وکان من شهد الحدیبیة لهم سهم بخیبر، فلما حضرته الوفاة قال: إن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم زوجنی فلانة، ولم أفرض لها صداقا، ولم أعطها شیئا، وإنی أشهدکم أنی أعطیتها من صداقها سهمی بخیبر، فأخذت سهمًا فباعته بمائة ألف. (سنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج ولم یسم صداقًا: ۲۸۸/۱، رقم: ۲۱۱۷) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۱/۴/۱۴۲۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۹۷/۸-۳۹۸)

مہر معجّل و مؤجل میں فرق:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بروقت نکاح جو مہر مقرر کیا جاتا ہے، اس میں مہر معجّل وغیر معجّل؛ یعنی مؤجل میں کیا فرق ہے؟ تفصیل کے ساتھ وضاحت فرمائی جائے۔

(المستفتی: حاجی صداقت حسین، اصالت پورہ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مہر مؤجل اس کو کہا جاتا ہے، جس کو فوری دینے کی شرط نہیں ہے اور اس کو ادھار مہر بھی کہا جاتا ہے اور مہر معجّل اس کو کہتے ہیں، جس مہر کی فوری ادائیگی کا شوہر نے وعدہ کیا ہو، یا عرف میں جتنی مقدار کو علی الفور دینا ضروری سمجھا جاتا ہو اور اگر فوری ادا نہیں کیا ہے تو عورت کے مطالبہ پر فوری ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اور ادا نہ کرنے کی صورت میں عورت کو یہ حق پہونچتا ہے کہ شوہر کے پاس نہ جائے۔

ولها منعه من الوطء ...لأخذ ما بین تعجیله، أو أخذ قدر ما یعجل لمثلها عرفاً. (تنویر الأبصار، کراتشی: ۱۴۳/۳، زکریا: ۲۹۰/۴، ۲۹۱)

فإن کا ن قد شرط تعجیل کله، فلها الامتناع حتی تستوفیه کله. (الموسوعة الفقهیة: ۱۶۶/۳۹)

وإن فرض الصداق موجلاً، أو فرض بعضه موجلاً إلی وقت معلوم، أو إلی أوقات کل جزء منه إلی وقت معلوم صح. (الموسوعة الفقهیة: ۱۶۸/۲۹) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ، ۲۱/صفر المظفر ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۴/۳۸) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۷۱/۱۳)

اگر مہر مؤجل کی میعاد ایسی مجہول ہو کہ اس کی تعیین نہ ہو سکے تو یہ مہر معجّل سمجھا جائے گا:

سوال: زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ تین برس گزرے جب ہوا اور اولاد بھی پیدا ہوئی، اب باہم رنجش ہوئی تو ہندہ کہتی ہے: میرا نصف مہر مؤجل تھا اور نصف غیر مؤجل تھا اور کوئی مدت اور وقت مؤجل کا نہیں بیان کرتی، کہتی ہے کہ ''مجھ کو نصف مؤجل ادا کر دو تو تمہارے پاس رہوں گی، ورنہ نہیں رہوں گی''۔ اب زید نے نالش رخصت کی دائر کی، اس حالت میں قاضی کو کیا حکم دینا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عورت کے موافق حکم دینا چاہیے۔

فی الدر المختار: (ولها منعه من الوطء ودواعيه) (إلى قوله) فكما شرطا لأن الصريح يفوق الدلالة إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالاً، غاية. (۱)

البتہ اگر شوہر ثابت کر دے کہ اُجل معلوم ہے اور وہ اُجل اب تک نہیں آئی تو عورت کے موافق حکم نہ ہوگا، گو اس صورت میں بھی اگر کچھ مہر (۲) مؤجل ہو، اس کے لینے تک عورت تسلیم نفس سے عذر کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم

(تاریخ بالا وحوالہ بالا) (امداد الفتاویٰ: ۲/)

مہر معجّل اولیٰ ہے، یا مؤجل:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بوقت عقد، یا بعد العقد شرعاً وعقلاً مہر معجّل اولیٰ وافضل ہے، یا مہر مؤجل؟ (المستفتی: مظاہر حسین، بلاس پور، رامپور)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب وبالله التوفيق

شرعاً وعقلاً ہر اعتبار سے مہر معجّل افضل اور اولیٰ ہے۔

لأن المعجل خير من المؤجل. (الهداية، كتاب الصلح، باب الصلح في الدين، اشرفی دیوبند: ۳/ ۲۵۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۶ ر صفر المظفر ۱۴۱۷ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۶۴۳)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲/۴/ ۱۴۱۷ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۶۶۸)

مہر ضروری ہے، کوئی نمائشی چیز نہیں:

سوال: مہر کوئی نمائشی چیز ہے، یا نہیں؟ زید نے بوقت نکاح ایک معقول رقم حق مہر معجّل اسٹامپ پر تحریر کر دی،

(۱) الدر المختار، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۳/ ۱۴۴-۱۴۵، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) كذا في الأصل ولعل فيه تحريف والصحيح هكذا، اگر کچھ غیر مؤجل ہو۔ واللہ اعلم (سعید احمد پالنپوری)

بعدازاں طلب پر جواب دیا کہ میں نے مہر نمائشی لکھ دیا تھا، نہ ادائیگی کے لیے، شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب ———————————

مہر کوئی نمائشی چیز نہیں؛ بلکہ شوہر نے جو مقدار مہر معجّل کی مقرر کردی، اس کا ادا کرنا فی الحال ضروری ولازم ہے، عورت ہر وقت وہ مقدار لے سکتی ہے، (۱) اور باوجود استطاعت نہ دینا شوہر کا اس مقدار کو ظلم صریح ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۴۱/۸-۳۴۲)

عورت کو مہر وصول کرنے کا حق ہے، یا نہیں:

سوال: منکوحہ اپنے خاوند سے مہر مقررہ جس وقت چاہے، طلب کرسکتی اور وصول کرسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ———————————

مہر اگر معجّل ہو تو عورت کو ہر وقت اس کے وصول کرنے کا حق ہے اور اگر مؤجل ہو تو طلاق کے بعد مطالبہ کرسکتی ہے۔ (کذا فی کتب الفقه) (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۹/۸)

رخصتی سے قبل لڑکی کے والد کے لیے مہر کا مطالبہ:

سوال: کسی کا عقد ہوا اور ابھی رخصتی نہیں ہوئی ہے، لڑکی کے باپ لڑکے سے دین طلب کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے، یا ناجائز؟

الجواب ——————— وباللّٰہ التوفیق

نصف مہر نکاح کے بعد واجب الادا ہوتا ہے؛ اگر مہر معجّل ہو اور خلوت صحیحہ کے بعد کل مہر اور اگر مہر مؤجل ہو تو طلاق، یا موت کے بعد واجب الادا ہوتا ہے، (۳) صورت مذکورہ میں اگر مہر معجّل ہے تو مہر کا مطالبہ جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۴۶/۹/۲۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴)

---

(۱) وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد. (ردالمحتار، باب المهر: ٤٥٤/٢، ظفير)

ولها منعه من الوطء ودواعيه والسفر بها، الخ، لأخذ ما بين تعجيله من المهر كله أوبعضه. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ٤٩٠/٢، ظفير)

(۲) ولها منعه من الوطء ودواعيه، الخ، لأخذ ما بين تعجيله من المهر كله أوبعضه أوأخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا، به يفتى، الخ، إلا التأجيل لطلاق أوموت. (الدرالمختار)

وفى الخلاصة: وبالطلاق يتعجل المؤجل ولوراجعها لايتأجل. (رد المحتار، باب المهر: ٤٩٣/٢، ظفير)

(۳) (ولها منعه من الوطئ) ودواعيه ... (لأخذ مابين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر مايعجل لمثلها عرفا) به يفتىٰ ... إلا التأجيل لطلاق أوموت. (الدرالمختار: ٣٥٨/٢-٣٥٩)

مہر لینے کے بعد بیوی کو شوہر کے گھر آنا چاہیے، یا نہیں:

سوال: شوہر کی ڈگری زوجیت کی اور زوجہ کی ڈگری مہر معجّل کی ہوئی تو زوجہ مہر لے کر شوہر کے گھر آنا نہیں چاہتی، اس صورت میں مہر دینا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مہر معجّل کا ادا کرنا ضروری ہے اور بعد لینے مہر معجّل کے زوجہ کو شوہر کے گھر آنے سے انکار کرنا جائز نہیں ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۳۵)

ادائے مہر سے قبل وطی کا حکم:

سوال (۱) ایک منکوحہ عورت اپنے شوہر سے مہر معجّل طلب کرتی ہے؛ لیکن شوہر ادا نہیں کرتا تو کیا اب عورت کو اختیار شرعی ہے کہ شوہر کو وطی نہ کرنے دے؟

(۲) لیکن شوہر زبردستی مار کر باندھ کر جوڑ کر وطی کرتا ہے تو کیا یہ جماع جائز ہے، یا ناجائز؟

(۳) اگر زبردستی وطی جائز ہے تو عورت کا مندرجہ بالا حق شرعی بیکار وفضول ہے، عورت کا انکار وطی بھی جائز اور شوہر کا زبردستی وطی؛ یعنی جماع کرنا بھی جائز! دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں؟

(۴) اگر شوہر کا بردستی وطی کرنا جائز بھی ہے اور ظلم بھی ہے تو یہ بھی ضد ہے؛ یعنی جائز بھی اور ظلم بھی۔

(۵) شوہر ہمیشہ زبردستی جماع کرتا رہے گا، جب کہ عورت شوہر کے قبضہ میں ہے، ایسی حالت میں عورت اپنا حق شرعی کیسے محفوظ رکھ سکتی ہے، کوئی راستہ شریعت میں ایسا ہے، یا نہیں؟

(۶) مبلغ دو ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت مہر معجّل عند الطلب اس شرط سے شوہر نے عقد نکاح قبول کیا؛ جب کہ شوہر شرط کو پورا نہیں کرتا؛ یعنی طلب کرنے پر مہر ادا نہیں کرتا تو عقد ٹوٹ گیا، یا نہیں؟ جب کہ معاہدہ پورا نہیں کیا گیا تو اب معاہدہ باقی کیسے رہ سکتا ہے؟ جب کہ مہر سے شرمگاہ حلال ہوتی ہے تو طلب کرنے پر بھی مہر ادا نہیں کیا تو جماع کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

(۸) اگر عورت مندرجہ بالا اپنا حق باقی رکھنے کے لیے اپنے ماں باپ کے یہاں رہے اور خاوند کے بلانے پر بھی نہ جاوے تو شرعاً کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) حق ہے۔

---

(۱) ولها منعه من الوطء لأخذ مابين تعجيله من المهر كله أو بعضه. (الدرالمختار) واللام بمعنى إلى. (ردالمحتار، باب المهر: ۲/۴۹۲-۴۹۳، ظفير)

ولها منعه من الوطء والسفر بها ولوبعد وطء وخلوة رضيتهما لأخذ مابين تعجيله أو قدر ما يعجل بمثلها عرفا إن لم يؤجل كله، الخ''.(التنویر:۲/۵۵۳)(۱)

(۲) یہ جماع تو زنا نہیں؛ لیکن زبردستی کرنا ناحق ہے۔

(۳) عورت کو حق ہے کہ وطی نہ کرنے دے اور مرد کو یہ حق نہیں کہ زبردسی کرے؛ تاہم اگر زبردستی کرے گا تو ناحق زبردستی کی وجہ سے گنہگار رہوگا؛ لیکن اس جماع کو زنا، یا حرام نہیں کہا جاوے گا، جس کی وجہ سے حدزنا کا مستحق ٹھہرے۔

(۴) ایسا کرنا ظلم؛ مگر زنا نہیں۔

(۵) اگر مہر عندالطلب کی قید لگائی ہے اور معجّل کا مطلب یہی ہے تو بوقت طلب اس کی ادائیگی لازم ہے، ادا نہ کرنے سے شوہر گنہگار رہوگا اور عورت کو جماع سے روکنے کا حق حاصل ہوگا، (۲) اور شوہر کو زبردستی جماع کرنے سے گناہ ہوگا، ایسی حالت میں اگر عورت اپنا حق خود وصول کرنے پر قادر نہیں اور نہ شوہر کو جماع سے روک سکتی ہے تو حاکم کے ذریعہ سے اپنا حق وصول کرے۔ (۳)

(۶) عقد تو نہیں ٹوٹا؛ بلکہ بدستور باقی ہے، البتہ عورت کو جماع سے منع کرنے کا حق ضرور حاصل ہے۔ (۴) اگر شوہر میں ایک دم ادائے مہر کی استطاعت نہیں تو قسط وار ادا کردے، عورت کو بھی چاہیے کہ ایک دم وصول کرنے پر اصرار نہ کرے؛ بلکہ کچھ مہلت دے دے اور قسطین مقرر کرلے۔ (۵)

(۷) نکاح کے لیے مہر لازم ہے، اگر زوجہ اس کو معاف کردے تو معاف ہوجاتا ہے، نکاح بغیر ذکر مہر کے بھی

---

(۱) **الدرالمختار، باب المهر، مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر:۳/۱۴۳-۱۴۴،سعید**

(۲) **ولها منعه من الوطء والسفر بها ولوبعد وطی وخلوة رضيتها لأخذ مابين تعجيله أو قدرما يعجل بمثلها عرفا إن لم يؤجل كله، الخ''.(الدرالمختار،كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر:۳/۱۴۳-۱۴۴،سعيد)**

(۳) **قال ابن عابدين:(''قوله: لتحصل عليه ، الخ)إعلم أنهم قالوا: إن للمرأة حق الرجوع على الزوج بالنفقة بعد فرض القاضی، سواء أكلت من مالها او استدانتها بأمر القاضی أو بدونه''.(ردالمحتار،كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فی الامر بالاستدانة على الزوج:۳/۵۹۱،سعيد)**

(۴) **ولها منعه من الوطی والسفر بها ولوبعد وطی وخلوة رضيتها لأخذ مابين تعجيله او قدرما يعجل بمثلها عرفا إن لم يؤجل كله.(الدرالمختار، باب المهر، مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر:۳/۱۴۳-۱۴۴،سعيد)**

(۵) **قال الحصكفی:''إن لم يؤجل أو بعجل كله، فكما شرط؛ لأن الصريح يفوق الدلالة''.(الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فی مبع الزوجة نفسها لقبض المهر:۳/۱۴۴،سعيد)**

''وإن بينوا قدرالمعجل يعجل ذلک، وإن لم يبينوا شيئا ينظر إلى المهر المذكور فی العقد أنه كم يكون المعجل المثل هذه المرأة من مثل هذا المهر؟ فيجعل ذلک معجلا ولا يقدر بالربع ولابالخمس، وإنما ينظر إلى المتعارف، وإن شرطوا فی العقد تعجيل كل المهر، يجعل الكل معجلا ويترک العرف''.(الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح ، الفصل السابع فی المهر، الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها الخ:۱/۳۱۸،رشيديه)

صحیح ہوجاتا ہے، حتی کہ اگر مہر کی نفی کردی جائے؛ تب بھی صحیح ہوجاتا ہے؛ لیکن مہر لازم ہوتا ہے۔ عدم ذکر اور نفی کا کوئی اثر نکاح پر نہیں پڑتا ہے اور نفس نکاح سے جماع حلال ہوجاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت معاہدۂ مہر سے حلال نہیں ہوتی؛ بلکہ نکاح سے حلال ہوتی ہے، نکاح کے لیے مہر لازم ہوتا ہے، جو زوجہ کے معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے، اگر بغیر مہر کے شرم گاہ حلال نہ ہوتی تو ادائے مہر سے قبل جماع قطعاً حرام ہوتا؛ حالانکہ ادائے مہر معجّل سے پہلے عورت کی رضامندی سے بلا تامل جائز ہے اور اگر مہر مؤجل ہے تو بغیر اس کی رضامندی کے بھی جائز ہے۔

ویصح النكاح وإن لم يسم فيه مهراً، لاخلاف في ذلك، لأن النكاح عقد انضمام وازدواج -لغة- فيتم بالزوجين، ثم المهر واجب شرعاً إبانة لشرف المحل، فلا يحتاج إلى ذكره لصحة النكاح، وكذا إذا تزوجها يشرط أن لا مهر لها: أي فيصح النكاح فيما بينهما، الخ". (فتح القدير: ٤٣٤/٢)(١)

صورت مسئلہ میں زوج کے ذمہ مہر کی ادائیگی ضروری ہے اور ادائیگی سے پہلے جماع کا حق نہیں؛ لیکن اگر جماع کرلیا؛ تب بھی یہ زنا نہیں ہوا، جماع حلال ہوا؛ مگر زبردستی کی وجہ سے گنہگار رہوا۔

(۸) ایسی حالت میں بھی وہ نفقہ کی حق دار رہے گی اور ناشزہ ہونے کی وجہ سے نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ (۲) واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۶/۷/۱۳۵۹ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارن پور، یوپی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸۰/۱۲-۸۲)

مہر معجّل طے شدہ اگر شوہر نہ دے تو عورت باپ کے گھر جاسکتی ہے، یا نہیں اور شوہر قید ہوسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور مہر معجّل قرار پایا، باوجود قرار پانے مہر معجّل کے زید مہر ادا نہیں کرتا اور طرح طرح کے بہانے کرتا ہے، اس صورت میں جب تک زید مہر نہ دے قید ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور اگر ہندہ والدین کے گھر چلی جاوے تو کچھ قباحت تو نہیں؟

الجواب

مہر معجّل ہونے کی صورت میں اگر شوہر باوجود غنا کے مہر دینے میں تاخیر کرے، بہ طلب زوجہ حبس ہوسکتا ہے اور درمختار میں فرمایا ہے کہ اگر زوجہ مہر معجّل کے نہ ملنے کی وجہ سے اپنے والدین کے گھر چلی جائے تو نفقہ ساقط نہ ہوگا اور ناشزہ نہیں ہے۔

"أو امتنعت (للمهر أو مرضت في بيت الزوج)، الخ، (لا) نفقة لأحد عشر: مرتدة، الخ، و(خارجة من بيته بغير حق)، الخ.

(۱) فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر: ٣١٦/٣-٣١٧، مصطفى الحلبي البابي مصر

(۲) "قوله: ولو مانعة نفسها للمهر): أي يجب عليه النفقة، ولو كانت المرأة نفسها بحق كالمنع الفبض مهرها، والمراد منه المعجل إما نصا او عرفا". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ٣٠٢/٤، رشيدية)

وفی الشامی: (قوله بغیر حق) ذکر محترزه بقوله بخلاف مالو خرجت، الخ، وکذا هو احتراز عما لو خرجت حتی یدفع لها المهر، الخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۲/۸-۲۶۳)

پندرہ ہزار میں پانچ ہزار معجّل اور بقیہ مؤجل تو کیا کیا جائے:

سوال: ایک کابین نامہ لکھا گیا، جس میں مقدار مہر پندرہ ہزار بہ عبادت ذیل مرقوم ہے، زردین مہر معجّل مبلغ پندرہ ہزار روپیہ قرار پاتے ہیں، من جملہ اس کے پانچ ہزار روپیہ اس وقت بحق مسماۃ از قسم اثاث البیت وزیورات ادا کردیا گیا اور باقی ماندہ مبلغ دس ہزار روپیہ اپنی حیات میں مسماۃ موصوفہ کو ادا کردوں گا، مبلغ دس ہزار روپیہ مذکور شرعاً معجّل کی تعریف میں آئے گا، یا مؤجل ٹھہرے گا؟ اگر مؤجل قرار دیا جائے تو ارشاد ہو کہ مؤجل کے کتنے اقسام ہیں اور یہ صورت کون سی قسم میں داخل ہے اور اپنی حیات میں ادا کردینے کا جو وعدہ ہے، اس کی رو سے عورت اپنے شوہر کس وقت زرمہر مذکور، یعنی دس ہزار روپیہ کے وصول کرنے کی مستحق ہوسکتی ہے؟

الجواب ______________________

شروع عبارت کابین نامہ میں اگرچہ کل مہر کل معجّل قرار دیا تھا؛ مگر بعد میں تفصیل کرنے میں پانچ ہزار کو معجّل اور دس ہزار کو مؤجل قرار دیا گیا ہے، لہٰذا دس ہزار موجل ہوگیا اور مؤجل الی الطلاق، یا الی الموت صحیح ہے۔

درمختار میں ہے: ''إلا التأجیل لطلاق أو موت فیصح للعرف، الخ.

اور شامی میں ہے کہ طلاق سے موجل بھی معجّل ہوجاتا ہے۔

وفی الخلاصة: وبالطلاق ویتعجل المؤجل. (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۷/۸)

مہر معجّل ہو تو لڑکی کا باپ رخصتی سے قبل اسے وصول کرسکتا ہے:

سوال: زید کی لڑکی سے عمر کے لڑکے کا مبلغ دو ہزار روپیہ مہر معجّل پر عقد ہوا، زید کی لڑکی نابالغہ ہے، عمر گیارہ سال ہے، عرصہ سوا برس کا گزر گیا، اب عمر کا لڑکا زید کی لڑکی کو رخصت کرانا چاہتا ہے، زید کہتا ہے: تاوقتیکہ مہر مبلغ دو ہزار روپیہ مہر معجّل ادا نہ کروگے؛ تب تک لڑکی رخصت نہ کروں گا۔ آیا زید کو اپنی لڑکی کے مہر معجّل وصول کرنے کا حق حاصل ہے، یا نہیں؟ اور رخصت کے قبل کس قدر مہر معجّل زید کو لینا چاہیے اور بعد رخصت کے کس قدر اور بلا ادائیگی مہر معجّل نکاح درست ہے، یا نہ؟

الجواب ______________________

زید کو اپنی دختر نابالغہ کے مہر معجّل وصول کرنے کا حق حاصل ہے۔

---

(۱) ردالمحتار، باب النفقة: ۸۸۹/۲، ظفیر

(۲) ردالمحتار، باب المهر: ٤٩٣/١، ظفیر

درمختار میں ہے:

"(ولها منعه من الوطء) ودواعيه ... (والسفربها)...(لأخذ مابين تعجيله)".

وفي الشامي (قوله:ولها منعه،الخ):وكذا لولي الصغيرة المنع المذكور ... (قوله: والسفر) الأولٰى التعبير بالإخراج كما عبر في الكنز، ليعم الاخراج من بيتها،الخ.(۱)

اور جب کہ کل مہر معجّل قرار پایا ہے تو زید کل مہر کا مطالبہ قبل رخصت کرنے لڑکی کے کرسکتا ہے اور نکاح صحیح ہوگیا۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸/۲۶۷)

مہر معجّل اور مؤجل وصول میں ایک ہیں، یا الگ الگ:

سوال: کیا مہر معجّل اور موجل بدہم بستری کے ادائیگی کی صورت میں ایک حکم رکھتے ہیں، یا نہیں؟ یعنی زوجہ دونوں قسم کے مہر کل لے سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

درمختار میں ہے:

"ويتأكد عند وطء أوخلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما"،الخ.(۲)

شامی میں ہے:

"وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد؛ لكن مع احتمال سقوطه بردتها أوتقبيلها ابنه أوتنصيفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه"،الخ.(۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دخول اور وطی سے مہر مؤکد ہوجاتا ہے، احتمال سقوط اور تنصیف کا نہیں رہتا؛ بلکہ پورا مہر شوہر کے ذمہ واجب اور لازم ہوجاتا ہے؛ لیکن مہر معجّل تو عورت فوراً وصول کرسکتی ہے اور شوہر کے ذمہ اس کا ادا کرنا فوراً لازم ہے اور مہر مؤجل کے وصول کا وقت طلاق، یا موت ہے، اس سے پہلے عورت مہر مؤجل وصول نہیں کرسکتی، کما مر۔(۴) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸/۲۷۴)

مہر معجّل میں جب شوہر مفلس ہو تو کیا ہوگا:

سوال: میری زوجہ کو اس کے والدین نے ورغلا کر اپنے گھر روک لیا ہے اور میرے اوپر مہر کا دعویٰ عدالت میں کرادیا ہے اور بوقت نکاح کے میرے سے ایک اسٹامپ اور قاضی کے رجسٹر پر ایک ہزار کا مہر معجّل درج کرالیا تھا اور

---

(۱) ردالمحتار،باب المهر:۲/۴۹۲-۴۹۳،ظفير

(۲) الدرالمختار على هامش ردالمحتار،باب المهر:۱/۴۵۴،ظفير

(۳) ردالمحتار،باب المهر:۲/۴۵۴،ظفير

(۴) "لوكان المهر مؤجلا ليس لها المنع قبل حلول الأجل ولابعده".(ردالمحتار،باب المهر:۱/۴۹۴،ظفير)

میں ایک نوکری پیشہ آدمی ہوں، کوئی کافی جائداد میرے پاس موجود نہیں ہے کہ میں مہر معجّل ادا کروں، عرصہ ڈیڑھ سال سے بے کار ہوں، فاقہ کشی پر نوبت آ گئی ہے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے، کچھ کمی مہر میں ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں پورا مہر شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے اور مہر معجّل کا مطالبہ عورت ہر وقت کرسکتی ہے۔(۱) باقی مفلسی کی وجہ سے وہی احکام جاری ہوں گے، جو مدیون مفلس کے لیے ہوتے ہیں؛ یعنی بعد اس کے کہ احکام کو اس کا مفلس ہوجانا محقق ہوجاوے تو اس کو مہلت دی جاوے گی، یا کوئی قسط ادا کے لیے حسب استطاعت شوہر معین ہوگی۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۲/۸-۲۹۳)

مہر معجّل جو رسمی طور پر مقرر ہوتا ہے، وہ لازم ہے، یا نہیں:

سوال: مہر معجّل ہندوستان میں محض رسمی طور سے مقرر کیا جاتا ہے، نہ کہ مرد کی نیت دینے کی ہوتی ہے اور نہ عورت کی لینے کی نیت ہوتی ہے اس صورت میں مہر لازم ہوتا ہے یا نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کسی وارث نے دعویٰ مہر کا کیا ہے، یا نہیں؟

الجواب

عرب میں دستور اکثر اپنی حیات میں مہر کے ادا کردینے کا تھا اور مہر کی مقدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قدر نہ ہوتی تھی، جس کا تحمل شوہر کو نہ ہو، یا ادا دشوار ہو۔ بہر حال مسئلہ شرعی یہ ہے کہ جو مقدار مہر کی مقرر ہوجاوے، وہ شوہر پر لازم ہوجاتی ہے، دینے کی نیت کا ہونا، یا نہ ہونا، اس پر کچھ اثر نہیں کرتا۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۲/۸-۳۰۳)

مہر معجّل کا مطالبہ لڑکا سے ہوگا، یا اس کے باپ سے:

سوال: خاتون نابالغہ دختر عبدالکریم کا نکاح نذیر احمد پسر بشیر احمد سے بولایت والدین بتقریر مہر مبلغ پانچ سو روپیہ نصف معجّل و نصف مؤجل ہوا تو لڑکی کا باپ مہر معجّل کا مطالبہ شوہر سے کرسکتا ہے، یا اس کے باپ سے؟

الجواب

لڑکا اگر بالغ ہے تو دختر کا باپ شوہر سے مہر معجّل کا مطالبہ کرسکتا ہے اور اگر شوہر نابالغ ہے تو اگر اس کا باپ ضامن ادائے مہر کا ہوگیا ہے تو اس سے مطالبہ مہر کا ہوسکتا ہے، وگرنہ نہیں۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۸/۸-۳۲۹)

---

(۱) (ولها منعه من الوطء) ودواعيه ...(والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما)،الخ (لأخذ مابين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر مايعجل لمثلها عرفا) به يفتىٰ.(الدر المختار على هامش ردالمحتار،باب المهر: ۴۹۲/۲،ظفير)

(۲) تجب العشرة إن سماها أودونها ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر.(الدرالمختار) وأفاد ان المهر وجب بنفس العقد.(ردالمحتار،باب المهر: ۴۵۰/۲،ظفير)

(۳) (وصح ضمان الولى مهرها)الخ، (وتطلب أيّا شاء ت) من زوجها البالغ أوالولى الضامن.(الدرالمختار) (قوله أوالولى الضامن)...وقيد بالضامن لأن الكلام فيه ولأنه لايطالب بلاضمان،الخ، لأن المهر مال يلزمه ذمة الزوج.(ردالمحتار،باب المهر: ۴۹۰/۲-۴۹۱،ظفير)

بعد طلاق مہر موجل بھی معجّل ہوجاتا ہے:

سوال: زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو ساڑھے تین سال سے روٹی کپڑا اور حق پرورش بچہ کا نہیں دیا، نہ حق زوجیت ادا کیا، زید ایک مرتبہ چند مستورات کو اپنی ہمراہ لے کر آیا اور ہندہ پر سخت تشدد کیا، بالآخر لفظ تین طلاق چند آدمیوں کے سامنے کہہ کر چلا گیا تو ہندہ اپنا مہر مؤجل وصول کرسکتی ہے، یا نہیں؟ زید عذر کرتا ہے کہ مہر مؤجل تھا، معجّل نہ تھا، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر دو گواہ عادل طلاق کے موجود ہیں، یا زید کو اس کا اقرار ہے تو ہندہ مطلقہ ثلثہ ہوگئی اور مہر اگر مؤجل تھا تو معجّل ہوگیا، بعد طلاق کے ہندہ اپنے مہر کا مطالبہ زید سے کرسکتی ہے اور زید کے اعذار لغو اور باطل ہیں اور نفقہ گزشتہ زمانہ کا ہندہ کو نہیں مل سکتا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۱/۸)

مہر معجّل کی وصول کے لیے بیوی شوہر کے گھر جانے سے انکار کرسکتی ہے، یا نہیں:

سوال: مسماۃ کا نکاح بالعوض مبلغ ۲۵۰/ سکہ کلدار مہر معجّل زید سے ہوا، تحریری معاہدہ قبل نکاح روبرو گواہان مابین قرار پایا کہ میں ہندہ کو ہندہ کے گھر رکھوں گا اور خود رہوں گا اپنے گھر ہندہ کو لے جاؤں تو ہندہ کو دوسرا نکاح کرنے کا اختیار ہے، میں اس سے دست بردار ہوں گا۔ اب زید ہندہ کو لے جانا چاہتا ہے، ہندہ طالب مہر معجّل ہے تو شرعاً زید کو بغیر ادا کئے مہر معجّل کے ہندہ کے لے جانے کا اختیار ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں ہندہ مہر معجّل کا مطالبہ زید سے کرسکتی ہے اور مہر کی وصولی کے لیے زوج کے گھر جانے انکار کرسکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

(ولها منعه من الوطء) ودواعيه ...(والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما)،الخ (لأخذ مابين تعجيله) من المهر كله أو بعضه. وفي الشامي:(قوله:السفر)الأولٰى التعبير بالإخراج كما عبر في الكنز ليعم الإخراج. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۷/۸-۳۳۸)

رخصتی سے پہلے مطالبہ مہر:

سوال: زید نے بایں شرائط اپنی دختر کا نکاح بکر سے کردیا کہ پانصد کا زیور پارچہ اور ایک ہزار پانصد میں دو دوکانیں مہر میں تحریر کرکے رجسٹری کرادی، نکاح پڑھادیا، اب دختر کو رخصت نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ دو، جب رخصت

(۱) ردالمحتار، باب المهر: ۴۹۲/۲، ظفير

کروں گا، نکاح کو پندرہ ماہ ہوئے۔ کیا زید کی دختر بلا اس کے کہ وہ اپنے والدین کے یہاں سے آتی اور حق زوجیت ادا کرتی، کسی رقم زر دو ہزار بذریعۂ نالش شرعاً حاصل کرنے کی حق دار ہوسکتی ہے؟ زید کی دختر چار پانچ سال تک رخصت ہوکر خاوند کے یہاں نہیں آتی۔ ایسی صورت میں اس قدر مدت گزر جانے پر شرعی طلاق ہوجائے گی، یا نہیں؟

(مولوی حکیم احمد حسن عفی عنہ، پیٹا گورنمنٹ، لاہور دروازہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر مہر معجّل پر نکاح ہوا ہے تو شرعاً عورت کو حق ہے کہ اپنے نفس کو شوہر کے حوالہ نہ کرے، جب تک مہر وصول نہ کرے، اگر کل مہر معجّل ہے تو عورت کو کل مہر کے مطالبہ کا حق حاصل ہے، اگر کچھ معجّل ہے، کچھ مؤجل تو معجّل کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ اگر کل مہر مؤجل ہے تو عورت کو قبل مدت تاجیل مطالبہ کرنا جائز نہیں، اگر وقت نکاح معجّل، یا مؤجل کی کوئی تصریح نہ ہوئی تو عرف کا اعتبار ہوگا۔ اگر کل مؤجل ہوتا ہے تو عورت کو مطالبہ کرنا جائز نہیں۔ اگر کل معجّل ہوتا ہے تو تمام کا مطالبہ جائز ہے، اگر بعض معجّل اور بعض مؤجل ہو تو معجّل کا مطالبہ جائز ہے، نہ کہ مؤجل کا۔

”إذا زوجت المرأة ولها مهر معلوم، كان لها ان تحبس نفسها لاستيفاء المهر، فإن كان فى موضع يعجل البعض ويترک الباقى فى الذمة إلى وقت الطلاق أو الموت كما هو عرف ديارنا كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المعجل، وهو الذى يقال فى الفارسية: دست وپيمان، وليس لها أن تطالب بكل المهر، فإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلک، وإن لم يبينوا شيئا، ينظرإلى المرأة وإلى المهر المذكور فى العقد إن لم يكن المعجل المثل هذه المرأة من مثل هذا المهر، فيعجل ذلک معجلا، ولا يقدر ذلک بالربع وإلا بالخمس وإنما ينظر إلى المتعارف؛ لأن الثابت عرفا كالثابت شرعاً، وإن شرطوا فى العقد تعجيل كل المهر، يعجل الكل معجلا، ويترک العرف“. (فتاویٰ قاضی خان: ۴۳۶/۱)(۱)

۴۔۵/سال خاوند کے گھر نہ جانے سے عورت پر طلاق نہیں ہوتی، جب تک کہ خاوند طلاق نہ دے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۲/۷/۱۳۵۲ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ناظم، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۷/۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸۳/۱۲-۸۴)

رخصتی سے قبل لڑکی کے باپ کو مطالبۂ مہر کا حق:

سوال: زید نکاح شرعاً ہندہ سے ہوا، بروقت نکاح نصف مہر معجّل قرار پایا، ہندہ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی،

(۱) فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ الهندية، فصل فى حبس المرأة نفسها بالمهر: ۳۸۵/۱، رشيدية

(۲) ”وركنه لفظ مخصوص هو ماجعل دلالة على معنى الطلاق من صريح أو كناية“. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۳۰/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

نکاح کے ایک سال کے بعد پدر ہندہ نے رخصتی کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت ہندہ کی عمر بیس سال ہے، ابھی پدر ہندہ نے رخصتی نہیں کی ہے اور نہ شب زفاف کی نوبت آئی ہے، پدر ہندہ اپنی دختر کی رخصتی نہیں کرتا ہے اور کل زرمہر کا طالب ہے، لہٰذا شریعت محمدیہ کی رو سے جواب تحریر ہو کہ ایسی صورت میں کیا پدر ہندہ زرمہر کا مطالبہ قبل رخصی کرسکتا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو کس قدر حصص کا؟ برائے مہربانی جلد جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

صورت مسئولہ میں پدر ہندہ کو کل مہر کے مطالبہ کا حق نہیں، ہندہ کی طرف سے وکیل ہو کر برضامندئ ہندہ کے صرف نصف مہر کا مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ زید کو چاہیے کہ نصف مہر ادا کردے۔ اگر زید کو یہ خیال ہو کہ پدر ہندہ مہر وصول کرنے کے بعد رخصت نہیں کرے گا تو زید کو چاہیے کہ حاکم وقت، یا باعزت اہل محلّہ کے ذریعہ سے پدر ہندہ پر زور ڈالے کہ وہ ہندہ کو رخصت کے لیے اولا تیار کرے، اس کے بعد مقدار معجّل وصول کرے اور پھر جلدی رخصت کردے۔

”**ولها منعه من الوطء مابين تعجيله من المهر كله او بعضه،آه**“۔(الدر المختار)

”**وأشار إلى أن تسليم المهرمقدم، ولوخاف الزوج أن يأخذ الأب المهر ولا يسلم البنت، يؤمر الأب يعجلها مهيأة للتسليم، ثم يقبض المهر،آه**“۔(ردالمحتار: ۲/ ۵٥٤)(۱)

اگر ہندہ مطالبہ پر رضامند نہیں؛ بلکہ بغیر مطالبہ ہی رخصت کے لیے تیار ہو تو پدر ہندہ کو مطالبہ کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمد عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ۱۲/ ۱۳۶۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۸۶)

بیوی سامان لے کر چلی گئی تو کیا مہر ادا ہوا:

سوال: میری بیوی کو اس کا بھائی سکھا کر یکم جولائی ۱۹۶۷ء کو میری عدم موجودگی میں میری اجازت کے بغیر گھر سے لے گیا، یہ دونوں اپنے ہمراہ سولہ سو روپے کے زیورات اور سوا سو روپے کی گھڑی اور پانچ صد روپے نقد لے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب میں بریلی بیوی کو لینے گیا اور سسر وغیرہ سے بھیجنے کی بابت بات ہوئی تو انہوں نے صاف انکار کردیا کہ ان کی نیت ان سب چیزوں کو رکھنے کی تھی اور ساتھ ہی مہر جو کہ معجّل ہے، ان کے وصول کی فکر ہے، جب کہ میری طرف سے نان ونفقہ و دیگر ضروریات زندگی کی کوئی پریشانی نہیں ہے۔

ان حالت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اور اگر بذریعۂ عدالت مہروں کا مطالبہ ہو تو مجھے دینا واجب ہے کہ نہیں، جب کہ مہر کی مقدار آٹھ ہزار روپیہ ہے۔ ادائیگی میری استطاعت سے باہر ہے اور شادی کے بعد سے اب تک میری بیوی نے من مانی کی ہے۔

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۳/ ۱٤۳، سعيد

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مہر معجّل وصول کرنے کا اس کو حق ہے، آپ کا جو جو سامان گھڑی زیور اور نقد اس نے بغیر آپ کی اجازت کے لیا ہے، آپ اس سے واپس لے سکتے ہیں، مہر میں محسوب کر سکتے ہیں، آپ اس کو سمجھا کر نرمی اور محبت سے اپنے مکان پر بلا لیں، حسن اخلاق کا معاملہ کریں تو ان شاء اللہ حالات میں تغیر پیدا ہوگا۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۲/۵/۷ ۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بند نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۲/۵/۷ ۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۰۱-۱۰۲)

مہر میں دیا گیا مکان عورت کی ملکیت ہے، قرض خواہ اس کو نیلام نہیں کر سکتے:

سوال (۱) زید نے اپنا مکان ساڑھے چار سو روپے میں بعوض دین مہر اپنی اہلیہ کو دے دیا اور اس وقت تک وہ قطعی قرض دار نہ تھا۔ ادائیگی مہر کے چار سال بعد مقروض ہو گیا اور قرض خواہوں نے نو سال بعد عدالت میں چارہ جوئی کر کے ڈگری حاصل کر لی اور مکان قرق کر نیلام کرانا چاہتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

مہر مؤجل اور معجّل کی ادائیگی کس طرح کی جاتی ہے:

(۲) زید نے اپنی غیر منقولہ جائیداد اپنی زوجہ کو ساڑھے چار سو روپے کے عوض مہر میں دے دی؛ مگر دراصل جائیداد کی قیمت خرید پانچ سو سینتیس روپے تھی۔ کیا زید ایسا کر سکتا ہے؟

(المستفتی: ۴۰۶: حافظ احمد جگدل پور، ۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۳/ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) جب کہ اس قرض کے وجود سے پہلے وہ مکان اپنی بیوی کو مہر میں دے چکا تو بعد کے قرض خواہ اس مکان کو اپنے قرضہ میں نہیں لے سکتے۔

(۲) معجّل کی ادائیگی فوراً، یا وقت زوجہ طلب کرے، واجب ہے، (۲) اور مؤجل کی مدت معینہ کے بعد اور اگر صرف مؤجل کہا گیا ہو اور مدت معین نہ کی گئی ہو تو وہ بھی معجّل کے حکم یں ہے۔ (۳)

(۳) شوہر کے زندگی میں مہر ادا کرنا چاہیے اور جب رواج بھی یہی ہے تو وجوب ادا اور مؤکد ہو گیا۔ (۴)

---

(۱) إن لم يؤجل او يعجل كله فكما شرط؛ لأن الصريح يفوق الدلالة، إلا إزا جهل الأجل جهالة فاحشة، فيجب حالا،غاية''.(الدرالمختار، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۱۴۴/۳،سعيد)

(۲) إن المعجل إذا ذكر في العقد ملكت طلبه.(البزازية على هامش الهندية،كتاب النكاح: ۱۳۲/۴،ماجدية)

(۳) رجل تزوج امرأة بالف على ان كل الألف مؤجل إن كان التاجيل معلومًا صح التاجيل وإن لم يكن لا يصحّ. (الخانية على هامش الهندية، كتاب النكاح: ۳۸۰/۱،ماجدية)

(۴) وإذ لم يصح التاجيل يؤمر الزوج بتعجيل قدر ما يتعارفه أهل البلدة.(الخانية على هامش الهندية، كتاب النكاح: ۳۸۰/۱،ماجدية)

(۴) اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۱۹/۵)

شوہر کے گھر سے زیورات اور نقدی لے جانے کے بعد مہر معجّل کا مطالبہ کرتی ہے، کیا حکم ہے:

سوال: ہندہ اپنے شوہر کی غیر حاضری میں بغیر اجازت کے نقد مبلغ ڈیڑھ ہزار روپیہ زیورات کپڑے وغیرہ تقریباً پانچ سو روپے کے گھر سے اٹھا کر اپنی نانی کے گھر چلی گئی، جب زید سفر سے آیا اور ہندہ کی مذکورہ بے اعتدالیوں کی جماعت میں فریاد کی۔ اہل جماعت نے دریافت کرنا چاہا تو جماعت کے حکم کو ٹھکرا دیا اور حاضر نہ ہوئی؛ بلکہ مہر کے لیے سرکار میں دعویٰ دائر کر دیا، مہر غیر مؤجل ہے، فی زمانہ یہاں کا رواج یوں ہے کہ مہر غیر مؤجل موت احد الزوجین، یا تفریق بین الزوجین کے وقت مطالبہ کیا جاتا ہے۔ پس ایسی بے اعتدالیوں کے باوجود ہندہ کا اپنے شوہر سے اپنے مہر غیر مؤجل ۶۲۴/روپے کا مطالبہ دراں حالے کہ دونوں کے مابین کسی قسم کی تفریق واقع نہیں ہوئی درست ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۶۴۵، محمد ابراہیم صاحب مدرسہ معدن العلوم، فورٹ وانم باڑی ڈسٹرکٹ نارتھ ارکاٹ، ۲۲/جمادی الاولی ۱۳۵۶ھ، ۳۱/جولائی ۱۹۳۷ء)

الجواب

ہندہ کی یہ بے اعتدالی قابل مواخذہ ہے اور جو نقد وزیور وہ لے گئی ہے، وہ اس سے واپس لیا جائے؛ مگر مہر غیر مؤجل کے معنی تو معجّل کے ہوئے؛ یعنی جس کی ادائیگی فوراً لازم ہو اور غیر معجّل ہو تو اس میں اگر کوئی اجل معین ہو تو اس اجل پر مطالبہ کر سکے گی اور اجل معین نہ ہو تو وہ بھی معجّل کے حکم میں ہوتا ہے،(۱) البتہ اگر وہ مہر سے زیادہ رقم لے جا چکی ہے تو مہر میں محسوب کی جا سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۷/۵)

شوہر مہر معجّل ادا کئے بغیر بیوی کو گھر لے جانے پر مجبور نہیں کر سکتا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۰/ستمبر ۱۹۳۱ء)

سوال: شوہر اور بیوی میں نا اتفاقی رہتی ہے، شوہر کے تشدد سے مجبور ہو کر تنگ آ کر وہ اپنے میکے چلی گئی۔ وہ مطالبہ کرتی ہے کہ تم میرا مہر معجّل ادا کر دو، کیا شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر معجّل ادا کئے بغیر بیوی کو اپنے گھر لے جانے پر مجبور کرے؟

الجواب

اگر مہر معجّل مقرر ہوا تھا تو بیوی کو اس کے مطالبہ کا حق ہے اور جب تک شوہر مہر ادا نہ کرے، وہ اس کے گھر جانے سے انکار کر سکتی ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۴۲/۵)

---

(۱) إن لم يؤجل أو يعجل كله فكما شرط، ولأن الصريح يفرق الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالاً.(الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر،: ١٤٤/٣، سعيد)

(۲) ولها منعه من الوطء ... أو السفر بها ولو بعد وطء لأخذ ما بين تعجيله.(الدر المختار، باب المهر: ١٤٣/٣، سعيد)

مہر ہمبستری سے پہلے دی جائے، یا بعد میں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عورت کے ساتھ ہمبستری ہونے سے پہلے مہر ادا کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ اور ہمبستری ہونے کے بعد مہر ادا کیا تو مہر ادا ہوگا، یہ نہیں؟

(المستفتی: انور میاں، محلّہ: اصالت پورہ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر مہر معجّل مقرر ہوا ہے تو ہمبستری سے پہلے ادا کرنا واجب ہے، یہاں تک کہ مہر ادا نہ کرنے کی صورت میں بیوی کو اختیار ہوگا کہ جب تک مہر ادا نہ کرے شوہر کو اپنے پاس نہ آنے دے۔ نیز ہمبستری کے بعد ادا کرنے سے بھی مہر شرعاً ادا ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم: ۲۴۸/۸)

عن ابن عباس قال: لما تزوج عليٌّ فاطمة، قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعطها شيئًا، قال: ما عندی شیء؟ قال: أين درعک الحطمية. (سنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل يدخل بامرأته قبل أن ينقدها، النسخة الهندية: ۲۸۹/۱، دار السلام، رقم: ۲۱۲۵)

للمرأة منع نفسها من وطء الزوج وإخراجها من بلادها حتى يوفيها مهرها، الخ. (البحر الرائق، کتاب النکاح، باب المهر، کوئٹہ: ۱۷۶/۳، زکریا: ۳۰۸/۳، ردالمحتار، کراتشی: ۱۴۳/۳، مصری: ۴۹۲/٤، الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۷۰/۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۱۲۵۵) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۶۷۵-۶۷۶) ☆

☆ ادائیگی مہر سے قبل بیوی سے ہمبستری کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بغیر مہر ادا کئے بیوی سے ملنا کیسا ہے، اگر چہ بعد میں مہر ادا کرنے کی نیت ہو؟

(۲) اور اگر مہر ادا کرنیکی نیت نہ ہو تو اس صورت میں بیوی سے ملنا کیسا ہے؟ بالتفصیل با حوالہ تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

(المستفتی: محمد وثیق الرحمٰن پورنوی، مقام ایچالہ، پوسٹ: محمدیہ، وایا: قصبہ، پورنیہ، بہار)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱) بغیر مہر ادا کئے بیوی سے ہمبستری کرنا جائز ہے، البتہ بیوی کو مہر کی بنا پر ہمبستری سے شوہر کو منع کرنے کا حق حاصل ہے، اگر مہر معجّل باندھا گیا ہے۔ **ولها منعه من الوطء ودواعيه (إلى قوله) لأخذ مابين تعجيله.** (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر، کراتشی: ۱۴۳/۳، زکریا: ۲۹۰/٤)

(۲) اگر مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہو اور ادا نہ کرے تو اس کا گناہ شوہر پر ہوگا؛ لیکن ہمبستری ناجائز نہ ہوگی؛ کیوں کہ ہمبستری کے جواز کے لیے صرف نکاح شرط ہے اور نکاح ہو چکا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۸؍ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۵۴۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۲/۲/۲۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۶۷۶-۶۷۷)

مہر معجّل سے قبل زفات:

سوال: شوہر اپنی عورت کے ساتھ سہاگ رات منانے جائے اور مہر معاف نہ کرائے تو کیا حکم ہے؛ یعنی بغیر مہر معاف کئے سہاگ رات منا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

بلامہر معاف کرائے بھی اگر ہمبستری کی گئی تو وہ ناجائز نہیں؛ لیکن بیوی کو حق ہے کہ مہر معجّل وصول کرنے سے قبل ہمبستری سے روک دے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۷۸-۷۹)

مہر معجّل چار سال بعد بھی ادا نہیں کیا تو حق زوجیت ہے، یا نہیں:

سوال: ایک عورت کا نکاح مہر معجّل کے ساتھ ہوا، جس کو عرصہ چار سال کا ہوگیا؛ لیکن شوہر نے وہ مہر ادا نہیں کیا۔ عدالت تک نوبت پہونچی، ڈگری بھی مہروں کی ہوگئی لیکن کوئی صورت وصول یابی کی نہیں۔ آیا ایسا شوہر حق زوجیت رکھتا ہے، یا نہیں، جب کہ مہر ادا کرنا نہیں چاہتا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

مہر معجّل کے ادا نہ کرنے سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا اور عورت اس کی زوجیت سے اور نکاح سے خارج نہیں ہوتی؛ لیکن عورت وطی وغیرہ سے انکار کرسکتی ہے اور ساتھ جانے سے بھی انکار کرسکتی ہے۔

"(ولها منعه من الوطء) ودواعيه ... (والسفربها)...(لأخذ مابين تعجيله) من المهر كله أو بعضه، الخ. (ردالمحتار، باب المهر: ۳۵۸)(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۲۴۸)

حكم منع المرأة نفسها عن زوجها بقبض لمعجل والتفصيل فى ذلك:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ خالدہ خانم اپنے شوہر خالد سے قبل وطی؛ یعنی رخصت ہونے سے پہلے کل زرمہر، یا کوئی جزو زرمہر لینے کی عندالشرع مستحق ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

اگر مہر مؤجل ہر دو صورت میں مستحق ہے، یا کیا؟

---

(۱) "ولها منعه من الوطء و دواعيه، شرح مجمع". (الدرالمختار) "ولها منعه حتى بقيض مهرها، وتسلميها نفسها غير صحيح، فله استردادها، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فى منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۱۴۲/۳، سعيد)

(۲) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۹۲/۲-۴۹۳، استنبول، ظفير

الجواب

قال في الدر: (ولها منعه من الوطء ودواعيه) ... (والسفر بها ولو بعد خلوة رضيتهما) ... (لأخذ مابين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى، لأن المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل) أويعجل (كله) فكما شرطا لأن الصريح يفوق الدلالة إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالاً غاية إلا التاجيل لطلاق أو موت فيصح للعرف، بزازية.

قال الشامي عن شرح الجامع لقاضي خان: أنه لوكان المهر مؤجلا ليس لها المنع قبل حلول الاجل ولا بعده وكذا لوكان المؤجل بعضه واستوفت العاجل وكذا لو اجّلته بعد ا لعقد، ثم قال: وعلى قول أبي يوسف لها المنع الى استيفاء الأجل في جميع هذه الفصول إذا لم يكن دخل بها، الخ.

قال في الدر: وعن الثاني لها منعه إن أجّله كله وبه يفتى استحسانا، ولوالجية، آه.

قال الشامي: وهذا كله إذا لم يشترط الدخول قبل حلول الأجل فلو شرطه ورضيت به ليس لها الامتناع إتفاقاً، آه. (۵۸۸/۲)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) کل مہر معجّل ہو، یا بعض معجّل ہو؛ یعنی وقت نکاح کے تصریح کر دی گئی ہو کہ مہر کا کل، یا بعض معجّل ہوگا، اس صورت میں عورت کو قبل رخصت وخلوت کل، یا بعض جو بھی معجّل طے ہوا ہو، طلب کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

(۲) بعض معجّل ہو اور بعض مؤجل ہو تو معجّل کے وصول کے بعد بقیہ کے بھی مطالبہ کا حق عورت کو ہے؛ لیکن اس کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی۔

(۳) کل مؤجل ہو اور اجل طلاق، یا موت ہو تو عرف کی وجہ سے تاجیل مجہول صحیح ہے اور اس صورت میں عورت کو طلب مہر کا تو حق ہے؛ مگر اس کے کسی جزو، یا کل کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی؛ بلکہ اگر شوہر بدون کچھ مہر دیئے اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو اس کو حق امتناع نہ ہوگا، البتہ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مہر کل مؤجل ہو تو عورت کی حق امتناع ہے؛ مگر یہ جب ہے کہ شوہر نے دخول قبل الادا کی شرط نہ کی ہو اور یہ شرط کر لی ہو تو اتفاقاً عورت کو حق امتناع نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل مرد کو اس شرط کی ضرورت نہیں؛ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مہر کل مؤجل ہونے کی صورت میں اگر عورت نے یہ شرط کر لی ہو کہ قبل اداء مہر میں دخول کو منظور نہ کروں گی تو اس کو حق امتناع ہے، ورنہ نہیں؛ کیوں کہ کل مہر کو مؤجل کرنا ہندوستان میں ہے اور اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دخول اداء مہر پر موقوف نہیں والمعروف کالمشروط، پس اگر عورت نے اس امر معلوم عرفاً کی صراحۃً نفی نہیں کی تو گویا وہ بھی دخول قبل ادا پر راضی ہوگئی۔ ہذا واللہ تعالی اعلم

۲۸/ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام: ۳۶۴/۳)

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۱۴۴/۳-۱۴۵، دارالفكر بيروت، انيس

مہر لینے کے لیے عورت اپنے آپ کو روک سکتی ہے، یا نہیں:

سوال: زید نے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا، لڑکی زید کے گھر سے خاوند کے گھر کبھی نہیں گئی اور خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی اور دولہا نے طلاق بھی نہیں دی، اس صورت میں دولہن مہر کے لینے کی غرض سے اپنے آپ کو روک سکتی ہے، یا نہیں؟ اگر خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہو تو مہر کس قدر رہوں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

(ولها منعه من الوطء) ودواعيه، شرح مجمع (والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما) ... (لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه، الخ. (۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر مہر معجّل ہے تو عورت مہر کے لینے کی وجہ سے وطی وغیرہ سے شوہر کو منع کر سکتی ہے اور طلاق قبل وطی وخلوت سے نصف مہر لازم آتا ہے۔ فقط

(اور اگر مہر معجّل (فوری ادائیگی والا) نہ ہو تو شوہر کو وطی سے منع کر سکتی۔ ظفیر) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۴۸/۸) ☆

مہر معجّل میں برضا قدرت دینے کے بعد دوبارہ منع کرنے کا حق نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا ہندہ کے ساتھ پانچ ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت کے عوض نکاح ہوا، مذکورہ مہر معجّل مقرر کیا گیا، ایک صورت یہ ہے کہ شب زفاف میں ہندہ اپنے آپ کو برضا ورغبت بغیر مطالبہ بھی زید کے سپرد کر دیتی ہے، اس شکل میں واقع ہونے والی وطی درست ہے، یا ناجائز؟

---

(۱) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۹۲/۲-۴۹۳، ظفير

☆ **مہر معجّل ادا نہ کرنے پر بیوی کا ہمبستری سے انکار کرنا:**

سوال: نکاح کے وقت مہر معجّل طے کیا گیا، رخصتی کے بعد لڑکی نے مہر کا مطالبہ کیا تو لڑکا آج اور کل پر ٹالتا رہا، اب لڑکی شوہر کو نہ اپنے قریب آنے دیتی ہے اور نہ ہی گھر کے کسی کام کاج کو ہاتھ لگاتی ہے۔ آیا لڑکی کو اس کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اگر حاصل ہے تو کب تک؟ اگر شوہر کچھ رقم ادا کر دے تو کیا اس کے بعد بھی لڑکی کو انکار کا حق حاصل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

جب نکاح کے وقت مہر معجّل طے کیا گیا اور رخصتی کے بعد لڑکی نے مہر کا مطالبہ کیا تو جب تک خاوند پورا مہر ادا نہ کرے لڑکی خاوند کو اپنے اوپر قدرت دینے سے روک سکتی ہے۔

لمافي الشامية (۱۴۳/۳-۱۴۴): قوله (ودواعيه الخ) لم يصرح به في شرح المجمع وإنما قال لها أن تمنعه من الاستمتاع بها فقال في النهر إنه يعم الدواعي ط... (قوله: لأخذ ما بين تعجيله) علة لقوله ولها منعه أو غاية له واللام بمعنى إلى فلو أعطاها المهر إلا درهما واحدا فلها المنع وليس له استرجاع ما قبضت، هندية عن السراج. (نجم الفتاویٰ: ۱۹۴/۵-۱۹۵)

(۲)　دوسری صورت یہ ہے کہ مہر معجّل ہونے کی بنیاد پر ہندہ اپنے اوپر زید کا تصرف ہونے سے روکتی ہے اور پھر مہر معجّل کا مطالبہ کرتی ہے؛ مگر زید قوی ہونے کی وجہ سے جبراً اس پر غلبہ پالیتا ہے اور چار و ناچار وطی واقع ہوجاتی ہے، صورت مذکورہ میں یہ وطی جائز قرار پائے گی، یا ناجائز، یا حرام؟ بحوالہ کتاب نقل فرمائیں۔

(المستفتی: مختار حسین، سہس پور، بجنور)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

درست اور حلال ہے، نیز جب برضا و رغبت شوہر کو وطی پر قدرت دی ہے تو آئندہ وطی سے ممانعت نہیں کرسکتی۔

الخلاف فيما إذا كان الدخول برضاها، الخ. (الهداية، اشرفی دیوبند: ۳۳٤/۲)

وتحته في البناية: فعند أبي حنيفة إذا منعت نفسها بعد الدخول لاتسقط نفقتها؛ لأن المنع بحق وعندهما لانفقه لها، وقال فخر الإسلام البزدوي في شرح الجامع الصغير: كان أبو القاسم الصفاد يفتي في المنع بقول أبي يوسف و محمد، وفي السفر بقول أبي حنيفة وقال: هذا أحسن في الفتيا؛ يعني بعد الدخول لا تمنع نفسها لطلب المهر، فإذا امتنعت لاتسقط نفقتها. (شرح الهداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفيه ديوبند: ۱۸۹/۵-۱۹۰، وهٰكذا في الهندية، زكريا: ۳۱۷/۱، جديد زكريا: ۳۸۳/۱)

البتہ مہر کا مطالبہ ہمیشہ کرسکتی ہے۔

(۲)　اکراہ اور زبردستی کرنا ناجائز ہے، البتہ نفس وطی حلال ہے، حرام نہیں، البتہ عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانے اور آئندہ وطی سے روکنے اور شوہر کے گھر نہ رہنے کا حق رہے گا، مہر وصول ہوجانے کے بعد ہر طرح تابعدار ہوجانا لازم ہے۔

لو أرادت أن تمنع نفسها لإستيفاء المعجل (إلى قوله) **وكذا إذا دخل بها وهي صغيرة، أو مكرهة.** (الفتاوىٰ الهندية، زكريا: ۳۱۷/۱، جديد زكريا: ۳۸۳/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۶؍صفر المظفر ۱۴۰۸ھ (فتویٰ نمبر: الف ۵۰۸/۲۳)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۶/۲/۱۴۰۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۷۷/۱۳-۶۷۸)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں مہر مؤجل تھا:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مہرِ موجل کا کہیں ذکر ہے؟ اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ کون سا مہر درست و افضل ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

افضل یہ ہے کہ کل مہرِ معجّل ادا کیا جائے؛ لیکن اگر بروقت ادائیگی کا موقع نہ ہو تو مؤجل بھی کرسکتے ہیں، چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ ایک تنگ دست صحابی کو آپ نے حکم دیا کہ وہ بلا مہر ادا کئے بیوی کے پاس چلے جائیں، پھر جب

اُن کو وسعت ہوگئی تو اُنہوں نے مہر ادا کیا۔

عن خيثمة بن عبد الرحمٰن أن رجلاً تزوج امرأة و كان معسرًا فأمر نبي الله صلى الله عليه وسلم أن يرفق به فدخل بها ولم ينقدها شيئًا، ثم أيسر بعد ذٰلك فساق. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصداق، باب المرأة ترضى بالدخول بها، الخ: ۴۱۳/۷، رقم: ۱۴۴۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۵/۶/۲۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۹۶/۸)

طلاق دینے کے بعد مہر کی ادائیگی لازم ہوجاتی ہے، البتہ طلاق دینا شوہر کے اختیار میں ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی دختر کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کر دیا اور مہر مبلغ پانچ سو روپیہ مقرر کیا، اب لڑکی کا والد اور لڑکی خود یہ چاہتے ہیں کہ وہ شخص طلاق دے دے؛ لیکن وہ طلاق نہیں دیتا، اس وجہ سے کہ لڑکی مہر مبلغ پانچ سو روپیہ مجھ سے وصول کرے گی، جو کہ غیر معجّل ہے اور نہ اس شخص کے پاس اتنی وسعت ہے کہ مہر ادا کر سکے۔ اب وہ لڑکی اپنے مہر کی مستحق ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ ضروری ہے کہ طلاق دینے کے بعد عورت مطالبہ مہر مؤجل کا ذکر کر سکتی ہے، (۱) باقی طلاق دینے، یا نہ دینے کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی وجہ طلاق دینے کی موجودہ نہیں ہے؛ یعنی شوہر کی طرف سے کچھ کوتاہی نان، نفقہ اور زوجہ کے حقوق ادا کرنے نہیں ہے تو طلاق دینا اس کے ذمہ لازم نہیں ہے، البتہ اگر اس سے زوجہ کے حقوق ادا نہیں ہو سکتے اور اس میں وہ کوتاہی کرتا تو اس کو طلاق دے دینا چاہیے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۵۷/۸)

کیا عورت مہر کا مطالبہ طلاق، یا موت سے پہلے نہیں کر سکتی:

سوال: میاں بیوی میں نا اتفاقی ہوجانے کے باعث میاں بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا، ڈھائی تین برس سے دونوں اپنے اپنے گھر ہیں۔ اب بیوی نے عدالت میں اپنے مہر کا دعویٰ کیا ہے کہ میرا مہر ملنا چاہیے۔ خاوند مہر کے دینے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مہر بعد طلاق، یا موت کے تم لے سکتی ہو، اس سے پہلے نہیں لے سکتیں۔ نکاح نامہ میں لفظ مہر

---

(۱) وَإِنْ كَانَ لَا إِلَى غَايَةٍ مَعْلُومَةٍ فَقَدْ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ قَالَ بَعْضُهُمْ يَصِحُّ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْغَايَةَ مَعْلُومَةٌ فِي نَفْسِهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ أَوْ الْمَوْتُ أَلَا يَرَى أَنَّ تَأْجِيلَ الْبَعْضِ صَحِيحٌ، وَإِنْ لَمْ يَنُصَّا عَلَى غَايَةٍ مَعْلُومَةٍ، كَذَا فِي الْمُحِيطِ. وَبِالطَّلَاقِ الرَّجْعِيِّ يَتَعَجَّلُ الْمُؤَجَّلُ وَلَوْ رَاجَعَهَا لَا يَتَأَجَّلُ، كَذَا أَفْتَى الْإِمَامُ الْأُسْتَاذُ، كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الحادي عشر في منع المرأه نفسها: ۳۱۸/۱، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۲) (الأصح حظره) أي منعه (إلا لحاجة)، الخ، ويجب لوفات الإمساك بالمعروف. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الطلاق: ۵۱۷/۴_۵۷۲، ظفير)

باقی لکھا ہوا ہے۔اس کا یہ مطلب ہے کہ بعد طلاق، یا موت تمہارا حق ہوگا۔ بیوی کہتی ہے کہ مہر باقی کا یہ مطلب ہے کہ عندالطلب جب میں چاہوں لے سکتی ہوں۔میاں بیوی کو نہ رکھنا چاہتا ہے، نہ طلاق دیتا ہے، نہ مہر ادا کرنا چاہتا ہے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے، نکاح نامہ میں مہر مؤجل، یا مہر معجّل یہ دونوں لفظ چھپے ہوئے ہیں، ان دونوں لفظوں کو کاٹ کر ''مہر باقی'' نکاح کے وقت بنایا گیا تھا۔کیا مہر مؤجل، یا مہر باقی کے مفہوم میں فرق ہے؟ عدالت میں مہر باقی کے لفظ پر جھگڑا ہے کہ اس لفظ کی بنا پر عورت مہر کی کب مستحق ہے اور صورت مسئولہ میں شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟

الجواب

اگر نکاح نامہ میں لفظ ''مہر باقی'' لکھا گیا ہے تو یہ لفظ مؤجل کے ہم معنی ہے۔مؤجل کا لفظ شاید اس کے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے، یا تلفظ میں معجّل کے ساتھ ملتبس ہوجانے کی وجہ سے کاٹ دیا گیا ہوگا اور جب مؤجل کہہ دیا، یا باقی لکھ دیا اور اجل بیان نہیں کی تو مہر نقد واجب الادا، یا عندالطلب واجب الادا ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ اجل جب مجہول بجہالۃ فاحشہ ہوتو مہر حالاً یعنی فی الفور واجب ہوجاتا ہے؛ **إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشةً فيجب حالاً غاية**. (كذا فی الدر المختار) (۱) اور جب کہ اجل کا بالکل ذکر ہی نہ کیا جائے تو وہ بھی **مجهول بجهالة فاحشة** ہے، پس مہر فی الفور واجب الادا ہو چکا ہے، عورت جب چاہے، لے سکتی ہے۔موت وطلاق پر واجب الادا ہونے کی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت یہ تصریح کردی جائے کہ مہر طلاق، یا موت پر دیا جائے گا۔یہی مطلب ہے:

''**إلا التاجيل لطلاق أو موت فيصح للعرف، بزازية**''. (الدر المختار) (۲)

یعنی اگر مہر کی مدت ادا یہ مقرر کی جائے کہ طلاق یا موت پر ادا کیا جائے گا تو اگر چہ موت، یا طلاق کا وقت معلوم اور معین نہ ہونے کی وجہ سے یہ تاجیل بھی جائز نہ ہونی چاہیے تھی؛ مگر چوں کہ عرف میں ایسی تاجیل کو تسلیم کر لینا معروف ہے تو اگر نکاح کے وقت زوجہ، یا اس کے اولیا اس تاجیل پر راضی ہوجائیں تو یہ صحیح ودرست ہوگی؛ مگر صورت مرقومہ میں نکاح نامہ میں اس قسم کی تاجیل نہیں ہے، لہٰذا یہ صورت اس حکم کے ماتحت نہیں آتی، اس میں صرف لفظ باقی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مہر مؤجل یعنی باقی ہے اور اجل یعنی مدت ادا کا کوئی ذکر نہیں، لہٰذا یہ صورت ''**إلا إذا جهل الأجل**'' (۳) میں داخل ہے اور عورت سے اپنا مہر وصول کر سکتی ہے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ خاوند کا اس کے ساتھ سلوک بھی اچھا نہیں۔واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۱۰/۵-۱۱۱)

مہر مؤجل ادا کئے بغیر بھی بیوی کو لے جا سکتا ہے اور بیوی کی تکلیف بیان کرنا جرم نہیں:

سوال: زید نے اپنی دختر کی شادی بکر کے ساتھ کردی، اس کی سوتیلی خوشدامن بکر سے کسی وجہ سے ناراض ہے اور زوجہ بکر کو اس کے گھر جانے نہیں دیتی اور زید کو بھی بہکا رکھا ہے۔نکاح بکر کا بہ تقرر مہر مبلغ پانچ صد روپیہ رائج الوقف پر معین

(۱-۳) الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱٤٤/۳، سعيد

ہوا ہے، جو غیر معین ہے، دختر زید وقت نزدیکی کے چین بجبیں ہوتی ہے؛ لیکن بعد نزدیکی کے تکلیف ہونا بتلاتی ہے کہ جس کا اظہار حال علاج ہونے پر زید کو ہوا، اب زید اس بات پر پردہ فاش کرنے کا جرم بکر پر عائد کر کے زوجیت سے قطع تعلق کرانے کا خواہش مند ہے۔ آیا اس صورت میں بکر اپنی زوجہ کو لے جاسکتا ہے اور بکر نے اگر علاج کی غرض سے عورت کا جسمانی حال کہا تو بکر پر کوئی مواخذہ، یا جرم عائد ہوسکتا ہے اور زید اپنی دختر کا مہر فی الحال لے سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

بکر اس صورت میں اپنی زوجہ کو لے جاسکتا ہے اور اس کو حق ہے کہ اپنی زوجہ کو لے جاوے اور مہر جس کی کوئی میعاد بیان نہیں کی گئی، اس کا وقت وصول کا طلاق، یا موت ہوتی ہے، فی الحال اس مہر کا مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ (۱) زوجہ کا بیان کرنا جرم نہیں ہے، بکر اس میں مجرم نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۵۰/۸-۲۵۱)

مہر مؤجل جب چاہے وصول نہیں کر سکتی:

سوال: کیا مہر مؤجل سے یہی مراد ہے کہ زوجہ اپنے شوہر سے بعد خلوت صحیحہ جب چاہے زر مہر وصول کر سکتی ہے اور جب تک یہ دین مہر زوجہ اپنے شوہر سے وصول نہ کرنے کیا شوہر سے علاحدہ رہ سکتی ہے؟

الجواب

یہ حکم مہر معجّل کا ہے کہ عورت جب چاہے وصول کر سکتی ہے، مہر مؤجل کا یہ حکم نہیں ہے، اس کے وصول کرنے کا وقت موت، یا طلاق ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۷۹/۸)

شوہر مہر مؤجل ادا کئے بغیر رخصتی کرا سکتا ہے:

سوال: شوہر بلا ادائے دین مہر مؤجل اپنی زوجہ کو رخصت کرا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

مہر مؤجل میں بے شک شوہر بدون ادائے مہر رخصت کرا سکتا ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۷۹/۸)

---

(۱) ولو قال: نصفه معجل ونصفه مؤجل كما جرت العادة فى ديارنا ولم يذكر الوقت المؤجل اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم: لا يجوز الأجل، ويجب حالاً، وقال بعضهم: يجوز ويقع ذلك على وقت الفرقة بالموت أو بالطلاق وروى عن أبى يوسف مايؤيد هذاالقول، كذا فى البدائع. (الفتاوىٰ الهندية مصرى، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الحادى عشرفى منع المرأة نفسها: ۱۹۸/۱، ظفير)

(۲) لاخلاف لأحد أن تأحيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم: يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أوالموت. (الفتاوىٰ الهندية، نول كشورى، باب المهر: ۳۳۱/۲، ظفير)

(۳) وإذا كان المهر مؤجلا أجلا معلوما قبل الأجل ليس لها أن تمنع نفسها لتستوفى المهر. (الفتاوىٰ الهندية، نول كشورى، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الحادى عشرفى منع المرأة نفسها: ۳۳۰/۲، ظفير)

مہر مؤجل قبل طلاق، یا موت طلب نہیں کرسکتی اور بیوی کو شوہر کے یہاں رہنا ہوگا:

سوال: زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا، ہندہ زید کے گھر آئی جاتی رہی اور زید سے ہندہ کے لڑکی پیدا ہوئی، ہندہ کی والدہ کی خواہش یہ ہے کہ اس کا داماد اس کی لڑکی کو اس کے گھر رکھے اور وہاں خرچ دے۔ زید کہتا ہے کہ میں اپنے گھر رکھوں گا، ہندہ زوج کے گھر آنے سے انکار کرتی ہے، ہندہ یہ عذر شرعی پیش کرتی ہے کہ اگر زید مجھ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے تو اس کو اول میرے مہر ادا کرنے ضروری ہیں، جب تک مہر ادا نہ کرے گا، میں اس کے گھر نہ جاؤں گی، شوہر سے مہر کا مطالبہ کیا گیا، شوہر یہ کہتا ہے کہ میری زوجہ کا مہر معجّل نہیں تھا، رسید نکاح جو میرے پاس ہے، اس میں بلا صراحت لکھا ہے اور وقت نکاح بھی معجّل کی صراحت نہیں کی گئی تھی، اگر مہر معجّل ہوتا تو میں ادا کرنے کا مستحق ہوتا اور برادری میں یہ دستور رہے کہ نکاح کے وقت کوئی مہر نہیں دیتا اور نہ زوجہ قبل طلاق، یا موت مطالبہ کرتی ہے، لہذا مسماۃ ہندہ کا مہر اس وقت واجب الادا نہیں ہے، اس کو مطالبہ کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، البتہ اس وقت وہ مطالبہ کرسکتی ہے کہ میں اس کو طلاق دے دوں، یا میرا انتقال ہو جائے، خلاف طریقہ و دستور برادری اس وقت مطالبہ زوجہ ناجائز ہے اور زوجہ کو میرے ساتھ رہنے میں کوئی حق انکار حاصل نہیں ہے۔ آیا ہندہ کو زید کے یہاں جانا چاہیے، یا نہیں؟ اور کیا وہ قبل طلاق و موت مطالبہ کرسکتی ہے؟ اور زوج کو شرعاً کیا کرنا چاہیے؟ اور زوج کا عذر شرعا معتبر ہے، یا نہیں؟

الجواب

زوج اس بارے میں حق پر ہے، جب کہ مہر معجّل نہیں تو عورت مہر کا مطالبہ موافق عرف کے قبل، یا موت کے نہیں کرسکتی۔ عالمگیریہ میں ہے:

وَإِنْ كَانَ لَا إِلَى غَايَةٍ مَعْلُومَةٍ فَقَدْ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ قَالَ بَعْضُهُمْ يَصِحُّ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْغَايَةَ مَعْلُومَةٌ فِي نَفْسِهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ أَوْ الْمَوْتُ،الخ". (۱)

اور عورت کو اس صورت میں شوہر کے گھر جانے سے انکار کا حق نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۸۵/۸-۲۸۶)

مہر مؤجل کا مطالبہ یا موت سے پہلے نہیں ہوسکتا اور بیوی شوہر کے یہاں رہے:

سوال: زید کا نکاح ۱۵؍ جون ۱۹۱۶ء مسماۃ ہندہ کے ساتھ ہوا تھا، شادی کے بعد ہندہ زید کے گھر آتی جاتی رہی اور زید سے بعد شادی ہندہ کے حمل پڑ گیا اور ۱۵؍ اپریل ۱۹۱۷ء کو یعنی دس ماہ بعد ہندہ کے لڑکی پیدا ہوئی اور اب تک زندہ ہے۔ ہندہ کی والدہ کی خواہش یہ ہے کہ اس کا داماد اس لڑکی کو اس گھر رکھے اور وہاں ہی خرچ دے۔ زید کہتا ہے کہ میں اپنے گھر رکھوں گا، ہندہ اپنی والدہ اور دیگر عزیزان کے بہکانے سے اپنے زوج کے گھر آنے سے انکار کرتی ہے

(۱) الفتاویٰ الهندية،الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها: ۳۱۳/۱، ظفير

اور یہ عذر کرتی ہے کہ وہ اس کے گھر نہیں رہے گی اور نہ زوج کی ماں کے ساتھ رہنے پر رضا مند ہے۔اب ہندہ یہ شرعی عذر پیش کرتی ہے کہ اگر زید مجھ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے تو اس کو اول میرے مہر ادا کرنے ضروری ہیں، جب تک کہ میرے مہر ادا نہ کرے گا، میں اس کے گھر نہ جاؤں گی اور نہ زوج کو شرعاً بلا ادائے دین مہر مجھے میری والدہ کے یہاں سے لے جانے کا کوئی حق حاصل ہے، چوں کہ یہ شرعی مطالبہ زوجہ کا ہے؛ اس لیے شوہر سے اس کا مطالبہ کیا گیا تو شوہر اس شرعی مطالبہ کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ میری زوجہ کا مہر معجّل نہیں تھا، رسید نکاح جو میرے پاس ہے، اس میں بلا صراحت لکھا ہے، یہ امر فی الواقع صحیح ہے، مہر بلا صراحت ہے اور وقت نکاح بھی معجّل کے صراحت نہیں کی گئی تھی، اگر مہر معجّل ہوتا تو میں اس وقت ادا کرنے کا مستحق ہوتا اور نکاح کے وقت بھی تصریح نہیں کی گئی تھی، نیز مسماۃ کے لڑکی پیدا ہو چکی ہے اور اس کی عمر اس وقت تقریباً دو سال ہے، اب اس کو اس مطالبہ کرنے کا کہ بلا ادائے مہر نہیں جا سکتی، کوئی حق حاصل نہیں ہے اور برادری میں یہ دستور ہے کہ بوقت نکاح کوئی مہر نہیں دیتا اور نہ زوجہ قبل طلاق، یا موت مطالبہ کرتی ہے اور زوجین میں اس طرح دینا لینا ہے، لہذا مسماۃ ہندہ کے مہر اس وقت واجب الادا نہیں ہیں، نہ اب اس کو مطالبہ کا کوئی حق حاصل ہے، البتہ اس وقت مطالبہ کر سکتی ہے کہ میں اس کو طلاق دے دوں، یا میرا انتقال ہو جائے، خلاف طریقہ دستور برادری اسوقت مطالبہ زوجہ ناجائز ہے اور زوجہ کو میری ساتھ رہنے میں کوئی حق انکار حاصل نہیں ہے۔اب سوال یہ ہے کہ حسب شرع شریف ہندہ کو زید کے یہاں جانا چاہیے، یا نہیں؟ اور کیا وہ اس صورت مذکورہ بالا میں قبل طلاق و موت مطالبہ کر سکتی ہے اور زوج کو شرعاً کیا کرنا چاہیے اور زوج کا عذر عندالشرع معتبر ہے، یا نہیں؟ جواب معہ حوالہ کتب شرع شریف درج فرما کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں، بینوا توجروا۔

الجواب

عقد نکاح میں مہر ایک لازمی امر ہے، خواہ بوقت ایجاب وقبول زوجین میں تذکرہ مہر نہ کیا گیا ہو، اس شرط کے ساتھ نکاح ہوا ہو کہ مہر نہ دیا جائے گا، تب بھی مہر دینا لازمی ہوگا۔مہر دو قسم کا ہوتا ہے: ایک معجّل اور ایک مؤجل، ہر ایک صورت مہر تصریح بوقت نکاح، یا رواج بلا دیر پر موقوف ہے، مہر معجّل کا مطالبہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زوجہ ہر وقت کر سکتی ہے، اگر چہ پہلے اپنے نفس کو حوالہ زوج کر چکی ہو اور وہ اپنے نفس کو تسلیم سے روکنے کے لیے عدم اداء مہر معجّل کا عذر کر سکتی ہے، صاحبین یعنی امام یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کا اس میں خلاف ہے، یہ دونوں فرماتے ہیں کہ بعد خلوت صحیحہ اور تسلیم نفس کے زوجہ کو مہر معجّل کی عدم ادا کی وجہ سے کف نفس کا حق حاصل نہیں، رہتا یہی قول معتبر ہے۔

مہر مؤجل کا مطالبہ زوجہ قبل اجل نہیں کر سکتی، نہ تسلیم نفس سے منع کر سکتی ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ مہر کی کچھ تصریح نہ ہو، ایسی صورت میں کوئی حصہ مہر؛ یعنی ثلث، یا نصف و ربع و خمس مقرر نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ عرف اور رواج برادری کے موافق اس صورت میں حکم دلایا جائے گا، اگر برادری اور عرف میں ایسی صورت میں مہروں کا کوئی جزو دلایا جاتا ہے

تو اسی قدر دلایا جائے گا، ورنہ نہیں۔ صورت مسئولہ منسلکہ سائل میں یہ امر صاف ہے کہ زوجہ تسلیم نفس کر چکی ہے؛ کیوں کہ اس کی لڑکی موجود ہے اور مہر کی کوئی تصریح نہیں ہے تو اب عورت کو کوئی حق کف نفس کا باقی نہیں رہتا اور اس کو شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار نہ کرنا چاہیے، زوجہ کا یہ عذر کہ میں والدہ زوج کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، شرعاً قابل پذیرائی ہے، وہ والدہ زوج کے ساتھ رہنے پر شرعاً مجبور نہیں کی جائے گی؛ بلکہ زوج ہندہ اپنی زوجہ کو علاحدہ مکان میں رکھے اور وہاں دونوں رہ کر حقوق زوجین باہم ادا کریں، اس وقت عورت کا مطالبہ مہر قابل اعتبار نہیں ہے؛ کیوں کہ سوال میں صاف الفاظ میں کہ مہر کی تصریح نہیں ہے، برادری میں یہ رواج ہے کہ قبل طلاق اور موت مہروں کا لینا دینا نہیں ہوتا، زمانہ حیات زوجین میں نہ کوئی لیتا ہے، نہ کوئی دیتا ہے؛ بلکہ بعد طلاق، یا موت مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس صورت میں خلاف رواج برادری عورت کو کوئی حق مطالبہ مہر کا نہیں ہے اور نہ اس وجہ سے کف نفس کرسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو: ''بہشتی زیور، حصہ چہارم، مطبوعہ کانپور، ص:۱۹، بیان مہر''۔ ہندوستان میں دستور ہے کہ مہر کا لین دین طلاق، یا موت؛ یعنی مرجانے کے بعد ہوتا ہے، جب طلاق مل جاتی ہے؛ تب مہر کا دعویٰ کرتی ہے، یا مرد مر گیا ہو اور کچھ مال چھوڑ گیا ہو تو اس مال میں سے لے لیتی ہے اور اگر عورت مر گئی تو اس کے وارث مہر کے دعویدار ہوتے ہیں اور جب تک میاں بی بی ساتھ رہتے ہیں؛ تب تک نہ کوئی دیتا ہے، نہ وہ مانگتی ہے، ہاں اگر کسی قوم میں یہ دستور نہ ہو تو اس کا یہ حکم نہ ہوگا، البتہ مہر معجّل بوقت نکاح قرار پائیں اور رواج برادری اس کے خلاف ہو تو اس صورت میں رواج برادری بمقابلہ تصریح وقبول شوہر متروک سمجھا جائے گا اور مقبولہ زوجین کو ترجیح دی جائے گی۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ زوجہ کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنا چاہیے، اب انکار کا کوئی حق اس کو حاصل نہیں، مہروں کا مطالبہ وہ بعد طلاق، یا موت کرسکتی ہے، شوہر کو چاہیے کہ زوجہ کو اپنے ساتھ رکھے اور حقوق زن ادا کرتا ہے۔ صورت مسئولہ میں شوہر کا عذر قابل قبول واعتبار ہے اور اس کا عذر عندالشرع معتبر ہے، کما جاء فی کتب الفقہ، ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری، ص:۳۳۸:

”ولو دخل الزوج بها أو خلا بها برضاها فلها أن تمنع نفسها عن السفر بها حتى تستوفي جميع المهر على جواب الكتاب والمعجل في عرف ديارنا عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا: ليس له ذلک، وكان الشيخ الإمام الفقيه الزاهد أبو القاسم الصفار رحمه الله يفتي في السفر بقول أبي حنيفة وفي منع النفس بقولهما ... وان بينوا قدر المعجل بعجل ذلک وإن لم بينوا شيئا ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور في العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فيجعل ذلک معجلا ولا يقدر بالرفع ولا بالخمس وإنما ينظر إلى المتعارف وإن شرطوا في العقد تعجيل كل المهر يجعل الكل معجلا ويترک العرف، كذا في فتاویٰ قاضي خان“. (۱)

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها: ۳۱۷/۱-۳۱۸، دار الفکر بیروت، انیس

البحر الرائق، جلد ثالث، مصری، ص: ۱۹۰، بحث کف:

"ثم قال: وهذا حسن فی الفتيا؛ يعنی بعد الدخول لاتمنع نفسها ولو منعت لانفقة لها". (۱)

زيلعی، جلد ثانی، مصری، ص: ۱۵۵:

قال أبويوسف ومحمد رحمهما الله: إذا دخل بها برضاها أوخلا بها ليس لها أن تمنع نفسها ويترتب عليه استحقاق النفقة لهما أن المعقود عليه قدصار مسلما إليه بالوطأة أو بالخلوة ولهذا يتأكد جميع المهر فلم يبق لها حق الحبس كالبائع إذاسلم المبيع بخلاف ما إذا كانت مكرهة أو صغيرة أو مجنونة وله أنها منعت منه ما قابل البدل لأن كل وطأة تصرف فی البضع المحترم فلا تخلو عن العوض إبانة لخطره". (۲)

مجمع الانہر، جلد اول، مصری، ص: ۳۵۸:

"وللمرأة منع نفسها من الوطء والسفر حتی توفيها قدر مابين تعجيله من مهرها كلا أوبعضا ولهاالسفر والخروج من المنزل أيضا ولها النفقة لومنعت نفسها لذلک وهذا قبل الدخول وكذا بعده) أی بعد الدخول عندالامام لأن المهر مقابل بجميع الوطآت الموجودة فی الملک فاذا سلمت بعض المعقود عليه لايسقط حقها فی حبس الباقی، كماسلم البائع بعض المبيع (خلافا لهما فيما كان الدخول برضاها)وفی الإيضاح أنه قوله الإمام أوّلا؛لأن تسليم المعقود عليه يحصل بالوطأة الاولیٰ فيسقط حق امتناعها،كما يسقط حق البائع فی حبس المبيع بعد تسليمه، قيّد برضاها لأنها لوكانت مكرهة فلها الامتناع اتفاقا". (۳)

فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری، ص: ۳۵۲، بحث حبس نفس:

"إذازوجت المرأة ولها مهر معلوم كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المهر فإن كان فی موضع يعجل البعض ويترک الباقی فی الذمة أی وقت الطلاق أوالموت، كما هوعرف ديارنا كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المعجل وهوالذی يقال فی الفارسية: "دست پيمان" وليس لها أن تطالبه لكل المهر، فإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلک وإن لم يبينو اشيئا ينظر الی المرأة وإلی المهر المذكور فی العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة مثل هذا المهر فيجعل ذلک معجلا ولايقدر ذلک بالربع ولابالخمس وإنما ينظر إلی المتعارف لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا وإن شرطوا فی العقد تعجيل كل المهر يجعل الكل معجلا ويترک العرف".

---

(۱) البحر الرائق، باب المهر: ۱۹۲/۳، دار الكتاب الإسلامی بيروت، انيس

(۲) تبيين الحقائق، باب المهر: ۱۵۵/۲، المطبعة الكبریٰ الأميرية بولاق، انيس

(۳) مجمع الأنهر، فصل هل يجب المهر فی عقد فاسد: ۳۵۸/۱، دار إحياء التراث العربی بيروت، انيس

شامی، جلد ثانی، مصری، ص: ۳۶۸، بحث منع نفس زوجہ:

"(قوله:أو أخذ قدر مايعجل لمثلها عرفا) أى إن لم يبين تعجيله أوتعجيل بعضه فلها المنع لأخذ مايعجل لها منه عرفاً،وفى الصيرفية:الفتوىٰ على اعتبار عرف بلدهما من غير اعتبار الثلث أوالنصف وفى الخانية:يعتبر التعارف لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا". (۱)

تبیین الحقائق جلد ثانی مصری، ص: ۱۵۵، بحث منع نفس:

"اعلم أن المهر مذكور هنا ما تعورف تعجيله حتى لايكون لها أن تحبس نفسها فيما تعورف تأجيليه إلى الميسرة، أوالموت، أوالطلاق، ولوكان حالا؛لأن المتعارف كالمشروط وذلک يختلف باختلاف البلدان والأزمان والأشخاص،هذا إذالم ينصا على التعجيل أوالتأجيل وأما إذا نصاعلى تعجيل المهر أوتأجيله فهو على ماشرطا،حتى كان لها أن تحبس نفسها إلى أن تستوفى كله فيما إذا شرط التعجيل كله، وليس لها أن تحبس نفسها فيما إذاكان كله مؤجلا لأن التصريح أقوى من الدلالة فكان أولىٰ. (۲)فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

کتبہ: بشیر حسین غفرلہ

الجواب صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیو بند، یکم رجب ۱۳۲۷ھ۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۸۶/۸۔۲۹۱)

مہر مؤجل کے وصول کرنے کی مدت:

سوال: مہر مؤجل وصول کرنے کی کیا میعاد ہے؟

الجواب

مہر مؤجل بالطلاق کے بعد، یا موت کے بعد ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

ويقع ذلک على وقت وقوع الفرقة بالموت أوبالطلاق وروى عن أبى يوسف مايؤيد هذا القول، كذافى البدائع. (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۰۶/۸)

مہر مؤجل قرار پایا، اب لڑکی کا باپ معجّل کا دعویٰ کرتا ہے، کیا حکم ہے:

سوال: ہندہ کا نکاح زید سے ہوا اور مہر مؤجل قرار پایا؛ لیکن یا تو قاضی کی غلطی سے، یا ہندہ کے باپ کی سازش سے رجسٹر قاضی میں لفظ مؤجل تحریر نہیں ہوا، ہندہ لا ولد ہے اور اس کا باپ بہت مقروض ہے، اس نے ہندہ کو اپنے قبضہ میں کر کے ہندہ کے نصف دین کا دعویٰ عدالت میں کر دیا، اس صورت میں مہر مؤجل کا اعتبار رہے، یا کیا، جب کہ عرف

---

(۱) ردالمحتار، مطلب فى منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۱۴۴/۳، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) تبيين الحقائق، باب المهر: ۱۵۵/۲-۱۵۶، المطبعة الكبرى الأميرية بولاق، انيس

(۳) الفتاوىٰ الهندية، نول كشورى: ۳۳۱/۲، ظفير

یہاں کا یہ ہے کہ اگر دین مہر بلاصراحت ہوتا ہے تو تا قیام نکاح وتا حیات زوجین زوجہ کو کسی جزو کے ملنے کا رواج نہیں ہے۔ ہندہ کا باپ کہتا ہے کہ رواج کا وجود اس وقت معلوم ہوسکتا ہے کہ عدالت میں کوئی مقدمہ گیا ہو اور نا کامی ہوئی ہو اور بلا عدالت کی تجویز کے رواج کا پتہ نہیں چل سکتا؟

الجواب

اعتبار اسی کا ہے، جو کچھ در بارہ مہر قرار پایا تھا، پس جب کہ مہر موجل قرار پایا تھا تو مؤجل ہی لازم ہے اور مہر مؤجل کا مطالبہ بعد طلاق، یا موت کے ہوسکتا ہے، عرف یہی ہے۔ (کذافی العالمگیریہ) (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۱/۸)

مہر مؤجل ثابت ہوجائے تو یہ کس وقت پانے کی عورت مستحق ہوگی:

سوال: اگر مدعیہ کی طرف سے اس کے دعویٰ کے موافق مہر کا بلاصراحت مقرر ہونا ثابت نہ ہوسکے اور زید ہی کا قول کہ مہر مؤجل پایا تھا، تسلیم کرلیا جائے تو ہندہ کس وقت مہر پانے کی مستحق ہے؟

الجواب

اگر مہر کے معجّل ومؤجل ہونے کی کچھ تصریح نہ ہو اور عورت کا دعوی عدم تصریح کا ثابت ہوجاوے تو عرف کے موافق حکم ہوگا اور جب کہ مدار عرف پر اور رواج پر ہے تو عرف ورواج وہاں کا دیکھنا چاہیے کہ عام طور سے جب کہ مہر مطلق ہو اور کچھ تصریح نہ ہو، کس وقت مہر دیا جاتا ہے۔ (۲)

(یعنی معتبر اس مہر میں جس میں کچھ تصریح نہ ہو، عرف ورواج اس کا شہر کا ہے۔ اب اگر وہاں کا عرف مؤجل ہے تو طلاق یا موت کے بعد مطالبہ کا حق ہے، پہلے نہیں۔ ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۳/۸)

عورت مہر مؤجل زندگی میں وصول کرسکتی ہے، یا نہیں:

سوال: زید چوبیس سال سے اپنی زوجہ ہندہ کو نان ونفقہ نہیں دیتا، مہر مقررہ مبلغ پانچ ہزار روپیہ جس میں سے دو ثلث مؤجل اور ایک ثلث معجّل ہے، اس میں سے مہر معجّل تو بتدریج وصول ہوگیا، اب مہر مؤجل زید کے ذمہ باقی ہے، زید اس کی ادائیگی سے پہلو تہی کرتا ہے، زید کے کوئی جائداد بھی ایسی نہیں ہے، جو بعد وفات وصول کی امید ہو۔ اب ہندہ مہر مؤجل وصول کرسکتی ہے، یا نہیں؟

---

(۱) لاخلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة، الخ، وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت. (الفتاویٰ الهندية، باب المهر: ۲۹۸/۱، ظفير)

(۲) قال فى فتح القدير: بل المعتبر فى المسكوت العرف، الخ. (۹۱/۲) (فتح القدير، باب المهر: ۳۷۰/۳، دار الفكر بيروت، انبيس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

مہر مؤجل کے وصول کا وقت فقہا نے موت، یا طلاق لکھی ہے؛ یعنی جب کہ مہر مؤجل کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا تو بوقت فرقت وصول ہوسکتا ہے، خواہ فرقت طلاق سے ہو، یا موت سے۔

قال فی العالمكيرية: لاخلاف لأحد أن تاجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة، فقد اختلف للمشايخ فيه، قال بعضهم: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة فی نفسها وهو الطلاق أو الموت، الخ، كذا فی المحيط. (عالمكيرية) (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۱۹/۸)

جو مہر مؤجل ہے، اس میں سے کچھ معجّل ہوسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: ہندہ کا عقد زید کے ساتھ بمعاوضہ زر مہر ۱/روپیہ لہہ ۲۱/اشرفی پانچ دینار کے منعقد ہوا، یہ کل مہر سیاہہ نکاح میں بلحاظ مہر مؤجل لکھا ہے، متناکحین حی وقائم ہیں اور ہنوز نکاح بھی قائم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مہر مذکورہ بالا کا کوئی جزو مہر معجّل ہوسکتا ہے، اگر ہوسکتا ہے تو اس کی مقدار کیا ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

جب کہ تمام مہر مؤجل قرار پایا ہے تو اس کی کوئی مقدار معجّل نہیں ہوسکتی اور فی الحال مطالبہ کسی جزو کا نہیں ہوسکتا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۱۹/۸-۳۲۰)

مہر مؤجل کے مطالبہ کا حق:

سوال: باکرہ کے والدین باکرہ کی طرف سے مہر حاصل کرنے کے طالب ہیں، وہ بھی از روئے عدالت مجاز تو کیا اس مطالبہ کی بنا پر بکر کے ذمہ باکرہ کے والدین کو دینا از روئے شرع جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر بکر اپنی رضامندی سے نہیں؛ بلکہ غیر شرعی امور کے تحت باکرہ، یا اس کے والدین کی طلبی پر از روئے عدالت مجاز طلاق دے تو کیا اس کا تعلق باکرہ سے ہمیشہ کے لیے مانند طلاق بائن منقطع ہوجائے گا، یا نہیں؟ اور کیا باکرہ بعد عدت کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے؟ براہ کرم حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔ (سید کلیم الطاب نوگاؤں بی کے ڈی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اگر مہر مؤجل تھا (جس کا مطالبہ طلاق، تفریق، موت پر کیا جاتا ہے) تو ابھی شوہر کے ذمہ اس کا ادا کرنا لازم نہیں،

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، مصری، كتاب النكاح، الباب السابع: ۲۹۸/۱، ظفير

(۲) وإن كان لا إلى غاية معلومة، قال بعضهم: يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة فی نفسها وهو الطلاق أو الموت. (عالمگيری، كشوری: ۳۳۱/۲، ظفير)

عدالت میں اس کا دعویٰ کرنا بھی غلط ہے۔ اگر مہر معجّل تھا؛ یعنی جب بیوی طلب کرے تو بیوی کو بلا عدالت کے بھی اس کے طلب کرنے کا حق ہے اور اس کی طرف سے اس کے والدین کو بھی مطالبہ کا حق ہے۔

"لأبی الصغیرة المطالبة بالمهر، آه". (الدر المختار)

"والصغیرة غیر قید، ففی الهندیة: للأب والجد والقاضی قبض صداق البکر صغیرة کانت أو کبیرة، إلا إذا نهته وهی بالغة، صح النهی، آه". (شامی)(۱)

"لا خلاف لأحد أن تأجیل المهر إلی غایة معلومة، فقد اختلف المشایخ فیه، قال بعضهم: یصح وهو الصحیح، وهذا لان الغایة معلومة فی نفسها وهو الطلاق أو الموت، آه". (الهندیة)(۲)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفر لہ، دار العلوم دیو بند، ۷/۳/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۸۵)

عورت مہر مؤجل کا مطالبہ کب کرسکتی ہے:

سوال: کیا فاطمہ اپنے مہر مؤجل کو معجّل طریقے پر زید سے طلب کرنے کا حق رکھتی ہے، جب کہ زید کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی اور فاطمہ اپنے خیال میں سمجھ رہی ہے کہ میں مطلقہ ہو چکی ہوں۔

(المستفتی: ۲۹۴، سعید الدین صاحب۔ ۱۴/صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۹/مئی ۱۹۳۴ء)

الجواب

مہر مؤجل جو بغیر تعیین مدت کے ہو، معجّل کے حکم میں ہو جاتا ہے؛ اس لیے زوجہ اپنے ایسے مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے، جو صرف مؤجل بلا تعیین مدت کے لکھا گیا ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۵/۱۱۷)

کیا عورت شوہر کو مہر مؤجل میں وقت سے پہلے ادائیگی پر مجبور کرسکتی ہے:

سوال: اگر مہر مؤجل ہے تو شوہر اپنی آسودگی کے زمانے میں مہر اپنی زوجہ کو اپنی مرضی سے ادا کرسکتا ہے، یا مہر مؤجل کی صورت میں بھی مؤجل ہر وقت اپنے شوہر کو مہر کی ادائیگی میں اپنی خواہش کے مطابق مجبور کرسکتی ہے۔

(المستفتی: ۳۲۵، مرزا برکت اللہ بیگ (بارہ بنکی) ۵/ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۸/جون ۱۹۳۴ء)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب: لأبی الصغیرة المطالبة بالمهر: ۳/۱۶۱، سعید

(۲) الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، باب المهر، الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمهرها والتأجیل فی المهر: ۱/۳۱۸، رشیدیة)

(۳) إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فیجب حالاً. (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر: ۳/۱۴۴، سعید)

الجواب

مہر مؤجل میں اگر مدت معینہ بیان کی گئی ہو تو اس مدت سے قبل زوجہ مہر کا مطالبہ نہیں کرسکتی؛ لیکن اگر مدت مذکور نہ ہو تو کرسکتی ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۱۷/۵)

کیا بیوی طلاق، یا شوہر کے مرنے سے پہلے مہر مؤجل کا مطالبہ کرسکتی ہے:

سوال: مہر مؤجل کو بیوی قبل طلاق، یا بلا فوت خاوند کے بھی طلب کرسکتی ہے، یا نہیں؟ اور مہر معجّل کا کیا حکم ہے؟ اور اس میں یہ شرط عند الطلب کیا چیز ہے؟

(المستفتی: ۱۰۳۹، حافظ رحیم بخش صاحب، متھرا، ۱۵/ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ، ۵/جولائی ۱۹۳۸ء)

الجواب

مہر معجّل اور عند الطلب دونوں کا مطلب یہ ہے کہ عورت ہر وقت طلب اور وصول کرنے کا اختیار رکھتی ہے،(۲) اور مہر مؤجل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مدت ادا معین کردی جائے، اس وقت مانگ سکے اور جس مہر مؤجل میں کوئی مدت معین نہ کی جائے، صرف یہ کہہ دیا جائے کہ مؤجل ہے تو وہ بھی حکماً معجّل ہو جاتا ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۳/۵)

عورت مہر مؤجل کا مطالبہ کب کرسکتی ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۵/ستمبر ۱۹۳۴ء)

سوال: ایک عورت کا مہر مؤجل ہے، اس کو اس مہر مؤجل کے مطالبہ کا کن کن حالتوں میں حق ہے؟

الجواب

مہر مؤجل میں اگر اجل معین کردی گئی ہے، مثلاً: دس برس، بیس برس، یا یہ کہہ دیا گیا ہو کہ موت، یا طلاق کے بعد حق مطالبہ ہوگا تو اس صورت میں تو تصریح کے موافق عمل ہوگا،(۴) اور اگر یہ تصریح نہیں کی گئی تو صرف مہر مؤجل کہہ دیا گیا، یا لکھ دیا گیا تو مؤجل بھی معجّل کے حکم میں ہے اور عورت کو ہر وقت مطالبہ کا حق ہے۔(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۴۲/۵)

---

(۱) وإن لم يؤجل أو يعجل كله فكما شرط.(الدر المختار) وفي الرد: (قوله: فكما شرط) جواب شرط محذوف تقديره فإن أجل كله أو عجل كله.(رد المحتار، كتاب النكاح: ۱٤٤/۳، سعيد)

(۲) أن المعجل إذا ذكر في العقد ملكت طلبه.(البزازية على هامش الهندية، كتاب النكاح: ۱۳۲/٤، ماجدية)

(۳) إن لم يؤجل أو يعجل كله فكما شرط، لأن الصريح يفوق الدلالة الا إذا جهل الأجل جهالة فاحشةً فيجب حاله (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱٤٤/۳، سعيد)

(۴) لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح.(الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح: ۳۱۸/۱، ماجدية)

(۵) إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالاً.(الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱٤٤/۳، سعيد)

تحقیق مہر مؤجل بالموت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں بابت کہ مسمیٰ زید کا نکاح پانچ چھ سال ہوئے مسماۃ ہندہ کے ساتھ بعوض دو ہزار پانچ سو دین مہر مؤجل ہوا تھا، مہر کا کوئی جز و پیشگی ادا ہونا بروقت نکاح نہیں قرار پایا تھا، بعد نکاح زوجہ ہمیشہ اپنے شوہر کے پاس رہی اور اس کے دو تین بچے پیدا ہوئے، جو فوت ہو گئے، اب زوجہ بوجہ رنجش باہمی اپنے والدین کے یہاں بلا رضا مندی اپنے شوہر کے چلی گئی ہے اور اپنے عزیزوں کے اغوا سے اپنا کل زر مہر طلب کرتی ہے اور شوہر کے یہاں آنے سے انکار ہے درآں حالے کہ شوہر اس کے بلانے پر رضا منداور اصراری ہے، اب تک کسی قسم کی طلاق وغیرہ بھی نہیں ہوئی ہے، ایسی صورت میں زوجہ کا زر مہر طلب کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، یا نہیں؟ اور مسماۃ کو استحقاق وصولی زر مہر کا موجودہ صورت میں حاصل ہے، یا نہیں؟ زید کی برادری کا رواج مہر مؤجل ہی کا ہے اور آج تک کسی مسماۃ کو قبل طلاق شوہر کی حیات میں مہر نہیں ادا کیا گیا اور نہ کسی نے طلب کیا اور نہ ایسا رواج ہے، البتہ بعد طلاق، یا بعد وفات شوہر مہر کے لین دین کا رواج ہے۔

الجواب

مؤجل وہ ہے، جس میں تاجیل شرط ہو اور جس میں کوئی شرط نہ ہو، وہ معجّل ہے، گو تعجیل شرط نہ ہو، پس اگر یہ شرط ٹھہر اکہ پہلے ہی لیں گے، وہ معجّل ہی ہوگا، غالباً سائل نے جیسا کہ طرز عبارت سے معلوم ہوتا ہے، تعجیل کی شرط نہ ٹھہرانے سے مہر کو مؤجل سمجھ لیا ہے، سو یہ صحیح نہیں ہے اور فقہا نے جو تاجیل بالطلاق والموت کا جائز کہا ہے، معنی اس کے یہی ہیں کہ اس طرح تاجیل کی شرط ٹھہر جاوے اور اگر شبہ ہو کہ واقعی تاجیل شرط ہی سے ہوتی ہے؛ مگر عرف بمنزلہ شرط ہی کے ہے اور سوال میں تصریح ہے کہ ہندہ کا فعل رواج ہے، پس عرف سے مؤجل بالطلاق والموت ہو جانا چاہیے، جیسا شرط سے ہوتا، جواب یہ کہ اس کا عرف علی الاطلاق ہونا غیر مسلم ہے، یہ عرف اسی وقت تک ہے، جب تک کہ باہم موافقت رہے، ورنہ رنجش میں مطالبہ کا بھی عرف ہے، پس میرے نزدیک شرعاً ہندہ کو استحقاق مطالبہ مہر کا حاصل ہے۔

۱۹/رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۵۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/۳۰۷-۳۰۸)

مہر مؤجل کے مطالبہ میں عرف کا اعتبار ہوگا:

سوال: بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ بوقت عقد نکاح ایجاب وقبول کرانے والا (قاضی) ناکح سے کہتا ہے کہ میں نے فلانی عورت کا اس قدر مہر پر تجھ سے نکاح کر دیا، یا تیرے نکاح میں دے دیا اور ناکح کہتا ہے کہ قبول کیا۔ اس وقت نہ موجب ناکح سے مہر طلب کرتا ہے، نہ منکوحہ ناکح کے گھر جانے کے وقت اس سے مہر طلب کرتی ہے؛ بلکہ خاموش چلی جاتی ہے، اکثر عورتیں تو طلاق کے خوف سے مہر زوج کے ذمہ ہی چھوڑے رکھتی ہیں۔ کیا یہ مہر مؤجل ہوگا،

یا معجّل؟ اور اگر مؤجل ہے تو اس کے مطالبہ کا وقت کب ہے، کیوں وقت کو متعین نہیں ہے؟

الجواب

مہر عوض منافع بضع ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

عرف المهر في العناية بأنه إسم للمال الذي يجب في عقدالنكاح على الزوج في مقابلة البضع إما بالتسمية أو بالعقد، انتهىٰ. (۱)

اور اس کے طلب کا وقت، وقت عقد ہے، یا وقت تسلیم بضع، باوجود اس کے فقط تسمیۂ مہر پر ایجاب وقبول، یا بوقت تسلیم بضع (جب کہ منکوحہ ناکح کے گھر جاتی ہے) مہر طلب نہ کرے تو وہ مہر مؤجل سمجھا جائے گا، چوں کہ اس مہر کے مطالبہ کا وقت محدود و متعین نہیں ہوا ہے؛ اس لیے عرف پر عمل ہوگا اور وہ سائل کے قول کے مطابق وقتِ طلاق، یا موت احدالزوجین ہے اور یہ عرف شرع میں معتبر ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

وفي الخانية: يعتبر التعارف لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا. (۲)

اور فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

" لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: يصح، وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت ألا يرى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم ينصا على غاية معلومة، كذا في المحيط". (۳) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ۔ الجواب صحیح: محمد عبدالجبار عفی عنہ۔

الجواب صحیح: عبدالقادر بادشاہ، الجواب صحیح: شیخ آدم عفی عنہ۔ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۳۴-۱۳۵)

مہر کی ادائیگی کے لیے کسی مدت کا مقرر کرنا صحیح ہے اور مدت گزرنے پر مہر ادا کرنا لازم ہے:

سوال: زید نے بوقت عقد نکاح تین مہینے میں مہر ادا کرنے کا وعدہ کرے، ہندہ سے نکاح کیا۔ نکاح کے بعد عورت کو تین ماہ اپنے گھر پر رکھا؛ مگر مہر نہیں دیا۔ اس کے بعد اپنی زوجہ کو بلا نفقہ اس کے میکے میں رکھے چھوڑے رکھا۔ بعد ازاں اہل پنچایت کے فیصلہ پر فی ماہ پانچ روپے دینا قبول کیا؛ لیکن اب تک تین مہینے گزر گئے ہیں، نہ مہر دیا، نہ نفقہ کی رقم آئی۔ زید پر اس کے اپنے وعدہ اور اقرار کے مطابق مہر اور نفقہ دینا لازم ہوگا، یا نہیں؟

(۱) ردالمحتار، باب المهر: ۱۰۰/۳-۱۰۱، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) ردالمحتار، مطلب فيب منع الزوجة: ۱۴۴/۳، دارالفكر بيروت، انيس

(۳) الفتاویٰ الهندية، الفصل الحادي عشر في منع المرأة نفسها بمهرها والتأجيل في المهر: ۳۱۸/۱، دار الفكر بيروت، انيس

الجواب

هو المصوب: لازم ہے، جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے:

لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح ،انتهىٰ. (۱)

اور درمختار میں ہے:

(والنفقة لا تصير دينا إلا بالقضاء أو الرضا) أى اصطلاحهما على قدر معين أصنافا أو دراهم فقبل ذلک لا يلزمه شيء ،انتهىٰ. (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ۔ الجواب صحیح: عبدالقادر بادشاہ۔ صح الجواب: عبدالجبار عفی عنہ۔

اصاب من اجاب: شیخ آدم عفی عنہ، المجیب مصیب: عبدالرحمٰن عفی عنہ۔ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۳۶-۱۳۷)

مہر مؤجل کے ادا کرنے میں عرف کا اعتبار ہے:

سوال: زید نے ایک عورت سے کچھ مہر مقرر کر کے نکاح کیا۔ وہ عورت اپنے چچیرے بھائی کے گھر جا کر بیٹھ گئی۔ شوہر بلاتا ہے تو آتی نہیں اور مہر طلب کرتی ہے اور اس ملک کا رواج یہ ہے کہ جب شوہر طلاق دے دے، یا انتقال کر جائے، تب مہر طلب کیا جاتا ہے اور وہ عورت مذکورہ اپنے چچیرے بھائی کے سامنے بے پردہ چلتی پھرتی ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

هو المصوب: مرد نے اگر وقت نکاح میں مہر دینے کا اقرار کیا ہے تو اس کو مہر معجّل کہتے ہیں۔ اس مہر کو عورت جب چاہے مانگ سکتی ہے، اگر آئندہ کسی وقت معین، یا غیر معین میں دینے کا اقرار کیا ہے تو اس کو مہر مؤجل کہتے ہیں۔ صورتِ اول میں وقت معین پر مہر مانگ سکتی ہے۔ دوسری صورت میں عرف ورواج کے موافق مانگ سکتی ہے اور عرف ورواج شرع میں معتبر ہے اور عرف ہمارے ملک میں طلاق، یا موت ہے۔ اگر اس کے علاوہ کسی وقت معین میں دینا کسی ملک میں رواج ہے تو اس کے مطابق عورت اپنا مہر طلب کر سکتی ہے، چناں چہ ردالمحتار میں لکھا ہے:

وفي الخانية: يعتبر التعارف لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا. (۳)

یعنی خانیہ میں ہے کہ عرف معتبر ہے؛ کیوں کہ عرف سے ثابت ہونے والی چیز اسی طرح ہے، جیسے شرط سے۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمهرها والتأجيل فی المهر: ۳۱۸/۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الدر المختار على رد المحتار، باب النفقة، مطلب: لاتصير النفقة دينا إلا بالقضاء أو الرضا: ۵۹۴/۳، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) ردالمحتار، مطلب فيب منع الزوجة: ۱۴۴/۳، دار الفكر بيروت، انيس

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

"لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: يصح، وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت ألا يرى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم ينصا على غاية معلومة، كذا في المحيط". (۱)

یعنی کسی کو اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے کہ مہر کو مدت معلوم پر دینے کا وعدہ کرنا مانند مہینہ، یا برس کے صحیح ہے۔ اگر مدت مقررہ معلوم نہ ہو تو اس کی صحت میں علمانے اختلاف کی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ درست ہے اور یہی صحیح ہے اور یہ اس لیے ہے کہ مدت خود بخود معلوم ہے اور وہ طلاق، یا موت ہے اور یہ سبھی کو معلوم ہے کہ بعض مہر کو آئندہ دینے کا وعدہ کرنا درست ہے، اگرچہ میاں بیوی میں سے کوئی ایک مدت مقررہ میں مہر دینے کی تصریح نہ کرے۔

قنیہ میں لکھا ہے کہ:

"عادة خوارزم أن النساء لا يطلبن المهور إلا عند الفراق أو بعد الموت فهو تأجيل عرفا.

یعنی خوارزم کی عورتوں کی یہ عادت ہے کہ وہ مہروں کو صرف وقت فراق میں؛ یعنی طلاق میں، یا موت کے بعد ہی طلب کرتی ہیں، پس وہ مہر عرف میں مؤجل ہے۔

عورتوں کا نامحرموں کو (یعنی جن سے اس کو نکاح کرنا جائز ہے) بلاضرورتِ شرعی دیکھنا اور ان سے بات چیت کرنا حرام ہے اور یہ زنا کے حکم میں ہے، چناں چہ حدیث شریف میں آیا ہے:

كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا، مدرك ذلك لا محالة، فالعينان زناهما النظر، والأذنان زناهما الاستماع واللسان زناه الكلام واليد زناها البطش والرجل زناها الخطا والقلب يهوى ويتمنى ويصدق ذلك الفرج ويكذبه. (۲)

یعنی ابن آدم پر زنا کا حصہ مقرر کیا گیا ہے، وہ اس کو ضرور پائے گا۔ دونوں آنکھوں کا زنا نظر ہے اور دونوں کا زنا بات سننا ہے اور زبان کا زنا گفتگو ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش و آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے اور جھٹلاتی ہے۔

عورت بلاوجہ شرعی مرد کو غصہ دلاتی ہے تو اس کی نماز مقبول نہیں ہوتی، چناں چہ حدیث شریف میں ہے:

"ثلاثة لا تجاوز صلاتهم آذانهم: العبد الآبق حتى يرجع، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط وإمام قوم وهم له كارهون". (۳)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الحادي عشر في منع المرأة نفسها بمهرها والتأجيل في المهر: ۳۱۸/۱، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) صحيح لمسلم، باب قدر على ابن آدم، رقم الحديث: ۲۶۵۷، عن أبي هريرة، انيس

(۳) سنن الترمذی، رقم الحديث: ۳۶۰، عن أبي أمامة، انيس

یعنی تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں کے اوپر نہیں اٹھتی: بھاگا ہوا غلام واپس ہونے تک، عورت جس نے اس حال میں رات گزار کی کہ اس کا خاوند اس پر ناراض ہے اور کسی قوم کا امام جس سے قوم کو کسی دینی وجہ سے ناگواری ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اس عورت کا ایسا مہر مانگنا جس کے لیے وقت مقرر نہیں کیا گیا اور پھر اپنے چچیرے بھائی کے گھر بیٹھ کر یہ کہنا کہ میں نہیں آتی، جائز نہیں ہے۔ اس عوت کو چاہیے کہ اپنے ملک کے رواج کے مطابق مہر اس وقت طلب کرے، جب مرد طلاق دے دے، یا انتقال کر جائے، اس سے پہلے اگر وہ طلب کرے تو مہر دینا مرد پر لازم نہیں آتا۔ نیز اس عورت کا اپنے چچیرے بھائی کے لیے گھر بے پردہ بیٹھے رہنا حرام اور گناہ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ۔ الجواب صحیح: شیخ آدم عفی عنہ۔

اصاب من اجاب: عبدالرحیم عفی عنہ، الجواب صحیح: محمد یعقوب عفی عنہ، الجواب صحیح: قاضی عبدالسلام عفی عنہ۔

وکذلک الجواب عندی والغیب عنداللہ: محمد حسن بادشاہ، کان اللہ لہ ولوالدیہ ولجمیع المؤمنین۔ (فتاویٰ باقیات صالحات ص:۱۶۱-۱۶۳)

زوجہ کو اپنا مہر مؤجل طلب کرنے کا حق کب ہے:

سوال: زید نے ہندہ سے مہر مؤجل پر نکاح کیا تھا، کچھ عرصہ کے بعد زید نے ایک دوسری عورت سے نکاح کر لیا۔ اب ہندہ زید سے اپنی مہر کا تقاضا کرتی ہے۔ آیا ہندہ مہر پانے کی مستحق ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ اور زید پر ہندہ کا مہر ادا کرنا واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

ھو الموفق للصواب: جب زید نے ہندہ سے نکاح کر کے اس سے خلوۃ صحیحہ کر لی تو اسی وقت سے ہندہ زید سے پورا مہر پانے کی مستحق ہوگئی۔ زید کو اس کو ادا کئے بغیر ادا نہ ہوگا اور ہندہ کے اس کو معاف کیے بغیر ساقط نہ ہوگا، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں مرقوم ہے:

المهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمٰى أو مهر المثل، حتى لايسقط شيء من ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق. (۱)

ردالمحتار میں لکھا ہے: "**فكذا عقد النكاح يلزم به تمام المهر بحيث لا يسقط إلا بالأداء أو الإبراء مالم يعرض له مسقط لكله أو نصفه**". (۲)

نیز اسی میں لکھا ہے: "**ويتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه حتى إنه بعد تأكده بالدخول لا يسقط**، انتهٰى. (۳)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الثانی فيما يتأكد به المهر والمتعة: ۳۰۳/۱، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) ردالمحتار، مطلب كفاية المال: ۳۰۲/۵-۳۰۳، دارالكفر بيروت، انيس

(۳) ردالمحتار، مطلب كفاية المال: ۳۰۳/۵، دارالكفر بيروت، انيس

لیکن سوال میں چوں کہ لکھا گیا ہے کہ مہر مؤجل پر نکاح کیا تھا، اگر اس مؤجل سے مراد اجل معین ہے، مثلاً فلاں سال فلاں تاریخ پر دینے کی شرط پر نکاح ہوا ہو تو اس مدت معینہ سے پہلے عورت کو مہر طلب کرنے کا حق نہیں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر مؤجل سے اجل معین مراد نہ ہو؛ بلکہ یہ مراد ہو کہ وقت نکاح نہیں دیا جائے گا۔ نکاح میں فقط مقدار مہر بتا دیا گیا ہو اور اس کا ذکر نہ ہو کہ کب دینا ہے، جیسا کہ ہمارے ملکوں کا دستور ہے تو اس صورت میں اس کو مطالبہ کا حق بعد تفریق ہے؛ یعنی طلاق، یا موت سے پہلے طلب کرنے کا حق نہیں ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں مرقوم ہے:

”لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلٰى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلٰى غاية معلومة فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم: يصح وهو الصحيح لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت“، انتہی۔ (۱)

نیز ردالمحتار میں ہے:

”ثم لا يخفى أن ترك الدعوى إنما يتحقق بعد ثبوت حق طلبها فلو مات زوج المرأة أو طلقها بعد عشرين سنة مثلا من وقت النكاح فلها طلب مؤخر المهر لأن حق طلبه إنما ثبت لها بعد الموت أو الطلاق لا من وقت النكاح“، انتہیٰ۔ (۲) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: ضیاء الدین محمد کان اللہ لہ۔

الجواب صحیح: شیخ آدم عفی عنہ، الجواب صحیح: محمد عبد الجبار عفی عنہ۔ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۹۰-۱۹۱)

مہر مؤجل کی صورت میں، عورت کا شوہر کو خود سے روک دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا دین مہر سارا مؤجل قرار پایا ہے، اس صورت میں وہ عورت بغیر افتراق کلی، خاوند پر نالش طلب مہر کی کر سکتی ہے، یا نہیں؟ اور اپنے نفس کو شوہر سے روک سکتی ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہر گاہ کہ تمام مہر مؤجل ٹھہر چکا ہے، ہمارے ملک میں باوجود مہر مؤجل ہونے کے، دخول وخلوت کا ہونا مقرر ہوتا ہے، لہٰذا گویا دخول وتفویض کرنا عورت کا اپنے نفس کو مشروط ہو گیا؛ **لأن المعروف كا المشروط**، پس اس عورت کو حبس اپنے نفس کا مصاحبت سے اور مطالبہ مہر، قبل حلول اجل معروفہ، یا مقررہ کے، ہر گز درست نہیں ہے۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الحادى عشر فى منع المرأة نفسها بمهرها والتأجيل فى المهر: ۳۱۸/۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) ردالمحتار، فروع: القضاء مظهر لا مثبت ويتخصص بزمان: ۴۲۱/۵، دار الفكر بيروت، انيس

قال فی ردالمحتار: هٰذا كله إذا لم يشرط الدخول قبل حلول الأجل، فلوشرطه ورضيت به ليس بها الإمتناع اتفاقاً، انتهٰی. (۱)

الحاصل اس صورت میں عورت کا مطالبہ مہر کرنا اور اپنے نفس کو روکنا، ہرگز شرعاً درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ: رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں، ص: ۱۲۴) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۸۳)

مہر مؤجل کس طرح ادا کرے:

سوال: مہر مؤجل ادا کرنے کی شرعی مدت کیا ہوتی ہے؟ زید نے آج سے ۲۹ر سال پہلے اپنی بیوی سے ۲۵ر ہزار روپیہ سکۂ رائج الوقت اور پانچ سرخ دینار کے عوض نکاح کیا تھا اور وہی رقم مہر ادا کرنا چاہتا ہے، جو ۲۹ر سال پہلے مقرر کیا تھا، کیا یہ بیوی کے حق میں شرعی حیثیت سے درست ہوگا، یا نہیں؟ جب کہ وہ ۲۵ر لاکھ سے زیادہ کا مالک ہے، شرعی نقطہ نگاہ سے اس مہر کی کیا حیثیت ہے؟ کیا بیوی کو انتظار کروا کر تاحیات یہ مہر ادا کیا جاسکتا ہے؟ نیز سرخ دینار سے کیا مراد ہے؟

(انیس فاطمہ، گن فاؤنڈری)

الجواب

مہر مؤجل سے ایسا مہر مراد ہے، جو فوراً واجب الادا نہ ہو، اگر مہر ادا کرنے کی کوئی مدت عقد کے وقت متعین ہوگئی ہو، مثلاً پانچ سال، یا دو سال وغیرہ تو اس مدت کے اندر مہر ادا کرنا واجب ہے اور اگر کوئی مدت متعین نہیں ہوئی تھی تو جب بیوی مہر کا مطالبہ کرے اور شوہر مہر ادا کرنے کے موقف میں ہو تو مطالبہ کے وقت مہر ادا کردینا ضروری ہے؛ کیوں کہ مہر شوہر کے ذمہ دین ہے اور جب بھی دین والا دین کا مطالبہ کرے، اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

اگر بیوی نے اس درمیان مہر کا مطالبہ کیا اور شوہر نے باوجود مطالبہ اور مہر کی ادائیگی پر قدرت کے مہر ادا نہیں کیا تو مناسب ہے کہ مطالبہ مہر کے وقت ۲۵ر ہزار روپیہ میں جتنا سونا آتا تھا، اتنا سونا شوہر ادا کردے؛ تاکہ اس کی تاخیر کی وجہ سے بیوی کو جو نقصان پہنچا ہے، اس نقصان کی تلافی ہوجائے، اس بات کا بھی واضح کردینا مناسب ہوگا کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ سونا اور چاندی کے ذریعہ مہر مقرر کیا جائے؛ تاکہ زمانہ گزرنے کے ساتھ مہر بے قیمت نہ ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں درہم اور دینار سے مہر باندھے جاتے تھے اور درہم اور دینار سونے اور چاندی کے سکے تھے، انہی کے ذریعہ مہر مقرر کیا جاتا تھا، سرخ دینار سے سونے کی وہ مقدار مراد ہوگی جو نکاح نامہ میں لکھی ہوتی ہے، نکاح نامہ میں سرخ دینار کی قیمت بارہ گرام سونا لکھی گئی ہے، اس حساب سے پانچ سرخ دینار ساٹھ گرام سونے کے برابر ہوئے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۸۴/۴-۳۸۵)

---

(۱) رد المحتار (فی البحرعن الفتح وهٰذا كله)، باب مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر، نیز نسخہ ہندیہ، ص: ۲۵۹، ج: ۳ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۸ھ) نیز شامی، ج: ۳ر ص: ۱۴۵-۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء (مطبوعہ دارالفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ) نیز شامی ج: ۲ر ص: ۳۸۹ [مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ: ۱۳۹۹ھ] (نور)

تاجیل وتعجیل مہر میں عرف کا اعتبار ہے:

سوال: اگر بوقت نکاح مہر کی تاجیل وتعجیل کا کوئی ذکر نہ ہوا ہو تو کیا عورت مہر فوراً لینے کا حق رکھتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس مہر کی تاجیل وتعجیل کا ذکر بوقت انعقاد نکاح نہ ہو تو اس صورت میں مہر عرف کے تابع ہو کر جتنا مال مؤجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حق مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

قال العلامة ابن عابدين: ولها منعه عن الوطء والسفر بها ولو بعد وطءٍ وخلوة رضيتهما لأخذ ما بين تعجيله أوقدرما يعجل لمثلها عرفًا وإن لم يؤجل.

قال الحصكفي: بهٖ يفتى لأن المعروف كالمشروط. (ردالمحتار: ۳۸۹/۲، باب المهر)

قال العلامة أبوبكر الكاساني: إذا كان المهر معجلاً بان تزوجها علٰى صداق عاجل أو كان مسكوتًا عن التعجيل والتاجيل لاحكم المسكوت حكم المعجل لأن هٰذا عقد معاوضة فيقتضي المساواة من الجانبين والمرأة لميت حق الزوج فيجب أن يعين الزوج حقها وإنما يتعين بالتسليم. (بدائع الصنائع: ۲۸۸/۲، فصل وأمّا بيان مايجب به المهر وبيان وقت وجوبه) (فتاوی حقانیہ: ۳۶۳/۴)

مہر موجل ومعجّل کا حدیث سے ثبوت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر معجّل ومہر مؤجل کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ثابت ہے؟ اس بارے میں اگر کوئی صریح حدیث ہو تو رہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔　　(المستفتی: عبداللہ)

باسمه سبحانه وتعالٰى، الجواب وباللّٰه التوفيق

مہر معجّل کا مطلب یہ ہے کہ نقد اور فوری ادا کیا جائے اور مہر موجل کا مطلب یہ ہے کہ ادھار مقرر کیا جائے، دور صحابہؓ میں مہر معجّل کا دستور تھا، پہلے ہی ادا کرنے کا رواج تھا اور یہی دستور آج تک جزیرۃ العرب میں جاری ہے، وہاں نکاح سے پہلے پہلے مہر ادا کر دیا جاتا ہے، کم از کم عقد نکاح کے وقت ادائیگی ضروری سمجھی جاتی ہے؛ لیکن مہر عورت کا ایک واجبی حق ہے، جو مرد کے اوپر لازم ہوتا ہے اور انسان کے ساتھ مجبوریاں لاحق ہوتی ہیں، لہٰذا اگر شوہر فوری ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو شریعت نے ادھار کی گنجائش رکھی ہے۔

قال اللّٰه تعالٰى: ﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ (سورة البقرة: ۲۸۰)

اگر فوری ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو قدرت کے وقت تک کے لیے مہلت دینے کی گنجائش ہے اور حضرات فقہاء نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ ادھار کی مدت اگر متعین نہیں کی گئی ہے تو صحیح ہے، یا نہیں؟ تو قول راجح کے مطابق

صحیح اور درست ہے، البتہ صریح حدیث شریف میں ادھار کا ذکر صراحت کے ساتھ دستیاب نہ ہوسکا۔

فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیں:

ثم لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إذا كان إلى غاية معلومة نحو شهر،أو سنة، إنه صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة، فقد اختلف المشائخ فيه بعضهم قالوا: لا يصح. وبعضهم قالوا:يصح وهو الصحيح. (الفتاویٰ التاتارخانية،زكريا، كتاب النكاح، فصل فی المهر: ١٩١/٤، رقم: ٥٩٣٠)

ولو قال:نصفه معجل ونصفه موجل كما جرت العادة فی ديارنا، ولم يذكر الوقت للمؤجل اختلف المشائخ فيه قال بعضهم: لايجوز الأجل ويجب حالاً، كما إذا قال: تزوجتكِ على ألف موجلة،وقال بعضهم:يجوز ويقع ذلک على وقت وقوع الفرقة بالطلاق،أو الموت. (بدائع الصنائع، زكريا: ٥٨٠/٢، كوئٹه: ٢٨٨/٢، بيروت: ٥١٥/٣، كراتشی: ٢٨٩/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۸۶۸۴/۳۷) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۶۹/۱۳-۶۷۰)

مہر موجل ومعجّل کی ادئیگی کا طریقہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر معجّل کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟ اور غیر معجّل کی ادائیگی کا طریقہ کیا ہوگا؟

(المستفتی: حاجی صداقت حسین، اصالت پورہ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مہر معجّل کی ادائیگی عورت کے مطالبہ پر فوری لازم ہوجاتی ہے اور ہر مؤجل کی ادائیگی مطالبہ پر لازم نہیں ہوتی؛ بلکہ شوہر اپنی سہولت اور آسانی سے ادا کرتا رہے گا۔

وإن فرض الصداق مؤجلاً، أو فرض بعضه مؤجلاً إلى وقت معلوم أو إلى أوقات كل جزء منه إلى وقت معلوم صح، وهو إلى أجله وإن أجل الصداق ولم يذكر محل الأجل صح ومحله فرقة البائنة. (الموسوعة الفقهية: ١٦٨/٣٩)

فإن كا ن قد شرط تأجيل كله، فلها الامتناع حتى تستوفيه كله. (الموسوعة الفقهية: ١٦٦/٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۴/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۱/۲/۱۴۳۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۷۴/۱۳)

شب عروسی میں مہر کا تذکرہ کیسے کریں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح ہونے کے بعد شب

عروسی میں مہر کا تذکرہ کیسے لایا جائے، مثلاً: مہر اس قدر ہے کہ اس کو لڑکا فی الوقت ادا نہیں کرسکتا ہے، یا مہر تو کم ہے؛ لیکن لڑکے کے پاس کچھ نہیں ہے، اس کا کیا طریقہ ہوگا؟

(المستفتی: محمد فیض خاں، مفتاحی دہلوی)

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ، الجواب ـــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر پورا مہر مؤجل اور اُدھار ہے تو شب عروسی میں تذکرہ کی ضرورت نہیں اور اگر معجّل اور فوری ادا کرنے کی شرط ہے تو مہر کا تذکرہ کرنا چاہیے، اگر فوری ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے تو بیوی سے مہلت لے لے اور اگر اکٹھا ادا کرنے کی کسی طرح ہمت نہیں ہے تو قسطوار ادا کرنے کے لیے حسب گنجائش طے کرلیا جائے اور اسی کے مطابق ادا کرتا رہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم: ۳۲۳/۸)

﴿وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۱۲)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲/۴/۱۴۱۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۷۴/۱۳-۶۷۵)

مہر مؤجل میں مدت غیر متعین ہونے کا حکم:

سوال: مفتی صاحب! آج کل لوگ نکاح کے وقت مہر موجل مقرر کرتے ہیں، جو کہ لڑکی کو تا طلاق، یا تا عمر نہیں ملتا، آج کل بعض لوگ مہر مؤجل اسی لیے مقرر کرتے ہیں؛ تاکہ مہر ادا کرنے سے بچ جائیں؛ کیوں کہ لڑکی شرم، یا طلاق کے خوف سے مطالبہ نہیں کرتی اور اس کو مہر نہیں دیا جاتا۔ براہ مہربانی مہر مؤجل کی کوئی حد وغیرہ بتائیں؛ تاکہ لڑکیوں کو ان کا حق مل سکے اور شریر لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

الجواب ـــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر بیوی کا حق ہے، جو شوہر پر لازم ہوتا ہے، اگر شوہر اس کو ادا نہیں کرے گا تو وہ ظلم کرنے والا ہوگا۔ مہر مؤجل مقرر کیا جائے، یا معجّل، شرعاً دونوں طرح درست ہے۔ مہر مؤجل کی کوئی حد شرعاً متعین نہیں، باہمی رضامندی سے عقد نکاح کے وقت جو حد مقرر کی جائے، درست ہے، جب وہ مدت گزر جائے تو شوہر کو چاہیے کہ مہر ادا کردے اور اگر مہر مؤجل تو رکھا گیا؛ لیکن اس کی کوئی مدت عقد نکاح میں متعین نہیں کی گئی تو اس صورت میں اس کی حد فرقت (جدائی) زوجین ہوگی، خواہ فرقت موت کے ذریعہ سے ہو، یا طلاق وغیرہ کے ذریعہ سے۔ باقی جس آدمی سے خطرہ ہو کہ یہ مہر ادا نہیں کرے گا، اس کے لیے یہی صورت ہے کہ مہر معجّل مقرر کیا جائے، یا مؤجل کی کوئی حد عقد نکاح میں مقرر کردی جائے۔

لمافي الهندية (۳۱۸/۱): ولو قال: نصفه معجل ونصفه مؤجل، كما جرت العادة في ديارنا، ولم يذكر الوقت للمؤجل اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: لا يجوز الأجل ويجب حالا، وقال

بعضهم يجوز ويقع ذلک على وقت وقوع الفرقة بالموت أو بالطلاق وروى عن أبى يوسف رحمه اللّٰه تعالى ما يؤيد هٰذا القول، كذا فى البدائع، لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أوسنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت ألا يرى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم ينصا على غاية معلومة، كذا فى المحيط.

وفى الدرالمختار (۱٤٤/۳): (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى؛ لأن المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية إلا التأجيل لطلاق أو موت فيصح للعرف، بزازية.

وفى الرد تحته: قوله (فكما شرطا) جواب شرط محذوف تقديره فإن أجل كله أو عجل كله.

وفى الفقه الاسلامى وأدلته (٦٧٨٩/٩): وأخذ القانون السورى بمذهب الحنفية، فنص على ما يلى:

(م 55): يجوز تعجيل المهر أو تأجيله كلاً أو بعضاً، وعند عدم النص يتبع العرف.

(م 56): التأجيل فى المهر ينصرف إلى حين البينونة أوالوفاة، ما لم ينص فى العقد على أجل آخر.

(نجم الفتاویٰ: ۵/۱۷۱-۱۷۳) ☆

☆ جس مہر کے معجّل، یا مؤجل ہونے کی صراحت نہ ہو:

سوال: ایک عورت عالیہ بیگم کا مہر ۳۰/ ہزار روپے طے ہوا؛ لیکن بوقت نکاح یہ صراحت نہیں کی گئی کہ یہ مہر معجّل ہے یا مؤجل؛ یعنی فوری ادا کرنا ہے، یا بعد میں۔ اب عالیہ خاتون کو مہر کے مطالبے کا حق ہے، یا انہیں مہر مثل ملے گا؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

اگر نکاح میں بوقت عقد مہر کے معجّل یا موجل ہونے کی تصریح نہ کی جائے تو یہ بھی مہر مو؟ جل کہلاتا ہے اور عرف میں مشہور ہونے کی وجہ سے خود ہی اس کی مدت موت یا طلاق ہوتی ہے اس سے قبل بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق نہیں البتہ اگر کہیں کچھ رقم معجلاً دینے کا عرف ہوتو اتنی رقم فی الفور معجلاً ادا کرنا ہوگی باقی رقم موت یا طلاق پر موجل ہوگی۔

لمافى فتح القدير (۳۷۰/۳): وإن لم يشترط تعجيل شىء بل سكتوا عن تعجيله وتأجيله فإن كان عرف فى تعجيل بعضه وتأخير باقيه إلى الموت أو الميسرة أو الطلاق فليس لها أن تحتبس إلا إلى تسليم ذلک القدر... فما وقع فى غاية البيان من إطلاق قوله فإن كان يعنى المهر بشرط التعجيل أو مسكوتا عنه يجب حالا ولها أن تمنع نفسها حتى يعطيها المهر ليس بواقع بل المعتبر فى المسكوت العرف.

وفى الهندية (۳۱۸/۱): لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت ألا يرى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم ينصا على غاية معلومة، كذا فى المحيط.

وفى الدرالمختار (۱٤٤/۳): (لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفاً)، به يفتى؛ لان المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط؛ لأن الصريح يفوق الدلالة. (نجم الفتاویٰ: ۵/۱۷۱)

مہر مؤجل کے مصداق کے تعیّن سے متعلق تفصیلی فتویٰ:

سوال: مفتی صاحب! مجھے ایک اہم مسئلے سے متعلق استفتاء کرنا ہے، ایک عزیز نے مہر مؤجل پچیس ہزار پر نکاح کرلیا، کسی نے انہیں بتایا کہ فی الفور دینا ہوگا، انہیں حیرت ہوئی، وہ تو تاخیر کا ارادہ کئے بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: میں چوں کہ عالم ہوں؛ لیکن افتاء نہیں کیا ہوا، البتہ فقہی کتب اور اردو فتاوی جات میرے پاس ہیں، میں نے ان میں مراجعت کی تو مجھے شدید اضطراب معلوم ہوا۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند میں تو موت، یا طلاق تک ادائیگی تحریر تھی؛ لیکن خیر الفتاوی میں عرف کے اعتبار سے دینے کا لکھا تھا، کفایت المفتی میں سب رقم فی الفور دینے کا لکھا تھا، کتاب الفتاوی نام کے فتاوی میں لکھا تھا کہ شوہر ادا کے موقف میں ہو تو ادا کرنا ہوگا، ورنہ نہیں، الغرض جو کتاب کھولتا تو اس میں کچھ الگ لکھا ہوتا، میں شش و پنج میں پڑ گیا، آپ کو اسی سلسلے میں زحمت دے رہا ہوں۔

آج کے دور میں تحقیق طلب مسائل پر بحث کرنا مشکل ہے؛ بالخصوص آپ جیسے مصروف حضرات کے لیے؛ لیکن مسئلہ کچھ عجیب نوعیت کا ہے، فقہی عبارات بھی بندہ سمجھ نہیں پا رہا، کیا کسی ایک فتوی کو اپنے ذوق کے اعتبار سے ترجیح دی جاسکتی ہے؟ یہ دوسرے کی گستاخی تو نہیں؟ ترجیح کا کیا معیار ہے؟ نیز مسئلہ ہذا میں مفتی بہ کیا ہے اور مختلف فتاوی میں یہ شدید اختلاف کیوں واقع ہوا ہے؟ مفصّل جواب مرحمت فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مسئلہ ہذا میں کافی تتبع و تفحص کے بعد احقر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ وہ مہر مؤجل جس میں ادائیگی کی مدت کا تعین نہ ہو، مثلا یوں کہا جائے: دس ہزار مہر مؤجل کے عوض نکاح کیا تو ایسے مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں اگر چہ فقہ حنفی میں دو طرح کے اقوال موجود ہیں؛ لیکن محیط، بدائع اور ہندیہ میں اس قول کی تصحیح کی گئی ہے کہ ایسا مہر موت، یا طلاق تک ہوگا؛ کیوں کہ موت اور طلاق مدتِ معلومہ ہیں، جب کہ دوسرے قول کا بھی ذکر ہے، وہ یہ کہ کل مہر فی الفور دینا ہوگا؛ لیکن اس کی تصحیح کسی نے نہیں کی، غایۃ البیان میں بھی دونوں اقوال مسئلہ ہذا میں موجود ہیں؛ لیکن کسی کی ترجیح نقل نہیں۔

نیز مہر کی ایک اور صورت ہے کہ مہر کے معجّل یا مؤجل ہونے کا ذکر ہی نہ ہو، مثلاً صرف یوں کہا جائے کہ ”دس ہزار مہر کے عوض نکاح کیا“ اس میں مہر کے معجّل، یا مؤجل ہونے کی کوئی تصریح نہیں، اس میں محیط، خانیہ، فتح القدیر، البحر الرائق، ہندیہ، درمختار، طحطاوی علی الدر اور شامیہ ان تمام معتبرات میں اس پر فتوی نقل ہے کہ اس میں عرفا معجّل رقم معجّل دی جائے گی، باقی رقم موت، یا طلاق پر خود ہی مؤجل ہو جائے گی، مثلاً تین ہزار معجلاً فی الفور دینے کا عرف و رواج ہو تو تین ہزار فی الفور دینے ہوں گے، باقی سات ہزار موت، یا طلاق تک مؤجل ہوں گے اور اگر عرفاً کوئی رقم دینے کا رواج نہ ہو تو کل مہر موت، یا طلاق پر مؤجل ہوگا؛ کیوں کہ مؤجل بلا تعیین مدت کی اجل خود ہی موت، یا طلاق معین ہے۔

اس دوسری صورت جس میں مہر کے معجّل، یا مؤجل ہونے کا ذکر ہی نہ ہو ایک قول تعجیلِ کل؛ یعنی کل مہر فی الفور دینے

کا بھی ہے، جسے غایۃ البیان اور عنایۃ شرح الھدایۃ میں لیا گیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں صرف یہی قول ذکر ہے، دوسرا مفتی بہ قول ذکر نہیں کیا گیا؛ لیکن غایۃ البیان پر البحر الرائق اور فتح القدیر میں استدراک کیا گیا ہے۔ فتح القدیر میں تو غایۃ البیان کے اس طرز سے متعلق "لیس بواقع" یعنی اس کی کوئی حقیقت نہیں تک کے الفاظ ہیں، لہٰذا راجح اور مفتی بہ عرف والا قول ہی ہے کہ عرف میں جتنا معجلاً فی الفور دینا رائج ہو، وہ فی الفور، باقی مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگا۔

مہر کی پہلی صورت جس میں مہر کے مؤجل ہونے کا ذکر ہو؛ لیکن اجل معین نہ ہوا سے مہر مؤجل بلا تعیین مدت کہتے ہیں اور اس دوسری صورت کو جس میں معجّل، یا مؤجل ہونے کا ذکر ہی نہ ہو، مہر مسکوت عنہ (یعنی تعجیل، یا تاجیل کی قید سے خاموش مہر) کہتے ہیں۔ ہماری بحث مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں ہے، جس میں محیط، بدائع، ہندیہ نے مؤجل الی الطلاق او الموت کی تصحیح کی ہے، جب کہ دوسرے مہر؛ یعنی مہر مسکوت عنہ کا ذکر اس لیے کیا گیا؛ کیوں کہ یہاں تو معجّل، یا مؤجل کی ہی تعیین نہیں صرف مہر کہا گیا ہے، اس صورت میں بھی محیط، خانیہ، فتح القدیر، بحر، ہندیہ، طحطاوی، شامیہ میں اسے مفتی بہ قرار دیا گیا ہے کہ فقط عرفاً معجّل رقم فی الفور دینا ہوگی، باقی رقم مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگی تو یہاں مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں تو بدرجہ اولیٰ کل مہر مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگا اور دونوں صورتوں میں اجل تو خود معلوم ہے اور وہ طلاق یا موت ہے، باقی مہر مؤجل بلا تعیین مدت تو کل کا کل مؤجل الی الطلاق او الموت ہو جائے گا، جب کہ مہر مسکوت عنہ (جس میں معجّل، یا مؤجل ہونے کا ذکر نہ ہو) میں صرف اتنی رقم معجّل دینا ہوگی، جس کا عرف ہو (اور اگر عرف نہ ہو تو کچھ بھی معجلاً نہ دینا ہوگا) باقی رقم مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگی۔

مذکورہ بالا تنقیح سے معلوم ہوا کہ مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں میں ایک قول تعجیل کل کا ہے، جیسا کہ ذکر ہوا؛ لیکن کسی نے اس کی تصحیح نہیں کی؛ بلکہ مہرِ مسکوت عنہ سے متعلق غایۃ البیان کے فقط تعجیل کے قول کو اختیار کرنے پر استدراکات کئے گئے ہیں، نیز عقلاً بھی یہی راجح ہے؛ کیوں کہ جب مدت معلوم ہے اور وہ موت، یا طلاق ہے تو پھر تعجیل کل کا قول کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

مسئلہ ہذا پر بقدر استطاعت تحقیق کرنے کے بعد احقر پر یہی واضح ہوا، جس کا خلاصہ تحریر کر دیا گیا، مسئلہ کی تمام صورتیں ان سے متعلقہ کتب فقہ کی عبارات، فقہ حنفی میں موجود اقوال اور متعلقہ ابحاث پر ان شاء اللہ تعالیٰ بالتفصیل روشنی ڈالیں گے، البتہ سرِ دست علماء پاک و ہند کے فتاوی جات اس ذیل میں نقل کئے جا رہے ہیں، ہر فتوی کے ساتھ تشریحی نوٹ کے عنوان سے ہم یہ وضاحت کر دیں گے کہ فتوی میں مفتی علّام نے کس قول کو اختیار فرمایا ہے۔ ان فتاوی جات کو ذکر کرنے کے بعد ہم اصل مقصد پر آئیں گے۔

(۱)　فتاوی دار العلوم دیوبند:

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن کا فتوی اس ذیل میں یہ ہے:

''عنوان: مہر مؤجل، یا معجّل کسے کہتے ہیں''

سوال (۱) مہر معجل یا موجل کس کو کہتے ہیں؟ آیا معجّل اور موجل کے جو لغوی معنی ہیں وہی کتب فقہ میں معتبر ہیں یا فقہا نے اپنی اصطلاح میں کوئی دوسرا معنی لے کر فقہ میں استعمال کیا ہے؟

(۲) کسی مرد کا نکاح کسی عورت سے ہوا اور اس سے مہر نصف معجّل اور نصف مؤجل قرار پایا اور بعد بیس برس نکاح عورت قبل طلاق اور قبل موت احد الزوجین مطالبہ مہر کا کیا یہ مطالبہ عورت کا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۳) کسی مرد کا نکاح کسی عورت سے ہوا اور مقدار مہر ذکر کی گئی؛ لیکن معجّل اور مؤجل کا کچھ تذکرہ نہیں ہوا تو بلا طلاق اور بلا موت احد الزوجین کے عورت کو حق مطالبہ مہر کا حاصل ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱-۳) مہر معجّل، یا مؤجل کے جو معنی لغوی ہیں، وہی اصطلاح فقہا میں ہیں، جو مہر فی الحال دیا گیا، یا فی الحال دینا اس کا قرار پایا، وہ معجّل ہے اور جس مہر کی کچھ مدت اداء کے لیے مقرر کی گئی، یا لاعلی التعیین چھوڑا گیا ہو، وہ مؤجل ہے اور غیر معین مدت کے لیے مدت موت، یا طلاق ہے، پس اگر نصف مہر معجّل اور نصف مؤجل ہے تو معجّل کا مطالبہ عورت فی الحال کر سکتی ہے اور مؤجل غیر معین کا مطالبہ بدون مفارقت کے یعنی بدون طلاق، یا موت کے نہیں ہوسکتا اور تیسرے سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ بلا طلاق، یا موت کے مطالبہ مہر کا نہیں ہوسکتا۔

كما في العالمكيريه:"لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أوسنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت". (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۸۰/۸)

نوٹ: اس فتوی میں سائل نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں سے متعلق سوال کیا ہے، سوال کا دوسرا جز مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور تیسرا جز مہر مسکوت عنہ سے متعلق ہے، اس کے جواب میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن نے دونوں کو مؤجل الی الطلاق او الموت کر دیا ہے، حضرت نے مہر مسکوت عنہ میں بھی عرف کا اعتبار ذکر نہیں فرمایا۔

(۲) فتاوی محمودیہ:

فتاوی محمودیہ میں حضرت مفتی محمود گنگوہی کا فتوی اس ذیل میں یہ ہے:

''عنوان: رخصتی سے پہلے مطالبہ مہر''

سوال: زید نے بایں شرائط اپنی دختر کا نکاح بکر سے کر دیا کہ پانصد کا زیور، پارچہ اور یک ہزار پانصد میں دو دکانیں مہر میں تحریر کر کے رجسٹری کرادی، نکاح پڑھا دیا، اب دختر کو رخصت نہیں کرتا، الخ۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اگر مہر معجّل پر نکاح ہوا تو شرعاً عورت کو حق ہے کہ اپنے نفس کو شوہر کے حوالے نہ کرے، اگر کل مہر معجّل ہے تو عورت

کو کل مہر کے مطالبے کا حق حاصل ہے، اگر کچھ معجّل ہے اور کچھ مؤجل تو معجّل کے مطالبے کا حق حاصل ہے، اگر کل مہر مؤجل ہے تو عورت کا قبل مدت تاجیل مطالبہ کرنا جائز نہیں، اگر وقت نکاح معجّل یا مؤجل کی کوئی تصریح نہ ہوئی تو عرف کا اعتبار ہوگا۔ اگر کل مہر مؤجل ہوتا ہے تو عورت کو مطالبہ کرنا جائز نہیں۔ اگر کل معجّل ہوتا ہے تو تمام کا مطالبہ جائز ہے، اگر بعض معجّل اور بعض مؤجل ہو تو معجّل کا مطالبہ جائز ہے، نہ کہ مؤجل کا۔

''إذا زوجت المرأة ولها مهر معلوم كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المهر فإن كان في موضع يعجل البعض ويترك الباقي في الذمة إلى وقت الطلاق أو الموت كما هو عرف ديارنا كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المعجل وهو الذي يقال بالفارسية دست و بيمان وليس لها أن تطالبه بكل المهر فإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلك وإن لم يبينوا شيئاً ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور في العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فيجعل ذلك معجلاً ولا يقدر ذلك بالربع ولا بالخمس وإنما ينظر إلى المتعارف لأن الثابت عرفاً كالثابت شرطاً وإن شرطوا في العقد تعجيل كل المهر تجعل الكل معجلاً ويترك العرف''. (فتاویٰ محمودیہ: ۸۳/۱۲)

نوٹ: اس فتوے میں سائل نے طے شدہ مہر کی نوعیت واضح نہیں کی، لہٰذا حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے مختصر احکام درج فرما دیئے ہیں کہ اگر مہر معجّل ہو تو فی الفور دینا ہوگا، نصف معجّل نصف مؤجل طے ہو تو معجّل کا مطالبہ جائز ہے، باقی موجل بلا تعیین مدت ہے، اس کا مطالبہ ابھی نہیں ہوسکتا اور اگر کل مؤجل ہے اور مدت معلوم ہے تو بعد از مدت معلومہ مطالبہ کا حق ہوگا، آخری صورت مہر مسکوت عنہ کی ذکر کردی کہ اس میں عرف کا اعتبار ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں اسی ذیل میں ایک فتویٰ اور ہے، اسے بھی تحریر کیا جا رہا ہے:

''عنوان: مہر موجل کے مطالبے کا حق''

سوال: باکرہ کے والدین باکرہ کی طرف سے مہر حاصل کرنے کے طالب ہیں، وہ بھی از روئے عدالت مجاز تو کیا اس مطالبے کی بنا پر بکر کے ذمے باکرہ کے والدین کو دینا از روئے شرع جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر بکر اپنی رضامندی سے نہیں؛ بلکہ غیر شرعی امور کے تحت باکرہ، یا اس کے والدین کی طلبی پر از روئے عدالت مجاز طلاق دے تو کیا اس کا تعلق باکرہ سے ہمیشہ کے لیے مانند طلاق بائن منقطع ہو جائے گا، یا نہیں؟ اور کیا باکرہ بعد عدت کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے؟ براہ کرام حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ________________ حامداً ومصلیاً

اگر مہر مؤجل تھا (جس کا مطالبہ طلاق، تفریق، موت پر کیا جاتا ہے) تو ابھی شوہر کے ذمے اس کا ادا کرنا لازم نہیں عدالت میں اس کا دعویٰ کرنا بھی غلط ہے، اگر مہر معجّل تھا؛ یعنی جب بیوی طلب کرے تو بیوی کو بلا عدالت کے بھی اس کے طلب کرنے کا حق ہے اور اس کی طرف سے اس کے والدین کو بھی مطالبہ کا حق ہے۔

”لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت“. (عالمكيرية: ۳۱۸/۱) (فتاویٰ محمودیہ: ۸۵/۱۲)

نوٹ: اس فتویٰ میں حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے مہر مؤجل کی تشریح یہی فرمائی ہے کہ جس کا مطالبہ موت، یا طلاق پر ہو، اس سے پہلے مطالبہ جائز نہ ہو، باقی مہر مسکوت عنہ وغیرہ کا اس میں ذکر نہیں۔

(۳)　خیر الفتاویٰ:

خیر الفتاویٰ میں اس سلسلہ میں یہ فتویٰ ہے:

”عنوان: جس مہر کے معجّل، یا مؤجل ہونے کی تصریح نہ کی گئی ہو“

سوال: بعض اوقات نکاح کے وقت مہر تو مقرر کر دیا جاتا ہے؛ مگر یہ تصریح نہیں کی جاتی کہ یہ معجّل ہے، یا مؤجل تو ایسے مہر کی ادائیگی خاوند پر کب لازم ہوگی؟

الجواب

جس مہر کے معجّل، یا موجل ہونے کی کوئی تصریح نہ کی جائے، وہ عرف پر محمول ہوگا، اگر اس کو معجّل سمجھتے ہوں تو معجّل ہوگا اور اگر وہ عرف میں مؤجل سمجھا جاتا ہو تو مؤجل ہوگا۔

(ولها منعه من الوطء والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما لأخذ ما بين تعجيله أو قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى لأن المعروف كالمشروط. (الدر المختار: ۵۴۳/۴) (خیر الفتاویٰ: ۵۴۳/۴)

نوٹ: خیر الفتاویٰ کے اس فتوے میں سائل نے مہر مسکوت عنہ (جس میں معجّل، یا مؤجل ہونے کا ذکر نہ ہو) سے متعلق سوال کیا ہے اور جواب میں عرف کو فیصل قرار دیا گیا ہے۔

(۴)　فتاویٰ حقانیہ:

فتاویٰ حقانیہ میں اس سلسلے میں یہ فتویٰ درج ہے:

”عنوان: تاجیل وتعجیل مہر میں عرف کا اعتبار ہے“

سوال: اگر بوقت نکاح مہر کی تاجیل، یا تعجیل کا کوئی ذکر نہ ہوا ہو تو کیا عورت مہر فوراً لینے کا حق رکھتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس مہر کی تاجیل وتعجیل کا ذکر بوقت انعقادِ نکاح نہ ہو تو اس صورت میں مہر عرف کا تابع ہو کر جتنا مال مؤجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حق مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

(ولها منعه من الوطء والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما لأخذ ما بين تعجيله أو قدر ما يعجل لمثلها عرفا وإن لم يؤجل)... قال الحصكفي: به يفتى لأن المعروف كالمشروط. (رد المحتار: ۳۸۹/۲، باب المهر) (فتاویٰ حقانیہ: ۳۶۳/۴)

نوٹ: سوال مہر مسکوت عنہ سے متعلق تھا، مجیب نے عرف کا اعتبار کیا ہے، باقی جواب کے یہ الفاظ (جتنا مال مؤجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حق مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے) یہاں مؤجل کا لفظ کتابت کی غلطی ہے، یہ لفظ معجّل ہونا چاہیے، فتوی میں مؤجل مقدار کی ادائیگی کی مدت کا ذکر نہیں؛ لیکن ظاہر ہے کہ وہ موت، یا طلاق ہے، لہذا ذکر کی ضرورت نہیں۔

(۵) کتاب الفتاوی:

''عنوان: مہر موجل کس طرح ادا کرے''

سوال: مہر موجل ادا کرنے کی شرعی مدت کیا ہوتی ہے؟ زید نے آج سے ۲۹/سال پہلے اپنی بیوی سے ۲۵/ ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت اور پانچ سرخ دینار کے عوض نکاح کیا تھا اور وہی رقم مہر ادا کرنا چاہتا ہے، جو ۲۹/سال پہلے مقرر کیا تھا، کیا یہ بیوی کے حق میں شرعی حیثیت سے درست ہوگا، یا نہیں؟ جب کہ وہ ۲۵/لاکھ سے زیادہ کا مالک ہے، شرعی نقطہ نگاہ سے اس مہر کی کیا حیثیت ہے؟ کیا بیوی کو انتظار کروا کر تاحیات یہ مہر ادا کیا جاسکتا ہے؟ نیز سرخ دینار سے کیا مراد ہے؟

الجواب

مہر مؤجل سے ایسا مہر مراد ہے، جو فوراً واجب الادا نہ ہو، اگر مہر ادا کرنے کی کوئی مدت عقد کے وقت متعین کی گئی ہو، مثلاً پانچ سال، یا دو سال وغیرہ تو اس مدت کے اندر مہر ادا کرنا واجب ہے اور اگر کوئی مدت متعین نہیں ہوئی تھی تو جب بیوی مہر کا مطالبہ کرے اور شوہر مہر ادا کرنے کے موقف میں ہو تو مطالبہ کے وقت مہر ادا کردینا ضروری ہے؛ کیوں کہ مہر شوہر کے ذمہ دین ہے اور جب بھی دین والا دین کا مطالبہ کرے، اس کا ادا کرنا واجب ہے، الخ۔ (کتاب الفتاوی:۴/۳۸۴)

نوٹ: فتوے میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت (جس میں صرف مہر مؤجل مقرر ہو، مدت کی تعیین نہ ہو) کو بیوی کے مطالبہ اور شوہر کے ادا کرنے کے موقف میں ہونے پر ادائیگی ضروری قرار دی گئی ہے۔ مجیب کے نزدیک مہر مؤجل، تعیین مدت کے ساتھ میں بھی اس مدت معینہ مثلاً دو سال کے اندر اندر مہر ادا کرنا واجب ہے۔

(۶) کفایت المفتی:

کفایت المفتی میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے بہت سے فتاوی اس ذیل میں تحریر فرمائے ہیں، ایک فتوی یہ ہے:

''عنوان: عورت مہر موجل کا مطالبہ کب کرسکتی ہے''

سوال: کیا فاطمہ اپنے مہر مؤجل کو معجّل طریقے پر زید سے طلب کرنے کا حق رکھتی ہے، جب کہ زید کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی اور فاطمہ اپنے خیال میں سمجھ رہی ہے کہ میں مطلقہ ہوچکی ہوں۔

الجواب

مہر مؤجل جو بلا تعیین مدت کے ہو، معجّل کے حکم میں ہوجاتا ہے؛ اس لیے زوجہ اپنے ایسے مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے، جو صرف مؤجل بلا تعیین مدت کے لکھا گیا ہو۔ (کفایت المفتی: ۵/۱۱۷)

نوٹ:　حضرت نے خود تو مسئلے کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا، البتہ مخرّج نے حاشیہ پر درمختار کی عبارت تحریر فرمائی ہے: ''**إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا**''، یعنی مہر موجل کے ادا کی مدت جب جہالت فاحشہ والی متعین کر دی جائے تو مہر فی الفور ادا کرنا واجب ہوگا۔

بہر حال حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی نے کفایت المفتی کے مختلف فتاوی میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت کو مطلقا معجّل قرار دیا ہے، حضرت کے نزدیک مہر مؤجل وہی ہے، جس میں ادائیگی کی مدت معین ہو، صرف مؤجل مقرر کرنا اور مدت کی تعیین نہ ہو، یہ مہر مؤجل نہیں؛ بلکہ معجّل ہی ہے۔

(۷)　امداد الفتاوی:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں مہر موجل بلا تعیین مدت سے متعلق جو رائے اختیار فرمائی ہے، وہ کفایت المفتی میں اختیار کی گئی رائے سے قریب ہے۔ امداد الفتاوی میں اس ذیل میں یہ تحقیق ہے:

''عنوان: تحقیق مہر مؤجل بالموت''

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں بابت کہ مسمی زید کا نکاح پانچ چھ سال ہوئے مسمات ہندہ کے ساتھ بعوض دو ہزار دین مہر مؤجل ہوا تھا، مہر کا کوئی جزو پیشگی ادا ہونا بروقت نکاح قرار نہیں پایا تھا، بعد نکاح زوجہ ہمیشہ اپنے زوج کے پاس رہی اور اس کے دو تین بچے پیدا ہوئے، جو فوت ہو گئے، اب زوجہ بوجہ رنجش باہمی اپنے والدین کے ہاں بلا رضامندی اپنے شوہر کے چلی گئی ہے اور اپنے عزیزوں کے اغوا سے اپنا کل زر مہر طلب کرتی ہے اور شوہر کے یہاں آنے سے انکار ہے، درآنحالیکہ شوہر اس کے بلانے پر رضامند اور اصراری ہے، اب تک کسی قسم کی طلاق وغیرہ بھی نہیں ہوئی ہے، ایسی صورت میں زوجہ کا زر مہر طلب کرنا شرعا جائز اور درست ہے، یا نہیں؟ زید کی برادری کا رواج مہر مؤجل ہی کا ہے اور آج تک کسی مسمات کو قبل طلاق شوہر کی حیات میں مہر نہیں ادا کیا گیا اور نہ کسی نے طلب کیا اور نہ ایسا رواج ہے، البتہ طلاق بالموت، وفات شوہر مہر کے لین دین کا رواج ہے۔

الجواب

مؤجل وہ ہے، جس میں تاجیل شرط ہو اور جس میں کوئی شرط نہ ہو، وہ معجّل ہے گو تعجیل شرط نہ ہو، پس اگر یہ شرط ٹھہر جائے کہ طلاق، یا موت تک کی مہلت ہے، تب تو مؤجل ہوگا اور اگر یہ شرط نہیں ٹھہری گو یہ بھی نہیں کہ پہلے ہی لیں گے تو وہ معجّل ہی ہوگا، غالبًا سائل نے جیسا کہ طرز عبارت سے معلوم ہوتا ہے، تعجیل کی شرط نہ ٹھہرانے سے مہر کو مؤجل سمجھ لیا ہے، سو یہ صحیح نہیں ہے اور فقہا نے جو تاجیل بالطلاق والموت کو جائز کہا ہے، معنی اس کے یہی ہے کہ اس طرح تاجیل کی شرط ٹھہر جاوے اور اگر شبہ ہو کہ واقعی تاجیل شرط ہی سے ہوتی ہے؛ مگر عرف بمنزلہ شرط ہی کے ہے اور سوال میں تصریح ہے کہ ہندہ کا فعل خلاف رواج ہے، پس عرف سے مؤجل بالطلاق والموت ہو جانا چاہیے، جیسا کہ شرط سے ہوتا ہے،

جواب یہ ہے کہ اس کا عرف علی الاطلاق ہونا غیر مسلم ہے، یہ عرف اسی وقت تک ہے، جب تک باہم موافق رہے، ورنہ رنجش میں مطالبہ کا بھی عرف ہے، پس میرے نزدیک شرعاً ہندہ کو استحقاق مطالبہ مہر کا حاصل ہے۔ (امداد الفتاوی: ۲/۳۱۷)

نوٹ: حضرت حکیم الامتؒ کے نزدیک مہر مؤجل صرف وہی ہے، جس میں تاجیل شرط ہو، باقی سب معجّل ہے، چاہے مہر مؤجل بلا تعیین مدت ہو، یا مہر مسکوت عنہ، یہ سب معجّل فی الفور ادا کرنے ہوں گے۔ باقی تاجیل الی الطلاق والموت کے جواز کو حضرت نے صرف شرطاً تاجیل الی الطلاق والموت مؤجل ہونا قرار دیا ہے؛ یعنی یہ شرط ٹھہر جائے کہ مہر موت، یا طلاق تک موجل ہے، تب تو یہ دونوں مدت ہوں گی، بصورت دیگر مہر بہرصورت معجّل ہوگا۔

(۸) احسن الفتاوی:

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کا فتوی اس ذیل میں یہ ہے:

''عنوان: مہر غیر موجل میں حق مطالبہ کی تفصیل''

سوال: زید نے مثلاً زینب سے ایک سو اشرفی طلاء کے عوض عقد نکاح کیا، ان میں سے چالیس اشرفی معجلاً اداء کردیں، بقیہ ساٹھ اشرفی کے بارے میں صرف یہ کہا کہ ان میں سے تیس کی نقرہ اور تیس اشرفی طلاء کی دوں گا اور ادائیگی کا کوئی وقت خاص نہیں بتایا، صرف یہ کہا کہ آئندہ ادا کروں گا، اتفاقاً چند ماہ کے بعد زوجین میں ناراضگی پیدا ہوگئی، زوجہ اپنے میکے چلی گئی۔ خاوند نے جب واپس بلایا تو وہ کہنے لگی کہ بقیہ ساٹھ اشرفی ابھی ادا کروگے تو ساتھ آوں گی، ورنہ نہیں تو کیا شرعاً زینب کو بقیہ مہر طلب کرنے کا حق حاصل ہوگا، یا نہیں؟ اس سلسلے میں امداد الفتاوی میں دو مقامات پر حضرت تھانویؒ نے جواز کا قول فرمایا ہے، جب کہ فتاوی ہندیہ اور بدائع میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اگر بقیہ مہر کے لیے وقت خاص برائے ادائیگی مہر مقرر نہیں کیا تو موت، یا طلاق کے صورت میں مطالبہ کرسکتی ہے، اس سے قبل نہیں، چوں کہ وقت معین نہ کرنے کے صورت میں باب النکاح کے اندر وقت خود بخود معلوم ہے، ورنہ وہ تفریق الزوجین بصورت طلاق، یا موت ہے، اسی قول کو صاحب محیط نے اختیار فرماکر ''وھو الصحیح'' فرمایا ہے، جواب سے تشفی فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بدائع اور ہندیہ میں اختلاف لکھا ہے اور علائیہ اور شامیہ میں صرف حق مطالبہ تحریر ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی راجح ہے؛ اس لیے امداد الفتاوی میں اس پر فتوی دیا گیا ہے۔ عرف التاجیل الی الموت او الطلاق کا جواب بھی امداد الفتاوی میں موجود ہے کہ یہ عرف حالت مراضات میں ہے، حالت مخالفت میں موت وطلاق سے قبل ہی مطالبے کا عرف ہے۔

''ولها منعه من الوطء (إلى قوله) إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية''.

وفي الشامية: ''قال في البحر: فإن كانت جهالة متقاربة كالحصاد والدياس ونحوه فهو كالمعلوم على الصحيح، كما في الظهيرية، بخلاف البيع فإنه لا يجوز بهذا الشرط وإن كانت

متفاحشة كإلى الميسرة أو إلى هبوب الريح أو أن تمطر السماء فالأجل لا يثبت ويجب المهر حالا، كذا في غاية البيان''. (رد المحتار: ۳۸۹/۲) (احسن الفتاوی: ۳۳/۵)

نوٹ: حضرت نے بدائع اور ہندیہ میں مذکور اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد شامیہ کے حوالہ سے مہر مؤجل میں حق مطالبہ کو ترجیح دی ہے، نیز امداد الفتاوی کی تحقیق کو لیا ہے، حضرت کا اسی سے متصل ایک اور فتوی یہ ہے:

''عنوان: سوال مثل بالا''

سوال: ایک عورت کا مہر نصف معجّل اور نصف مؤجل مقرر ہوا، مؤجل کی کوئی مدت معین نہیں کی گئی، نصف معجّل بروقت ادا کر دیا گیا، بیوی شوہر کے گھر آباد ہوگئی، کچھ عرصے کے بعد بیوی نے نصف مؤجل کا مطالبہ کیا، شوہر کے ادا نہ کرنے پر میکے چلی گئی، کیا عورت کو اس کا اختیار ہے؟ اور اس صورت میں بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جہاں تاجیل مجہول سے تاجیل بالطلاق اوالموت کا عرف ہو، وہاں زوجہ کو منع نفس کا اختیار نہیں اور جہاں یہ عرف نہ ہو وہاں تاجیل مجہول بحکم تعجیل ہے، لہذا زوجہ کو حق منع ہے، تاجیل بالطلاق اوالموت معروف ہونے کی صورت میں بھی غیر مؤجل میں مشاجرہ کے مواقع میں مطالبہ مہر معروف ہے، لہذا حالت مشاجرہ میں عورت کو حق منع حاصل ہوگا۔ (احسن الفتاوی: ۳۴/۵)

نوٹ: اس دوسرے فتوی میں حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں اولا عرف اور پھر عند المخاصمہ مطالبہ کے حق پر فتوی دیا ہے۔

(۹) فتاویٰ مفتی محمود:

حضرت مفتی محمود کا فتوی اس ذیل میں یہ ہے:

''عنوان: مہر معجّل اور غیر معجّل میں کیا فرق ہے؟ مہر غیر معجّل کب وصول کیا جائے؟''

سوال (۱) حق مہر معجّل اور غیر معجّل میں کیا فرق ہے؟ وضاحت کریں۔

(۲) ایک عورت کا کل حق مہر دس ہزار ہے، بوقت سرمیل دو ہزار روپے معجّل ادا کیا جاتا ہے اور باقی آٹھ ہزار غیر معجّل کے لیے دو ماہ کی مدت مانگی جاتی ہے، وضاحت کریں کہ بقایا آٹھ ہزار غیر معجّل مدت مقرر گزرنے کے بعد کیسے اور کس صورت میں حاصل کر سکتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــ

مہر معجّل اور غیر معجّل (مؤجل) کے جو لغوی معنی ہیں وہی اصطلاح فقہا میں ہیں، جو مہر نکاح کے وقت فی الفور دیا گیا، یا فی الحال دینا قرار پائے؛ یعنی اس میں مدت کی شرط نہ ٹھہری، گویا یہ بھی نہیں ٹھہرا کہ پہلے لیں گے تو یہ معجّل ہے اور اس کا حکم ہے کہ عورت فی الحال مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے اور خاوند پر فوری ادائیگی واجب ہو جاتی ہے اور جس مہر کی کچھ

مدت ادا کے لیے مقرر کی گئی، مثلاً یہ شرط ٹھہر جائے کہ دو ماہ تک مہلت ہے، یا مدت کو لا الی التعیین چھوڑا گیا ہو تو یہ غیر معجّل ہے اور فقہا کی اصطلاح میں اسے موجل کہتے ہیں اور غیر معین مدت کے لیے مدت موت، یا طلاق ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ مدت مقررہ نہ گزرے، عورت یا اس کے ورثہ مہر کا دعوی نہیں کر سکتے۔

''لاخلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أوسنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت''. (عالمكيرية: ۳۱۸/۱)

(۲) مدت مقررہ دو ماہ گزرنے کے بعد خاوند کے ذمے یک مشت آٹھ ہزار کی ادائیگی واجب ہے، اگر زوجین اقساط کے ساتھ ادائیگی پر رضامند ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے، اگر خاوند باہمی مصالحت سے مہر کی ادائیگی نہیں کرتا تو عورت وصولی مہر کے لیے عدالت کی طرف رجوع کرے۔ (فتاوی مفتی محمود: ۳۳۰/۵)

نوٹ: حضرت مفتی محمود نے فتوے میں مہر معجّل اور مسکوت عنہ (جس میں معجّل، یا موجل کی تصریح نہ ہو) کو فی الفور ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے، جب کہ مہر مؤجل بلاتعیین مدت اور بتعیین مدت دونوں کو مؤجل قرار دیا ہے، بلاتعیین مدت کی مدت طلاق، یا موت ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔

یہاں تک تو معروف فتاوی جات میں سے جن میں احقر کو یہ مسئلہ ملا ان کا ذکر مع تشریحی نوٹ کے تھا۔ ان فتاوی میں مختلف آرا اختیار کی گئی ہیں۔ تنقیح مسئلہ سے متعلق کچھ وضاحت ہمارے جواب کے ابتدا میں آ گئی ہے؛ لیکن مسئلے کی نوعیت کو صحیح طرح سمجھنے کے لیے مسئلے کی مختلف صورتیں اور مختلف فیہ صورت کا تعین ضروری ہے؛ کیوں کہ بعض اردو فتاوی میں تعیینِ صور میں اشتباہ واقع ہو گیا ہے۔ اولا مسئلے کی صورتیں تحریر کی جا رہی ہیں۔

مہر کی صورتیں:

مہر یا تو معجّل ہوگا، یا مؤجل، یا دونوں قیدوں سے خالی ہوگا۔ مہر معجّل تو وہ ہے جسے فی الفور ادا کرنا لازم ہو، مثلاً دس ہزار مہر معجّل پر نکاح ہو تو دس ہزار فی الفور ادا کرنا ضروری ہوں گے۔

عقلی طور پر مہر مؤجل میں اجل (مدت ادا) کے اعتبار سے چار صورتیں بن سکتی ہیں:

(۱) اجل معلوم ہو مثلاً ایک مہینے، یا ایک سال بعد ادا کروں گا، اس کا حکم واضح ہے کہ یہ تاجیل درست ہے اور معینہ مدت سے قبل نہ عورت کو مطالبہ پر ادا کرنا لازم ہے اور نہ اس کی بنا پر عورت شوہر کو ہمبستری سے منع کر سکتی ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أوسنة صحيح''. (الهندية: ۱۱۸/۱)

(کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں کہ مہر کو مدتِ معینہ تک مؤجل کرنا مثلاً ایک مہینہ، یا ایک سال تک یہ صحیح ہے۔)

''(قوله: لأن الصريح، الخ) أى يعتبر ما شرطا وأن تعورف تعجيل البعض لأن الشرط صريح

والعرف دلالة والصريح أقوى ... وبعد أسطر: لو إلى مدة معينة لا يتعجل بالطلاق". (ردالمحتار: ۱٤٤/۳)

([کیوں کہ صراحت دلالت سے برتر ہے] یعنی جو شرط قرار پا جائے، اس کا اعتبار ہوگا، اگر چہ بعض کی تاجیل معروف ہو؛ کیوں کہ شرط صریح ہے اور عرف دلالت ہے اور صریح زیادہ قوی ہوتا ہے۔۔۔ چند سطروں بعد فرماتے ہیں: اگر مہر معین مدت تک موؤجل ہو تو وہ طلاق سے بھی معجّل نہیں ہوتا۔)

(۲) اجل مجہول ہو؛ لیکن جہالت یسیرہ ہو، مثلاً کھیتی کٹنے تک وغیرہ، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بھی اجل معلوم کی طرح ہے اور شرعاً اس کا اعتبار ہے، لہٰذا ایسی اجل جس میں جہالت یسیرہ ہو، اس کا اعتبار ہوگا اور اس مدت کے پورا ہونے پر مہر کا ادا کرنا لازم ہوگا۔

شامیہ میں ہے:

"**قال في البحر: فإن كانت جهالة متقاربة كالحصاد والدياس ونحوه فهو كالمعلوم على الصحيح، كما في الظهيرية، بخلاف البيع فإنه لا يجوز بهذا الشرط**". (شامية: ۱٤٤/۱)

(بحر میں ہے کہ اگر [مہر کی ادائیگی کی مدت میں] جہالت متقاربہ ہو، مثلاً کٹائی کے وقت، یا گاہنے کے وقت ادائیگی طے ہو تو یہ صحیح قول کے مطابق معلوم مدت کی طرح ہے، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے، برخلاف بیع کہ وہ ایسی مدت تک ادائیگی کی شرط کے ساتھ جائز نہیں ہوتی۔)

(۳) اجل مجہول ہو اور جہالت فاحشہ ہو، مثلاً ہوا چلنے کے وقت، یا بارش برسنے کے وقت ادائیگی طے ہو، یہ اجل مجہول جہالت فاحشہ ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ شرعا اس کا اعتبار نہیں اور مہر فی الفور معجلا ادا کرنا ہوگا۔

درمختار میں ہے:

"**إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا، غاية**".

(الا یہ کہ مدت مجہول ہو، جہالت فاحشہ کے ساتھ تو پھر حالاً دینا واجب ہوگا۔)

اس کے تحت علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

"**وإن كانت متفاحشة كإلى الميسرة أو إلى هبوب الريح أو أن تمطر السماء فالأجل لا يثبت ويجب المهر حالا، وكذا في غاية البيان، آه**". (شامية: ۱٤٤/۱)

(اگر مدت میں جہالت فاحشہ ہو، مثلاً کشادگی تک، یا ہوا چلنے تک، یا آسمان برسنے تک تو مدت ثابت نہ ہوگی اور مہر فی الفور ادا کرنا لازم ہوگا، اسی طرح غایۃ البیان میں ہے۔)

مہر مؤجل کی ان تین صورتوں میں کسی کا اختلاف نہیں، پہلی اور دوسری صورت میں جب کہ مدت معلوم ہو، یا مدت میں جہالت یسیرہ ہو، بالاتفاق مہر کی تاجیل درست ہے اور تیسری صورت میں جب کہ مہر مؤجل کے مدت میں جہالت فاحشہ ہو، مہر کا فی الفور ادا کرنا واجب ہے۔ اختلاف فقط چوتھی صورت میں ہے اور وہ یہ ہے:

(۴) مہر مؤجل کی چوتھی صورت یہ ہے کہ مدت کا ذکر ہی نہ ہو، فقط مہر مؤجل کہہ کر نکاح پڑھا دیا جائے، مثلاً دس ہزار مہر مؤجل کے عوض نکاح کیا، ایسے مہر کو مہر مؤجل بلا تعیین مدت کہتے ہیں؛ کیوں کہ پہلی تین صورتوں میں مہر کا ذکر بہر حال موجود تھا؛ لیکن اس صورت میں صرف مؤجل ہونے کا ذکر ہے۔ بعض جگہوں پر اس کی صورت یہ بھی ہے کہ آدھا مہر معجّل اور آدھا مؤجل طے کر دیا جاتا ہے، اب معجّل تو فی الفور دینا ہوگا؛ لیکن نصف مؤجل کی مدت معلوم نہیں ہوتی، یہ نصف بھی مہر مؤجل بلا تعیین مدت ہوتا ہے۔

اس کے بارے میں دو طرح کے اقوال ملتے ہیں، مہر مؤجل کی اس چوتھی صورت کا ذکر محیط، بدائع اور ہندیہ میں ہے۔ وہ دو قول یہ ہیں کہ اس صورت میں کل مہر معجلاً فی الفور دینا ہوگا اور مؤجل فقط وہ ہے، جس میں اجل معین ہو، ورنہ معجّل ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اجل معلوم ہے اور وہ موت، یا طلاق ہے، لہذا مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں اجل موت، یا طلاق ہوگی۔ اس دوسرے قول کو محیط اور ہندیہ میں صحیح قرار دیا گیا ہے۔

محیط میں ہے:

"وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه، بعضهم قالوا: لا يصح، وبعضهم قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت". (المحيط البرهاني: ۱۳۹/٤)

(غیر معلوم مدت تک کی تاجیل ہو تو اس میں مشایخ کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ تاجیل درست نہیں اور بعض کہتے ہیں درست ہے اور یہ دوسرا قول صحیح ہے؛ کیوں کہ مدت انتہاء خود ہی معلوم ہے اور وہ طلاق یا موت ہے۔)

اسی طرح ہندیہ میں ہے:

"ولو قال: نصفه معجل ونصفه مؤجل كما جرت العادة فى ديارنا ولم يذكر الوقت للمؤجل اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: لا يجوز الأجل ويجب حالا، وقال بعضهم: يجوز ويقع ذلك على وقت وقوع الفرقة بالموت أو بالطلاق وروى عن أبى يوسف رحمه الله تعالى ما يؤيد هذا القول، كذا فى البدائع، لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت". (الهندية : ۳۱۸/۱)

(اگر وہ کہے کہ نصف معجّل اور نصف مؤجل ہوگا، جیسا کہ ہمارے شہروں کا عرف ہے اور مؤجل کی مدت بیان نہ کرے تو مشایخ کا اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں تاجیل درست نہیں اور حالاً مہر ادا کرنا واجب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تاجیل جائز ہے اور مدت اس کی موت، یا طلاق کے ذریعے فرقت ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ایک مسئلہ اس کی تائید کرتا ہے، یہی بدائع میں ہے۔ کسی ایک کا اختلاف نہیں کہ مہر کو مدت معلومہ تک مؤجل کرنا صحیح ہے اور اگر مدت معلوم نہ ہو تو اس میں مشایخ کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ تاجیل صحیح ہے اور یہی قول صحیح ہے، یہ اس لیے کیوں کہ مدت انتہاء خود ہی معلوم ہے اور وہ طلاق، یا موت ہے۔)

غایۃ البیان شرح الہدایہ میں مہر مؤجل بلاتعیین مدت میں دونوں طرح کے اقوال ذکر ہیں، نیز بدائع الصنائع میں بھی مہر موجل بلاتعیین مدت میں تاجیل الی الطلاق اوالموت والے قول کی ترجیح نقل ہے۔ ان تین کتابوں میں تاجیل الی الطلاق اوالموت کے قول کی تصحیح وترجیح نقل ہے، دوسرے قول (تعجیل کل) کی کسی نے تصحیح نہیں کی، لہذا مہر مؤجل بلاتعیین مدت میں مہر کی تاجیل درست ہوگی اور موت، یا طلاق سے فرقت کے وقت اس کی ادائیگی واجب ہوگی۔

یہ تو مہر مؤجل کی اجل کے اعتبار سے چار صورتوں کا ذکر تھا۔ ان صورتوں کو ذکر کرنے سے قبل ہم نے تحریر کیا تھا کہ مہر یا تو معجّل ہوگا، یا مؤجل، یا دونوں قیدوں سے خالی ہوگا، معجّل تو وہ ہے، جسے فی الفور ادا کرنا طے ہو، مؤجل کی اجل کے اعتبار سے چار صورتیں بیان ہوئیں۔ اب آخر میں اس مہر کا ذکر بھی ضروری ہے، جو تعجیل وتاجیل دونوں قیدوں سے خالی ہو، مثلاً دس ہزار مہر کے عوض نکاح کیا۔ یہاں مہر کے معجّل یا مؤجل ہونے کا ذکر نہیں، اسے فقہا مہر مسکوت عنہ (یعنی تعجیل اور تاجیل کی قید سے خاموش) مہر کہتے ہیں۔

مہر مسکوت عنہ کا حکم کیا ہے تو اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے اور دونوں طرح کے اقوال پائے جاتے ہیں، ایک قول تعجیلِ کل کا ہے، جب کہ دوسرے قول کے مطابق عرف کا اعتبار ہے؛ یعنی عرف میں مہر کی جتنی رقم فی الفور دینا رائج ہو، اتنی فی الفور دینا ہوگی، باقی موت، یا طلاق تک مؤجل ہوگی، عنایہ اور غایۃ البیان میں پہلا قول لیا گیا ہے۔

غایۃ البیان کی عبارت ہے:

’’أما اذا كان مؤجلا ففيه اختلاف بين أصحابنا بيانه أن المهر لا بد من أحد الأمور الثلاثة اما أن يكون بشرط التعجيل أو بشرط التأجيل أومسكوتا عنه فإن كان بشرط التعجيل أومسكوتا عنه يجب حالا لأنه عقد معاوضة فيقتضي المساواة من الجانبين وقد تعين حق الرجل في البضع فلا بد من أن يتعين حقها في المهر‘‘. (غاية البيان: ۱۸/۲، مخطوطة ليس مطبوع)

(بہر حال مہر مؤجل ہو تو اس میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ مہر تین حال سے خالی نہ ہوگا، بشرطِ تعجیل ہوگا، یا بشرط تاجیل، یا مسکوت عنہ ہوگا [یعنی تعجیل وتاجیل کی شرط سے خالی ہو] اگر بشرطِ تعجیل، یا مسکوت عنہ ہو تو اسے فی الحال ادا کرنا لازم ہے؛ کیوں کہ نکاح عقد معاوضہ ہے، جس کا تقاضہ جانبین سے تساوی کا ہے، مرد کا حق بضع میں متعین ہوگیا؛ اس لیے ضروری ہے کہ عورت کا حق مہر میں متعین ہو جائے۔)

لیکن اس کے مقابلے میں محیط، خانیہ، فتح القدیر، البحر الرائق، ہندیہ، درمختار، طحطاوی علی الدر اور شامیہ میں دوسرے قول کی ترجیح اور مفتی بہ ہونا نقل کیا گیا ہے؛ یعنی مہر مسکوت عنہ میں عرف کا اعتبار ہوگا، عرفاً معجّل رقم فی الفور دینا ہوگی، باقی رقم موت یا طلاق پر مؤجل ہوگی۔ نیز فتح القدیر اور البحر الرئق میں غایۃ البیان پر استدراک بھی کیا گیا ہے۔

فتح القدیر میں علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

’’فما وقع في غاية البيان من إطلاق قوله فإن كان يعني المهر بشرط التعجيل أومسكوتا عنه يجب حالا

ولها أن تمنع نفسها حتى يعطيها المهر ليس بواقع بل المعتبر فى المسكوت العرف". (فتح القدير:۳/۳۷۰)

(پس غایۃ البیان میں مصنفؒ نے مطلقاً جو یہ کہا ہے کہ اگر مہر بشرطِ تعجیل، یا مسکوت عنہ ہو تو فی الفور ادا کرنا لازم ہوگا اور عورت کو اپنے آپ کو مہر کی ادائیگی تک دور رکھنا جائز ہوگا، یہ واقع اور حقیقت نہیں؛ بلکہ مسکوت میں اعتبار عرف کا ہے۔)

بحر میں غایۃ البیان پر استدراک کے بعد تحریر ہے:

"وأما على المفتى به فالمعتبر فى المسكوت عنه العرف". (البحر الرائق:۳/۳۱۱)

(بہر حال مفتی بہ قول کے مطابق مسکوت مہر میں اعتبار عرف کا ہے۔)

شامیہ میں ہے:

قال الحصكفى:"(لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو)أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى،لأن المعروف كالمشروط(إن لم يوجل)أو يعجل (كله) فكما شرط؛لأن الصريح يفوق الدلالة".

قال ابن عابدين فى رد المحتار تحت قوله:(أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا) أى إن لم يبين تعجيله أو تعجيل بعضه فلها المنع لاخذ ما يعجل لها منه عرفا وفى الصيرفية:الفتوى على اعتبار عرف بلدهما من غير اعتبار الثلث أو النصف وفى الخانية: يعتبر التعارف؛ لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا، قلت والمتعارف فى زماننا فى مصر والشام تعجيل الثلثين وتأجيل الثلث... (قوله:إن لم يؤجل) شرط فى قوله أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها يعنى أن محل ذلك إذا لم يشترطا تأجيل الكل أو تعجيله ط وكذا البعض كما قدمه فى قوله كلا أو بعضا، وفى الفتح حكم التأجيل بعد العقد كحكمه فيه. قوله (فكما شرطا) جواب شرط محذوف تقديره فإن أجل كله أوعجل كله". (شامية:۳/۱٤٤)

دیگر کتب کے حوالہ جات فتوی کے آخر میں تحریر کر دیئے گئے ہیں۔ الغرض مہر مسکوت عنہ میں عرف کا اعتبار مفتی بہ ہے، عرفاً معجّل رقم فی الفور دینا ہوگی اور بقیہ مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگی۔ آخر میں طحطاوی علی الدر کا حوالہ بھی نقل کیا جارہا ہے۔ مہر مسکوت عنہ سے متعلق طحطاوی میں تحریر ہے:

"قال الزاهدى:صارت تاخير الصداق إلى الموت أو الطلاق بخوارزم عادة مأثورة وشريعة معروفة عندهم ومحله فيما إذا لم يشرطا تعجيله أوتأجيله وهوخلاف الواقع فى مصر وشام وما والاهما من البلاد،آه،قاسمية، قلت:وفى مصر المتعارف الآن تعجيل الثلثين وتأخير الثلث إلى الموت أو الطلاق،الخ". (الطحطاوى على الدر:۲/۶۳)

یہاں تک مہر کی اقسام اور ان میں اختلاف کی نوعیت نیز صحیح اور مفتی بہ کا تعین ذکر کر دیا گیا، گویا مہر کی درج ذیل کل چھ صورتیں بنتی ہیں:

(۱) مہر معجّل (اسے فی الفور ادا کرنا لازم ہے)۔

(۲) مہر موجل مع تعیین مدت (بالاتفاق اس مدت تک مؤجل ہوگا)۔

(۳) مہر مؤجل مع اجل جہالت یسیرہ (بالاتفاق اجل معتبر ہے)۔

(۴) مہر مؤجل مع جہالت فاحشہ (بالاتفاق معجّل ہوگا، اجل کا اعتبار نہیں)۔

(۵) مہر مؤجل بلاتعیین مدت (صحیح قول کے مطابق موت، یا طلاق تک موجل ہوگا)

(۶) مہر مسکوت عنہ (مفتی بہ قول کے مطابق عرفاً معجّل فی الفور باقی موت، یا طلاق تک موجل ہوگا)۔

ان تمام تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ مہر سے متعلق مختلف صورتیں اور ان کے احکامات الگ الگ ہیں۔ یہ تعیین صور ضروری ہے، ورنہ اشتباہ فی الجواب لازمی ہوگا۔ مہر مؤجل بلاتعیین مدت میں احقر کے نزدیک تاجیل الی الطلاق او الموت پر فتوی ہے اور مہر مسکوت عنہ (جس میں تعجیل یا تاجیل کا ذکر ہی نہ ہو) میں عرف کا اعتبار کرنے پر فتوی ہے۔ باقی ہمارے عرف میں چوں کہ فی الفور رخصتی کے وقت جو رقم دی جاتی ہے، اسے منہ دکھائی، یا دیگر نام دیئے جاتے ہیں، مہر شمار نہیں کیا جاتا، لہٰذا ان رقوم پر ہدایا کے احکام جاری ہوں گے اور مہر مسکوت عنہ میں بھی کل مہر موت، یا طلاق پر مؤجل ہوگا، جیسا کہ شامیہ میں وضاحت ہے:

"قلت: ومن ذلک ما یبعثه إلیه قبل الزفاف في الأعیاد والمواسم من نحو ثیاب وحلي وکذا ما یعطیها من ذلک أو من دراهم أو دنانیر صبیحة لیلة العرس ویسمی في العرف صبحة فإن کل ذلک تعورف في زماننا کونه هدیة لا من المهر ولا سیما المسمی صبحة". (شامیة: ۱۵۳/۳)

(میں کہتا ہوں کہ اسی میں سے ہیں وہ کپڑے اور زیورات جو زفاف سے قبل عیدوں اور مختلف مواقع پر دیئے جاتے ہیں، یا اسی طرح وہ دراہم اور دنانیر جو لڑکی کو دیئے جائیں رخصتی کے دن، جنہیں عرف میں صبحۃ کہا جاتا ہے، ان سب کا ہمارے عرف میں ہدیہ ہونا معروف ہے، نہ کہ مہر بالخصوص صبحۃ کا ہدیہ ہونا۔)

علامہ شامی کے زمانے کی طرح ہمارے زمانے میں بھی رخصتی کے دن اور اس سے قبل دی گئی رقم کا بطور ہدیہ ہونا معروف ہے، لہٰذا مہر مسکوت عنہ (یعنی صرف یہ کہا جائے کہ دس ہزار کے عوض نکاح کرتا ہوں) میں کل کا کل مہر مؤجل الی الطلاق أوالموت ہوگا۔ یہی عبارات فقہ سے قریب تر اور راجح ہے، لہٰذا مہر مؤجل بلاتعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں میں مہر موت، یا طلاق پر مؤجل ہوگا، اس سے قبل مطالبے پر ادائیگی ضروری نہیں اور نہ بیوی اس بنا پر ہمبستری سے منع کرسکتی ہے۔

مسئلہ ہذا میں ذکر کردہ اردو فتاوی جات پر ایک نظر:

اب ہم اس تفصیل کے مطابق نقل کردہ اردو فتاوی کا نمبروار جائزہ لیتے ہیں۔

(۱)　فتاوی دار العلوم دیو بند سے حضرت مفتی عزیز الرحمٰن کا جو فتوی نقل کیا گیا، حضرتؒ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں میں مطلقا تاجیل الی الطلاق او الموت کا قول (اختیار) کیا ہے، جب کہ مہر مسکوت عنہ میں مفتی بہ معجلاً معروف رقم کا معجلاً اور بقیہ کا موجل الی الطلاق او الموت ہونے کا ہے؛ لیکن ممکن ہے کہ عرف کے اعتبار سے چوں کہ معجلاً رقم بطور مہر دینا معروف نہیں، لہٰذا حضرت نے دونوں کو مطلقا مؤجل الی الطلاق او الموت قرار دیا ہو (جیسا کہ ہمارے زمانے کا عرف بھی یہی ہے)۔

(۲)　فتاوی محمودیہ سے نقل دونوں فتاوی میں سے پہلے فتوے میں حضرت مفتی محمود گنگوہی نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں تاجیل الی الطلاق او الموت اور مہر مسکوت عنہ میں عرف کا اعتبار کیا ہے، یہی راجح ہے، دوسرے فتوے میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت کا مؤجل الی الطلاق او الموت ہونا ذکر ہے۔

(۳)　خیر الفتاوی میں سائل نے مہر مسکوت عنہ سے متعلق سوال کیا ہے، جس کا جواب عرف کو فیصل بنا کے دیا گیا ہے، یہی راجح ہے۔

(۴)　فتاوی حقانیہ میں بھی مہر مسکوت عنہ سے متعلق عرف کو فیصل قرار دیا گیا ہے، یہی قول مفتی بہ ہے۔

(۵)　کتاب الفتاوی میں مجیب نے مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت کو بیوی کے مطالبے اور شوہر کے ادا کرنے کے موقف میں ہونے پر ادائیگی کا قول کیا ہے۔ مجیب نے حوالہ نقل نہیں کیا، بظاہر یہ قول کتب میں ذکر نہیں، مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت میں صحیح قول تاجیل کل الی الطلاق او الموت کا ہے۔

(۶)　کفایت المفتی میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی نے مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت کو فی الفور واجب الادا قرار دیا ہے۔ حضرت نے حوالہ تحریر نہیں فرمایا؛ لیکن بظاہر حضرت کا استدلال کتب میں ذکر دونوں اقوال میں سے تعجیل کل والے قول کی ترجیح سے ہے، البتہ ہم نے ذکر کر دیا تعجیلِ کل کے قول کی کسی نے تصحیح نہیں کی، جب کہ مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں تاجیل کل الی الطلاق او الموت کے قول کی تصحیح محیط اور ہندیہ میں اور ترجیح و تائید بدائع میں نقل ہے۔

ہم نے کفایت المفتی سے فتوی نقل کرنے کے بعد گزشتہ صفحات میں بھی ذکر کیا تھا کہ حضرتؒ نے خود تو حوالہ تحریر نہیں فرمایا؛ لیکن مخرج نے حاشیے پر درمختار کی جو عبارت نقل کی ہے، وہ یہ ہے:

”إلا إذا جهل الاجل جهالة فاحشة فيجب حالا، غاية“. (الدر المختار: ۱٤٤/۲)

(یعنی جب مہر موجل کے اداء کی مدت میں جہالت فاحشہ ہو تو اسے فی الفور اداء کرنا واجب ہے۔)

حضرتؒ کے تعجیلِ کل کے حوالے میں تخریج میں یہ عبارت پیش کرنا مخرّج کا تسامح ہے، یہ عبارت مہر مؤجل کی چار میں سے تیسری صورت سے متعلق ہے اور اس کا حکم تو بالاتفاق تعجیلِ کل کا ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کر دیا۔ باقی مہر مؤجل کی چوتھی صورت جو زیر بحث ہے؛ یعنی مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت اس کا شامیہ (درمختار اور رد المحتار) میں ذکر نہیں، البتہ

اس عبارت سے قبل مہر مسکوت عنہ میں عرف کے اعتبار پر فتوی کا ذکر ہے:

''(لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى لأن المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا،غاية''. (الدرالمختار: ۱۴۴/۲)

لہٰذا مخرج کا مہر مؤجل مع اجل جہالت فاحشہ میں واقع ''یجب حالاً'' کے قول کو مہر مؤجل بلاتعیین مدت میں حضرت مفتی کفایت اللہؒ کے استدلال کے طور پر پیش کرنا درست نہیں۔ نیز اس ''جہالت فاحشہ'' کے اطلاق میں مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت کو شامل کرنا (بایں طور کہ اس میں تو جہالت ہے؛ بلکہ مدت کا ذکر ہی نہیں) یہ درست نہیں؛ کیوں کہ مہر مؤجل بلاتعیین مدت کا مسئلہ اولاتو خود منصوص ہے، دیگر کتب میں صراحۃ ذکر ہے، ثانیاً درمختار کی عبارت کے تحت ردالمحتار میں جہالت فاحشہ کی بہت سی مثالیں ذکر ہیں کہ ہوا چلنے، یا بارش ہونے پر مہر کی ادائیگی طے ہو؛ لیکن بلاتعیین مدت صرف مہر مؤجل کہہ کر نکاح کو جہالت فاحشہ میں علامہ شامیؒ نے ذکر نہیں فرمایا۔ ثالثاً مہر مسکوت عنہ میں عرف کا قول شامیہ میں خود مفتی بہ قرار دیا گیا ہے؛ یعنی عرفاً معجّل دی جانے والی رقم معجّل، باقی مؤجل الی الطلاق اوالموت ہوگی؛ کیوں کہ موت، یا طلاق مؤجل غیر معین کی مدتِ معلومہ ہیں، لہٰذا جب مہر مسکوت عنہ میں یہ حکم ہے تو مہر مؤجل میں جہاں اگرچہ تعیینِ مدت نہ ہو؛ لیکن موجل کی صراحت تو ہے، وہاں بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔

(۷) امدادالفتاوی سے حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی کی تحقیق نقل کر دی گئی، حضرتؒ کے نزدیک مہر مؤجل صرف وہ ہے، جس میں تاجیل شرط ہو (یعنی مدت معلوم ہو) باقی سب معجّل ہے، چاہے مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت ہو، یا مہر مسکوت عنہ ہو، تاجیل الی الطلاق اوالموت کے قول کو حضرتؒ نے شرط کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے؛ یعنی جب یہ شرط ہو کہ یہ مہر مؤجل طلاق، یا موت پر ادا کروں گا تو موت، یا طلاق پر تاجیل ہوگی، وگرنہ نہیں۔ باقی عرف سے بھی تاجیل الی الطلاق اوالموت ہونا حضرتؒ کے نزدیک مرجوح ہے؛ کیوں کہ جیسے عرف تاجیل الی الطلاق أو الموت کا ہے، ویسے ہی عندالمخاصمۃ طلب کا بھی ہے، لہٰذا حضرت کی تصریح کے مطابق مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت کو فی الفور ادا کرنا لازم ہے، یا حد سے حدمخاصمت تک تاخیر ہوگی، جھگڑے کے وقت مطالبے پر ادائیگی ضروری ہے۔

بندہ نے حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی کا مکمل فتوی مع سوال وجواب کے نقل کر دیا تھا۔ اسے دوبارہ مطالعہ کرلیا جائے، اس کا خلاصہ اور حضرت کی تحقیق کا نچوڑ پھر عرض کر دیا گیا ہے۔ یہاں چند باتیں غور طلب ہیں:

(۱) حضرت مولانا حکیم الامت تھانویؒ نے مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت میں کتب فقہ میں ذکر دو اقوال میں سے پہلا قول یعنی تعجیلِ کل کو لیا ہے اور مہر مسکوت عنہ میں بھی ذکر دو اقوال میں سے پہلا قول یعنی تعجیل کل کو لیا ہے۔

حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی کا یہ فرمانا ''مؤجل وہ ہوتا ہے، جس میں تاجیل شرط ہو، جس میں کوئی شرط نہ ہو، وہ معجّل ہے'' یہ اسی تعجیلِ کل والے قول کے مطابق ہے، ورنہ مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت میں محیط اور ہندیہ کے تصحیح شدہ قول

کے مطابق تاجیل الی الطلاق او الموت ہوگی اور مہر مسکوت عنہ میں فتح القدیر، بحر، ہندیہ، درمختار، طحطاوی اور شامیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق عرفا معجّل رقم فی الفور، باقی مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگی۔ مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت سے متعلق ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

''وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت''. (الهندية: ۳۱۸/۱)

مہر مسکوت عنہ سے متعلق درمختار اور شامیہ کی عبارات گزشتہ صفحات پر نقل کر دی گئیں۔ کتب کے مکمل حوالہ جات فتوی کے آخر میں نقل ہیں، یہاں فقط بحر کا حوالہ نقل کیا جا رہا ہے:

''وأما على المفتى به فالمعتبر فى المسكوت عنه العرف''. (البحر: ۳۱۱/۳)

شامیہ کی اس عبارت کو ایک بار پھر ملاحظہ کر لیا جائے:

''قوله (أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا) أى إن لم يبين تعجيله أو تعجيل بعضه فلها المنع لأخذ ما يعجل لها منه عرفا وفى الصيرفية: الفتوى على اعتبار عرف بلدهما من غير اعتبار الثلث أو النصف، وفى الخانية: يعتبر التعارف لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا... قوله (إن لم يؤجل) شرط فى قوله أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها يعنى أن محل ذلك إذا لم يشترطا تأجيل الكل أو تعجيله ط وكذا البعض كما قدمه فى قوله كلا أو بعضا''. (شامية: ۱٤٤/۳)

(۲) حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی کا یہ فرمانا کہ ''اگر یہ شرط ٹھہر جاوے کہ طلاق، یا موت تک کی مہلت ہے، تب تو موجل ہوگا۔۔۔اگر یہ شبہ ہو کہ واقعی تاجیل شرط ہی سے ہوتی ہے، مگر عرف بمنزلہ شرط ہی کے ہے، الخ،۔۔۔حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی کا یہ ارشاد بھی کتب فقہ کے حوالوں کے مطابق نہیں؛ کیوں کہ موت، یا طلاق تک مؤجل ہونے کے لیے عرف کی قید نہیں۔ مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت تو محیط، ہندیہ اور بدائع کے قول کے مطابق مطلقا مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگا اور مہر مسکوت عنہ میں بھی مفتی بہ قول کے مطابق معجلا دی جانے والی رقم میں عرف کا اعتبار ہے، باقی رقم خود ہی مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگی۔ محیط میں مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت سے متعلق ہے کہ:

''وبعضهم قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت، ألا ترى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم يتفقا على غاية معلومة نحو الشهر أو السنة''. (المحيط: ۱۳۹/٤)

بدائع میں ہے:

''وقال بعضهم: يجوز ويقع ذلك على وقت وقوع الفرقة بالطلاق أو الموت وروى عن أبى يوسف ما يؤيد هذا القول''. (بدائع: ۳۱٥/۳)

ہندیہ میں ہے:

''وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: يصح وهو الصحيح

وهذا لأن الغاية معلومة فی نفسها وهو الطلاق أو الموت،الخ".(الهندية: ۳۱۸/۱)

ہندیہ میں مہر مسکوت عنہ سے متعلق ہے:

"وإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلک وإن لم يبينوا شيئا ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور فی العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فيجعل ذلک معجلا ولا يقدر بالربع ولا بالخمس وإنما ينظر إلى المتعارف".(الهندية: ۳۱۸/۱)

مہر مسکوت عنہ میں فقہا نے ایک حد تک تاجیل الی الطلاق اوالموت کے لیے عرف کا اعتبار کیا بھی ہو تو اصل اس میں بھی موت، یا طلاق کا فی نفسہ مدت معینہ ہونا ہے۔

(۳)　حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی کا یہ فرمانا کہ ''اس کا عرف علی الاطلاق ہونا غیر مسلم ہے، یہ عرف اسی وقت تک ہے، جب تک باہم موافقت رہے، ورنہ رنجش میں مطالبے کا بھی عرف ہے'' حضرت کے اس ارشاد کی بنا بھی اس پر ہے کہ مؤجل الی الطلاق اوالموت بھی عرف کی بنا پر ہوتا ہے، جب کہ حقیقت یہ نہیں۔

"لأن الغاية معلومة فی نفسها وهی الطلاق أو الموت".(الهندية)

لہٰذا اس پر تفریع بے محل ہے، نیز مطالبے کے وقت عرف کا اعتبار کرتے ہوئے ادائیگی لازم قرار دینے پر فقہا کی اتنی تصریحات، تصحیحات اور قولِ مفتی بہ کا تعین بے معنی رہ جاتا ہے؛ کیوں کہ رنجش کے وقت مطالبے کے عرف کے معنی ہے کہ جب بھی معمولی سی رنجش پر عورت مہر مانگ لے تو اسے مہر ادا کرنا لازم ہوا اولا تو یہ مہر معجّل کا حکم ہوسکتا ہے، مہر مؤجل کا نہیں۔ ثانیا کسی کتاب میں یہ استثناء، یا قید (رنجش کے وقت مطالبے کا عرف کی) موجود نہیں۔ ثالثا اس پر یہ اشکال ہوگا کہ پھر تو مہر موجل کی پہلی قسم جہاں مدت معلومہ ہو، مثلاً دس سال ہو، وہاں بھی مطالبے کے وقت ادائیگی کے عرف کا اعتبار کرکے ادائیگی عند المخاصمۃ لازم ہو۔ اس اشکال کا یہی جواب دیا جائے گا کہ وہاں دس سال مدت معلومہ ہے، لہٰذا رنجش کے وقت مطالبے کے عرف کا اعتبار نہیں، لہٰذا اسی طرح مہر موجل بلا تعیینِ مدت میں موت، یا طلاق بتصریح فقہا مدت معلومہ ہیں، لہٰذا عرف کے اعتبار کی حاجت نہیں۔

(۸)　احسن الفتاوی میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب نے حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی کے رنجش کے وقت مطالبے کے عرف والے قول کو اختیار فرمایا ہے، جس پر تفصیلی بحث امداد الفتاوی پر بحث کے دوران آ گئی۔ باقی احسن الفتاوی کے فتوے میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب نے خود یہ حوالہ تحریر فرمایا ہے:

قال فی شرح التنوير:"ولها منعه من الوطء (إلى قوله) **إلا اذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا، غاية"**.

وفی الشامية:قال فی البحر:فإن كانت جهالة متقاربة كالحصاد والدياس ونحوه فهو كالمعلوم على الصحيح، كمافی الظهيرية، بخلاف البيع فإنه لا يجوز بهذا الشرط وإن كانت

متفاحشة كإلى الميسرة أو إلى هبوب الريح أو أن تمطر السماء فالاجل لا يثبت ويجب المهر حالا و كذا في غاية البيان،اه". (احسن الفتاوی:۵/۳۳)

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحبؒ نے مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت سے متعلق سوال کے جواب میں مہر موجل کی تیسری قسم مہر موجل جہالت فاحشہ کے حوالے کوتحریر فرما دیا ہے، یہ اسی نوعیت کا تسامح ہے، جو کفایت المفتی کے حاشیے پر مخرج سے ہوا تھا، جسے تحریر کردیا گیا، البتہ زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحبؒ نے مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت کو مہر موجل جہالت فاحشہ کے حکم میں قیاساً داخل فرمایا ہے؛ یعنی ایسا مہر جس میں اجل مجہول ہو اور جہالت فاحشہ ہو، مثلاً بارش برسنے کے وقت وغیرہ اس میں مہر فی الفور دینا واجب ہوتا ہے، اسی طرح ایسا مہر مؤجل جس میں مدت کا بیان ہی نہ ہو، اس میں بدرجہ اولیٰ فی الفور ادائیگی ضروری ہوگی؛ کیوں کہ جہالت فاحشہ والے مہر مؤجل میں تو پھر مدت کا ذکر تو ہے؛ لیکن یہاں تو مدت کا بیان ہی نہیں، لہٰذا یہاں بدرجہ اولیٰ فی الفور ادائیگی ہونی چاہیے؛ لیکن یہ استدلال (جہالت فاحشہ کی متفق علیہ صورت پر بلاتعیینِ مدت کی مختلف فیہ صورت کو قیاس) اس وقت درست ہوتا جب مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت کی صورت خود منصوص نہ ہوتی؛ لیکن وہ خود منصوص ہے تو پھر قیاس کی ضرورت نہیں۔

"وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه، بعضهم قالوا: لا يصح، وبعضهم قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت".(المحيط:۱۳۹/٤)

اس لیے مسئلہ زیر بحث میں مذکورہ بالا حوالے سے استدلال محلِ نظر ہے۔

(۹)　فتاوی مفتی محمود میں مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت میں موجل الی الطلاق اوالموت کا قول لیا گیا ہے، جب کہ مہر مسکوت عنہ میں غیر مفتی بہ قول کے مطابق تعجیل کا قول لیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام:

اس پوری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

(۱)　مہر مؤجل کی چار صورتیں ہیں:

(۱)　مدت معلوم ہو۔

(۲)　مدت مجہول ہو جہالت متقاربہ ہو۔

(۳)　مدت مجہول ہو جہالت فاحشہ ہو۔

(۴)　مدت کا تعین ہی نہ ہو۔

پہلی تین صورتیں متفق علیہ اور چوتھی صورت مختلف فیہ ہے۔ چوتھی صورت سے متعلق کتب فقہ میں دو قول ہیں: ایک تعجیلِ کل کا، دوسرا تاجیل کل الی الطلاق اوالموت کا۔ پہلے قول کی کسی نے تصحیح نہیں کی، جب کہ دوسرے قول کی محیط اور ہندیہ نے تصحیح اور بدائع نے ترجیح وتائید نقل کی ہے۔

(۲)　مہر کی ایک اور صورت مہر مسکوت عنہ ہے، جس میں تعجیل، یا تاجیل کا ذکر ہی نہ ہو، مثلاً دس ہزار مہر کے عوض نکاح کیا، اس میں بھی دو قول کتب فقہ میں ہیں: ایک تعجیلِ کل کا اور دوسرا عرف کا قول ہے؛ یعنی عرفاً معجّل رقم معجّل، باقی مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگی۔ پہلے قول کو عنایہ اور غایۃ البیان نے لیا ہے، جب کہ دوسرے قول کو محیط، خانیہ، فتح القدیر، بحر، ہندیہ، درمختار، طحطاوی علی الدر اور شامیہ میں لیا گیا ہے، اسے مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔ بحر اور فتح القدیر میں غایۃ البیان کے پہلے (تعجیلِ کل کے) قول کو لینے پر استدراک کیا گیا ہے۔

(۳)　البتہ مہر موجل بلا تعیینِ مدت سے متعلق بعض اردو فتاوی میں پہلے قول پر بھی فتوی دیا گیا ہے، جس کی مدلل تنقیح ہم نے تحریر کردی، اسے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

(۴)　مسئلہ زیر بحث میں مہر مؤجل کی چار میں سے چوتھی صورت اور مہر مسکوت عنہ کی صورت میں موجود اختلاف، فقہا کی عبارات، مسئلے کی تنقیح، تصحیحات، نقل فتوی اور حتی المقدور نقول پیش کر دی گئیں۔ تمام حوالہ جات اور اردو فتاوی سامنے رکھ دیئے گئے ہیں۔ ان سب دلائل کی روشنی میں بندہ جس نتیجے پر پہنچا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ مہر مؤجل جس میں اجل کا تعین نہ ہو، موت یا طلاق پر مؤجل ہوگا، اس سے قبل مطالبہ پر ادائیگی لازم نہیں۔ نیز مہر مسکوت عنہ جس میں تعجیل اور تاجیل کا ذکر ہی نہ ہو، اس میں عرفاً معجّل رقم فی الفور باقی مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگی۔ ہمارے عرف میں چوں کہ معجلاً رقم دینا معروف نہیں؛ بلکہ وہ ہدایا اور منہ دکھائی شمار ہوتے ہیں، لہٰذا مہر مسکوت عنہ بھی کل کا کل مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگا، اس سے قبل ادائیگی ضروری نہ ہوگی، یہی کچھ عباراتِ فقہا سے قریب تر اور تصحیحات کے موافق معلوم ہوتا ہے۔

(۵)　مسئلہ زیر بحث میں موجود مختلف متضاد عبارات اور متعارض اردو فتاوی جات کا جتنا ممکن ہوا، حل پیش کر دیا گیا اور حتی المقدور اس اغلاق کو دور کیا گیا۔ احقر نے امانت اور دیانت کے ساتھ یہ تحقیق نقل کر دی ہے، اس میں جن حضرات کا ذکر آیا، یا اختلاف کیا گیا، وہ اہل نظر فی الدلیل ہیں۔ حاشا و کلا کسی پر محض اعتراض و تنقید پیش نظر نہیں۔ فقط قوت دلیل اور تصحیحاتِ فقہاء کو مدنظر رکھتے ہوئے جو جواب منقح ہوا، تحریر کر دیا گیا۔

(۶)　آپ نے پوچھا ہے کہ ''کسی ایک کی ترجیح دوسرے کی گستاخی تو شمار نہ ہوگی'' اس سلسلے میں عرض ہے کہ فقہ میں اعتبار قوتِ دلیل کا ہوتا ہے، نہ کہ کسی کی شخصیت کا۔ علامہ شامی نے شرح عقود رسم المفتی میں اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ نیز مسئلہ ہذا میں اردو فتاوی کے تعارض اور فقہی عبارات میں اشتباہ آپ کے سامنے ہیں، لہٰذا عبارات سے تنقیح کے ذریعے اشتباہ کا رفع کرنا اور تعارض میں ترجیح کے ذریعے ایک کو واضح کرنا ضروری ہے، اسے گستاخی نہیں کہا جا سکتا؛ بلکہ اس کے بغیر مسئلے پر عمل ہی ممکن نہیں، دلیل کی بنیاد پر تو امام اعظم ابوحنیفہ سے ان کے شاگردوں نے اختلاف فرمایا ہے؛ بلکہ خود امام اعظم کی نصیحت ہے کہ جب دلیل قوی آجائے تو میرے قول کو چھوڑ دو اور آج تک اصاغر اکابر سے اختلاف

کرتے رہے ہیں، سب کی بنیاد دلیل پر ہوتی ہے اور اکابر کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے جو بات دلیل اور تفقہ کے زیادہ قریب ہو ذکر کردی جاتی ہے۔ نیز مسئلہ ہذا میں فتاوی محمودیہ، حقانیہ اور خیر الفتاوی میں مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت اور مہر مسکوت عنہ سے متعلق وہی رائے اختیار کی گئی ہے، جو بعد از تحقیق احقر نے ذکر کی ہے، ان حضرات نے فقط مسئلے کی تنقیح وغیرہ مفصل انداز میں تحریر نہیں فرمائی؛ لیکن فتوی اسی قول پر دیا ہے۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند اور فتاوی مفتی محمود میں مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت سے متعلق یہی رائے اختیار کی گئی ہے کہ وہ مطلقا موت، یا طلاق تک مؤجل ہوگا؛ کیوں کہ موت یا طلاق خود ہی مہر موجل کی معینہ مدت ہیں، لہٰذا اسے سوءادب یا گستاخی سمجھنا درست نہیں۔

لمافی المحيط البرهاني (١٣٩/٤): وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه بعضهم قالوا: لا يصح، وبعضهم قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أوالموت، ألا ترى أن تاجيل البعض صحيح وإن لم يتفقا على غاية معلومة نحو الشهر أوالسنة، وإنما يصح بالطريق الذى قلنا،قال مشايخنا رحمهم الله:وفی عرف ديارنا ليس للمرأة أن تمنع نفسها من زوجها حتى تستوفی جميع المهرلان فی عرفناالبعض مؤجل والبعض معجّل والمعجل يسمى دست بيمان والمؤجل يسمى كابين كردني والمعروف كالمشروط، فإن بينا مقدار المعجل ومقدار الموجل فهو على ما بينا، وإن لم يبينا شيئاًينظر إلى المسمى وإلى المرأة ان مثل هذه المرأة كم يكون لها من مثل هذا المسمى معجلاً، وكم يكون لها موجلاً فی العرف فيقضى بالعرف،وما ذكر فی مجموع النوازل أنه يقضى لها نصف المهر معجلاً فإنما ذلک بناء على عرف أهل سمرقند أنهم يعجلون النصف من المسمى، وهو اختيار الفقيه أبی الليث رحمه الله إلا أن ذلک يختلف باختلاف البلاد، والصحيح ما ذكرنا،وإن شرطا تعجيل الكل فی العقد فهو كما شرطا، ووجب تعجيل الكل، إذ لا تعتبر دلالة العرف إذا جاء الصريح بخلافها.

وفی الخانية(١٧٧/١):إذا زوجت المرأة ولها مهر معلوم كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المهر فإن كان فی موضع يعجل البعض ويترک الباقی فی الذمة إلى وقت الطلاق او الموت كما هو عرف ديارنا كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المعجل وهو الذى يقال بالفارسية دست بيمان وليس لها أن تطالبه بكل المهر فإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلک وإن لم يبينوا شيئاً ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور فی العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فيجعل ذلک معجلاً ولا يقدر ذلک بالربع ولا بالخمس وإنما ينظر إلى المتعارف لأن الثابت عرفاً كالثابت شرطاً وإن شرطوا فی العقد تعجيل كل المهر تجعل الكل معجلاً ويترک العرف.

وفی غاية البيان شرح الهداية،نسخة مخطوطة عندنا (١٨٨/٢،باب المهر) :أما اذا كان مؤجلا

ففيه اختلاف بين أصحابنا بيانه أن المهر لا بد من أحد الامور الثلاثة اما أن يكون بشرط التعجيل أو بشرط التاجيل او مسكوتا عنه، فان كان بشرط التعجيل او مسكوتاعنه يجب حالا لأنه عقد معاوضة،وان قال نصفه موجل ونصفه معجل كما جرت العادة ولم يزد على ذلک يجوز الاجل ويقع ذلک على وقوع الفرقة بالموت أو الطلاق وقال بعضهم لا يجوز الاجل ويجب حالا.

وفى الطحطاوى على الدر (٦٣/٢):ومثال الجهالة الفاحشة الى الميسرة او الى هبوب الريح... (قوله لطلاق أو موت)قال الزاهدى: صارت تأخير الصداق الى الموت أو الطلاق بخوارزم عادة مأثورة وشريعة معروفة عندهم ومحله فيما اذا لم يشترطا تعجيله أو تاجيله وهو خلاف الواقع فى مصروشام وماوالاهمامن البلادقاسميه قلت وفى مصر المتعارف الآن تعجيل الثلثين و تأخير الثلث الى الموت أوالطلاق وفى بعض اعمالها تعورف تعجيل النصف وتأخير النصف الى عشر سنوات مثلا وهذا التنجيم لازم ولا يحل بالطلاق.

وفى الشامية(١٤٤/٣): قوله (أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا) أى إن لم يبين تعجيله أو تعجيل بعضه فلها المنع لاخذ ما يعجل لها منه عرفا وفى الصيرفية الفتوى على اعتبار عرف بلدهما من غير اعتبار الثلث أوالنصف وفى الخانية يعتبر التعارف لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا قلت والمتعارف فى زماننا فى مصر والشام تعجيل الثلثين وتأجيل الثلث ولا تنس ما قدمناه عن الملتقط من أن لها المنع أيضا للمشروط عادة كالخف والمكعب وديباج اللفافة ودراهم السكر كما هو عادة سمرقند فإنه يلزم دفعه على من صدق العرف من غير تردد فى إعطاء مثلها من مثله ما لم يشرطا عدم دفعه والعرف الضعيف لا يلحق المسكوت عنه بالمشروط قوله (إن لم يوجل) شرط فى قوله أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها يعنى أن محل ذلک إذا لم يشترطا تأجيل الكل أو تعجيله ط وكذا البعض كما قدمه فى قوله كلا أو بعضا. (نجم الفتاویٰ:۱۷۳/۵-۱۹۴)

شب زفاف میں بیوی کو بطور گفٹ کوئی چیز دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح میں مہر مؤجل؛ یعنی ادھار ہے تو جب بیوی کے پاس جائے، اگر اس وقت گفتگو کرنے سے قبل کوئی سامان بطور گفٹ دے دے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور بیوی سے کچھ دیئے بغیر ملاقت کرنا کیسا ہے؟ حدیث سے اس کا ثبوت ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب________ وبالله التوفيق

نکاح میں مہر مؤجل ہونے کی صورت میں جب بیوی کے پاس جائے تو گفتگو کرنے سے قبل کوئی سامان بطور گفٹ دے دیا تو یہ بہتر ہے؛ تاکہ بیوی مانوس ہو جائے؛ البتہ کچھ دیئے بغیر گفتگو کرنا بھی درست ہے۔ حدیث شریف میں دونوں طرح کا حکم ثابت ہے۔

عن ابن عباس قال: لما تزوج عليٌ فاطمة، قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعطها شيئاً، قال: ما عندی شیء؟ قال: أين درعک الحطمية. (أبوداؤد، كتاب النكاح، باب فى الرجل يدخل بامرأته قبل أن ينقدها، النسخة الهندية: ۲۸۹/۱، دار السلام، رقم: ۲۱۵۲)

أعطها شيئا ولعله صلى الله عليه وسلم أمره بذلک أن يعطيها بطريق المهر المعجل تأنيسالها وجبراً لخاطرها. (بذل المجهود، قديم سهارنپور: ۲۴۷/۳، جديد دار البشائر الإسلامية: ۵٤/۸)

عن عائشة قال: أمرنى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أدخل امرأة على زوجها قبل أن يعطيها شيئًا. (أبوداؤد، النسخة الهندية: ۲۹۰/۱، دار السلام رقم: ۲۱۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۳؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۵۱/۴۰) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۷۳/۱۳-۶۷۴)

پہلے ڈھائی سو مؤجل پر نکاح کیا، پھر تجدید نکاح چودہ ہزار سے زیادہ پر کیا، کیا حکم ہے:

سوال: مسمی بڈن نے ۲۷؍محرم ۱۳۳۸ھ کو مسماۃ زہرا بی سے بمعاوضہ مہر مبلغ دوسو پچاس روپیہ مہر مؤجل عقد کیا، اٹھارہ روز بعد بتاریخ ۱۵؍صفر ۱۳۳۸ھ مسمی بڈن مذکور نے مسماۃ مذکورہ سے چودہ ہزار سات سو پچاس روپیہ مہر مقرر کر کے تجدید نکاح کی۔ یہ شرعا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

منکوحہ سے عقد ثانی کرنا فضول ہے؛ لیکن اضافہ مہر صحیح ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۲۱/۸)

نصف مہر لے کر لوگوں کو کھلانا کیسا ہے:

سوال: لیکن اس صورت میں لوگ اس کے مکان پر کھاتے نہیں تو لوگوں کے کھلانے کے لیے یہ حیلہ کرتا ہے کہ پہلے عقد کر دیتا ہے اور لڑکی کا ولی لڑکی سے قبل از عقد یہ کہہ دیتا ہے کہ تو بعد عقد کے نصف مہر کی مالک ہو جائے گی، عقد کے بعد تو یہ کہنا کہ تم میرے مہر میں سے نصف دے دو؛ مگر وہ لڑکی اس فقرہ کو نہیں کہتی؛ بلکہ لڑکی کا ولی ہی کہتا اور لیتا ہے، اب اس حیلہ سے لوگوں کو کھانا کھلانا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) لڑکی کے نام سے اس کا ولی عقد کے بعد نصف مہر لے سکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا عند الحساب، فقط

---

(۱) نکاح تو پہلے ہی ہو چکا تھا، یہ دوسرا نکاح فضول ہوا، البتہ مہر میں اضافہ شوہر کی طرف سے ہو گیا۔

أوزيد على ماسمى فإنها تلزمه بشرط قبولها فى المجلس، الخ، وفى الكافى: جدد النكاح بزيادة الف لزمه الألفان. (الدر المختار)

حاصل عبارة الكافى: تزوجها فى السر بالف، ثم فى العلانية بألفين، فى الأصل أنه يلزمه عنده الألفان ويكون زيادة فى المهر وعند أبى يوسف: المهر هو الأول لأن العقد الثانى لغو فيلغو مافيه وعند الإمام أن الثانى وإن لغا لا يلغو ما فيه من الزيادة. (ردالمحتار، باب المهر: ۴۶۳/۲-۴۶۴، ظفير)

الجواب

(۱) جواب یہ ہے کہ بحیلہ مذکور اول جو مندرجہ سوال کا ہے کہ نصف مہر وصول کرنا اور اپنے صرف میں لانا اور برات والوں کو اس میں سے کھانا کھلانا درست نہیں؛ بلکہ حرام ہے؛ اس لیے کہ ولی مذکور اپنی دختر سے قبل از عقد اجازت وصول نصف مہر کی چاہتا ہے کہ ولی دختر کے نام سے وہ مہر وصول کرلے اور اپنے صرف میں لاوے، جیسا کہ فحوائے عبارت مندرجہ سوال سے ہویدا ہے اور باقی مہر کی دختر مالک ہو اور حال یہ ہے کہ درحقیقت یہ طلب اجازت مہر علی سبیل الہبہ اپنے واسطے ہے کہ عقد میں اعتبار معانی اور مقاصد کا ہے، نہ صورت اور الفاظ کا، **کما فی الهداية: "العبرة للمعاني لا للصور"** (۱) (اور سکوت ترپین مسائل میں بمنزلہ نطق قرار دیا گیا ہے، اس میں سے سکوت دختر بھی ہے) **هكذا في الفصول العماوي** اور دختر در بارہ اجازت دینے کے ساکت رہی لفظ لا، یا نعم نہ کہا، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے، پس ایسے موقعہ پر شرعاً سکوت دختر مذکورہ بالا کا بمنزلہ نطق نہ ہوگا؛ اس لیے کہ فقہاء کرام نے جو سکوت بمنزلہ نطق قرار دیا، وہ ترپین مسائل میں ہے اور نہیں ہے یہ عقد ان مسائل میں سے؛ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے صراحت، نہ دلالت سے اور شمار کیا ہے ان مسائل کو علامہ شامی اور صاحب اشباہ وغیرہ نے، من شاء فلیطالع فیہا۔ (۲)

اور بالفرض سکوت دختر مذکورہ کا در بارہ ہبہ بمنزلہ نطق قرار دیا جاوے تو بھی ولی مسطور کا مہر موہوبہ کو قبل از عقد، یا بعد از عقد وصول کرنا اور اپنے تصرف میں لانا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ اگر وہ لڑکی بالغہ ہے تو اس وجہ سے یہ مہر کا لینا صحیح نہیں ہے کہ قبل عقد موہوب مملوک واہب نہیں ہوتا، اس واسطے کہ وجوب مہر کا نفس عقد نکاح سے ہوتا ہے کہ وہ بدل بضع کا ہے، (کما صرح بہ فی الہدایہ، ص: ۳۸۰) نہ قبل از عقد اور ملک واہب کی موہوب پر بوقت ہبہ کے مشروط ہے؛ تا کہ تملیک غیر مملوک لازم نہ آوے اور یہ باطل ہے۔

درمختار میں لکھا ہے:

"شرائط صحتها في الواهب: العقل والبلوغ والملك". (الدرمختار على هامش الشامي: ۷۰۰/۲) (۳)

اور کفایہ حاشیہ ہدایہ کے باب الوکالت میں لکھا ہے: **تملیک مالا یملک باطل ہے۔**

---

(۱) لأن الإعتبار للمعاني لا للصو. (الهداية، شروط قبول الدعوى: ۱۵۴/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت، انيس)

(۲) فِي الْأَشْبَاهِ: السُّكُوتُ كَالنُّطْقِ فِي مَسَائِلَ عَدَّ مِنْهَا سَبْعَةً وَثَلَاثِينَ. (الدرالمختار)

سُكُوتُ الْبِكْرِ عِنْدَ اسْتِئْمَارِ وَلِيِّهَا قَبْلَ التَّزْوِيجِ سُكُوتُهَا عِنْدَ قَبْضِ مَهْرِهَا سُكُوتُهَا إذَا بَلَغَتْ بِكْرًا فَلَا خِيَارَ لَهَا بَعْدَهُ حَلَفَتْ أَنْ لَا تَتَزَوَّجَ فَزَوَّجَهَا أَبُوهَا فَسَكَتَتْ حَنِثَتْ سُكُوتُ الْمُتَصَدَّقِ عَلَيْهِ قَبُولٌ لَا الْمَوْهُوبِ لَهُ سُكُوتُ الْمَالِكِ عِنْدَ قَبْضِ الْمَوْهُوبِ لَهُ أَوْ الْمُتَصَدَّقِ عَلَيْهِ إذْنٌ سُكُوتُ الْوَكِيلِ قَبُولٌ، وَيَرْتَدُّ بِرَدِّهِ سُكُوتُ الْمُقَرِّ لَهُ قَبُولٌ وَيَرْتَدُّ بِرَدِّهِ سُكُوتُ الْمُفَوَّضِ إلَيْهِ الْقَضَاءُ أَوْ الْوِلَايَةُ قَبُولٌ وَلَهُ رَدُّهُ سُكُوتُ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ قَبُولٌ وَيَرْتَدُّ بِرَدِّهِ. (ردالمحتار، مطلب وقف على أولادهم وسماهم: ۴۸۳/۴، انيس)

(۳) الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵۶۰/۱، دارالكتب العلمية بيروت، انيس

اور عنایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے:

”التمليك من غير المالك لا يتصور“. (۱)

علاوہ ازیں جب کہ دختر مذکورہ نے قبل عقد مہر اپنا جس کی بعد العقد مالک ہوئے گی، ہبہ کیا تو اس میں اضافت تملیک کی طرف اس شئے کے ہوئی کہ آئندہ اس کا وجود ہوگا اور ایسی اضافت صحیح نہیں، کما فی الہدایہ:

”وإضافة التمليك إلى ما سيوجد لا يصح“. (۲)

اور اگر وہ دختر نابالغہ ہے تو ہبہ نابالغہ کا صحیح نہیں کما فی عبارت الدر المختار، بہر حال حیلہ مندرجہ سوال ناجائز ہے اور جو مال بطور ناجائز کے مکسوب ہوگا، اس کا کھانا کھلانا ناجائز ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں نگارش ہے:

”آكِلُ الرِّبَّا وَكَاسِبُ الْحَرَامِ أَهْدَى إِلَيْهِ أَوْ أَضَافَهُ وَغَالِبُ مَالِهِ حَرَامٌ لا يَقْبَلُ، وَلا يَأْكُلُ مَا لَمْ يُخْبِرْهُ أَنَّ ذَلِكَ الْمَالَ أَصْلُهُ حَلَالٌ وَرِثَهُ أَوْ اسْتَقْرَضَهُ“. (۳)

(۲) جواب سوال دوم کا یہ ہے: مہر کی دو صورتیں ہیں اور ایک مہر مؤجل ساتھ ہمزہ کے اور دوسرا مہر معجّل ساتھ عین کے، پہلی صورت میں تو حق مطالبہ اور قبض مہر کا قبل وقوع فرقت بموت، یا طلاق کے منکوحہ ہے، نہ اس کے ولی مجاز کو، چناں چہ فتاویٰ ابراہیم شاہی میں مرقوم ہے:

”المهر لا يخلوا أن يكون بشرط التعجيل أو سكوت عنه فإنه يجب في الحال معجلا وإن كان مؤجلا فليس لها حق المطالبة“. (۴)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”لا خِلَافَ لِأَحَدٍ أَنَّ تَأْجِيلَ الْمَهْرِ إِلَى غَايَةٍ مَعْلُومَةٍ نَحْوَ شَهْرٍ أَوْ سَنَةٍ صَحِيحٌ، وَإِنْ كَانَ لا إِلَى غَايَةٍ مَعْلُومَةٍ فَقَدْ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ قَالَ بَعْضُهُمْ يَصِحُّ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْغَايَةَ مَعْلُومَةٌ فِي نَفْسِهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ أَوْ الْمَوْتُ أَلا يَرَى أَنَّ تَأْجِيلَ الْبَعْضِ صَحِيحٌ، وَإِنْ لَمْ يَنُصَّا عَلَى غَايَةٍ مَعْلُومَةٍ، كَذَا فِي الْمُحِيطِ“. (۵) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۶۵/۸-۳۶۷)

لڑکی والا شادی میں خرچ کرنے کے لیے مہر سے کچھ لے سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: لڑکی والا لڑکے والے سے کچھ حصہ مہر معینہ سے بطور مہر معجّل قبل از نکاح لے سکتا ہے، یا نہیں؟ اس وجہ سے کہ لڑکی کی شادی کے کاروبار میں؛ یعنی ضروری اشیا میں صرف کرے؟

(۱) العناية شرح الهداية، فصل في بيع الفضولي: ۵۲/۷، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الهداية، كتاب الإجارات: ۲۳۰/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت، انيس

(۳) الفتاویٰ الهندية: ۳۴۳/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني في الهدايا والضيافات

(۴) فَإِنْ كَانَ يَعْنِي الْمَهْرَ بِشَرْطِ التَّعْجِيلِ أَوْ مَسْكُوتًا عَنْهُ يَجِبُ حَالًّا. (تبيين الحقائق، باب المهر: ۱۵۶/۲، المطبعة الكبرىٰ الأميرية بولاق، انيس)

(۵) الفتاویٰ الهندية، الفصل الحادي عشر في منع المرأة نفسها: ۳۱۳/۱، ظفير

الجواب

لڑکی سامان کے لیے باپ کو مہر کا کچھ حصہ لے کر اس میں صرف کرنا جائز ہے۔

کما فی الدر المختار: وفیها قبض الأب مهرها وهی بالغة، أو لا، وجهزها أو قبض مکان المهر عینا لیس لها أن لا تجیز لأن ولایة قبض المهر إلی الآباء وکذا التصرف فیه، الخ. (۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۹۸/۲۷۸-۲۸۰)

مہر معجّل ومؤجل کی تصریح نہ ہونے سے نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا:

سوال: ایک شخص زید ایک مسماۃ خیرن کے ساتھ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۶۴ء تک زندگی گزارتا رہا، اس عرصہ میں مسماۃ مذکورہ سے نو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں اور خود مسماۃ مذکور بقید حیات ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں زید کے والد نے ان واقعات کے علم کے بعد اعلان کر دیا تھا کہ اگر زید مسماۃ خیرن سے نکاح کرے گا تو وہ اپنے عاق سمجھے، ورنہ زید کو خاندان سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ۱۹۵۶ء میں زید کے پیروں کی ہڈیاں ٹوٹ جانے سے دونوں ٹانگیں (کھولے سے نیچے تک) قطعی بیکار ہوگئیں، لہٰذا زید نے بقیہ زندگی اپاہج کی طرح پلنگ پر پڑے پڑے گزاری، خود سے اٹھنا بیٹھنا وبیت الخلا وپیشاب وغیرہ نہ ہوسکا، چوں کہ عمر بھی ستر سال سے اوپر تھی۔

اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۹۵۸ء میں خیرن نے اپنے منکوحہ کہلانے اور ثابت کرنے کے لیے زید کو مجبور کیا اور اس کا اقرار واظہار اس طور پر کہ اپنا مہر تیس ہزار تعین کر کے ایک لاکھ روپے کی جائیداد بعوض مبلغ سولہ ہزار من جملہ تیس ہزار کے اپنے نام منتقل کرائی اور دستاویزات رجسٹری کرائی اور دستاویزات میں یہ تحریر کرلیا کہ مسماۃ خیرن کا مہر تیس ہزار روپے ہے اور اسی کے من جملہ سولہ ہزار میں جائیداد اس کے مہر میں دی گئی اور چودہ ہزار مہر باقی رہا (مسماۃ خیرن کا آبائی پیشہ عصمت فروشی تھا اور ہے) اور اس پر مہر کا تعین تیس ہزار روپیا کیا گیا۔

زید کا انتقال ۱۹۶۴ء میں ہوگیا، اس کے انتقال کے بعد اولاد جو کہ منکوحہ بیویوں سے ہوئی ہے، اس نے اپنے حقوق کی دادرسی چاہی، اس پر خیرن نے ایک نکاح نامہ تحریر کردہ مورخہ ۱۹/اپریل ۱۹۲۸ء پیش کیا، اس تحریر میں سے تعداد رقم مٹا دی گئی اور آگے نصف جس کے تحریر ہے، اس کے بعد جو رقم تحریر ہے اس پر روشنی ڈال کر معدوم کر دیا گیا ہے، اس تحریر پر نکاح نامہ مہر معجّل ومؤجل قطعی تحریر نہیں اور اس نکاح نامہ رمسماۃ خیرن کا نہ اس پر بھی روشنائی پڑی ہے، بایں طور کہ صحیح نام پڑھا دشوار ہے، حق وراثت جس کا دعویٰ مسماۃ مذکور کرتی ہے۔

(الف) خیرن اپنے کو منکوحہ زید بتلاتی ہے۔

---

(۱) ردالمحتار، باب المهر، قبیل باب نکاح الرقیق: ۵۰۸/۲، ظفیر

(ب)　قمر الدین عرف چھنو بڑا لڑکا خیرن کا، جس کی فوٹو تمام بچوں کا ۱۹۴۰ء کا موجود ہے، جس میں یہ لڑکا بھی موجود ہے۔

(ج)　غلام قادر اس کی پیدائش ۲۷ء میں ہوئی؛ یعنی نکاح نامہ کی تحریر سے ایک سال چار ماہ قبل، اس وارث مان کر حق وراثت طلب کرتی ہے۔

(د)　سراج الدین لڑکا بقید حیات پیدائش بعد ۱۹۳۳ء، معین الدین بقید حیات پ بعد ۱۹۳۵ء، کنیز فاطمہ لڑکی بقید حیات پ ۱۹۲۸، الٰہی بخش فوت پ بعد ۱۹۲۸ء، عزیز فاطمہ بقید حیات، نذیر فاطمہ بقید حیات پ بعد ۱۹۲۸ء، عدن لڑکا بقید حیات پ بعد ۱۹۲۸ء، غلام قادر لڑکا بقید حیات پیدائش بعد ۱۹۲۸ء، یہ سب ۱۹۲۸ء کے بعد پیدائش ہوئے ہیں، پ بعد ۱۹۲۸ء سب کو وارث بتاتی ہے۔

(۱)　نکاح نامہ جس میں معجّل ومؤجل تحریر نہ ہو، جو نکاح بلاصراحت معجّل وموجل پڑھایا گیا ہو، کیا شرعی طور سے واضح نہیں کرتا کہ اقرار مہر مابین زید وخیرن نہیں ہوا؟ اسی لیے تحریر میں وضاحت نہیں کی گئی۔ یہ نکاح شرعی ہوا، یا نہیں؟ ایسے کاغذات کی تحریر شرعا معتبر ہے، یا نہیں؟

(۲)　وہ اولاد جس کا مکمل ثبوت خود خیرن پیش کردہ نکاح نامہ سے ہے کہ اس تحریر سے ڈھائی سال قبل پیدا ہوا ہے، کیا شرعا وارث ہوسکتا ہے؟

(۳)　بلا تفصیل مہر معجّل ومؤجل کے اقرار مہر شرعا جائز ہے؟ اور تکمیل نکاح ہوسکتی ہے؟

(۴)　ان حالات میں شرعی فیصلہ جب کہ نکاح نامہ معجّل ومؤجل بذات خود مشکوک ومشتبہ ہے اور واقعات شاہد ہیں کہ یہ سب کچھ نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے اور انتقالات جائیداد مالیتی ایک لاکھ بعوض سولہ ہزار روپیہ مہر کی رقم میں منتقل کیا جانا بتلا رہا ہے کہ جبر وتشدد اور مجبور کرنے پر یہ کرایا گیا ہے اور نکاح کا قاضی نہ وکیل، نہ گواہ، نہ اہل خاندان کا کوئی فرد، نہ اہل محلّہ کا کوئی ہمسایہ اس کا نکاح کی اور نکاح نامہ کی تصدیق کرتا ہے اور نہ ہی اس کا ان میں سے کسی کو کسی طرح کا کوئی علم ہے، ایسی حالت میں اس تحریری نکاح نامہ کی حیثیت کیا ہے؟

(۵)　ان حالات کے پیش نظر جو بالکل صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ جبر وتشدد سے کرایا گیا ہے اور صرف اس مشکوک تحریر پر نکاح قابل تسلیم ہے، یا نہیں؟

(۶)　زید کے والد کا اعلان کہ ''اگر خُرن سے نکاح کیا تو عاق سمجھا جائے گا اور جائیداد کی وراثت براہ راست اولاد زید جو کہ منکوحہ بیویوں سے موجود ہے ملے گی اور وہی جائیداد کے شرعی وارث ہوں گے''۔ اس اعلان عام کے بعد اب شرعی حکم اس متروکہ جائیداد کے لیے کیا ہے، جو زید کے والد نے چھوڑی ہے؟

(شیخ فخر الدین لال کرتی میرٹھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) اگر نکاح کا ایجاب وقبول شریعت کے مطابق ہو جائے اور اس میں مہر معجّل، یا مؤجل کی کوئی صراحت نہ ہوتو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔(۱)

(۲) جو اولاد ایجاب وقبول سے پہلے پیدا ہو، وہ ثابت النسب نہیں،(۲) وہ صرف ماں سے وراثت پا سکتی ہے، باپ سے وراثت نہیں پائے گی؛ کیوں کہ شرعاً وہ باپ نہیں، نہ وہ اولاد اس کی شرعی اولاد ہے۔(۳)

(۳) اگر ایجاب وقبول کر کے گواہوں کے سامنے نکاح کر لیا گیا تو وہ صحیح ہو گیا، اگر ایسا نہیں کیا گیا؛ بلکہ عورت ومرد نے یہ کہا کہ ہم دونوں شوہر بیوی ہیں، حالاں کہ پہلے نکاح نہیں کیا گیا تو محض اس کہنے اور اقرار کرنے سے مختار قول کی بنا پر نکاح منعقد نہیں ہوا۔

"رجل وامرأة أقرا بالنكاح بين يدى الشهود، وقالا بالفارسية: "مازن وشوئيم"، لا ينعقد النكاح بينهما، هو المختار، كذا في الخلاصة". (عالمگیری: ۲/۲۸۰)(۴)

(۴-۶) اگر گواہوں کے سامنے شرعی طور پر ایجاب وقبول کیا گیا ہے تو وہ عنداللہ معتبر ہے،(۵) اگر چہ اس وقت نہ گواہ زندہ ہوں، نہ وکیل، نہ قاضی؛ بلکہ کوئی تحریر بھی موجود نہ ہو، اگر بغیر نکاح کے تعلق رہا اور اولاد ہوئی تو سخت معصیت ہوئی اور ایسی اولاد مستحق میراث بھی نہیں، خالی نکاح نامہ وہ بھی اس مشکوک حالت میں؟ ثبوت نکاح کے لیے قضاء کافی نہیں؛ بلکہ اس کے لیے گواہوں کی ضرورت ہے۔

زید کے ناگفتہ بہ حالت کے ساتھ ہی غور طلب ہے کہ اپنی مدت تک منکوحہ بیویوں اور ان کی اولاد نے زید پر کوئی سوال نہیں اٹھایا کہ وہ بغیر نکاح کے ایک عورت خیرن کو رکھے ہوئے ہے اور اس سے ناجائز اولاد پیدا ہو رہی ہے، خاص کر زمانہ علالت ومجبوری میں کہ وہ زمانہ بھی کافی ہے، اس کی وجہ کیا ہے، اس کو کیسے برداشت کیا گیا؟

---

(۱) **النكاح ينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر.** (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(۲) **عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قام رجل فقال: يارسول الله! إن فلانا ابني عاهرت بأمه في الجاهلية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لادعوة في الإسلام، ذهب أمر الجاهلية، الولد للفراش وللعاهر الحجر".** (مشكاة المصابيح، باب اللعان، الفصل الثالث: ۲/۲۸۷، قديمى)

(۳) **"والنبى صلى الله عليه وسلم ألحق ولد الملاعنة بأمه، فصار كشخص لاقرابة له من جهة الاب، فوجب أن يرثه قربة أمة ويرثهم".** (ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل في العصاب: ۶/۷۷۷، سعيد)

"أما إن قال: إنه منى عن الزنا، فلا يثبت نسبه ولايرث منه". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۴۰، رشيدية)

(۴) **الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح وما لاينعقد به النكاح: ۱/۲۷۲، رشيدية**

(۵) **ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أورجل وامرأتين".** (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان)

زید کے والد کا یہ اعلان کہ ''اگر زید خیرن سے نکاح کرے گا اور بیوی بنائے گا تو پھر یہ ہوگا اور وہ ہوگا اور بعد نکاح خیرن سے پیدا شدہ اولاد محروم رہے گی، اس کو کوئی حصہ نہیں ملے گا''۔ یہ بھی زیادتی اور خلاف شرع اعلان ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ زید کی منکوحہ بیویوں کو اولاد ترکہ پدری پورا وصول کرنے اور خیرن کی اولاد کو نیز خیرن کو محروم کرنے کے لیے اپنے والد کو زانی قرار دینا چاہتے ہوں اور اس بات کے مدعی ہوں کہ ان کے والد نے آخیر عمر زنا کا ارتکاب کیا اور بغیر توبہ کئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اور جو جائیداد ان کو ملنے والی تھی، وہ حرام کاری کے معاوضہ میں ناحق ایک فاحشہ عورت کو دے دی اور اپنی اصل اولاد کو محروم کر دیا، اگر خدانخواستہ ایسا ہی ہے تو انتہا اذیت اور تکلیف کی چیز ہے، جس کو کوئی شریف انسان برداشت نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ اس کا ارتکاب کرے۔

جو شخص شرعاً مستحق میراث ہو اور مورث اس کو عاق؛ یعنی محروم الارث کرنا چاہیے تو محروم نہیں کر سکتا، محروم کرنا مورث کے اختیار میں نہیں، وہ کتنا ہی محروم کرے اور اعلان کر دے، یا لکھ بھی دے، تب بھی شرعاً میراث ملتی ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸۶/۲/۲۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۶/۲/۲۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۴۲/۱۰-۵۴۶)

مطلق مہر کی صورت میں طلاق کے بعد عورت مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے:

سوال: ہندہ کا نکاح جو زید سے ہوا، اس میں نہ تو قاضی صاحب نے، نہ ناکح نے مہر کی تفصیل بیان کی، نہ معجّل کہا نہ مؤجل، ناکح نے کہا کہ میں نے ہندہ کو بعوض دین مہر ۵/ہزار کے اپنی زوجیت میں قبول کیا تو آیا یہ مہر معجّل ہوا، یا مؤجل، یا کچھ معجّل اور کچھ مؤجل؟ زید نے ہندہ کو طلاق دے دی، کیا ہندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ زید سے اپنے مہر کا مطالبہ کرے، کیا بوقت نکاح مہر معجّل وموجل کی تفصیل نہ ہونے سے اب ہندہ کے مہر کی وصولی میں کوئی جھگڑا پڑے گا، مہر معجّل ومؤجل کی تعریف جامع مانع ارقام فرمادیں؟

الجواب

مہر معجّل اور مؤجل کے جو معنی لغوی ہیں، وہی شرعی ہیں؛ یعنی مہر معجّل وہ ہے، جو فی الحال دیا جاوے، یا فی الحال دیا جانا اس کا مقرر کیا جاوے اور موجل ہو ہے کہ اس کی کچھ مدت معین ہو اور جس مہر میں معجّل اور مؤجل کا کچھ ذکر نہ ہو،

(۱) عن انس رضی اللہ عنه: قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "من قطع میراث إرثه قطع اللہ میراثه من الجنة یوم القیامة". (مشکاة المصابیح، باب الوصایا، الفصل الثالث: ۲۶۶/۱، قدیمی)

"الإرث لایسقط بالاسقاط". (تنقح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الإقرار: ۵۴/۲، المطبعة المیمنیة مصر)

اس میں عرف کا اعتبار ہے؛ یعنی جس قدر عرفاً اولاً دیا جاتا ہو، اس قدر معجّل ہوگا اور باقی مؤجل۔ عالمگیریہ میں ذکر کیا ہے کہ معجّل کے لیے اگر کوئی وقت ذکر نہ کیا جائے تو وقت اس کی ادا کی طلاق ہے، یا موت۔ پس صورت مسئولہ میں چوں کہ زید نے ہندہ کی طلاق دے دی ہے تو ہندہ مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۲/۸-۲۵۳)

غیر مطلقہ نے دھوکہ دے کر نکاح کیا اور شوہر سے ہم بستر ہوئی تو مہر واجب ہوا، یا نہیں:

سوال: ہندہ غیر مطلقہ اگر زید سے نکاح پڑھوالے اور زید سے ہم بستری وغیرہ کرلے تو زید کو مہر ادا کرنا ہوگا، یا نہیں؟ ہندہ واقع میں غیر مطلقہ ہے؛ مگر گواہ مسلمان پیش کر کے کہ میں مطلقہ ہوں، نکاح پڑھواتی ہے۔

الجواب

اس صورت میں مہر لازم ہے۔ (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۹/۸)

عدت میں جو نکاح ہوا، اس کا مہر لازم ہے، یا نہیں:

سوال: ہندہ کا بحالت عدت اگر نکاح پڑھ دیا جاوے تو منعقد ہوگا، یا نہیں؟ اور بحالت عدت اگر نکاح ہو گیا اور ہم بستری کی نوبت آئی تو مہر واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

عدت میں نکاح نہیں ہوتا؛ لیکن اگر عورت نے آ کر کہا کہ میرے شوہر نے مجھ کو طلاق دے دی ہے اور عدت گزر گئی تو اس کے بیان پر اس سے نکاح کرنا درست ہے اور بعد دخول وصحبت شوہر ثانی تمام مہر مثل لازم ہے۔

درمختار میں ہے:

وكذا لو قالت امرأته لرجل: طلقني زوجي وانقضت عدتي لابأس أن ينكحها. (۳)

الوطء في دار الإسلام لايخلوا عن حد أو مهر، الخ. (الدر المختار) (۴)

(والموطؤة بشبهة) ومنه تزوج امرأة الغير غير عالم بحالها، الخ. (۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۹/۸-۲۶۰)

---

(۱) وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم: يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت. (عالمگيری، مصری، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الحادی عشر: ۲۹۸/۲، ظفير)

(۲) ويجب مهر المثل في نكاح فاسد، الخ، بالوطء في القبل لابغيره كالخلوة. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب المهر: ۴۸۱/۲-۴۸۲، ظفير)

(۳) الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب العدة: ۸۴۷/۲، ظفير

(۴) الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۵۰۷/۲، ظفير

(۵) الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب العدة: ۸۳۶/۲، ظفير

مطلق مہر رواج کے مطابق مؤجل قرار پائے گا اور عورت کے لیے نان نفقہ کا دعویٰ جائز ہے:

سوال: ہندہ بالغہ کا نکاح بہمراہ زید بتقرر زر مہر مبلغ پانچ ہزار روپیہ ہوا، کوئی اظہار مؤجل، یا معجّل کا نہیں ہوا، عام رواج خاندانی ہندہ کا مہر مؤجل ہے۔ اب ہندہ بوجہ ناموافقت شوہر خود جس میں زیادتی شوہر کی ہے، مطالبہ مہر کرتی ہے، آیا ناموافقت وعلاحدگی خاوند بلا اظہار طلاق جو ہندہ کے نکاح سے پانچ سات ماہ کے بعد سے بدستور ہے، جس کو عرصہ پانچ سال گزر گیا ہے، حکم اجل رکھتی ہے، یا نہیں؟ اور بصورت نہ رکھنے حکم اجل کے صورت موجودہ میں ہندہ مطالبہ مہر کرسکتی ہے، یا نہیں؟ اور ہندہ حسب حیثیت اپنے خاوند کے نان نفقہ کا دعویٰ کرسکتی ہے، یا نہیں؟

اور ہندہ اگر عدالت مجاز میں دعویٰ اور چارہ جوئی اس بات کی کرے کہ یا طلاق دے دے، یا حقوق زوجیت ادا کرے تو شرعاً اختیار حاصل ہے، یا نہیں؟ اور گناہ گار تو نہ ہوگی؟

الجواب

ایسی حالت میں مہر مؤجل سمجھا جاتا ہے اور اجل اس کی ادائیگی کی موت شوہر ہے، یا طلاق، (۱) اور جب کہ شوہر حقوق زوجہ ادا نہیں کرتا تو عورت اپنے حقوق ونفقہ کا دعویٰ کرسکتی ہے، شوہر کو چاہیے اور اس پر واجب ہے کہ یا وہ حقوق زوجہ نان نفقہ وغیرہ ادا کرے، ورنہ طلاق دے دے، **کما قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿فامسک بمعروف أو تسریح باحسان﴾** (۲) اس کا حاصل یہ ہے کہ اچھی طرح عورت کو رکھے، ورنہ طلاق دے دے اور بعد طلاق کے مہر کے وصول کرنے کا دعویٰ کرسکتی ہے اور نفقہ بقدر حالہما؛ یعنی بین بین شوہر کے ذمہ لازم ہے، اس کو وہ بذریعہ عدالت بھی لے سکتی ہے اور عورت کی طرف سے یہ چارہ جوئی کہ یا شوہر نان نفقہ ادا کرے، ورنہ طلاق دے دے، موافق حکم شریعت کے ہے، اس میں اس پر کچھ گناہ نہیں اور نفقہ اوسط درجہ کا بذمہ شوہر لازم ہوتا ہے؛ یعنی عورت اور مرد دونوں کی حیثیت کا لحاظ ہوتا ہے، مثلاً اگر عورت غریب ہے اور شوہر غنی تو متوسط درجہ کا نفقہ لازم ہوگا۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۷۵/۸-۲۷۶)

جب مہر کا پتہ نہ چلے تو کیا طے کیا جائے:

سوال: ہندہ کا انتقال ہوگیا، اب ہندہ کی ماں اور بھائی مسمی زید بکر عمر و وغیرہ اپنی بہن ولڑکی مسمی ہندہ کا دین مہر

(۱) وإن بینوا قدر المعجل یعجل ذلک وإن لم یبینوا شیئا ینظر إلی المرأة وإلی المهر المذکور فی العقد أنه کم یکون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فیجعل ذلک معجلا ولا یقدر بالربع ولا بالخمس وإنما ینظر إلی المتعارف، الخ. (عالمگیری کشوری، باب المهر: ۳۳۰/۲، ظفیر)

(۲) سورة البقرة: ۲۲۹، ظفیر

(۳) (فتجب [النفقة] للزوجة) بنکاح صحیح فلو بان فساده أو بطلانه رجع بما أخذته من النفقة، بحر (علی زوجها)، الخ (بقدر حالهما) به یفتی. (الدر المختار) (قوله: به یفتی) کذا فی الهدایة وهو قول الخصاف وفی الولوالجیة وهو الصحیح وعلیه الفتویٰ. (رد المحتار، باب النفقة: ۸۸۸/۲، ظفیر)

سورو پیہ مانگتے ہیں اور شوہر ہندہ ڈھائی سورو پیہ بتلاتا ہے؛ مگر تحقیق کسی کو نہیں معلوم کہ کیا دین مہر مقرر ہوا تھا، چوں کہ قاضی وکیل وگواہان کا ووالدین دولہا ودولہن کا انتقال ہوگیا، صرف ہندہ کی ماں ہے، اس کی بھی بی تحقیق معلوم نہیں ہے اور شادی دولہا ودلہن کی دس سال کی عمر میں ہوگئی تھی، اس وقت ہندہ کے بھائیوں کی عمر ۶ ؍سال و ۸ ؍سال تھی، بھائیوں کو بھی کچھ نہ پتہ نہیں، البتہ ہندہ کی چچازاد بہن جو ہندہ کے باپ کا پھوپی زاد تھا، اس کی لڑکی کا دین مہر کاغذ قاضی میں دوسورو پیہ کے تحریر ہے اور کوئی ہندہ کے حقیقی بہن و پھوپی نہیں ہے، کیا تعداد مقرر کی جائے گی؟

الجواب

اس صورت میں ہندہ کے چچازاد بہن کا جو مہر ہے، وہی ہندہ کا مہر مثل ہوگا، **كما في الدر المختار:**

(و)...(مهر مثلها) ... (مهر مثلها) ... (من قوم أبيها). (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۸؍۲۸۴-۲۸۵)

اختلاف کی صورت میں مہر کیا ہوگا:

سوال: ہندہ اپنے دین مہر کی تعداد سوالاکھ روپیہ بیان کر کے زوج کے مقابلہ میں دعوے دار ہوئی، زوج نے یہ جواب دیا کہ تعداد مہر مجھے یاد نہیں؛ مگر میں بعوض دین مہر مذکور اپنی جائداد جو تقریباً بیس ہزار کی ہے، مدعیہ کی بطنی پسر کے نام کرنے کو تیار ہوں، دوران مقدمہ میں زوج کا انتقال ہوگیا اور اس کے پسر نے جو دوسری بیوی کے بطن سے ہے، مقدمہ کی جواب دہی کی اور تعداد مہر ہندہ دوسورو پیہ اور پانچ اشرفی بتائی۔ اس صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب

ایسی حالت میں شرعاً مہر مثل کو دیکھا جائے گا، مہر مثل جس کے قول کے مطابق ہوگا، اس کے موافق کیا جاوے گا۔

(وقالا: يقضى بمهر المثل) كحال حياة وبه يفتى. (الدر المختار) (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۸؍۲۸۶)

مقدار مہر پر بحث اور اس کا فیصلہ:

سوال: اس طرف سے پورپ میں عام طور سے امیر غیرب سب کا مہر چالیس ہزار مقرر کرتے ہیں اور جو مہر ازواج مطہرات اور حضور کی صاحبزادیوں کا ہے، اس کو ذلت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، زید جو کہ عربی خواں طالب علم ہے، اس کی نسبت پھوپی زاد ہمشیرہ سے ہوئی ہے، اب نکاح کی تجویز ہے اور لڑکی کے والدین چالیس ہزار سے کم پر کسی طرح راضی نہیں۔ زید کہتا ہے کہ مہر مروجہ کے ساتھ نکاح کرنے میں شریعت مجھ کو عاصی ٹھہراتی ہے، اس واسطے کہ اول تو شریعت نے اس شخص کو جو ادائیگی مہر کی نیت نہ رکھے، حکماً زانی قرار دیا ہے، چناں چہ ابن حجر مکیؒ الزواجر عن اقتراف الکبائر میں لکھتے ہیں:

(۱) الدر المختار على هامش ردالمحتار، مطلب في بيان مهر المثل: ۲/۴۸۷، ظفير

(۲) الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۲/۴۹۸، ظفير

"الْكَبِيرَةُ السَّابِعَةُ وَالسِّتُّونَ بَعْدَ الْمِائَتَيْنِ: أَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَأَةً وَفِي عَزْمِهِ أَلَّا يُوَفِّيَهَا صَدَاقَهَا لَوْ طَلَبَتْهُ،أَخْرَجَ الطَّبَرَانِيُّ بِسَنَدٍ رُوَاتُهُ ثِقَاتٌ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى مَاقَلَّ مِنَ الْمَهْرِ أَوْ كَثُرَ وَلَيْسَ فِي نَفْسِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ إِلَيْهَا حَقَّهَا خَدَعَهَا فَمَاتَ وَلَمْ يُؤَدِّ إِلَيْهَا حَقَّهَا لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ زَانٍ.(۱)

اور میں حیثیت موجودہ کے اعتبار سے تقریبا آٹھ دس ہزار سے زائد کا متحمل نہیں، اگر میں چالیس ہزار پر راضی ہوجاؤں تو ظاہر ہے کہ میری صحیح نیت ادائیگی کی نہیں ہے اور چالیس ہزار مہر مقرر کرنا دراصل جائز تھا تو اب اس کو لازم اور مثل واجب کے سمجھنا اور سنت کی تحقیر کرنا سخت مذموم ہے، ایسی حالت میں حکم شرعی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقدور مسنون سے مہر میں زیادتی نہ کی جاوے اور اگر اس وقت کسی قدر زیادہ بھی ہو جو قلب پر گراں نہ ہو تو یہ بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ تاکہ رفتہ رفتہ عمل بالسنۃ کی نوبت آئے، شرعاً جو حکم ہو، تحریر کیجئے؟

الجواب

اس میں شک نہیں ہے کہ مہر کا کم ہونا بہتر ہے اور حیثیت سے زیادہ ہونا تو کسی طرح مناب نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

"ألا لا تغالوا صدقة النساء فإنها لو كانت مكرمة فی الدنيا وتقوى عندالله لكان أولكم بها نبی الله صلی الله عليه وسلم ماعلمت رسول الله صلی الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته علی أكثر من اثنتی عشرة أوقية".(۲)

اس روایت سے بنات وازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر بارہ اوقیہ ۴۸۰ درہم ہونا معلوم ہوا، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں ساڑھے بارہ اوقیہ وارد ہیں، جس کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں اور یہ باعتبار اکثر ازواج کے ہے؛ کیوں کہ حضرت ام حبیبہ زوجہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر چار ہزار درہم تھا۔ حضرت ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مہر کی مقدار زیادہ بڑھانے سے منع فرمانا آیت کریمہ ﴿وآتيتم إحداهن قنطارا﴾ کے منافی معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ آیت سے بہت بڑا خزانہ بھی مہر میں مقرر کرنا جائز معلوم ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت سے جواز مہر کی زیادتی کا معلوم ہوتا ہے، اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو، یہاں تک کہ خزانہ ہو اور حضرت عمرؓ کے ارشاد سے فضیلت کمی مہر کی معلوم ہوتی ہے، پس کچھ تعارض نہ رہا؛ کیوں کہ حاصل یہ

(۱) الزواجر عن اقتراف الكبائر: ۲/ ۴۷-۴۸،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) مشكاة المصابيح عن أحمد والترمذی وغيرهما،باب الصداق،ص: ۲۷۷،ظفير (سنن الترمذی،باب منه، رقم الحديث: ۱۱۱۴،سنن أبی داؤد،باب الصداق،رقم الحديث: ۲۱۰۶،مسند الإمام أحمد،أول مسند عمر بن الخطاب رضی الله عنه،رقم الحديث: ۲۸۵،انيس)

ہوا کہ اگر چہ مقدار کثیر مہر کی مقرر کرنا جائز اور درست ہے؛ لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ مقدار مہر کی کم ہو۔(۱) پس یہی جواب صورت مسئولہ میں ہے کہ چالیس ہزار روپیہ، یا اس سے بھی زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے، اگر چہ حیثیت شوہر اس قدر نہ ہو اور ادا کرنا دشوار معلوم ہو اور نکاح منعقد ہو جاتا ہے؛ لیکن افضل اور بہتر اور موافق سنت کے یہ ہے کہ مہر کی مقدار کم ہو اور حیثیت سے زیادہ تو کسی طرح نہ ہو؟

باقی زید کا یہ خیال کہ مہر مروجہ کے ساتھ نکاح کرنے میں شریعت مجھ کو عاصی اور مرتکب حرام ٹھہراتی ہے، صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ فقہاء حنفیہ یہاں تک تصریح ہو جاتا ہے اور مہر مثل لازم ہوتا ہے اور مہر مثل وہی ہے، جو اس خاندان میں مروج ہو، پس اگر نیت نہ دینے کی ہو تو بدرجہ اولیٰ نکاح صحیح ہو جاوے گا،(۲) اور روایت جوز واجر سے منقول ہے، اس میں لفظ ”حقھا“ کا ہے، جو جملہ حقوق کو شامل ہے، یہاں تک معاشرت اور نفقہ وغیرہ کو بھی، پس جس شخص کی نیت نکاح میں یہ ہو کہ کوئی حق زوجہ کا ادا نہ کروں گا، نہ مہر دوں گا، نہ نفقہ، نہ مسکن، نہ لباس، نہ صحبت وغیرہ تو اس کے عاصی عنداللہ ہونے میں کیا شبہ ہے اور واضح ہو کہ نیت ادا اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ اگر ہو سکا تو ادا کروں گا، ورنہ معاف کرا لوں گا تو اس صورت میں لاکھوں روپیہ بھی مہر مقرر ہو تو گنجائش نکل سکتی ہے۔ بہر حال حاصل یہ ہے کہ زیادتی مہر کے جواز میں تو کلام نہیں ہے اور نہ نکاح کے منعقد ہونے میں کلام ہے اور قبول کرنا زیادہ مقدار مہر کا سبب معصیت بھی نہیں ہے، البتہ کمی کرنا مہر کا بہت ثواب اور فضیلت رکھتا ہے اور جملہ اقوام شرفا وغیرہ کو اس رسم زیادتی مہر کو جو کہ درجہ مغالاۃ میں ہے، ترک کرنا چاہیے اور کمی مہر کا رواج دینا چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۸/۲۹۵-۲۹۸)

مہر میں اختلاف پڑ جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر مہر میں اختلاف ہو، خاوند کہتا ہے کہ مہر مثلاً ایک ہزار ہے اور وارث زوجہ کے مہر پانچ ہزار بتاتے ہیں اور خاندان میں مہر مختلف ہو تو کس کا قول معتبر ہو گا؟

الجواب

اگر گواہ کسی کے پاس موجود ہوں تو اس کے موافق عمل کیا جاوے گا اور اگر گواہ کسی کے پاس نہیں ہیں تو جس کا قول موافق مہر مثل کے ہو، اس کے موافق حکم کیا جاوے گا۔(۳)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح، باب الصداق: ۵/۲۱۰۰، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) وكذا يجب مهر المثل فيما إذا لم يسم مهرا أو نفى، إن وطء الزوج أومات عنها. (الدر المختار)
(قوله: أو نفى) بأن تزوجها على أن لا مهر لها. (ردالمحتار، باب المهر: ۲/۴۶۰، ظفير)

(۳) (و) إن اختلفا (في قدره حال قيام النكاح فالقول لمن شهد له مهر المثل) بيمينه (وأي أقام بينة) قبلت (سواء شهد مهر المثل له أو لها أو لا ولا، وإن أقاما البينة فبينتها) مقدمة (إن شهد مهر المثل له وبينته) مقدمة (إن شهد) مهر المثل (لها) لأن البينات لاثبات خلاف الظاهر (وإن كان مهر المثل بينهما تحالفا، فإن حلفا أو برهنا قضى به، وإن برهن أحدهما قبل برهانه، لأنه نور دعواه. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، مطلب مسائل الاختلاف في المهر: ۲/۴۹۷، ظفير)

اور مہر مثل وہ ہوتا ہے، جو اس عورت کے باپ کے خاندان میں مروج ہو اور درمختار میں خلاصہ سے منقول ہے کہ اس کی بہنوں اور پھوپھیوں کے مہر کا اعتبار ہوگا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۲/۸)

مہر ختم نہیں ہوسکتا:

سوال: اگر نابالغ لڑکے کے مہر توڑنے کی نالش عدالت میں کی جاوے تو مہر ٹوٹ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

نہیں ٹوٹ سکتا۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۵/۸)

مہر مطلق ہو تو کتنے کا مطالبہ زندگی میں کرسکتی ہے:

سوال: اگر مہر بلاصراحت ثابت ہو تو اندریں حال کہ اگر عورت لاولد ہو اور اس کا باپ عیاش اور فضول خرچ اور مقروض ہو اور شوہر نے اس کی سکونت اور خورد ونوش کا بھی انتظام کردیا ہو اور کسی خاص رواج کا بھی ثبوت نہ ہو تو زوجہ شرعاً بحیات زوجین کس قدر مہر پانے کی مستحق ہے؛ یعنی نصف کی وہ دعویٰ دار ہے، یا خمس وربع کی؟

الجواب

مہر مؤجل ہونا اگر ثابت ہوجاوے تو ہندہ مہر کا مطالبہ شوہر کے مرنے پر، یا طلاق دینے پر کرسکتی ہے، کذافی (الفتاویٰ) العالمگیریہ:

"وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق أو الموت، الخ. (۳)

(ترجمہ: اور یہ اس لیے کہ غایۃ اور مدت معلوم ہے اور وہ طلاق ہے، یا موت ہے، الخ۔)

اور درمختار میں ہے:

"إلا التأجيل أو موت فيصح للعرف، الخ. (ردالمحتار: ۳۵۹/۲) (۴)

(ترجمہ: مگر مدت مہر کی بوقت طلاق کے، یا موت کے صحیح ہے عرف کی وجہ سے) (اس سے پہلے نہ نصف کا دعویٰ کرسکتی نہ ربع اور خمس کا)۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۲/۸-۳۱۳)

---

(۱) والحرة مهر مثلها الشرعى مهر مثلها اللغوى أى مهر امرأة تماثلها من قوم أبيها، الخ. (الدر المختار، مطلب فى بيان مهر المثل: ٤٨٧/٢، ظفير)

(۲) من سمى مهرا عشرة فما زاد فعليه المسمى إن دخل بها أو مات عنها. (الهداية: ٣٠٤/٢، باب المهر، انيس) وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد. (ردالمحتار على هامش الدرالمختار: ٤٥٤/٢، ظفير (باب المهر: ١٠٢/٣، دارالفكر بيروت، انيس)

(۳) عالمگیری مصری، باب المهر: ٢٩٨/١، ظفير

(۴) ردالمحتار، مطبوعه استبول: ٤٩٣/٢، ظفير

مہر مطلق میں رواج ملنے کا نہیں ہے تو کیا حکم ہوگا:

سوال: اور اگر مہر تو بلا صراحت ثابت ہوا کہ مرو ہہ کے اہل سنت سادات میں اگر مہر بلا صراحت مقرر ہوتا ہے تو بحالت حیات زوجین زوج کو کسی جزو کے ملنے کا رواج نہیں ہے تو شرعاً ہندہ کو اس وقت کوئی جز و مل سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــ

جب کہ مہر میں کچھ تصریح اور قید نہ ہو اور عرف ورواج وہاں کا یہ ہے کہ تا کہ قیام نکاح وتا حیات زوجین مہر نہیں دیا جاتا تو اسی کے موافق عمل در آمد ہوگا اور ہندہ کو کوئی جزو مہر کا اس وقت نہیں مل سکتا، جیسا کہ فتح القدیر کی عبارت مذکورہ میں گزرا اور نیز فتح القدیر کی عبارت مذکورہ میں قاضی کان سے منقول ہے:

''فإن لم يبينوا قدر المعجل ينظر إلى المرأة وإلى المهر انه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذاالمهر فيعجل ذلک ولايتقدم بالربع والخمس بل يعتبر المعتارف فإن الثابت عرفا كالثابت شرطا، الخ. (۱)

پس اگر بیان نہ کریں مقدار معجّل کی تو عورت کو اور اس کے مہر کو دیکھا جاوے گا کہ ایسی عورت کے لیے ایسے مہر میں سے کس قدر مہر معجّل ہوتا ہے، اسی قدر اس کو فی الحال دیا جاوے گا۔ چوتھائی اور پانچویں حصہ کی کچھ تعیین اور تحدید نہیں ہے؛ بلکہ متعارف کا اعتبار ہے؛ اس لیے کہ جو امر عرف سے ثابت ہو، وہ ایسا ہے جیسا کہ شرط سے ثابت ہو۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۳/۸-۳۱۴)

ثبوت رواج کے لیے کیا چاہیے:

سوال: ہندہ کے باپ کا یہ قول کہ ثبوت رواج کے واسطے عدالت کی تجویز ضروری ہے صحیح ہے، یا نہیں؟ اور ثبوت رواج کے واسطے کسی حاکم، یا قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہے، یا نہیں؟

الجواب ــ

ثبوت عرف ورواج کے لیے کسی فیصلہ کی اور عدالت کی تجویز کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ اس شہر کا عرف ورواج وہاں کے واقعات سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ہندہ کے باپ کا قول اس بارہ میں صحیح نہیں ہے، جیسا کہ عبارت قاضی خان مذکورہ **''ينظر إلى المرأة وإلى المهر، الخ''** (۲) سے واضح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۴/۸)

---

(۱) فتح القدير، باب المهر(۳/ ۳۷۰، دارالفكربيروت، انيس)، وعالمگيرى: ۲۹۷/۱)(الفصل الحادى عشر فى منع المرأة نفسها: ۳۱۸/۱، دارالفكربيروت، انيس

(۲) الفتاوىٰ الهندية، الفصل الحادى عشر فى منع المرأة نفسها: ۳۱۸/۱، دارالفكربيروت، انيس)

مہر جب مطلق ہوتو عورت کیا یہ دعویٰ کرسکتی ہے کہ مہر دو، ورنہ تمہارے پاس نہ جاؤں گی:

سوال: ہندہ کا مہر بوقت نکاح مطلق تھا، بلا قید معجّل ومؤجل، اب ہندہ اپنے والدین کے یہاں ہے اور اس کی یہ خواہش ہے کہ اپنا مہر وصول کرلوں اور نفقہ وغیرہ کا انتظام ہوجائے، تب زوج کے گھر جاؤں۔ اس صورت میں ہندہ وصول کرسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہندہ کو ابھی مہر وصول کرنے کا حق نہیں ہے؛ کیوں کہ مہر مطلق میں عرفاً وصول مہر کا وقت موت، یا طلاق ہے، باقی شوہر اگر فی الحال مہر دے دے، کچھ حرج نہیں ہے؛ مگر جبراً ہندہ ابھی اس کو وصول نہیں کرسکتی، (۱) اور نفقہ ہندہ کا شوہر کے ذمہ اسی وقت لازم ہے کہ بائن شوہر کے گھر جانے سے انکار نہ کرے، شوہر جہاں رکھے، وہاں رہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۱۷)

اللہ واسطے کہنے سے مہر میں نقصان نہیں آتا اور نہ نکاح میں:

سوال: بعض لڑکی کا ولی اجازت دیتا ہے کہ نکاح اللہ واسطے پڑھو، قاضی صاحب خطبہ اور ایجاب وقبول اس طور کراتے ہیں کہ مسماۃ زینب دختر عمرالدین بالعوض مبلغ پانچ ہزار روپیہ زرمہر کے تجھے اللہ واسطے بخش دی، اس نے قبول کرلی، پھر بعض یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جب مہر مقرر کیا گیا، پھر اللہ واسطے کیسی ہوئی، مہر مقرر نہ کیا جاوے تو ٹھیک ہے، نکاح جائز ہے، ورنہ نہیں، اگر لڑکی مرجاوے تو اس کا ولی مہر کا دعویٰ کرسکتا ہے تو پھر وہ مہر کیوں لیتا ہے، جب اللہ واسطے بخش دی تھی؟

الجواب

اول تو اس لفظ اللہ واسطے کی کہنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر کہا جاوے تو اس سے مہر ساقط نہیں ہوتا اور نکاح میں بھی کچھ نقصان نہیں آتا، گویا اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ موافق حکم شریعت کی لوجہ اللہ نکاح کیا جاتا ہے؛ یعنی مقصود رضاء الٰہی ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۴۳)

مہر متعین کی مقدار بھول جانے پر مکان مہر میں دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا نکاح آمنہ خاتون سے

---

(۱) ولها منعه من الوطء ودواعيه والسفر بها،الخ،لأخذ مابين تعجيله من المهر كله أوبعضه أوقدر مايعجل لمثلها عرفا. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار،باب المهر: ۲/۴۹۲،ظفير)

(۲) فتجب للزوجة ... على زوجها ولو صغيراً،الخ، منعت نفسها للمهر،الخ،لاخارجة من بيته بغيرحق وهي الناشزة حتى تعود. (الدرالمختار،باب النفقة: ۲/۸۸۶،ظفير)

ہوا تھا، ۴۵/سال کا عرصہ ہو گیا؛ اس لیے نکاح میں جو مہر مقرر ہوا تھا، وہ دونوں کو یاد نہیں اور یہ بھی یاد نہیں کہ دونوں کے گھر والوں کا مہر مثل کیا ہے اور نہ ہی گھر والوں کو کچھ یاد ہے، لہٰذا اب زید اپنی زوجہ آمنہ کا مہر ادا کرنا چاہتا ہے، جب کہ زید کے سبھی لڑکیاں ہیں، لڑکا ایک بھی نہیں ہے، زید کے پاس ایک مکان ہے، جس میں دونوں رہتے ہیں، آمنہ خاتون کہتی ہے کہ مہر میں مکان ہم کو دے دو، زید بھی دینے کو راضی ہے، کیا زید مہر میں مکان دے سکتا ہے؟ کیا اس مکان میں لڑکیوں کا حق نہیں ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ——— وباللّٰه التوفيق

اگر آپ مکان کو مہر میں ماننے پر تیار ہو جائیں، تو وہ مکان مہر قرار دیا جا سکتا ہے؛ لیکن بہتر ہے کہ آپ اپنی اولاد کو محروم نہ کریں۔

وإن تزوجها ولم يسم لها مهراً ثم تراضيا على تسمية فهي لها. (الهداية: ۳۲۵/۲، الفتاویٰ التاتارخانية: ۱٦۱/٤، رقم: ۵۸۳۹، زكريا)

وجاء في رواية عن سعد بن أبي وقاص رضي اللّٰه عنه: إنک إن تذر ورثتک أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس. (صحيح البخاری، رقم: ۲۷٤۲، الصحيح لمسلم، رقم: ۱٦۲۸، كذا في مشكاة المصابيح: ۲٦۵/۱)

قال الملا علی القاری: وفيه دليل على ... مراعاة العدل بين الورثة والوصية، وأجمعوا على أن من له وارث لا تنفذ وصيته فيما زاد على الثلث. (مرقاة المفاتيح، كتاب الفرائض، باب الوصايا: ۲۳۱/٦، دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۶/۳/۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۱۰/۸-۴۱۱)

مہر معلوم نہ ہونے کی صورت میں کس طرح ترتیب ہوگی:

سوال: عورت متوفی وعورت موجودہ کے مہر نہ معلوم ہونے کی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب ———

عورتوں کا مہر اگر معلوم نہ ہو تو مہر مثل متعارف پر فیصلہ ہووے گا کہ عرف میں ہر قوم کا ایک مہر مقرر ہے کہ اس میں کم زیادہ نہیں کیا جاتا۔

المعروف كالمشروط. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعۂ رام پور، ص:۲) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۸۳)

---

(۱) المبسوط للسرخسی، كتاب الهبة: ۵٤/۱۲، دار المعرفة بيروت/الهداية: ۵۸/۳، دار إحياء التراث العربی بيروت/المحيط البرهانی، الفصل السادس والعشرون في المتفرقات: ۱۸۸/۳، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

زوجین میں سے کسی کو مہر یاد نہ ہو تو کتنا مہر لازم ہوگا:

سوال (۱) زوجین میں سے کسی کو بھی دین مہر یاد نہیں ہے، ایسی صورت میں اگر شوہر دین مہر ادا کرنا چاہے تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ اور شوہر پر کتنا مہر واجب الادا ہوگا؟

زوجین کے درمیان مہر میں اختلاف ہو اور دونوں گواہ پیش کر دیں تو کیا حکم ہے:

(۲) مہر کے سلسلہ میں زوجین کے مابین اختلاف ہوگیا، شوہر نے پچیس ہزار روپئے کا دعویٰ کیا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دو گواہوں کو پیش کیا۔ بیوی نے پچاس ہزار روپئے کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں دو گواہوں کو پیش کیا؛ لیکن گواہ اول زوجہ نے گول مول؛ یعنی سماع پر گواہی دی اور دوسرے نے لاعلمی ظاہر کی تو ایسی صورت میں کن کا قول معتبر سمجھا جائے گا؟

(۳) اگر بالفرض زوجین نے اپنے مختلف فیہ مہر کو اپنے اپنے گواہوں سے ثابت کر دیا تو ایسی صورت میں کس کا قول معتبر سمجھا جائے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) زوجین میں سے کسی کو مہر یاد نہ ہو اور گواہ بھی نہ ہوں، جو بتا سکیں کہ مہر کتنا متعین ہوا تھا تو ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا، شوہر مہر مثل ادا کرے گا؛ یعنی اس کے آبائی خاندان کی جو عورتیں ہیں، مثلاً بہن اور پھوپھی وغیرہا ان کا جو مہر ہوگا، اس کے مطابق ادا کرنا ہوگا۔

(و)**الحرّة (مهر مثلها) الشرعی (مهر مثلها) اللغوی أی مهر امرأة تماثلها (من قوم أبيها) لا أمها**. (الدرالمختار مطلب فی بیان مهر المثل: ۳۵۴/۲)

(۲) جب مقدار کے سلسلہ میں اختلاف ہو اور زوجین میں سے ایک ہی گواہ پیش کرے تو ایسی صورت میں جو گواہ پیش کر رہا ہے، اسی کا قول معتبر ہوگا۔

(و) **إن اختلفا(فی قدره حال قيام النكاح فالقول لمن شهدله مهر المثل)بيمينه (وأیّ أقام بينة قبلت سواء (شهد مهر المثل له أولها أولا ولا)**. (الدرالمختار، باب المهر، مطلب مسائل الاختلاف فی المهر: ۳۶۱/۲)

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ زوجین کے درمیان مقدار مہر میں اختلاف ہوا، شوہر نے پچیس ہزار مہر کا دعویٰ کیا اور بیوی نے پچاس ہزار کا اور شوہر نے اپنے قول کو گواہ کے ذریعہ ثابت کر دیا اور بیوی اپنے قول کو گواہ کے ذریعہ ثابت نہ کر سکی؛ اس لیے کہ اس کے ایک گواہ نے سماع پر گواہی دی اور دوسرے گواہ نے لاعلمی کا اظہار کیا، جس کی وجہ سے ان کی گواہی معتبر نہیں ہوئی، جیسا کہ سوال سے واضح ہے تو ایسی صورت میں شوہر کا قول قضاءً معتبر ہے، اگر واقعتہً اس کا مہر پچیس ہزار روپئے تھا تو شوہر پر قضاءً و دیانتہً پچیس ہزار روپئے کی ادائیگی لازم ہوگی۔

(۳) صورت مسئولہ میں اگر دونوں نے گواہ پیش کر دیا تو ایسی صورت میں اگر شوہر کا دعویٰ مہر مثل کے مطابق ہے تو بیوی کے گواہ کا قول معتبر ہوگا اور اگر بیوی کا دعویٰ مہر مثل کے مطابق ہے تو شوہر کے گواہ کا اعتبار ہوگا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۸/۸/۲۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/)

لڑکا لڑکی دو مختلف ملک کے ہوں تو مہر میں کس ملک کے سکہ کا اعتبار ہوگا:

سوال: زید ہندوستان کا رہنے والا ہے اور ہندہ نیپال کی ہے، زید کا نکاح ہندہ سے قاضی نے مطلق سکہ رائج الوقت کہہ کر پڑھا دیا، سکہ کی وضاحت نہیں کی کہ ہندوستانی، یا نیپالی سکہ اور یہ نکاح ملک نیپال کی ایک آبادی میں ہوا۔ اب زید کے ذمہ مہر میں نیپالی سکہ واجب ہوگا، یا ہندوستانی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر مہر میں سکہ کی مقدار کی صراحت ہو؛ لیکن کون سا سکہ مراد ہے، اس کی صراحت نہ ہو تو جس جگہ نکاح ہوا، اس جگہ جو سکہ رائج ہو، شرعاً وہی سکہ مہر میں لازم ہوگا۔ اس کی نظیر وہ جزئیہ ہے، جو خرید وفروخت کے سلسلہ میں کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر بیع میں ثمن کو مطلق رکھا جائے تو ایسی صورت میں جس شہر میں بیع وشرا کا معاملہ ہوا ہے، اس جگہ جو سکہ رائج ہو، وہی لازم ہوگا۔

ومن أطلق الثمن فی البیع کان علی غالب نقد البلد لأن المتعارف. (الهدایة:۳/ ٤)

(قوله:من أطلق الثمن،الخ)أی ذکر القدر دون الصفة بأن قال اشتریته بعشرة دراهم ولم یقل إنها بخاریة أوسمرقندیة ... (قوله: علی غالب نقد البلد) أی البلد الذی جری فیه البیع لابلد المتبایعین. (حاشیة الهدایة:۳/ ٥)

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ مہر میں مقدار کی تعیین کر دی گئی؛ لیکن نیپالی، یا ہندستانی سکہ کی وضاحت نہ کی گئی اور یہ نکاح نیپال میں ہوا تو زید پر نیپالی سکہ مہر میں واجب ہوا؛ اس لیے کہ وہاں یہی سکہ رائج ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/)

جب مہر یاد نہ ہو تو مہر مثل ملے گا، یا کیا:

سوال: ہندہ کا عقد بقاعدہ شرعی ہوا؛ مگر قاضی کے رجسٹری میں درج نہیں ہے اور نہ مقدار یاد ہے۔ اس صورت میں مہر مثل دلایا جائے گا اور نکاح ثابت ہوگا، یا نہیں؟

---

(۱) (وإن أقاما البینة فبیّنتها)مقدّمة(إن شهد مهر المثل له وبیّنته) مقدّمة (إن شهد مهر المثل (لها) لأن البینات لإثبات خلاف الظاهر. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار،مطلب مسائل الاختلاف فی المهر: ۲/ ۳٦۱)

الجواب

اس صورت میں نکاح منعقد ہو گیا اور مہر مثل دلوایا جائے گا، (۱) اور مہر مثل وہ ہے جو اس کی بہنوں اور پھوپھیوں وغیرہن کا مہر ہو۔ (۲)

باقی الشروط یطلب من کتب الفقه. فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۱/۸)

صحیح مہر معلوم نہ ہو اور وارث اپنے دعویٰ پر گواہ نہ رکھتے ہوں تو مہر مثل پر فیصلہ ہوگا:

سوال: عبداللہ خاں مرحوم نے دو شادیاں کیں، پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا، اس کی اولاد موجود ہے اور دوسری بیوی زندہ موجود ہے اور اس سے دو بچے ہیں، عبداللہ خان اور ان کے والد نے اس پہلی بیوی کا مہر کسی مقدمہ کی شہادت میں اپنا بیان یہ دیا ہے کہ میری بیوی کا مہر ایک ہزار روپیہ ہے۔ عبداللہ خان کی بیوی کی بہنوں کا مہر ۵-۵/ ہزار روپیہ ہے اور ان کی پھوپھیوں کا مہر بھی ایک ہزار روپیہ ہے اور ان کے والد یعنی عبداللہ خان کی بیوی کا مہر بھی پانچ ہزار روپیہ ہے اور ان کے لڑکوں کی بیویوں کا مہر بھی پانچ پانچ ہزار روپیہ ہے، اب عبداللہ خان کی اول بیوی کی اولاد یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ہماری والدہ کا مہر پچیس ہزار روپیہ ہے، جس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ دوسری بیوی اور اس کی اولاد کو محروم کر کے خود ہی اپنے والد کی جائداد اور پر قابض رہیں اور اپنے سوتیلی ماں اور بھائی بہن کو کچھ نہ دیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں عبد اللہ خان مرحوم کی پہلی بیوی کا مہر از روئے شرع شریف کیا قرار دیا جائے؟ عبداللہ خاں نے جو وصیت نامہ مرنے سے پیشتر لکھا ہے، اس میں سب بہن بھائی کو لکھا ہے کہ اتفاق سے رہنا اور دوسری بیوی زندہ کا مہر ہزار روپیہ لکھا ہے، جو واقعی ٹھیک ہے؛ مگر پہلی بیوی کے مہر کا کچھ ذکر نہیں لکھا، خدا معلوم کہ ادا کر گیا، یا مرحومہ نے معاف کر دیا، اس کا علم اللہ کو ہے۔

الجواب

اگر زوجہ اولی کی اولاد اپنے دعویٰ پر دو عادی گواہ نہیں رکھتے تو مہر مثل پر فیصلہ کیا جاوے اور مہر مثل میں عورت کے خاندان کا اعتبار ہے، سوال میں ظاہر کیا ہے کہ عبداللہ خان کی سالیوں کا مہر ۵-۵/ ہزار روپیہ ہے، بس اس کے مطابق پانچ ہزار روپیہ عبداللہ خان کی زوجہ اولیٰ کا مہر قرار دیا جاوے۔

كما في الدر المختار: (وبعد موتهما ففي القدر القول لورثته و) في الاختلاف (في أصله) القول المنكر التسمية (لم يقض بشيء) ما لم يبرهن على التسمية (وقالا: يقضي بمهر المثل)

---

(۱) (وإن اختلفا) في المهر (ففي أصله) حلف منكر التسمية فإن نكل ثبت، و إن حلف (يجب مهر المثل. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۹۱/۲، ظفير)

وكذا يجب مهر المثل فيما إذا لم يسم مهرا أو نفى. (الدر المختار: ۴۶۰/۲، ظفير)

(۲) والحرة مهر المثل الشرعي مهر مثلها اللغوي أي مهر امرأة تماثلها من قوم أبيها لا أمها وفي الخلاصة: ويعتبر بأخواتها وعماتها. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب المهر، مطلب في بيان مهر المثل: ۴۵۷/۲، ظفير)

کحال حیاۃ (وبہ یفتی). وفی الشامی تحت (قولہ: لم یقض بشیء) لأن مہر المثل یختلف باختلاف الأوقات، فإذا تقادم العہد یتعذر الوقوف علی مقدارہ، فتح، وہذا یدل علی انہ لو کان العہد قریباً قضی بہ، بحر، قلت: وبہ صرح قاضی خان فی شرح الجامع. (۵۹۴/۲)(۱)

احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد، ۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ۔ (امداد الاحکام: ۳۶۵/۳)

مہر مثل کی تحقیق نہ ہو سکے، یا وہ عرفاً مختلف ہو تو کس مہر پر فیصلہ کیا جائے:

سوال: مہر مثل کی تعریف جو فقہا نے لکھی ہے، اگر اس کی تحقیق نہ ہو سکے، یا وہ عرفاً مختلف ہو تو پھر کس مہر پر فیصلہ کیا جاوے گا، یا مہر مسمیٰ ہی ہر حالت میں معتبر ہوگا؟

الجواب

فقہا نے جو مہر مثل کی تعریف لکھی ہے، اس کی تحقیق کی ضرورت وہاں ہے، جہاں اختلاف صفات زوجین سے مہر خاندانی مختلف ہو جاتا ہے اور جہاں مہر خاندانی ہر حال میں واحد ہو کہ خاندان کی ہر لڑکی کا مہر اس سے کم نہ ہوگا اور غالب احوال میں زیادہ بھی نہیں ہوتا، اِلا نادراً لعارضٍ تو وہاں خاندانی ہی مہر مثل ہوگا اور ہندوستان میں اکثر مقامات پر ہر قوم کا مہر ہر شہر میں رواجاً معین ہے، اس سے کم وبیش نہیں ہوتا، پس اسی کو مہر خاندانی کہا جائے گا، اگر کسی قوم میں مختلف مہور ہوں تو ہر لڑکی کی پھوپیوں اور چچازاد بہنوں کا مہر اس کے حق میں مہر مثل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یکم صفر ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۳۶۷/۳)

مہر مثل میں کس کا اعتبار ہوگا:

سوال: زید نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس سے وہ لڑکیاں پیدا ہوئیں، اس عورت کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد پھر زید نے اس کی دوسری بہن سے شادی کی، اس سے چار لڑکیاں پیدا ہوئیں، زید کی پہلی بیوی کی پہلی لڑکی سے عمر نے نکاح کیا، اس کا انتقال ہو گیا، اس کے نکاح سے ۳۵؍ سال بعد عمر نے اس کی دوسری حقیقی بہن سے مہر مثل پر نکاح کیا، عمر کو اپنی پہلی بیوی (زید زوجہ ادنیٰ کی نیت اولیٰ) کا مہر یاد نہیں رہا اور نہ رجسٹر قاضی میں درج ہے اور نہ کوئی گواہ باقی ہے، زید کی زوجہ ثانیہ سے جو چار لڑکیاں ہوئیں، ان کا مہر ڈیڑھ سو روپیہ ہے، عمر کی زوجہ ثانیہ کا مہر مثل کیا ہوگا۔

الجواب

عمر کی دوسری زوجہ جو کہ حقیقی بہن ہے، زوجہ اولیٰ متعفیہ کی توجہ مہر اس زوجہ کا ہے، وہی پہلی زوجہ کا مہر مثل ہے، پس جب کہ گواہوں سے کوئی مقدار مہر کی ثابت نہیں ہے، جو مہر اس زوجہ کا ہے، وہی زوجہ سابقہ کا ہوگا اور اگر اس میں بھی جھگڑا ہو تو علاتی بہنوں کے مہر کا اعتبار رہوگا۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، مطلب مسائل الاختلاف فی المہر: ۱۵۰/۳، دار الفکر بیروت، انیس

وفی الخلاصة: ویعتبر بأخواتها وعماتها، الخ. (الدر المختار) (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۴/۸-۲۷۵)

مہر مثل کے بارے میں:

سوال: زید ولی بالغ جو چچیرا بھائی ہندہ نابالغہ کا ہے، اس نے ہندہ سے گواہوں کے سامنے بعوض پندرہ ہزار روپیہ دین مہر کے اپنا نکاح کرلیا اور اس دیار میں مہر معین نہیں ہے، کسی کا چالیس ہزار کسی کا دس ہزار علی ہذا القیاس ہوا کرتا ہے اور ہندہ کی داد ہالی عورتوں میں، یا اس قبیلہ میں جو ہندہ کے باپ کے قبیلہ کے مماثل ہو، کوئی ایسی عورت کی جو اپنے نکاح کے وقت میں ہندہ کے ساتھ مساوات ومماثلت رکھتی ہو، نہیں موجود ہے کہ اس عورت کا جو مہر مقرر ہوا ہو، وہی مہر ہندہ کا قرار دیا جائے تو یہ پندرہ ہزار روپیہ غبن فاحش ہے، یا نہیں؟ اور جب کہ ایسی کوئی عورت جو دونوں میں عقد کے وقت مساوات ہو، نہیں ملتی ہے تو یہ نکاح صحیح ہوگا، یا نہیں؟ اگر نہیں صحیح ہے تو صحیح ہونے کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ———————— من بعض العلماء

سبحانک لا علم لنا إلا ما علمتنا إنک أنت العلیم الحکیم

جب کہ اس دیار میں تقدیر مہر بمقدار معین نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی عورت خاندانی موجود ہے، جس میں ہندہ کے اوصاف کا اجتماع ہو تو ولی بالغ کو نابالغہ سے چالیس ہزار، یا پچیس ہزار میں اپنے ساتھ کرنا تھا؛ تاکہ پندرہ ہزار میں غبن متصور نہ ہوتا، چوں کہ ولی نے اپنے ساتھ پندرہ ہزار میں بلا وجود عورت متساویہ مماثلہ نکاح کیا ہے، لہذا یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، ولی کو پھر نکاح بلا مہر مقرر کئے کرنا چاہیے کہ اگر پہلا نکاح صحیح نہ ہوا ہو تو نکاح ثانی صحیح ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

”وإذا زوج غیر الأب والجد الصغیرة فالإحتیاط أن یعقد مرتین: مرة بمهر مسمی ومرة بغیر مهر مسمی لأمرین: أحدهما: أنه لو کان فی التسمیة نقصان لا یصح النکاح الأول ویصح الثانی بمهر المثل، والثانی أن الزوج لو کان حلف بطلاق امرأة یتزوجها بلفظ أن أتزوج أو بلفظة کل امرأة أتزوجها ینعقد الثانی بمهر المثل وتحل، انتهی. (۲)

وقال فی رد المحتار (ص: ۵۰۱) نقلاً عن البحر: ولذا ذکره فی الخانیة وغیرها أن غیر الأب والجد إذا زوج الصغیرة فالأحوط أن یزوجها مرتین: مرة بمهر مسمی ومرة بغیر التسمیة لأنه لو کان فی التسمیة نقصان فاحش ولم یصح النکاح الأول یصح الثانی، آه، ولیس للتزویج من غیر کفؤ حیلة کما لا یخفی، آه. (۳)

---

(۱) (و) الحرة (مهر مثلها) الشرعی (مهر مثلها) اللغوی: أی مهر امرأة تماثلها (من قوم أبیها) لا أمها إن لم تکن من قومه کبنت عمه وفی الخلاصة: ویعتبر بأخواتها وعماتها فإن لم یکن فبنت الشقیقة وبنت العم، انتهیٰ. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب المهر، مطلب فی بیان المثل: ۴۸۷/۲، ظفیر) جب یا دنہیں تو اس کی زوجہ ثانیہ کی دوسری بہنوں کا جو مہر ہے، وہی مہر مثل قرار پائے گا؛ کیوں کہ باپ کے خاندان کا مہر 'مہر مثل' کیا جاتا ہے۔ (ظفیر)

(۲) الفتاویٰ الهندیة، الباب الرابع فی الأولیاء فی النکاح: ۲۸۵/۱، دارالفکر بیروت، انیس

(۳) ردالمحتار، باب الولی: ۶۸/۳، دارالفکر بیروت، انیس

ہاں، اگر کوئی عورت ہندہ کے داد ہالی عورتوں میں سے، یا اس قبیلہ میں سے جو ہندہ کے باپ کے قبیلہ کے مماثل ہو، ایسی عورت ہو کہ جو اوصاف ہندہ میں ہوں، وہ اس عورت میں بھی ہوں تو اس عورت کا جو مہر ہے، وہی ہندہ کا ہوگا۔ اگر اس عورت کا مہر پندرہ ہزار مقرر ہوا تھا تو ہندہ کا بھی پندرہ ہزار، یا آٹھ نو ہزار تک ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں اور مہر بالمثل کی تعریف عالمگیری میں یہ لکھی ہے:

(ومهر مثلها يعتبر بقوم أبيها إذا استويا سنا وجما لا وبلدا وعصرا ودينا وبكارة) ... وكذا يشترط أن يستويا في العلم والأدب وكمال الخلق وأن لا يكون لهما ولد. (كذا فى التبيين)(۱) واللہ اعلم بالصواب

محمد عبد الرشید، ذوالقعدہ ۱۳۴۸ھ

الجواب ـــــــــــــــ من جامع امداد الاحکام

اس میں شک نہیں کہ دوبارہ تسمیہ مہر نکاح کر لینا احوط ہے؛ لیکن مہر مثل داد ہالی خاندانی ہی میں منحصر نہیں؛ بلکہ اگر کسی عورت کا مثل داد ہالی خاندان میں نہ ہو تو نانہالی خاندان سے مہر مثل اس کا معلوم کیا جائے، اگر اس میں بھی نہ مل سکے تو دوسرے اجنبی خاندانوں میں جو خاندان اس عورت کے باپ کے خاندان کا عرفاً مماثل ہو، اس سے مہر مثل معلوم کیا جائے۔ نیز یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ مہر مثل میں جن اوصاف کے اندر عورتوں کی مماثلت کو فقہا نے بیان کیا ہے، اس سے یہ مراد نہیں کہ سب اوصاف میں مماثلت شرط ہے؛ بلکہ بعض اوصاف میں بھی مماثلت کافی ہے، (صرح بہ فی الشامیۃ: ۵۸۳/۲) اس کے بعد امید ہے کہ اس عورت کا مثل اس کے داد ہالی خاندان میں بھی مل جائے گا۔ واللہ اعلم

۱۵/ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۳۷۶/۳)

مہر مثل سے مراد کیا ہے:

سوال: ایک عورت کا نکاح مہر مثل پر ہوا، بعد چند روز کے میاں بیوی میں مہر کے متعلق اختلافات ہوا، بیوی کا یہ قول ہے کہ میرا مہر مثل میری ماں اور حقیقی بہن کے برابر؛ یعنی جتنا ان کا تھا، اتنا ہی میرا ہے، بخلاف خاوند کے، وہ کہتے ہیں کہ نہیں؛ بلکہ تمہارا مہر تمہاری سوتیلی بہنوں کے برابر ہے، اب عند الشرع کس کا قول معتبر ہے اور خاوند کو کون سا مہر ادا کرنا ہوگا اور وقت نکاح کے بجز مثل کے کوئی تفصیل کی گئی تھی۔

الجواب ـــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

"(و)الحرة (مهر مثلها) الشرعى (مهر مثلها) اللغوى: أى مهر امرأة تماثلها (من قوم أبيها) لاأمها، الخ (وقت العقد سنا وجمالا ومالا وبلدا وعصرا...)، الخ. (۲)

---

(۱) تبيين الحقائق، باب المهر: ۱۵٤/۲، المطبعة الكبرى الأميرية بولاق، انيس

(۲) الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٤٨٧/۲، ظفير (مطلب فى بيان مهر المثل: ۱۳۷/۳، دارالفكر بيروت، انيس)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ باپ کے اقربا میں جو عورت اس کے مثل ہو، عمر اور صورت و دینداری وغیرہ میں اس کے مہر کو دیکھنا چاہیے، وہی مہر مثل ہے اور یہ بھی اس عبارت میں مذکور ہے کہ ماں اور اس کے قبیلہ کے مہر کا اعتبار نہیں ہے اور شامی سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی بہن اور علاتی بہن میں کچھ فرق نہیں ہے، ان میں جو اس کے مماثل ہو، عمر و صورت وغیرہ میں جو اس کا مہر ہوگا، وہی اس کا مہر ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۱۰/۸) ☆

مہر مثل کب واجب ہوتا ہے:

سوال: مہر مثل کب دیا جاتا ہے اور کن وجوہات کی بنا پر مہر مثل واجب ہوتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر مثل مندرجہ ذیل صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے:

(۱) اگر کوئی نکاح کرتے وقت مہر کو مقرر نہ کرے۔

(۲) یا مہر کی عدم ادائیگی کی شرط لگائے۔

(۳) یا ایسی چیز کو مہر مقرر کیا جائے، جو مال متقوم نہ ہو، جیسے شراب خنزیر وغیرہ۔

(۴) یا کسی ایسی چیز کو مہر مقرر کرے، جس کی جنس مجہول ہو، مثلاً کپڑا دوں گا، جانور دوں گا۔

☆ مہر مثل کیا ہے:

سوال: ایک عورت کی شادی ہوئی نکاح کے وقت مہر متعین نہیں کیا گیا، بعد میں وہ کس طرح کا مہر لینے کی مستحق ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

اگر شادی کے وقت مہر متعین نہ کیا گیا ہو تو اس عورت کو مہر مثل دیا جائے گا اور مہر مثل میں اس کے والد کے خاندان کی عورتوں کا اعتبار ہوگا، نہ کہ والدہ کے خاندان کا مثلاً حقیقی، یا باپ شریک بہن، پھوپھی، چچا زاد بہن جبکہ وہ عورت اس لڑکی کی ہم پلہ ہو، مثلاً عمر، حسن، شہر، زمانے، عقل، دیانت، کنوارا پن، علم اور ادب وغیرہ میں ہمسر ہو، اگر برابر کی عورت اس خاندان میں نہ ہو تو وہ عورت جو اِن اوصاف میں اِس عورت کے ساتھ برابر ہو، اُس کا اعتبار ہوگا۔

لمافي الهندية (٣٠٤/١): وإن تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوجها على أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها. وفيه أيضا (٣٠٦/١): ومهر مثلها يعتبر بقوم أبيها إذا استويا سنا وجمالا وبلدا وعصرا وعقلا ودينا وبكارة وكذا يشترط أن تستويا في العلم والأدب وكمال الخلق وأن لا يكون لها ولد كذا في التبيين... وقوم أبيها أخواتها لأبيها وأمها أو لأبيها وعماتها وبنات عمها... فإن لم يوجد فمن الأجانب من قبيلة هي مثل قبيلة أبيها كذا في التبيين.

وفي الدر المختار (١٠٨/٣): (وكذا يجب) مهر المثل (فيما إذا لم يسم) مهرا.

وفي الرد تحته: (قوله: فيما إذا لم يسم مهرا) أي لم يسمه تسمية صحيحة أو سكت عنه نهر.

وفي الدر المختار (١٣٧/٣): (و) الحرة (مهر مثلها) الشرعي (مهر مثلها) اللغوي أي مهر امرأة تماثلها (من قوم أبيها) لا أمها إن لم تكن من قومه كبنت عمه وفي الخلاصة ويعتبر بأخواتها وعماتها فإن لم يكن فبنت الشقيقة وبنت العم، انتهى ... وتعتبر المماثلة في الأوصاف (وقت العقد سنًّا وجمالا ومالا وبلدا وعصرا وعقلا ودينا وبكارة وثيوبة وعفة وعلما وأدبا وكمال خلق) وعدم ولد. (نجم الفتاویٰ: ۱۶۰/۵-۱۶۱)

نیز مہر مثل ہو، یا مہر مسمیٰ تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے پائے جانے کے بعد اس کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے:

(۱) دخول

(۲) خلوت صحیحہ (نکاح کے بعد زوجین کا کسی ایسی جگہ اکٹھا ہونا جہاں وطی سے کوئی مانع نہ ہو۔)

(۳) زوجین میں سے کسی ایک کا مر جانا۔

لمافی بدائع الصنائع (٤٨٤/٣):ويجوز النكاح بدون المهر حتى أن من تزوج امرأة ولم يسم لها مهرا بأن سكت عن ذكر المهر أو تزوجها على أن لا مهر لها ورضيت المرأة بذلك يجب مهر المثل بنفس العقد عندنا حتى يثبت لها ولاية المطالبة بالتسليم ولو ماتت المرأة قبل الدخول يؤخذ مهر المثل من الزوج ولو مات الزوج قبل الدخول تستحق مهر المثل من تركته.

وفيه أيضاً(٥٢٠/٣):فصل وأما بيان ما يتأكد به المهر فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط شيء منه بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق.

وفي الخانية (١٧٣/١،باب في ذكر مسائل المهر) : المهر لا يكون إلا من مال متقوم فإن سمى مالاً مجهول الجنس بأن تزوج امرأة على دابة أو ثوب كان لها مهر المثل بالغاً ما بلغ لأن التسمية لم تصح وكذا لو تزوجها على دار ولم يبين موضع الدار.

وفي الشامية (١٣٧/٣): ثم اعلم أن اعتبار مهر المثل المذكور حكم كل نكاح صحيح لا تسمية فيه أصلا أو سمى فيه ما هو مجهول أومالا يحل شرعا وحكم كل نكاح فاسد بعد الوطء سمى فيه مهر أو لا. (نجم الفتاویٰ:۱۶۱/۵-۱۶۲)

نکاح میں مہر مقرر نہ کیا ہو تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک آدمی کی شادی ہوئی، تقریباً دو سال ہو گئے، اس کو یہ پتہ نہیں کہ حق مہر کیا چیز ہوتی ہے؟ نہ اس نے دیا، وہ آدمی پنجاب کا ہے، دیہاتی ہے، اب اس کو معلوم ہوا ہے کہ حق مہر دینا ضروری ہے۔ اب وہ کیا کرے؟

الجواب

اگر نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر کیا گیا ہو تو مقرر کی ہوئی مقدار اور تفصیل کے مطابق مہر ادا کر دیا جائے اور اگر کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو تو بیوی کے خاندان کی عورتوں کا عام طور پر جتنا مہر مقرر ہوتا ہے، مثلاً بہنوں کا، اتنا مہر واجب ہوگا، جسے مہر مثل کہا جاتا ہے۔(۱) واللہ سبحانہ اعلم

۲۹/۱۱/۱۴۰۱ھ (فتویٰ نمبر:۲۷۷/۳۲ ج) (فتاویٰ عثمانی:۲۹۵/۲)

(۱) **وفي الدر المختار: ١٠٨/٣ (طبع ايچ ايم سعيد) (وكذا يجب) مهر المثل (فيما إذا لم يسم) مهرا.وفي الشامية:(قوله:فيما إذا لم يسم مهرا)أي يسمه تسمية صحيحة أو سكت عنه،نهر.**

مختلف مہروں کا بیان

چار قسم کے مہروں کی تفصیل:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جوانوں کی شادی اسلامی مقصود ومطلوب ہوا کرتی ہے، بعض احباب کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا ہے، آپ دونوں کی عمر ومہر فاطمی کی صحیح مقدار معلوم کرائی جائے؛ تاکہ یہ سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں ہر ایمان دار اپنائے، یہ مہر فاطمی پر عمل سنت ہی ہوگا تو ارشاد واشاعت چاہیے، غالباً آپ شاہی مسجد، یا مدنی مسجد میں قرآن پاک کی تفسیر وترجمہ کرتے ہوں گے۔

قرآن الفجر آپ کو آواز دیتا ہوگا، یہ پیغام مدینہ منورہ گر قبول افتدز ہے عز وشرف

(المستفتی: محمد قاسم مدینہ منورہ)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شریعت میں چار قسم کے مہر کا بیان ملتا ہے، ان میں سے حسب حیثیت جس کو اختیار کیا جائے گا وہ خلاف سنت و خلاف شریعت نہ ہوگا۔

(۱) اقل مہر مہر اُم سلمہ'' غریب مزدور، رکشہ، ٹھیلہ والوں کا مہر جو اقل مہر کہلاتا ہے (یعنی سب سے کم)، مہر کی اقل مقدار دس درہم ہے، اس سے کم مہر نہیں ہوتا، لہٰذا غریب ترین لوگ دس درہم سے لے کر حسب استطاعت جتنے چاہیں مہر باندھ سکتے ہیں؛ لیکن اتنا ہو کہ جتنا بسہولت ادا کرسکیں، ایسے غریب لوگوں کے لیے مہر فاطمی مسنون نہ ہوگا؛ اس لیے کہ مہر فاطمی کی قیمت اس وقت گیارہ بارہ ہزار روپئے ہے، جس کا ادا کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں حدیث شریف میں ارشاد ہے۔

عن أبی العجفاء السلمی، قال: خطبنا عمر فقال: ألا لا تغالوا بصدق النساء، فإنها لو كانت مكرمة فی الدنیا، أو تقویٰ عند اللّٰه كان أولاكم بها النبی صلی اللّٰه علیه وسلم. (سنن أبی داؤد، **كتاب النكاح، باب الصداق، النسخة الهندية: ۲۸۷/۱، دارالسلام رقم: ۲۱۰۶، سنن الترمذی، كتاب النكاح، باب ماجاء فی مهر النساء، باب منه، النسخة الهندية: ۲۱۲/۱، دارالسلام رقم: ۱۱۱۴، سنن ابن ماجه، باب صداق النساء، النسخة الهندية: ۱۳۵/۱، دارالسلام، رقم: ۱۸۸۷، مسند الدارمی، دار المغنی: ۱۴۱۱/۳، رقم: ۲۲۴۶)**

دس درہم میں ساڑھے سات ماشے چاندی ہوتی ہے، جس کا وزن موجودہ گرام کے حساب سے تین تولہ ۶۱۸/ ملی گرام ہوتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹، جواہر الفقہ ۱/۴۲۴)

عن جابر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صداق دون عشرة دراهم. (سنن الدار قطني، كتاب النكاح، دار الكتب العلمية بيروت: ۱۷۳/۳، رقم: ۳۵٦۰)

ولو سمىٰ أقل من عشرة فلها العشرة عندنا. (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر أشرفي ديوبند: ۳۲٤/۲)

(۲) مہر فاطمی یہ ان لوگوں کے لیے ہے کہ جو بسہولت مہر فاطمی کی مقدار ادا کر سکتے ہیں، جیسے کہ دس بیس پچاس ہزار کے مالک لوگ ہیں؛ اس لیے کہ خود مہر فاطمی کی قیمت اس وقت گیارہ ہزار روپئے ہے اور حدیث میں مہر فاطمی کی مقدار پانچ سو درہم ہے، جس کا وزن موجودہ گرام کے حساب سے ۱۵۳/ تولہ ۹۰۰/ ملی گرام چاندی، یا اس کی قیمت ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور: ۶/۴۲، ۴/۱۲، ایضاح المسائل: ۱۲۹، جواہر الفقہ قدیم: ۱/۴۲۴، جدید زکریا ۳/۴۰۸، حاشیہ امداد الفتاوی: ۲/۳۰۷، محمودیہ قدیم: ۳/۲۲۶، جدید ڈابھیل: ۱۲/۲۷، فتاوی دار العلوم: ۸/۲۷۷، تنظیم الاشتات: ۳/۳۲۳)

عن أبي سلمة قالت: سألتُ عائشة كم كان صداق نساء النبي صلى الله عليه وسلم، قالت: كان صداقه في أزواجه اثنتي عشرة أوقية ونشاً هل تدري ماالنشّ؟ هو نصف اوقية وذلك خمس مائة درهم (وفي رواية)ما اصدق امرأة من نسائه ولاأصدقت امرأة من بناته أكثر من أثنتي عشرة أوقية. (ابن ماجه، باب صداق النساء، النسخة الهندية: ۱۳۳/۱، دار السلام، رقم: ۱۸۸٦، معناه في صحيح مسلم،باب الصداق ...النسخة الهندية: ٤٥۸/۱، بيت الافكار، رقم: ۱٤۲٦، سنن النسائي،القسط في الأصدقة، النسخة الهندية: ۷۲/۲، سنن أبي داؤد، باب الصداق، النسخة الهندية: ۸۲۷/۱، دار السلام، رقم: ۲۱۰٥، سنن الترمذي،باب مهر النساء، النسخة الهندية: ۲۱۱/۱، دار السلام، رقم: ۱۱۱٤، مشكاة: ۲۷۷/۲)

(۳) مہر ام حبیبہ یہ ان لوگوں کے لیے ہے کہ جو مذکورہ حیثیت سے زیادہ وسعت رکھتے ہیں اور اس قسم کا مہر ادا کرنا مالی اعتبار سے ان پر گراں نہیں گزرے گا، ایسے لوگوں کے لیے اس قسم کا مہر متعین کرنا خلاف سنت، یا خلاف شریعت نہ ہوگا، جیسے کہ لکھ پتی لوگ ہیں، جو شادی کے موقع پر دیگر اخراجات کے علاوہ صرف شادی ہال میں ستر اسی ہزار روپئے خرچ کر دیتے ہیں، مہر ام حبیبہؓ کی مقدار ابوداؤد، نسائی وغیرہ کی روایت کے مطابق چار ہزار درہم ہے، اس وقت اس کی قیمت ۸۸، یا ۹۰/ ہزار روپئے ہے، جو شخص شادی ہال میں ستر اسی ہزار روپئے خرچ کر سکتا ہے، اس کے لیے مہر ام حبیبہ ادا کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے، جو لڑکی کا اہم ترین حق ہے۔ نیز مشورۃً یہ بات ہے کہ شادی ہال وغیرہ میں اتنا روپیہ خرچ نہیں کرنا چاہیے۔

عن أم حبيبة أنها كانت تحت عبيد الله بن جحش فمات بأرض الحبشة فزوجها النجاشي النبي صلى الله عليه وسلم، فأمهرها عنه أربعة آلاف (وفي رواية) أربعة آلاف درهم. (أبوداؤد، باب الصداق: ۲۸۷/۱،دار السلام رقم: ۲۱۰۷، سنن النسائي الصغرى، القسط في الاصدقة، النسخة الهندية: ۷۲/۲، دار السلام،رقم: ۳۳٥۲، السنن الكبرىٰ للبيهقي التزويج على أربعة آلاف،دار الكتب العلمية بيروت: ۳۱٥/۳، رقم: ۱۲٥٥١، مشكاة: ۲۷۷/۱)

(۴) مہر ام کلثومؓ: یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو مذکورہ حیثیت سے بھی اوپر کے مالک ہیں جیسے امراء، سلاطین، بادشاہ اور ان جیسے لوگ، ان لوگوں کے لیے یہ مہر خلاف شریعت نہیں اور نہ خلاف سنت؛ بلکہ اتنا مہر اپنی حیثیت کے مطابق اختیار کرنا سنت کے مطابق ہوگا، مہر ام کلثومؓ کی مقدار احادیث شریفہ میں بیان کے مطابق چالیس ہزار درہم ہے، جو حضرت عمر فاروقؓ نے ادا فرمائی ہے۔

أن عمر بن الخطاب أصدق أم كلثوم بنت علي أربعين ألف درهم. (المصنف لإبن شيبة، كتاب النكاح، من تزوج على المال الكثير وزوج به مؤسسة علوم القرآن: ۱۳۹/۹، رقم: ۱۶٦٤٤، السنن الكبرى للبيهقي، دار الفكر: ٦/۱۱، رقم: ۱٤٦٠٩، أسد الغابة: ٣٨٧/٦، الإصابة: ٤٦٦/٨)

یہ بات ہرگز نہیں کہی جا سکتی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مذکورہ مقدار کر کے خلاف سنت، یا خلاف شریعت عمل کیا ہے۔

(۲) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت نکاح پندرہ سال پانچ ماہ اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ (مستفاد بہشتی زیور: ۴۲/۶، سیرت طیبہ: ۲۳۳، سیرۃ النبیؐ: ۴۳۲/۲)

وتزوجها وهي ابنة خمس عشر سنة أو خمس أشهر -أو ستة أشهر ونصف- وخمسة أشهر وسنة يومئذ إحدى وعشرون سنة وخمسة أشهر. (الزرقاني: ۳٥٨/۲، أسد الغابة: ۲۲۰/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۵/ربیع الاول ۱۴۲۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۱۵۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۲/۳/۲۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۳۰/۱۳-۶۳۳)

مہر شرع محمدی:

سوال: شرع محمدی مہر (مثلاً: ۸/روپے) باندھے جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے، یا غلط؟ اگر غلط ہو تو اس مقدار میں کتنے ٹھیک ہیں اور اس کے علاوہ کیا کیا مقدار ٹھیک ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

شرع محمدی سے مراد عام طور پر مہر فاطمی ہوتا ہے، اس کی مقدار بہشتی زیور (۲۴/۳) کے حاشیہ پر ایک سو چھپن روپے آٹھ آنہ کے قریب لکھی ہے اور دوسری جگہ کچھ اور مقدار لکھی ہے۔ (۱)

لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بوقت نکاح اس مہر کی تعیین کر لی جاوے روپوں میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۴/۳/۲۱ھ۔

---

(۱) بہشتی زیور میں مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے، اس کی مقدار موجودہ روپے سے (روپے کا وزن ساڑھے گیارہ ماشے ہے) ایک سو چھتیس روپیہ پندرہ آنہ ساڑھے تین پائی چاندی ہوئی، تولہ کے حساب سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ لکھی ہے۔ (بہشتی زیور، حصہ چہارم، مہر کا بیان، ص: ۲۸۲، ۲۸۳، دار الاشاعت کراچی) بہشتی زیور میں تلاش کے باوجود آٹھ آنے کی مقدار نہیں ملی)

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ربیع الاول/۱۳۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

شرع محمدی میں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہیں؛ یعنی تقریباً تین ۳/روپیہ (یعنی چاندی کے تین روپیہ) اور اس سے زیادہ کی حد مقرر نہیں، جتنی تعداد چاہے مقرر کی جاسکتی ہے؛(۱) مگر زیادہ مہر کی ممانعت آئی ہے؛ اس لیے اتنا مہر مقرر کیا جائے کہ جس کو شوہر سہولت سے ادا کرسکے، (۲) بعض جگہ شرع محمدی مہر سے مراد ۸/روپے ہوتے ہیں؛ مگر یہ شرعی طور پر نہیں ہے، خود وہاں کا عرف ہے۔ فقط

سعید احمد مدرسہ، ۲۵/۳/۶۴/۱۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۲۳)

عورت سے مہر کے متعلق نہیں پوچھا اور شرع محمدی پر نکاح کردیا گیا، کیا حکم ہے:

سوال: نکاح پڑھتے وقت عورت سے اجازت لے کر نکاح پڑھا گیا؛ لیکن دین مہر کی اجازت لینا عورت سے بھول گئے؛ بلکہ خاوند سے دریافت کیا، اس نے شرع محمدی مہر کی اجازت دی، اس صورت میں نکاح صحیح ہوا، یا نہ اور مہر کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب

اس صورت میں نکاح صحیح ہوگیا اور مہر کے جس مقدار پر عورت راضی ہو، وہ درست ہے، اگر عورت اسی مہر پر راضی ہے، جو شوہر نے کہا تو وہی صحیح ہے، ورنہ جو کچھ عورت کہے اور مرد اس کو قبول کرلیوے، وہی مقدار مہر کی لازم ہوگی۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۲۹۳)

تحقیق مہر فاطمہ:

سوال: ۳۲ص کو عوام مہر شرعی کہتے ہیں، اس کا اصل کیا ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کا مہر سکہ انگریزی سے کس قدر تھا؟ اور اوقیہ کی مقدار کیا ہے؟

---

(۱) عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال:"ولامهر أقل من عشرة". (إعلاء السنن، باب: لامهر أقل من عشرة: ۸۱/۱، إدارة القرآن کراتشی)

(۲) عن عمر الخطاب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: ألا ! لا تغالوا فی صدقات النساء، فإنها لو کانت مکرمة فی الدنیا وتقویٰ عند اللّٰه، لکان أولاکم بها نبی اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم". (مشکاة المصابیح، باب الصداق، الفصل الثانی، ص: ۲۷۷، قدیمی)

(۳) ویصح النکاح وان لم یسم فیه مهرا، الخ، ثم المهر واجب شرعا إبانة لشرف المحل. (الهدایة) (باب المهر: ۱۹۸/۱، داراحیاء التراث العربی بیروت، انیس) والمهر هو المال یجب فی عقد النکاح علی الزوج فی مقابلة منافع البضع إما بالستمیة أو بالعقد. (العنایة علی هامش فتح القدیر، باب المهر: ۲۰۴/۳، ظفیر)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

معلوم نہیں، اس اصطلاح کی کیا اصل ہے اور مہر حضرت فاطمہ کا مثل دیگر صاحبزادیوں کے ساڑھے بارہ اوقیہ تھا اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ سو درہم ہوئے اور درہم کا حساب ایک مرتبہ میں نے لگایا تھا، چار آنہ چار پائی کا انگریزی سکہ سے ہوتا ہے تو پانچ سو درہم کے ماصہ ۱۳۵ اور کچھ پیسے ہوئے۔(۱)

(تتمہ ثانیہ، ص: ۳۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/ ۳۰۷)

مہر فاطمی:

سوال: مہر فاطمی کی مقدار صحیح کتنی ہے؟ فقط

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

تقریباً ۱۳۲ / تولہ چاندی ہے، اوزان شرعیہ کی تحقیق کے لیے مستقلاً ایک رسالہ دیر سے شائع شدہ ہے "أرجع الاقاویل" اس میں تفصیل مذکور ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بند نظام الدین۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۲۷)

ایضاً:

سوال: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر، جس کو مہر فاطمی کہتے ہیں، کتنا تھا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

۴۰۰ / مثقال تھا، جو کہ ہمارے حساب سے ڈیڑھ سو تولہ چاندی ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۲۷)

---

(۱) مہر فاطمی کی مقدار اوزان شرعیہ میں مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ایک سو کتیس تولہ تین ماشہ چاندی لکھی ہے؛ یعنی سولہ سو گرام چاندی۔ سعید احمد پالن پوری

(۲) عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: ألا ! لاتغالوا فی صدقة النساء ... ماعلمت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نکح شیئا من نسائه ولا أنکح شیئا من بناته علی أکثر من اثنتی عشرة أوقیة". (مشکاة المصابیح، باب الصداق، الفصل الثانی، ص: ۲۷۷، قدیمی)

مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے، کما فی عامة روایات الحدیث، اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو کتیس تولہ تین ماشہ ہوئی"۔ (جواہر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۱/ ۴۲۴، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۳) ثم ذکر السید جمال الدین المحدث فی روضة الأحباب: أن صداق فاطمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها کان اربع مأة مثقال فضة، وکذا ذکره صاحب المواهب ولفظه: أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال لعالی: "إن اللّٰہ تعالی عزوجل امرنی أن أزوجک فاطمة علی أربع مأة مثقال فضة". (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، باب الصداق، الفصل الثانی: ۶/ ۳۶۰، رشیدیة)

==

مہر کا فاطمی کی مقدار:

سوال: مہر فاطمی کی مقدار فی زمانہ کیا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی کے برابر تھے۔(کذا فی المشکاۃ) (۱) حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر بھی اتنا ہی تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ پس پانچ سو درہم ہوئے، جس کی مقدار تقریبا ۱۳۲/تولہ چاندی ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۲/۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۸/۱۲) ☆

== قال: قال عمر بن الخطاب: ”ألا! تغالوا صدقة النساء ... ماعلمت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من اثنتى عشرة أوقية“، هذا حديث حسن صحيح. (جامع الترمذى، باب ماجاء فى مهور النساء: ۲۱۱/۱، سعيد، وسنن أبى داؤد، باب الصداق: ۲۹٤/۱، إمدادية ملتان)

”حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سیرت کے مطابق دو روایتیں ہیں: ایک روایت ۴۰۰/مثقال=۹۴۴ء۱/کلو چاندی، دوسری روایت: ۴۸۰/درہم = ۶۲۹۶ء۱/کلو چاندی۔ مقدار ثانی متعدد روایات حدیث وسیرت سے ثابت ہے اور مقدار اول صرف سیرت سے ثابت ہے، لہٰذا مقدار ثانی راجح ہے“۔(احسن الفتاویٰ: ۳۱/۵، سعید/وکذا فی فتاویٰ حقانیہ، باب المہر: ۳۵۶/۴، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

”مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے، کمافی عامة روايات الحديث، اس کی مقدار موجودہ روپیہ سے ایک سو اکتیس ۱۳۱/تولہ تین ماشہ ہوئی“۔(جواہر الفقہ، باب: اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۴۲۴/۱، دارالعلوم کراچی)

(۱) عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه قال: ألا! لاتغالوا فى صدقة النساء ... ماعلمت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتى عشرة اوقية“. (مشكوة المصابيح، باب الصداق، الفصل الثانى، ص: ۲۷۷، قديمى)

(۲) مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے، کمافی عامة روايات الحديث، اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوئی“۔(جواہر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۴۲۴/۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

☆ مہر فاطمی کی مقدار:

سوال: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر واقعی کتنا تھا، جب کہ ہم نے بعض کتابوں میں ساڑھے باون تولہ، یا چار سو اسی درہم پڑھا ہے اور کیا ۲۵/روپے بھی مہر فاطمی ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مہر فاطمی ۲۵/روپے نہیں؛ بلکہ ۱۳۲/تولہ کے قریب چاندی ہے۔(عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه قال: ألا! لاتغالوا فى صدقة النساء ... ماعلمت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتى عشرة أوقية“. (مشكاة المصابيح، باب الصداق، الفصل الثانى، ص: ۲۷۷، قديمى) مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے، کمافی عامة روايات الحديث، اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوئی“۔(جواہر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۴۲۴/۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی) ==

== بعض حضرات کے حساب میں اس سے بھی کچھ زائد ۱۵۰ر تولہ تک ہے، جیسا کہ حواشی مشکوۃ شریف میں ہے۔(إن صداق فاطمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها كان أربع مأة مثقال فضة ، و كذا ذكره صاحب المواهب ولفظه: أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال لعلی: إن اللّٰہ عزوجل أمرنی أن أزوجک فاطمة علی أربع مأة مثقال فضة". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب الصداق، الفصل الثانی: ٦/ ٣٦٠،رشيدية) مقدار اول راجح ہے۔(كمافی احسن الفتاویٰ: ۵/۳۱، سعید)
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندنظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۱۳۸۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۲۹)

مہر فاطمی کی مقدار:

سوال: مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟ قولِ مشہور کی رہنمائی کریں اور موجودہ زمانہ میں روپیہ کے اعتبار سے کیا مقدار ہوتی ہے؟
(مولانا شمیم اختر، جھرہ)

الجواب

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مہر کے بارے میں قولِ مشہور یہ ہے کہ وہ پانچ سو درہم ہے، اس کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہوتی ہے، آج کل چوں کہ دس گرام کا تولہ مروج ہے، اس لحاظ سے ۱۵۴ر تولہ چاندی کی مقدار ہوگی، (دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۲۹۴) چوں کہ سونا اور چاندی کی قیمت میں مسلسل اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے؛ اس لیے آپ خود بازار سے اتنی مقدار کی چاندی کی قیمت دریافت کرلیں اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اگر نکاح میں مہر فاطمی کا تعین ہوا تو جس وقت مہر ادا کیا جائے اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔(کتاب الفتاویٰ: ۴/۳۹۱-۳۹۲)

مہر فاطمی کی مقدار:

جناب مفتی صاحب! مہر فاطمی (حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے حق مہر) کی مقدار کیا ہے؟

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صاحبزادی کا حق مہر ۴۸۰ر درہم ہے، جو کہ موجودہ نظام اوزان کے مطابق ۱۔۶۹۲۳۶ر کلو گرام وزن بنتا ہے، یا رائج الوقت کرنسی کے حساب سے اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔

قال عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: ما علمت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نكح شيئًا من نسائه ولا أنكح شيئًا من بناته علی اكثر من ثنتی عشرة أوقيةً، هٰذا حديث حسن صحيح. (سنن الترمذی: ١/ ١٦٥، باب ماجاء فی مهور النساء)

وذكر الامام أبوداؤد السجستانی: عن أبی العجفاء قال: خطبنا عمر فقال: ألا لا تغالوا بصدق النساء فإنها لو كانت مكرمة فی الدنيا أو تقوی عند اللّٰہ كان أولاكم بها النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ما أصدق رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم امرأة من نسائه ولا أصدقت امرأة من بناته أكثر من ثنتی عشرة أوقية. (أبوداؤد: ١/ ٢٩٤، باب الصداق) (فتاویٰ حقانیہ: ۴/۳۵۶)

مہر فاطمی ہمارے حساب سے:

سوال: مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد وغیرہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا زیادہ مہر بارہ اوقیہ چاندی نقل کیا ہے۔ بارہ اوقیہ ہماری تول، تولہ اور بالخصوص گرام کے لحاظ سے کتنا ہوتا ہے؟ فقط

(محمد عبداللہ دہلوی، ۱۴۸، حضرت نظام الدین، نئی دہلی)

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ایک سو بتیس تولہ کے قریب چاندی ہمارے حساب سے مہر فاطمی ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفر لہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۳۰)

مہر شرعی اور مہر فاطمی:

سوال: زید اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے، وہ زمیندار بھی ہے۔ اس کی بیوی غریب گھر کی لڑکی ہے، لڑکی دوسرا نکاح کرنا نہیں چاہتی ہے اور مہر شرع محمدی؛ یعنی ساڑھے بتیس روپیہ ہے۔ شرع محمدی مہر کی تعداد زیادہ سے زیادہ کتنی ہے، بتلایا جائے، عین نوازش ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

شرع محمدی مہر کی مقدار ساڑھے بتیس روپیہ اگر وہاں کا عرف ہے تو صحیح ہے؛ یعنی جب لوگ شرع محمدی مہر بولتے ہیں تو اس سے ساڑھے بتیس روپیہ ہی مراد لیتے ہیں تو بس اتنی ہی تعداد لازم ہوگی، اس سے زیادہ کے مطالبہ کا حق نہیں، (۲) اگر یہ عرف نہ ہو تو مہر فاطمی مراد ہوگا۔ شریعت نے زیادہ کی تعداد مقرر نہیں کی، یہ طرفین کی رضامندی پر ہے؛ لیکن حیثیت سے زیادہ مہر مقرر نہیں کرنا چاہیے، جس کو ادا نہ کر سکے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۳۰-۳۱)

---

(۱) مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے، کما فی عامۃ روایات الحدیث، اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوئی"۔ (جواہر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۱/۴۲۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) وتجب العشرة إن سماها أو دونها، ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد

(۳) عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: ألا! لاتغالوا فی صدقة النساء ... ماعلمت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتی عشرة أوقية" هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذی، كتاب النكاح، باب ماجاء فی مهور النساء: ۱/۲۱۱، سعيد)

مہر فاطمی کی ترجیح مہر مثل پر:

سوال: زید اپنی لڑکی کا نکاح ایک فارغ التحصیل لڑکے سے مہر فاطمی پر کرنا چاہتا ہے، جب کہ یہاں پر مہر مثل کا دستور ۵/ ہزار، ۷/ ہزار کا ہے، جب کہ سب راضی بھی ہیں، لڑکی اور لڑکا بھی راضی ہے تو مہر فاطمی پر نکاح درست ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب بالغہ لڑکی اور اس کے اولیاء رضامند ہیں تو مہر مثل کی پابندی لازم نہیں، (۱) خاص کر جب کہ لڑکا عالم دین بھی ہے تو مہر فاطمی کی سنت کا احیاء باعث اجر ابھی ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۷/ ۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۱/۱۲)

مقدار مہر اور مہر فاطمی کی تحقیق:

سوال (۱) مہر شرعی کیا چیز ہے؟ اسی کو مہر مسنون اور مہر محمدی کہتے ہیں؟

(۲) اس مہر کی تعداد کم از کم کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ کیا ہے؟ بحساب سکہ رائج الوقت معلوم ہونا چاہیے، درہم دینار مثقال اور اوقیہ کی قیمت بحساب سکہ کلدار کیا ہے؟

(۳) ام المومنین حضرت ام حبیبہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا مہر کس قدر تھا؟ اور کون سا مہر زیادہ تر قابل تقلید ہے؟

(۴) مرہ رائج الوقت جس کی تعداد ہزار ہا روپیہ ہوتی ہے مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

(۱) مہر عورت کا حق مالی ہے، جو خاوند کے ذمہ بوجہ عقد نکاح کے واجب ہوتا ہے اور مہر مسنون اور مہر محمدی اس مہر کو کہا جاتا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عملاً ثابت ہو، جس کا ذکر جواب نمبر (۳) میں آئے گا۔

(۲) مہر کی تعداد کم از کم درہم دس ہے، جس کی مقدار وزن رائج الوقت کے اعتبار سے دو تولہ گیارہ ماشے چاندی ہوتی ہے اور زائد کے لیے کوئی حد ایسی مقرر نہیں کہ اس سے زائد مہر نہ ہو سکے، یہ دوسری بات ہے کہ بہت زائد مقرر کرنا مکروہ و ممنوع ہے، اقل مقدار کی دلیل عبارت ہدایہ ہے:

---

(۱) قالوا: إنه :أی مهر المثل الموجب الأصلی فی باب النكاح، وأما المسمی :فإنه قائم مقامه للتراضی به". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۰/۳، سعيد)

(۲) عن بلال بن الحارث المزنی رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحيى سنة من سنتی قد أميتت بعدی ، فإن له من الأجر مثل أجور من عمل بها من غير أن ينقص من أجورهم شيئا".

عن أبی سعيد الخدری رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "من أكل طيبا وعمل فی سنة وأمن الناس بوائقه، دخل الجنة". (مشكاة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثانی، ص: ۳۰، قديمی)

"وأقل المهر عشرة دراهم". (۱)

نیز حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لا مهر أقل من عشرة دراهم. (أخرجه الدار قطنی) (۲)

اور زائد کے لیے کوئی حد شریعت میں مقرر نہیں اور آیت کریمہ ﴿وَ آتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا﴾ (۳) سے زیادہ مہر کا نافذ ہونا معلوم ہوتا ہے، درہم بحساب وزن مروج تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا اور دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا نام ہے، جو دینار کے برابر ہے اور اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

والدليل عليه ما فی الغياث: "درهم سه نيم ماشه باشد".

وأيضاً قال العلامة القاضی ثناء الله الپانی پتی فی رسالة مالا بدمنه:

"نصاب زر بست مثقال است که هفت ونيم توله باشد ونصاب نقره دو صد درهم است که پنجاه وشش روپيه سکه دهلی وزن آن می شود، انتهی، گفتم پس بهميں حساب دينار چهارم ونيم ماشه می شود ودرهم سه ونيم تقريباً".

وفی الهداية: والأوقية أربعون درهماً. (۴)

وفی عمدة الرعاية معزياً لفتح القدير: (قوله: الواحد) إلا أن الدينار اسم لقطعة المضروبة المقدرة بالمثقال.

وفی شرح المختصر للبرجندی: فی الخزانة الدينار هو المثقال، الخ.

اور جب دینار و درہم کا وزن بحساب تولہ و ماشہ معلوم ہوگیا تو سونے چاندی کا وقتی نرخ معلوم کر کے سکہ رائج الوقت سے اس کی نکال لینا کچھ مشکل نہ رہا، مثلاً مہر فاطمی کی مقدار پانچ سو درہم ہے، جس کا وزن رائج الوقت ایک سو پینتالیس تولہ دس ماشہ ہوا اور آج کل جب کہ چاندی کا نرخ ۸؍تولہ ہے تو سکہ رائج الوقت کے اعتبار سے پانچ سو درہم کی قیمت تقریباً تہتر روپیہ ہوتی ہے۔

(۳) حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار ہزار درہم تھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور عام ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم۔

---

(۱) الهداية، باب المهر: ۱۹۸/۱، دار إحياء التراث العربی بيروت، انيس

(۲) عَنْ جَابِرٍ ,أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا صَدَاقَ دُونَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ. (سنن الدارقطنی، باب المهر، رقم الحديث: 3602، انيس) قَالَ عَلِيٌّ: لَا يَكُونُ مَهْرًا أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ. (سنن الدارقطنی، باب المهر، رقم الحديث: 3603، انيس)

(۳) سورة النساء: ۲۰، انيس

(۴) الهداية، باب زكاة الأموال: ۱۸۶/۱

لما روی عَنْ أَبِی سَلَمَةَ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ: كَمْ كَانَ صَدَاقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَت: كَانَ صداقه لأزواجه اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشٌّ قَالَتْ: أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟ قُلْتُ: لَا قَالَتْ: نِصْفُ أُوقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)(مشكاة)(۱)

وفي كنز العمال، فی حدیث طویل: ما أصدق رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم امرأة من نسائه ولا أصدقت امرأة من بناته أكثر من اثنتی عشرة أوقیة. (كنز العمال: ۲۹۷/۸)(۲)

حضرت ام حبیبہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما دونوں کے مہروں سے قابل تقلید حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور باقی ازواج مطہرات کا مہر ہے؛ کیوں کہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا، بخلاف حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے کہ ان کا مہر نجاشی بادشاہ نے مقرر کیا اور اسی نے ادا کیا تھا۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْهَرَهَا عَنْهُ أَرْبَعَةَ آلَافٍ وَفِي رِوَايَةٍ أَرْبَعَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيلَ ابْنِ حَسَنَةَ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ)(۳)

(۴) بالکل نامناسب اور مکروہ اور سینکڑوں دینی و دنیوی مصائب کی بنیاد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق ایک خطبہ ارشاد فرمایا ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَلَا لَا تُغَالُوا صَدُقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا وَتَقْوَى عِنْدَ اللّٰهِ لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَلَا أَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَالدَّارِمِيُّ)(۴)

حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ہزاروں روپیہ کی تعداد میں مہر مقرر کرنا ہرگز مناسب نہیں، علاوہ بریں جب مہر زیادہ

---

(۱) مشكاة المصابيح، باب الصداق، رقم الحديث: 3203، انيس (عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشًّا، قَالَتْ: أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَتْ: نِصْفُ أُوقِيَّةٍ، فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ، فَهَذَا صَدَاقُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَزْوَاجِهِ. (صحيح لمسلم، باب الصداق، رقم الحديث: 1426، انيس)

(۲) كنز العمال، الصداق، رقم الحديث: ٤٥٧٨٩، انيس

(۳) مشكاة المصابيح، رقم الحديث: 3208، باب الصداق، انيس (عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَنَّ النَّجَاشِيَّ، زَوَّجَ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدَاقِ أَرْبَعَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ وَكَتَبَ بِذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبِلَ. (سنن أبی داؤد، باب الصداق، رقم الحديث: 2108، انيس)

(۴) مسند الامام احمد، رقم الحديث: 285، سنن ابن ماجة، رقم الحديث: 1887، سنن الترمذی، رقم الحديث: 1114، سنن ابی داؤد، رقم الحديث: 2106، سنن النسائی، رقم الحديث: 3349، انيس

مقرر کیا جاتا ہے تو کبھی اس کے ادا کرنے کی نہ ہمت ہوسکتی ہے اور نہ کبھی اس کا ارادہ ہوتا ہے اور اس صورت کو کہ ادائے مہر کا ارادہ ہی دل ہی میں نہ ہو، حدیث میں زنا فرمایا گیا ہے، الحدیث سردہ فی الکنز بطرق مختلفة. (۱)

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اگر کسی خاندان کی لڑکیوں کا مہر زیادہ تعداد میں رائج ہے تو جب تک سارا خاندان اپنا رواج بدل کر مہر میں کمی نہ کرے، اس وقت تک تنہا کسی لڑکی کا مہر باندھنے کا اختیار اس کے اولیاء کو نہیں ہے، لوگ اس میں بہت غفلت کرتے ہیں کہ سارے خاندان کے مہر مثل کے خلاف اپنی لڑکی کا مہر کم کر دیتے ہیں، جس کا ان کو حق نہیں ہے۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ بہت سے حضرات صحابہؓ نے زیادہ مہر پر نکاح کئے ہیں، حالاں کہ مہر فاطمی کا مسنون اور افضل ہونا ان کو بھی (ظاہر) معلوم تھا۔ زیلعی شرح کنز، باب الکفاءۃ میں ہے:

أَلَا تَرَى أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا تَزَوَّجَ صَفِيَّةَ عَلَى عَشَرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ وَكَانَ يُزَوِّجُ بَنَاتِهِ عَلَى عَشَرَةِ آلَافٍ وَتَزَوَّجَ عُمَرُ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ مِنْ فَاطِمَةَ عَلَى أَرْبَعِينَ أَلْفِ دِرْهَمٍ، وَهَذَا الِاسْتِدْلَالُ لَا يَصِحُّ؛ لِأَنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ كَبِيرَةً وَلِهَذَا اسْتَأْذَنَهَا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَكَلَامُنَا فِي الصَّغِيرَةِ وَاسْتِدْلَالِهِ بِأُمِّهَا وَعُمَرَ وَابْنِهِ فَاسِدٌ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُمَا زَادَا عَلَى مَهْرِ الْمِثْلِ إِذْ لَا يَجِبُ الِاقْتِصَارُ عَلَى مَهْرِ الْمِثْلِ بَلْ يَجُوزُ ذَلِكَ بِرِضَا الزَّوْجِ عِنْدَ عَدَمِ رِضَاهَا بِمَهْرِ الْمِثْلِ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ مَهْرَ مِثْلِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ؛ لِأَنَّهُ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَلَا يَدُلُّ ذَلِكَ عَلَى الْفَضِيلَةِ بَلْ هُوَ الظَّاهِرُ؛ لِأَنَّ الْمَالَ كَانَ قَلِيلًا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اتَّسَعَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ ذَلِكَ لِمَا حَصَلَ لَهُمْ مِنْ فُتُوحِ الْبِلَادِ (الزیلعی شرح الکنز: ۳/ ۱۳۱)(۲)

---

(۱) من مسند صهيب، عن عمرو بن دينار قال حدثني بعض ولد صهيب أنهم قالوا لأبيهم: مالك لا تحدثنا كما يحدث أصحاب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم؟ قال: أما إني قد سمعت كما سمعوا ولكن يمنعني من الحديث حديث سمعته من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار، ولكن سأحدثكم بحديث حفظه قلبي ووعاه، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أيما رجل تزوج امرأة ومن نيته أن يذهب بصداقها فهو زان حتى يموت وأيما رجل بايع رجلا بيعا ومن نيته أن يذهب بحقه فهو خائن حتى يموت. (كنز العمال، رقم الحديث: ۲۹۴۹۶، انيس)

عن صيفي بن صهيب قال: قلنا لأبينا صهيب يا أبانا لم لا تحدثنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كما يحدث أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: أما إني قد سمعت كما سمعوا ولكني يمنعني من الحديث عنه أني سمعته يقول: من كذب علي متعمدا كلف يوم القيامة أن يعقد طرفي شعيرة ولن يقدر على ذلك، وسمعته يقول: من تزوج امرأة ومن نيته أن يذهب بصداقها لقي الله وهو زان حتى يتوب، وسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أدان بدين وهو يريد أن لا يفي به لقي الله سارقا حتى يتوب. (كنز العمال، رقم الحديث: 29497، انيس)

"حب الأنصار إيمان وبغضهم كفر، وأيما رجل تزوج امرأة على صداق ولا يريد أن يعطيها فهو زان". (كنز العمال عن أبي هريرة، رقم الحديث: 33749، انيس)

(۲) تبيين الحقائق، باب الأولياء والأكفاء: ۲/ ۱۳۱، المطبعة الكبرىٰ الأميرية بولاق، انيس

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ خود حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم مہر مقرر کئے، جس کی مقدار سکہ رائج الوقت کے اعتبار سے تقریباً پانچ ہزار روپیہ ہوتے ہیں اور جس لڑکی کا یہ مہر مقرر ہوا وہ بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے حضرات صحابہ نے دس دس ہزار درہم پر اپنا اور اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کیا، جس کی مقدار آج کل کے سکہ رائجہ کے اعتبار سے تقریباً سو روپیہ ہوتی ہے۔ الغرض مہر میں غلو کرنا جائز نہیں؛ بلکہ تقلیل حسب سنت بہتر وافضل ہے؛ لیکن اس کے خلاف میں غلو کرنا جائز نہیں کہ مہر مثل کے خلاف لڑکی، یا اس کے اولیا کو مہر فاطمی پر مجبور کر دیا جاوے، یہ غلو اور جبر بھی بالکل خلاف سنت اور خلاف تعامل صحابہ کرام ہے، اعتدال کی صورت یہ ہے کہ اپنے اپنے خاندان میں مہر مثل کم کرنے کی کوشش کی جاوے اور سب خاندان والوں کو احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سیدۃ النساء کے مہر کی تقلید واتباع کی ترغیب دی جاوے، اگر وہ سب قبول کرلیں تو بہتر، ورنہ تنہا کسی ایک لڑکی، یا اس کے اولیاء کو اس پر مجبور نہ کیا جاوے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۲/۴۷۱-۴۷۳) ☆

اقل مہر اور مہر فاطمی کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر کی کم سے کم مقدار موجودہ سکۂ رائج الوقت کے حساب سے کتنی ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

نیز مہر فاطمی کی موجودہ اوزان کے اعتبار سے کیا مقدار ہے؟

(المستفتی: ابوطاہر، بھدائی، پوسٹ: جھکڑا، بردوان (بنگال)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــ وبالله التوفيق

(۱) شریعت اسلامی میں مہر کی کم سے کم مقدار حنفی مذہب کے مطابق قدیم اوزان کے اعتبار سے دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم: ۲/۲۲۳، جدید زکریا: ۳/۴۰۹)

☆ مہر فاطمی کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر فاطمی؛ یعنی مہر شرع پیغمبری کی کیا مقدار ہے؟ تحریر فرمائیں۔

(المستفتی: بشیر احمد، محلّہ: پیر غیب، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــ وبالله التوفيق

مہر فاطمی ۵۰۰/درہم ہے، اس کا وزن گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۳۰/گرام ۹۰۰/ملی گرام چاندی ہے، آج اس کی قیمت گیارہ ہزار چھ سو اٹھائیس روپیہ ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۷/صفر المظفر ۱۴۱۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۸۵۶/۳۳) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۶۵۸-۶۵۹)

اور موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے تین تولہ ۶۱۸ ملی گرام چاندی ہوتی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کر لی جائے۔

(۲) مہر فاطمی کی مقدار ۱۲ماشہ کے تولہ کے حساب سے ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ ہے اور اس کی مقدار موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۳۰ گرام ۹۰۰ ملی گرام چاندی ہوتی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کر لی جائے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۲۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۲ر شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۳۴۲/۲۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۲/۸/۱۴۱۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۶۵۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اعتبار سے مہر فاطمی کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر فاطمی کی کیا مقدار ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ کے رائج سکوں اور وزن کے اعتبار سے اس کی کیا مقدار تھی؟ اور اب ہمارے موجودہ ہندی رائج سکوں اور وزن کے اعتبار سے اس کی کیا مقدار بنے گی؟ تولہ، ماشہ، رتی کے حساب سے کتنی اور کلو، گرام کے حساب سے کتنی درہم، دینار، مثقال، اوقیہ ان عربی اوزان کی ہمارے ہندی اوزان کے اعتبار سے (یعنی تولہ ماشہ رتی، یا کلوگرام کے اعتبار سے) کتنی کتنی مقدار ہے؟ (المستفتی: محمد عباس، ہلدوانی، لائن۔۷)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ———— وباللّٰہ التوفیق

مہر فاطمی کی مقدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ کے رائج سکوں اور وزن کے اعتبار سے ۵۰۰ درہم اور تولہ کے حساب سے ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ چاندی تھی اور موجودہ ہندی رائج سکوں اور وزن کے اعتبار سے اس کی مقدار ڈیڑھ کلو ۳۰ گرام ۹۰۰ ملی گرام چاندی ہے اور ایک درہم کی مقدار ہندی مروجہ وزن کے حساب سے ۳ گرام ۳۰۲ ملی گرام چاندی ہے اور ایک دینار کی مقدار ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام سونا ہے۔

مثقال اور دینار کا وزن ایک ہی ہے؛ یعنی مثقال بھی ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام کا ہوتا ہے، صرف یہ فرق ہے کہ دینار سونے کا ایک سکہ ہے اور مثقال ایک وزن کا نام ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۲۱۹)

كما في الرعاية: مثقال هو لغة مايؤذن به شرعاً إسم للمقدار المعين الذى يقدر به الذهب ونحوه وهو الدينار الواحد؛ لأن الدينار إسم للقعة المضروبة المقدرة. (الرعاية: ۱/۲۲۹)

اور ایک اوقیہ ۱۲۲ گرام ۴۷۲ ملی گرام چاندی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۵ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۵۹۹۵)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۵/۱/۱۴۲۰ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۶۵۷-۶۵۸)

مہر فاطمی کے دونوں قولوں کا حدیث سے ثبوت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر فاطمی کے بارے میں جو دو قول ہیں: ۴۸۰ درہم اور ۵۰۰/درہم، یہ دونوں روایت حدیث کی کس کتاب میں ہیں؟ حوالہ درج فرمائیں۔ نیز یہ فرمائیں کہ ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ اور ۱۵۰ تولہ کی جو مقدار ہے تو کیا ۴۸۰/درہم کے حساب سے ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ ہوتا ہے اور ۵۰۰/درہم کے حساب سے ۱۵۰/تولہ تحقیقی جواب عنایت فرمائیں۔ (المستفتی: ابوالکلام)

باسمه سبحانه و تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مہر فاطمی کے بارے میں ۴۸۰/اور ۵۰۰/درہم کے سلسلہ میں جو دو قول مروی ہیں، ان دونوں کا ثبوت کتب حدیث میں موجود ہے، چناں چہ ۵۰۰/درہم والی روایت ابن ماجہ شریف: ۱۳۷، ابوداؤد شریف: ۱/۲۸۷/حاشیہ مشکوۃ شریف: ۱/۲۷۷/پر مذکور ہے۔

اور ۵۰۰/درہم کے حساب سے ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ چاندی ہوتی ہے اور ۱۵۰/تولہ کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم: ۱/۴۲۴، جدید زکریا: ۳/۴۰۹، ۴۱۰، محمودیہ قدیم: ۳/۲۲۶، جدید ڈابھیل: ۱۲/۳۰)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۸/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۴۴ ۵۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴/۵/۱۴۱۹ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۹۵۹-۶۶۰)

مہر فاطمی ومہر شرعی پیغمبری کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمیؓ کی مقدار کیا ہے؟ مہر شرع پیغمبری کی مقدار کیا ہے؟ (المستفتی: محمد قاسم جھلرہ، بجنور (یوپی))

جواب من جانب مدرسہ حبیبیہ مراد آباد:

(۱) صورت مسئولہ میں مہر فاطمی ۵۰۰/درہم ہے، ماشہ کے حساب سے ۱۷۵۰/ماشہ ہے، تولہ کے حساب سے ۲/سوساڑھے بیالیس تولہ ہے۔

(۲) مہر شرعی کم سے کم دس درہم ہے، ماشہ کے حساب سے ۳۵/ماشہ ہے؛ یعنی ایک ماشہ کم ۳/تولہ۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: اشتیاق حسین عفا اللہ عنہ، ۹/ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ۔

جواب من جانب مدرسہ شاہی مراد آباد:

باسمه سبحانه و تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

(۱) مہر فاطمی کی مقدار ۵۰۰/درہم چاندی ہے اور بارہ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ایک سو اکتیس تولہ تین

ماشہ چاندی ہوتی ہے اور موجودہ گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۳۰ رگرام ۹۰ رملی گرام چاندی ہے اور دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۱۵۳ رتولہ ۹۰۰ رملی گرام ہوتی ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ: ۱؍۴۲۴)

(۲) اگر مہر شرع پیغمبری سے اقل مہر مراد ہے تو اقل مہر دس درہم ہیں اور ۱۲؍ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ۲ رتولہ ساڑھے سات ماشہ ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم: ۱؍۴۲۳، جدید زکریا: ۳؍۴۰۹-۴۱۰)

اور موجودہ گراموں کے حساب سے ۳۰ رگرام ۶۱۸ رملی گرام ہے اور دس گرام کے تولہ کے حساب سے تین تولہ ۶۱۸ رملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴؍ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۷؍ ۲۴۸۰) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳؍ ۶۶۰)

مہر فاطمی کی مقدار پر تحقیقی جواب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مورخہ ۲۷؍ نومبر ۱۹۸۸ء بروز اتوار محمد ارشد امروہوی کا نکاح شگفتہ ساکن: محلہ کسرول مرادآباد کے ساتھ آپ نے پڑھایا تھا، اس وقت مہر فاطمی کا تذکرہ چلا، آپ نے اس کی تعداد ۱۳۱؍ تولے چاندی سکہ تسلیم کی، دوران گفتگو میں یہ بندہ احقر بھی داخل ہوگیا تھا، میں نے ۱۵۰؍ تولہ چاندی بتلائی تھی، آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے یہ غلط ہے، یہ آپ کا جواب تھا، اس جواب کے بجائے اگر مجھ سے اس کا حوالہ طلب فرمالیتے تو پتہ ہوجاتا، لہٰذا دیوبندی ہی مکتب فکر کی کتاب ''ایک عالمی تاریخ''، جس کے مصنف مولانا محمد عثمان معروفی اعظم گڈھ یوپی، ص: ۳۳۳؍ سے مہر فاطمی تحریر کرتا ہوں:

(۱) ۵۰۰؍ درہم، ایک سو ساڑھے ستاون روپیہ بھر چاندی۔

(۲) ۴۸۰؍ درہم ۱۵۱؍ روپیہ بھر اور دو ماشہ چاندی۔

(۳) ۴۰۰؍ درہم = ۱۲۶ روپیہ بھر چاندی۔

(۴) ۴۰۰؍ مثقال ۱۸۰ روپیہ بھر چاندی یا ۱۵۰ تولہ۔

نوٹ: ملا علی قاری نے چوتھے قول کو راجح کہا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ) آپ جواب ضرور دیں؟

(المستفتی: توفیق احمد قادری، چشتی، مالک نیشنل بکڈ پو امروہہ ضلع: مرادآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

آپ کا ارسال کردہ خط پڑھ کر جواب نہ دینے اور خاموشی اختیار کرنے کا ارادہ کرلیا تھا؛ کیوں کہ خاکسار نے اپنے لیے یہ طریقہ بنالیا ہے کہ اگر کوئی کچھ کہہ دے تو فوراً دل میں یہ سوچ لیتا ہے کہ اگر واقعی کہنے والے نے صحیح کہا ہے تو اس کو اپنے لیے باعث اصلاح سمجھ لیتا ہے اور اگر کہنے والے نے غلط کہا ہے تو اپنے آپ کو یہ تسلی دے دیتا ہے کہ کہنے والے نے جو کچھ کہا ہے تو اس کا کچھ اثر خاکسار پر نہیں پڑسکتا، کہنے دو؛ لیکن آپ نے اپنی تحریر میں جواب دینے پر زور

دیا ہے؛ اس لیے جواب لکھنے پر مجبور ہورہا ہے، اولاً آپ کو ۲۷/نومبر کی گفتگو کے دوران جو باتیں ہوئی تھیں، ان کی ایک ایک کر کے یاد دہانی کرانی مناسب سمجھتا ہے، بوقت نکاح خوانی بعض احباب نے احقر سے مہر فاطمی کی مقدار معلوم کی تھی تو احقر نے اس کی مقدار ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ چاندی بتلائی تھی، اس پر آپ نے علم الفقہ کے حوالہ سے ۱۵۲/تولہ چاندی بیان کی تھی نہ کہ ۱۵۰/تولہ، بقول آپ کے آپ قوی الحافظہ ہیں؛ اس لیے آپ کو ایک ایک جملہ یاد ہوگا اور احقر نے علم الفقہ میں ۱۵۲/تولہ ہونے کا انکار کیا تھا۔

نیز احقر نے یہ بھی کہا تھا کہ ۱۵۲/تولہ اگر آپ نے کسی کتاب میں دیکھا ہے تو وہ نصاب زکوٰۃ کے سلسلہ میں ہوگا، آپ کو اشتباہ ہورہا ہے، پھر آپ کے اصرار پر احقر نے کہا تھا کہ اگر علم الفقہ میں ۱۵۲/تولہ لکھا ہے تو وہ غلط ہوگا، اس پر آپ نے خط کے ذریعہ سے علم الفقہ کا حوالہ پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا تو احقر نے کہا تھا کہ علم الفقہ مدرسہ شاہی میں بھی ہے، تب اس وقت بعض احباب نے یہ کہا تھا کہ توفیق احمد صاحب بہت کتابیں رکھنے والے آدمی ہیں تو احقر نے کہا تھا کہ شاہی تشریف لائیں، وہاں بھی بہت ساری کتابیں ہیں، اب آپ پر تعجب ہے کہ اتنا حافظہ ہونے کے باوجود زیر بحث کتاب بھول گئے اور ۱۵۲ تولہ کے بجائے ۱۵۰/تولہ یاد رہا؛ تاہم علم الفقہ کے حوالہ کے دعوی کا تو آپ شاید انکار نہ فرمائیں گے تو عرض ہے کہ علم الفقہ میں نہ تو ۱۵۲/تولہ کا ذکر ہے اور نہ ہی ۱۵۰/تولہ کا؛ بلکہ اس میں تو ۱۰۴/تولہ ۲/ماشہ کا ذکر ہے، ملاحظہ ہو علم الفقہ: ۶/۸۱۔

مہر فاطمی کی تعیین کے سلسلہ میں بہت اقوال ہیں، ان میں سے مشہور ترین ۱۰/اقوال معتبر ترین کتب حدیث وفقہ سے پیش کئے جاتے ہیں۔

نمبر (۱) ۵۰۰/درہم ساڑھے ایک سوستاون روپیہ، ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ چاندی۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم: ۱/۴۲۴، جدید زکریا: ۳/۴۰۸، ۴۰۹، حاشیہ امداد الفتاوی، مطبوعہ دیوبند: ۲/۳۰۷، حاشیہ فتاوی محمودیہ قدیم: ۳/۲۲۶، جدید ڈابھیل: ۱۲/۳۰، بحوالہ اوزان شرعیہ وحاشیہ بہشتی زیور: ۴/۱۲، حاشیہ فتاوی دار العلوم: ۸/۲۷۷، تنظیم الاشتات شرح مشکوۃ: ۳/۳۲۳، ایک عالمی تاریخ: ۳۳/قول اول)

نمبر (۲) ۴۸۰/درہم ۱۵۱/روپیہ ۲/ماشہ ۱۲۶/تولہ چاندی۔ (ترمذی شریف، کتاب النکاح، باب مہر النساء، النسخۃ الہندیۃ: ۱/۲۱۱، دار السلام رقم: ۱۱۱۴، سنن أبی داود، کتاب النکاح، باب الصداق، النسخۃ الہندیۃ: ۱/۲۸۷، دار السلام رقم: ۲۱۰۵، ابن ماجہ شریف، کتاب النکاح، باب صداق النساء، النسخۃ الہندیۃ قدیم: ۱/۱۳۳، دار السلام، رقم: ۱۸۸۶، مشکوۃ: ۲/۲۷۷، مرقاۃ، کتاب النکاح، باب الصداق، امدادیہ ملتان: ۶/۲۴۶، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی بیروت: ۶/۱۷۷، رقم: ۱۰۴۰۷، احسن الفتاوی ۵/۳۱، ایک عالمی تاریخ: ۳۳/قول ثانی)

نمبر (۳) ۴۰۰/درہم ۱۲۶ روپیہ ۱۰۵ تولہ چاندی۔ (ایک عالمی تاریخ ۳۳/قول ثالث، عمدۃ القاری، کتاب النکاح، باب قول اللہ تعالیٰ: وآتوا النساء صدقاتهن نحلة، دار إحیاء التراث العربی بیروت: ۲۰/۱۳۷، زکریا: ۱۴/۱۰۲، شامی، کتاب النکاح، باب المہر، کراچی: ۳/۱۰۱، زکریا: ۴/۲۳۱، فتح القدیر، دار الفکر بیروت: ۳/۳۱۸، کوئٹہ: ۳/۲۰۶، زکریا: ۳/۳۰۶، اشعۃ اللمعات: ۳/۱۲۶)

نمبر(۴) ۴۰۰/مثقال ۱۸۰/روپیہ، ۱۵۰/تولہ چاندی۔ (مرقاۃ ملتانی، امدادیہ ملتان:۲۴۶/۶، فتاوی رحیمیہ قدیم:۴۴۴/۶، جدید زکریا:۲۳۱/۸، فتاوی محمودیہ قدیم:۲۱۵/۳، جدید ڈابھیل:۲۷/۱۲، احسن الفتاوی:۳۱/۵، ایک عالمی تاریخ:۳۳رقول رابع)

نمبر(۵) ۵۰۰/درہم، ۱۴۵/تولہ دس ماشہ۔ (امداد المفتین ۲۰۱/۳، جدید نسخہ:۵۶۴)

نمبر(۶) ۵۰۰/ درہم، ۱۳۲/ تولہ کے قریب۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم۲۲۶/۳، جدید ڈابھیل۳۰/۱۲، فتاوی رحیمیہ قدیم۴۴۵/۶، جدید زکریا۲۳۲/۸، نظام الفتاوی۳۹۵/۱)

نمبر(۷) ۴۰۰/مثقال، ۱۰۴تولہ ۲/ماشہ۔ (علم الفقہ:۸۰/۶)

نمبر(۸) ۵۰۰/درہم، ۱۳۵/روپیہ کچھ پیسے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی دیوبند۳۰۷/۲، مطبوعہ کراچی:۲۹۵/۲)

نمبر(۹) ۵۰۰/درہم، ۱۴۰/تولہ چاندی کے برابر ہے۔ (نظام الفتاوی:۳۹۵/۱)

نمبر(۱۰) ۱۹/مثقال سونا۔ (مرقاۃ، امدیہ ملتان۲۴۶/۶، یہ قول علماء کے نزدیک مردود ہے)

حضرت ملا علی قاری کی عبارت میں قول رابع کے لیے وجہ ترجیح کا کوئی لفظ نہیں ہے؛ بلکہ حضرت مولانا عثمان صاحب معروفی مدظلہ نے مفہوم مخالف سے ترجیح کا مطلب نکالا ہے۔ حضرت ملا علی قاریؒ کی عبارت ذیل میں درج ہے۔

ثم ذكر السيد جمال الدين المحدث في روضة الأحباب: أن صداق فاطمة كان أربع مائة مثقال فضة، والجمع أن عشرة دراهم سبعة مثاقيل مع عدم اعتبار الكسور؛ لكن يشكل نقل ابن الهمام أن صداق فاطمة كان أربع مائة درهم وعلى كل فما اشتهر بين أهل مكة من أن مهرها تسعة عشرة مثقالاً من الذهب فلا أصل له. (مرقاة، امداديه ملتان:٦/٢٤٦)

حضرت کی عبارت میں کہیں بھی الفاظ ترجیح میں سے کوئی بھی لفظ نہیں ہے؛ بلکہ ۱۹/مثقال سونا مہر فاطمی ہونے پر رد فرمایا ہے اور مذکورہ اقوال میں سے ۱۹/مثقال سونے کا قول علمائے محققین میں سے کسی نے بھی نہیں لیا ہے اور نہ ہی حضرات اکابر اہل فتاوی میں سے کسی نے اس قول کو نقل فرمایا ہے اور حضرت ملا علی قاریؒ نے سارے اقوال نقل بھی نہیں فرمائے ہیں اور مختلف اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے کے لیے حضرات فقہاء کے یہاں کچھ الفاظ مخصوص ہیں، ان میں سے سولہ الفاظ جو مشہور ہیں، ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

(۱)عليه الفتوىٰ (۲)وبه يفتى (۳)وبه نأخذ (۴)وعليه الاعتماد (۵)وعليه عمل اليوم (۶)وعليه عمل الأمة (۷)وهو الصحيح (۸)وهو الأصح (۹)وهو الأظهر (۱۰)وهو المختار في زماننا (۱۱)وفتوى مشائخنا (۱۲)وهو الأشبه (۱۳)وهو الأوجه (۱۴)وهو الأحوط (۱۵)هو الأولىٰ (۱۶)وهو الأرفق. (عقود رسم المفتي معرىٰ: ٣٢، محشىٰ: ٨٦)

ان میں سے کسی بھی لفظ سے حضرت ملا علی قاریؒ نے وجہ ترجیح بیان نہیں فرمائی ہے؛ بلکہ حضرت نے صرف علامہ جمال الدین محدث اور صاحب مواہب کی عبارت نقل فرما کر ۱۹/مثقال سونے کے قول پر رد فرمایا ہے، جو اوپر نقل کردہ

اقوال میں سے قول ۱۰ر ہے، اس سے آگے وجہ ترجیح کے سلسلہ میں کچھ نہیں فرمایا، لہٰذا حضرت اقدس مولانا عثمان صاحب معروفی دامت برکاتہم نے جو وجہ ترجیح ملا علی قاریؒ کی طرف منسوب فرمائی ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

نیز حضرت ملا علی قاریؒ خود اس مقام پر آکر الجھ گئے ہیں؛ چنانچہ انہوں نے مہر فاطمی کے بارے میں دو قول نقل فرمائے ہیں: قول اول: ۴۸۰ر درہم، قول ثانی: ۴۰۰ر مثقال، پھر دونوں میں تطبیق دینے کے لیے فرمایا کہ اگر دس درہم کو سات مثقال کے برابر قرار دیا جائے تو ۴۸۰ر درہم اور ۴۰۰ر مثقال کا وزن برابر ہو جاتا ہے، حالاں کہ دس درہم کو سات مثقال کے برابر قرار دیا جائے تو ۴۸۰ر درہم ۴۰۰ر مثقال کے برابر نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ ۴۸۰ر درہم کا وزن ۳۳۶ر مثقال کے برابر ہوتا ہے؛ اس لیے اہل فتاوی اور اکابر مفتیان کی تحقیقات پر عمل کرنا لازم ہوگا؛ چناں چہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی تحقیق ۵۰۰ر درہم کی ہے، امداد الفتاوی، کراچی ۲/۲۹۵، مطبوعہ دیوبند ۲/۳۰۷، جو کہ ۱۳۱ر تولہ ۳ر ماشہ کے برابر ہوتا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نے شروع میں امداد المفتین میں ۱۴۵ر تولہ ۱۰ر ماشہ کا فتوی دیا تھا، امداد المفتین ۳/۲۰۱، پھر بعد میں غایت درجہ کی تحقیق کے بعد رسالہ اوزان شرعیہ لکھا اور اس میں ۱۳۱ر تولہ ۳ر ماشہ چاندی پر فتوی دیا اور آخر تک اسی پر قائم رہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ: ۱/۴۲۴)

اسی طرح حضرت مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم نے کسی زمانہ میں ۱۵۰ر تولہ چاندی پر فتوی دیا تھا، پھر بعد میں ۱۳ر ربیع الاول ۱۳۹۱ھ میں ۱۳۲ تولہ کے قریب چاندی پر فتوی دیا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۳/۲۲۶، جدید ڈابھیل: ۱۲/۳۰)

اور اس کے حاشیہ میں ۱۳۲ر تولہ کے قریب کا مطلب جواہر الفقہ کے اندر اوزان شرعیہ نام کا رسالہ مراد ہے کے حوالہ سے ۱۳۱ر تولہ ۳ر ماشہ واضح فرما دیا ہے، نظام الفتاوی میں بھی ۱۳۲ر کے قریب کہنے کا یہی مطلب ہے، لہٰذا راجح یہی ہے کہ مہر فاطمی ۵۰۰ر درہم ہے موجودہ گراموں کے حساب ڈیڑھ کیلو ۳۰ر گرام اور ۹۰۰ر ملی گرام چاندی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۷/۱۲۳) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۶۶۰-۶۶۷)

موجودہ وقت کے اعتبار سے مہر فاطمی کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر فاطمی کی سکہ رائج الوقت کے حساب سے کتنی رقم بنتی ہے؟ پکی چاندی کا بھاؤ اکٹھی، یعنی ۱۰۰ر یا ۵۰ر تولہ لینے پر ۸۰ر روپیہ تولہ ہے۔

(المستفتی: شاہ زماں)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مہر فاطمی پانچ سو درہم چاندی ہے، جس کا وزن بارہ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ۱۳۱ر تولہ تین ماشہ ہے اور موجودہ

زمانہ کے گراموں کے حساب سے ۱۵۳۰ء۱ر گرام ۹۰۰ رملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت صراف سے معلوم کر لیجئے؛ چونکہ قیمت بدلتی رہتی ہے؛ اس لئے ہم قیمت نہیں لکھتے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۴ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۶ر ۷۴۹۴) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳ر۶۹۶)

مہر فاطمی میں چاندی کی قیمت دی جائے تو کون سی قیمت معتبر ہوگی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر فاطمی میں چاندی کا وزن ایک کلو سے زائد ہوتا ہے، اگر کوئی شخص چاندی کے بجائے اس کی قیمت ادا کرے تو کون سی قیمت لگائی جائے گی؛ اس لیے کہ صراف کی دوکان میں الگ بھاؤ ہوتا ہے اور سرکاری بھاؤ الگ ہوتا ہے اور دونوں بھاؤ میں تقریباً دوڈھائی ہزار روپیہ فی کیلو کا تفاوت ہو جاتا ہے۔

فریقین میں اختلاف ہوگیا، لڑکی والے صراف کی دوکان کے حساب سے قیمت لگاتے ہیں اور لڑکے والے سرکاری بھاؤ کے حساب سے لگاتے ہیں؛ کیوں کہ روپئے پیسے کا مول سرکاری ہے؛ یعنی پبلک نہیں؟ آپ محقق ومدلل جواب عنایت فرمائیں کہ کس حساب سے حساب لگایا جائے گا؟

(۲) نیز ماشہ، تولہ، بھری، ان تینوں میں کیا فرق ہے؟ تینوں ہم وزن ہیں، یا ان کے مابین فرق ہے؟

(المستفتی: ارشد خاں شاہد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جب فریقین کے درمیان اختلاف ہوگیا، اور چاندی کا بھاؤ صراف کی دوکان اور سرکاری دوکان میں الگ الگ ہے تو ادائیگی کے دن کی خریداری کے بھاؤ کا اعتبار ہوگا، دونوں فریق ادائیگی کے دن بازار میں جاکر قیمت معلوم کرلیں، اس روز جو قیمت بازار میں ہوگی وہی ادا کی جائے گی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر: ۳۸)

عند أبي حنيفة في الزيادة والنقصان جميعاً يؤدى قيمتها يوم الحول. وعندهما في الفصلين جميعاً يودى قيمتها يوم الأداء. (بدائع الصنائع، فصل في أموال التجارة في الزكاة، كراتشي: ۲/۲۳، جديد زكريا: ۲/۱۱۵)

وقال ذٰلک والصحيح أن هذا مذهب جميع أصحابنا، الخ. (بدائع الصنائع: ۲/۲۲، جديد زكريا: ۲/۱۱٤)

(۲) تولہ اور ماشہ میں فرق یہ ہے، ۸ر رتی کا ایک ماشہ ہوتا اور ۱۲ر ماشہ کا ایک تولہ۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۳۰، ایضاح الطحاوی: ۳ر۱۹۳)

بھری کے بارے میں ہم کو معلومات نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۴ر ۶۱۸۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۶/۶/۱۴۲۰ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳ر ۷۱۲-۷۱۳)

شوہر کو مہر فاطمی کی مقدار معلوم نہ ہونے پر مہر مثل کا وجوب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر زید کا نکاح مہر فاطمی پر ہوا اور زید کو مہر فاطمی کا علم نہیں تھا کہ مہر فاطمی کتنے کو کہتے ہیں؟ اور نکاح ہو جانے کے بعد زید کو مہر فاطمی کا علم ہوا کہ مہر فاطمی اتنے روپیہ کو کہا جاتا ہے اور اب زید مہر فاطمی دینا نہیں چاہتا اور لڑکی کچھ مہر کے بارے میں نہیں کہہ رہی ہے تو کیا زید کے اوپر مہر فاطمی دینا واجب ہوگا، یا کوئی مہر دینا واجب ہوگا؟

(المستفتی: نور العین، دیوریاوی، متعلم مدرسہ شاہی مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر زید کو مہر فاطمی کی مقدار بالکل معلوم نہیں رہی ہے، نہ اجمالاً اور نہ ہی تفصیلاً اور بعد میں معلوم ہونے پر طاقت سے باہر کہہ رہا ہے تو ایسی صورت میں زید پر اپنی بیوی کے لیے مہر مثل واجب ہوگا اور مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کی بہن، پھوپی وغیرہ کا جو مہر باندھا گیا ہے، وہی لازم ہوگا۔

وإذا تزوجها على مثل هذا الزنبيل حنطة،أو بوزن هذا الحجر ذهباً، أو على قدر مهر فلانة أوقيمة هذا العبد أو قيمة عبد يجب مهر المثل ولا يزاد على المسمىٰ. (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الخامس في المهر، زكريا: ۱/ ۳۱۰،جديد زكريا: ۱/ ۳۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۸/ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۸۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۸/ ۱/ ۱۴۱۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۷۰۷)

ماں باپ کی رضامندی کے بغیر مہرِ فاطمی مقرر کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بوقتِ نکاح میرے بیٹے اعجاز کی شادی کے مہر بغیر میری مرضی کے اور بغیر مشورہ کے لکھا دئے گئے ہیں اور مہر فاطمی باندھے ہیں، جس کا ہمیں بعد میں علم ہوا تو ہم نے فتویٰ مانگا تھا، جس کا جواب صاف صاف نہیں ملا، اس لیے دوبارہ فتویٰ طلب کیا جارہا ہے، کچھ غنڈوں نے جن کے نام راحل اور اللہ بخش، امام الدین لوگوں نے ہی اسکیم کے تحت نکاح پڑھوادیا اور میرے دو مکان وگودام پر قبضہ کر رکھا ہے اور دباؤ کی خاطر ہی مہر فاطمی بندھوائے ہیں اور اس غلط صورت سے نکاح پڑھوا کر مجھے پریشان کر رکھا ہے، بدمعاشوں سے دھونس دلواتے ہیں اور لڑکوں کو برباد کرنا چاہتے ہیں، ان کے فعل کی بابت فتویٰ دیں؛ تاکہ ان بدمعاشوں کو فتویٰ دکھا کر خوفِ خدا سے ڈرایا جائے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مہر فاطمی اگر لڑکے کی رضامندی سے لکھے گئے ہیں تو اُن کی ادائیگی لڑکے پر واجب ہے، آپ پر اُس کی کوئی ذمہ

داری نہیں ہے اور آپ کی رضامندی کے بغیر آپ کی جائیداد پر کسی کو قبضہ کرنے کا حق نہیں ہے، ناجائز قبضہ کرنے والے سخت گنہگار ہیں۔

تعریف المهر أنه اسم للمال الذی یجب فی عقد النکاح علی الزوج فی مقابلة البضع، إما بالتسمیة أو بالعقد. (شامی: ۲/ ۱۰۰، کراتشی، ۴/ ۲۳۰، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۰/۴/۱۴۱۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/ ۴۰۶-۴۰۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں اور ازواج مطہرات کا مہر کتنا تھا:

سوال: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اکثر بنات و ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مہر کیا تھا؟ اور اس وقت سکہ رائج الوقت انگریزوں سے تخمینہ کتنا ہوتا ہے؟

الجواب

پانچ سو درہم تھا، جو تقریباً سوا سو روپیہ ہوتا ہے، (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/ ۲۷۷)

مہر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پر نکاح ہوا تو مہر کتنا ہوگا:

سوال: اگر کسی شخص نے مہر حضرت ام حبیبہؓ پر نکاح کیا اور کوئی تفسیر اس کی نہیں کی گئی تو زوج کو کیا دینا ہوگا، چار سو دینار کی برابر سونا، یا اس کی قیمت روپیہ سے، یا قیمت عقد چار سو دینار سونے کی جو قیمت ہو، وہ دینا ہوگی؟

الجواب

چار سو دینار سونے کی جو قیمت بوقت عقد ہو، وہ دینی ہوگی۔ (ایک دینا ساڑھے چار ماشہ کے برابر ہوتا ہے۔ ظفیر) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/ ۳۲۷)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر مقرر ہوا، اب اس کی قیمت کس طرح لگے گی اور کتنی ہوگی:

سوال: فیما بین زید و عمر مقدار مہر (حضرت) ام حبیبہ رضی اللہ عنہا میں مباحثہ ہے۔ زید کہتا ہے کہ مہر چار سو دینار

---

(۱) عن أبی سلمة قال: سألت عائشة کم کان صداق النبی صلی اللہ علیه وسلم؟ قالت: کان صداقه لأزواجه ثنتی عشرة أوقیة ونش، قالت: أتدری ما النش؟ قلت: لا، قالت: نصف أوقیة، فتلک خمس مائة درهم. (رواه مسلم)

وعن عمر بن الخطاب قال: ألا! لاتغالوا صدقة النساء فإنها لو کانت مکرمة فی الدنیا وتقوی عنداللہ لکان أولکم بها نبی اللہ صلی اللہ علیه وسلم، ماعلمت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نکح شیئا من نسائه ولا أنکح شیئا من بناته علی أکثر من اثنتی عشر أوقیة. (رواه احمد والترمذی وأبوداؤد) (مشکاة المصابیح، باب الصداق، ص: ۲۷۷، ظفیر)

پانچ سو درہم ایک سو اکتیس تولے چاندی ہوتی ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے زمانہ میں اس کی قیمت سوا سو روپے ہوتی تھی، ہمارے اس زمانہ میں ساڑھے چھ سو روپے سے زیادہ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم (ظفیر)

ہے، جس کے چار ہزار درہم ہوتے ہیں اور اس زمانہ میں ایک دینار دس درہم کا تھا، اسی حساب سے اب بھی چار ہزار درہم کے روپیہ بنائے جاویں گے، جو گیا سو کم وبیش ہوں گے۔عمر کہتا ہے کہ چار سو دینار کے تولہ ماشہ بنا کر اس کی قیمت آج کے نرخ سے سونے کی لگائی جاوے گی، جس کے ساڑھے چار ہزار روپیہ ہوں گے۔صحیح کیا ہے؟

الجواب

اب اگر کوئی شخص مہر مثل حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا چار سو دینار مقرر کرے، (۱) تو ظاہر ہے کہ اس کے تولہ بنا کر اس کی قیمت کا حساب کرلیا جاوے گا، جو قیمت بحساب توبوقت ادائے مہر ہوگی، وہ دی جائے گی، یا اس قدر سونا جو چار سو دینار کا ہوتا ہے، دیا جاوے گا، پس اگر بوقت ادائے مہر نرخ سونا تیس روپیہ تولہ ہوتو ساڑھے چار ہزار روپیہ ہوں گے، ورنہ جو نرخ ہوگا، اس کے موافق حساب کیا جاوے گا۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۹/۸-۳۴۰)

مہر فاطمی، مہر ام حبیبہؓ اور اقل مہر کی تفصیل:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کا کیا مہر متعین کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جو شادیاں کی تھیں، ان کا کیا کیا مہر تھا اور اب موجودہ زمانہ میں کم سے کم مہر کی مقدار کیا ہے کہ جس سے نکاح جائز ہوجائے؟ درہم ودنانیر کی مقدار بھی اور اب اس زمانہ میں ان کے کتنے روپئے ہوتے ہیں؟ مذکورہ تمام مہروں کے متعلق تفصیل سے تحریر فرمائیں۔

(المستفتی: عبدالعزیز بھرت نگر، دہلی-۶۵)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب وبالله التوفيق

راجح اور صحیح قول کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر ۵۰۰/ درہم تھا اور اسے مہر فاطمی کہتے ہیں۔(مستفاد: امداد الفتاوی: ۲۹۵/۲، ایضاح المسائل ۱۲۹)

---

(۱) عن أم حبيبة أنها كانت تحت عبدالله ابن جحش فمات بأرض حبشة فزوجها النجاشي النبي صلى الله عليه وسلم وأمهرها عنه أربعة آلاف، وفي روايته أربعة آلاف درهم وبعث بها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم مع شرجيل بن حسنة. (رواه أبوداؤد والنسائي) (مشكاة المصابيح، باب الصداق، ص: ۲۷۷)

اہل لغت لکھتے ہیں کہ ایک دینار ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے، اس حساب سے چار سو دینار کا وزن ایک سو پچاس تولہ ہوتا ہے اور یہ سونا کا سکہ ہوتا ہے، اس وقت سونا سوا دوسو روپے تولہ ہے، اس حساب سے اس کی قیمت (۳۳۷۵۰) روپے ہوتی ہے۔مفتی علام نے بھی ایک دینار کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہی مان کر جواب میں حساب درج کیا ہے، اس وقت چاندی اور سونے کی قیمت ایک اور دس کا فرق نہیں؛ بلکہ بہت زیادہ تفاوت ہے، درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے، اس حساب سے چاندی کا وزن گیارہ سو چھیاسٹھ تولہ آٹھ ماشہ ہوتا ہے، اس وقت چاندی سات روپے تولہ ہے، اس کی قیمت آٹھ ہزار ایک سو چھیاسٹھ روپے اور دس پیسے ہوتی ہے؛ اس لیے مسئلہ یہی ہے کہ دینار کا وزن جوڑ کر اس کی قیمت لگائی جائے، جیسا کہ مفتی علامؒ نے کیا ہے۔سونے کی قیمت ہر دور میں مختلف ہوتی ہے، اس کے حساب سے رقم بنے گی۔مفتی علامؒ کے زمانہ میں ساڑھے چار ہزار ہوتی تھی اور اس زمانہ میں (۳۳۷۵۰) ہوگی۔(ظفیر)

حضرت ام حبیبہؓ کے علاوہ تمام ازواج مطہرات کا مہر ۵۰۰/درہم تھا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

عن أبی سلمة بن عبد الرحمٰن، قال: سألت عائشة زوجة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: کم کان صداق رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم: قالت کان صداقه لأزواجه ثنتی عشرة أوقیة ونشاً، قالت: أتدری ما النش؟ قال: قلت: لا، قالت: نصف أوقیة، فتلک خمس مائة درهم، فهذا صداق رسول اللّٰه صلی الله علیه سلم لأزواجه. (صحیح لمسلم، کتاب النکاح، باب الصداق وجواز کونه تعلیم قرآن، الخ، النسخة الهندیة: ۱/۴۵۸، دارالسلام، رقم: ۱۴۲٦)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر ۴۰۰۰/درہم تھا، جو نجاشی نے متعین کیا تھا۔

عن الزهری أن النجاشی زوج أم حبیبة بنت أبی سفیان من رسول الله صلی الله علیه وسلم علی صداق أربعة آلاف درهم وکتب بذلک إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فتقبل. (أبوداؤد، کتاب النکاح، باب الصداق، النسخة الهندیة: ۱/۲۸۷، دارالسلام، رقم: ۲۱۰۸)

مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے، اس سے کم مہر نہیں ہوتا۔

أقله عشرة دراهم. (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المهر، زکریا: ۴/۲۳۰، کراتشی: ۳/۱۰۱)

موجودہ اوزان کے اعتبار سے اقل مہر کی مقدار ۳۰/گرام ٦۱۸/ملی گرام چاندی ہے، یا جو اتنی چاندی کی قیمت ہو۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۲۹)

اور مہر فاطمی کی مقدار موجودہ اوزان سے ڈیڑھ کلو ۳۰/گرام ۹۰۰/ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۳/محرم الحرام ۱۴۱۷ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴٦۲۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۴/۱/۱۴۱۷ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/٦۵۴-٦۵٦)

بنات وازواج مطہرات کا مہر کتنا اور اس سے زیادہ مہر رکھنا مکروہ ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں یہ کہ ازواج مطہرات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بی بی عائشہ صدیقہ وبی بی حفصہ وبی بی خدیجۃ الکبری وغیرہا رضی اللہ عنہن وبنات آں حضرت بی بی فاطمہ ورقیہ وام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا عقد نکاح میں کتنا مہر مقرر کیا گیا تھا، دیگر یہ کہ اگر کوئی ان کے مہر سے زیادہ مقرر کرے تو مکروہ ہوگا، یا نہ؟ بالتفصیل تحریر فرمادیں وسند سے؟

الجواب

مکروہ نہیں ہے، البتہ بہت زیادتی مہر میں پسندیدہ نہیں ہے، ازواج مطہرات وبنات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا مہر بارہ اوقیہ ونصف تھا، جس کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں، سوائے ام حبیبہؓ کے کہ ان کا مہر چار ہزار درہم نجاشی نے باندھا تھا۔ (مشکوٰۃ) (۱) فقط (پانچ سو درہم کا وزن ایک سو اکتیس تولہ چاندی ہے، اس کی قیمت چاندی کے بھاؤ سے ہر زمانہ میں لگائی جائے۔ ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۴۸/۸-۳۴۹)

مہر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مطابقت افضل ہے، یا حسب حیثیت:

سوال: امیر کبیر اگر مہر میں مطابقت کرے حضرات بنات وازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تو یہ افضل ہے اور موجب خیر و برکت ہے، یا حسب حیثیت امرا کے لیے مہر افضل اور موجب خیر و برکت ہے؟

الجواب

زیادہ مہر کرنا اچھا نہیں سمجھا گیا کہ وارد ہے: "**لا تغالوا صدقة النساء**" (الحدیث) لہذ امتابعت بنات مکرمات وازواج مطہرات کی اس بارے میں افضل ہے، اگرچہ جائز زیادتی بھی ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۸/۸)

متعدد ازواج کی صورت میں مہر میں مساوات کا مسئلہ:

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان برابری شرعاً ضروری ہے تو کیا مہر میں بھی برابری ضروری ہے؟

الجواب

اسلام نے حقوقِ نسواں کا خیال رکھ کر مرد کو ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم دیا ہے؛ لیکن یہ مساوات کھانے پینے، لباس، رہائش اور رات گزارنے میں ہے، مہر میں یہ تساوی جاری نہ ہوگا؛ اس لیے مہر مقرر کرنا صرف مرد کا کام نہیں؛ بلکہ باہمی زندگی کا مسئلہ ہے؛ اس لیے متعدد بیویوں کے درمیان مہر میں تفاوت موجبِ گناہ نہیں ہے۔

قال العلامة ابن نجيم المصرى: يجب عليه التسوية بين الحرتين أو الأمتين فى المأكول والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة. (البحر الرائق: ۲۳٤/۳، باب القسم) (۳) (فتاویٰ حقانیہ: ۳۵۷/۴)

---

(۱) عن عمر بن الخطاب قال: ألا! لاتغالوا صدقة النساء فإنها لو كانت مكرمة فى الدنيا وتقوى عندالله لكان أولٰكم بها نبى الله صلى الله وسلم، ماعلمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتى عشرة أوقية. عن أبى سلمة قال: سألت عائشة كم كان صداق النبى صلى الله عليه وسلم؟ قالت: كان صداقه لأزواجه ثنتى عشرة أوقية ونش، قالت: أتدرى ماالنش؟ قلت: لا، قالت: نصف أوقية، فتلك خمس مأة درهم. (رواه مسلم) (مشكاة المصابيح، باب الصداق، ص: ۲۷۷)

حضرت ام حبیبہؓ کے متعلق صراحت ہے: أمهرها عنه أربعة آلاف درهم. (مشكاة المصابيح، باب الصداق، ص: ۲۷۷، ظفیر)

(۲) حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے نقل کی جا چکی ہے، دیکھ لیں، ظفیر

(۳) قال العلامة قاضى خان: وما يجب على الأزواج للنساء العدل والتسوية بينهنّ فيما يملك وهو البيتوتة عنده للصُحبة والمؤانسة لا فيما لايملك. (الفتاوىٰ قاضى خان على هامش الهندية: ٤٣٩/١، فصل فى القسم)

ومثلهٗ فى بدائع الصنائع: ٣٣٢/٢، فصل ومنها وجوب العدل بين النساء)

دورنبوت کی مہریں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دورنبوت میں جن مہروں کی مقدار ثابت ہے، تحریر فرمادیں، چاہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا مہر ہو، یا بیٹیوں کا؟

(المستفتی: محمد اعلم جامع مسجد مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

دورنبوت صلی اللہ علیہ وسلم اور دورصحابہ میں چار قسم کے مہروں کا ثبوت ملتا ہے اور یہ چاروں قسمیں آدمی کی مالی حیثیت کے اعتبار سے ہیں۔

(۱) مہر ام سلمہ رضی اللہ عنہا: یہ حضرت ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کا مہر ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مہر کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائے ہیں، جس کا وزن موجودہ گراموں کے اعتبار سے ۳۰؍ گرام ۶۱۸، ملی گرام چاندی ہے، یعنی دس گرام کے تولہ سے تین تولہ اور ۶۱۸؍ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کی جائے۔ (مستفاد: انوار نبوت: ۶۵۱)

(۲) مہر فاطمی رضی اللہ عنہا: اس کی مقدار صحیح قول کے مطابق ۵۰۰ درہم ہے، جس کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلوتیس گرام ۹۹۹؍ملی گرام چاندی ہے۔ (انوار نبوت: ۶۵۲)

(۳) مہر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا: اس کی مقدار چار ہزار درہم ہے، جو مہر فاطمی کے ۸؍گنا ہے، جس کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ۱۲؍کلو۲۴۴ گرام ۹۴۴ ملی گرام ہے، اس کی قیمت بھی بازار سے معلوم کرلیں۔ (انوار نبوت: ۶۵۳)

(۴) مہر ام کلثوم رضی اللہ عنہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی، حضرت علی وفاطمہ کی بیٹی، حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ حضرت عمرؓ نے چالیس ہزار درہم کے عوض میں نکاح فرمایا ہے، جس کی مقدار مہر فاطمی کے اسی گنا اور مہر ام حبیبہؓ کے دس گنا ہوتی ہے۔ (انوار نبوت: ۶۵۵)

تزوج عمر أم كلثوم على مهر أربعين ألفاً. (الإصابة، دارالكتب العلمية بيروت: ٤٦٦/٨)

أن عمربن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه أصدق أم كلثوم بنت علی أربعين ألف درهم. (السنن الكبریٰ جديد: ٦/١١، نسخة قديم: ٢٣٣/٧، رقم: ١٤٦٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱؍شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۸۹۱۸/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۶/۸/۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۳۳/۱۳، ۶۳۴)

دورنبوت وصحابہ رضی اللہ عنہم کے مہر:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آپ کی کتاب ایضاح المسائل

میں دوطرح کے مہر کی تفصیل ہے: ایک دس درہم، دوسرے پانچ سو درہم، ہر زمانہ کے حساب سے صحیح وضاحت ہے، ان کے علاوہ جو اور مہر ہیں، ان کی بھی اسی طرح وضاحت چاہتے ہیں، جو ہر زمانہ میں اس وقت کے حساب سے حساب لگایا جا سکے؛ کیوں کہ کئی سال پہلے آپ کا تحریر کردہ چار طرح کے مہر کے بارے میں ایڈیشن ندائے شاہی میں پڑھا تھا، وہ ذہن سے نکل گیا اور کسی کتاب میں مل نہ سکا، لہٰذا حضرت والا اپنی مصروفیات میں سے قیمتی وقت لگا کر جواب تحریر فرمادیں؟

(المستفتی: اصغر علی امام مسجد ابوبکر صدیق، کرولہ، مرادآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مہر کی چار قسمیں ہیں، جو دورِ نبوت اور دورِ صحابہؓ سے ثابت ہیں، ان کو احقر نے انوار نبوت میں حوالوں کے ساتھ نقل کردیا ہے، یہاں اختصار کے ساتھ لکھا جا رہا ہے، تفصیل دیکھنا ہو تو انوار نبوت میں دیکھ لیں۔

(۱) اقل مہر اور مہر ام سلمہؓ: جس سے کم مہر معتبر ہی نہیں، اس کی مقدار دس درہم ہے، جس میں بارہ ماشہ کے حساب سے دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے، موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے تیس گرام چھ سو اٹھارہ ملی گرام ۳۰ رگرام ۶۱۸ رملی گرام ہوتا ہے۔ (مستفاد ایضاح الطحاوی: ۱۹۳/۳، ایضاح المسائل: ۱۲۹، انوار نبوت: ۶۵۰)

(۲) مہر فاطمی: راجح اور مفتی بہ قول کے اعتبار سے پانچ سو درہم ہے، اس کا وزن بارہ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ۱۳۱ رتولہ تین ماشہ چاندی ہے اور گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو تیس گرام نو سو ملی گرام ۳۰ چاندی ہے۔ (مستفاد انوار نبوت: ۶۵۲، ایضاح الطحاوی: ۱۳۹/۳)

(۳) مہر ام حبیبہؓ: ابوداؤد، نسائی وغیرہ کی روایات کے مطابق چار ہزار درہم ہے، جو مہر فاطمی کے آٹھ گنا ہے، چناں چہ موجودہ زمانہ کے گرام کے حساب سے ۱۲۲۴۴، گرام ۹۴۴ رملی گرام ہوتا ہے؛ یعنی بارہ کلو ۲۴۴ رگرام ۹۴۴ رملی گرام چاندی، یا اس کی قیمت ہے۔

(۴) مہر ام کلثومؓ ہے، اس کی مقدار السنن الکبری للبیہقی کی روایت کے مطابق چالیس ہزار درہم ہے، جو مہر فاطمی کے اسی گناہ ہوتا ہے اور مہر ام حبیبہؓ کے دس گناہ ہے۔ (انوار نبوت: ۶۵۰-۶۵۵، الاصابہ دارلکتب العلمیۃ بیروت: ۴۶۶/۸، سنن کبری دارالفکر بیروت: ۶/۱۱، حدیث رقم: ۱۴۶۹) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۲ رشوال المکرم ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۰۱۸۴/۳۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۱/۱۰/۲۲ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۳۵/۱۳-۶۳۶)

جملہ بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جملہ بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا؟ وضاحت کے ساتھ ہر ایک کا مہر تحریر فرمادیں، عین کرم ہوگا۔ (مستفتی: محمد مطیع الرحمٰن، گلشہید، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

جملہ بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مہروں کی تفصیل الگ الگ کسی معتبر وصحیح روایت میں نظر سے نہیں گزری، البتہ اتنا ملتا ہے کہ تمام صاحبزادیوں کے مہر ساڑھے بارہ اوقیہ ہے اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو کل پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی: ۲۹۵/۲)

جو بارہ ماشہ کے تولہ سے ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ چاندی ہوتی ہے اور موجودہ دور کے دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۱۵۳/تولہ ۹۰۰ ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۳۶۹/۲۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ، ۱/۵/۱۴۱۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۳۶/۱۳-۶۳۷)

امہات المومنین کا مہر کتنا تھا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جملہ امہات المومنین کا مہر کتنا تھا؟ ازراہ کرام ہر ایک کا مہر الگ الگ مع حوالہ کتب معتبرہ تحریر فرما کر شکر گزاری کا موقع دیں۔

(المستفتی: مطیع الرحمٰن، گلشہید، مراد آباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

امہات المومنین کے مہروں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ: ۲۸۷/۳، مطبع اشرفی، بہشتی زیور: ۴۴/۶)

(۲) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ: ۲۹۳/۳)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ: ۲۹۳/۳، علم الفقہ: ۷۷/۶)

(۴) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو درہم تھا۔ (علم الفقہ: ۷۸/۶)

(۵) حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ: ۳۰۴/۳)

(۶) حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا کا مہر دس درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ: ۳۰۶/۳، علم الفقہ: ۷۸/۶)

(۷) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا مہر دس درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ: ۳۱۷/۳، علم الفقہ: ۷۸/۶)

(۸) حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ: ۳۳۹/۳، علم الفقہ: ۷۹/۶)

(۹) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو دینار تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ: ۳۳۲/۳، علم الفقہ: ۷۹/۶، بہشتی زیور: ۴۴/۶)

(۱۰) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ: ۳۴۸/۳)

(۱۱) حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا مہر درہم، یا دینار نہیں تھا؛ بلکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

باندی مہر میں عطا فرمائی تھی، جس کا نام رزینہ تھا، یہ باندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھی اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں حضرت رزینہ کو آزاد کر دیا تھا۔

روی أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، لما تزوج صفیة بنت حیی أمهرها خادماً وهی رزینة.

(الحدیث) (أسد الغابة، دارالفکر بیروت: ۱۱۰/۶، ومعناه فی زوائد الهیثمی بحواله طبرانی وأبو یعلیٰ، مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیة بیروت: ۲۵۱/۹، المعجم الکبیر للطبرانی، دارإحیاء التراث العربی بیروت: ۲۷۷/۲٤، رقم: ۷۰۵، السنن الکبریٰ للبیهقی، دارالفکر بیروت: ۳۳۵/۱۰، رقم: ۱٤۰٤۵)

اور بعض روایات میں اس کا ذکر ہے کہ ان کی آزادی کو ان کے لیے مہر قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

قال: وکره بعض أهل العلم أن یجعل عتقها صداقها حتیٰ یجعل لها مهراً سوی العتق والقول الأول أصح. (فتح الباری، دارالفکر بیروت: ۱۲۹/۹، دارالریان للتراث العربی بیروت: ۳۲/۹، أشرفیه دیوبند تحت رقم الحدیث: ۵۰۸٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۱۶۹/۲۸) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۶۳۷-۶۳۸)

اَزواجِ مطہرات کا مہر کتنا کتنا تھا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اَزواجِ مطہرات میں سے ہر ایک کا مہر کتنا کتنا تھا؟ اور کیا کیا تھا؟ کیا سب کے مہر کی مقدار یکساں تھی؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بہشتی زیور میں معتبر کتب سیر وتاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مہر پانچ سو درہم، یا اُس کی قیمت کے اُونٹ تھے، جو حضرت ابو طالب نے اپنے ذمہ رکھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مہر ۱۰/ درہم کا کوئی سامان تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا مہر ۴۰۰/ درہم تھے اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر سب سے زیادہ؛ یعنی چار سو دینار تھا، جو بادشاہ نجاشی نے اپنے ذمہ رکھا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا مہر ۴۰۰/ درہم تھا۔ (بہشتی زیور: ۶/ ۴۳۰)

دیگر ازواجِ مطہرات کے بارے میں خاص طور پر صراحت نہیں ملی؛ البتہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساڑھے بارہ اَوقیہ (تقریباً ۵۰۰/ درہم) سے زیادہ مہر پر نہ خود نکاح کیا اور نہ اپنی صاحبزادیوں کا کرایا۔ (مظاہر حق، کتاب النکاح: ۳/ ۱۵۶)

عن العجفاء السلمی قال: خطبنا عمر رضی اللّٰہ فقال: ...ما أصدق رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم امرأة من نسائه ولا أُصدقت امرأة من بناته أکثر من ثنتی عشر أوقیة. (سنن أبی داؤد، کتاب

النكاح: ۲۸۷/۱، رقم: ۲۱۰۶، سنن الترمذی: ۲۱۱/۱، رقم: ۱۱۱٤، سنن ابن ماجة: ۱۳۷/۱، رقم: ۱۸۸۷، مشكاة المصابيح: ۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۲/۱/۲۶ھ۔ (کتاب النوازل: ۳۹۹/۸-۴۰۰)

اُمہات المومنین اور بناتِ طاہرات کا مہر کتنا تھا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اَزواجِ مطہرات اور بناتِ طاہرات کے مہروں کی علاحدہ علاحدہ وضاحت فرمائیں۔

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

آپ کی صاحبزادیوں اور اَکثر اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی مہریں پانچ سو درہم تھیں، جس کی مقدار ڈیڑھ کلو۳۰ رگرام ۹۰۰ رملی گرام چاندی ہے؛ البتہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مہر دس درہم کے بقدر تھی، جو اقلِ مہر کا معیار ہے اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار ہزار درہم ہے، جسے نجاشی بادشاہ نے اپنی طرف سے ادا کیا تھا، اس کی مقدار ۱۲ رکلو ۲۴۴ رگرام ۹۴۴ رملی گرام چاندی ہے۔

قال عمر بن الخطاب رضی الله عنه: ألا لا تغالوا صدقة النساء؟ فإنها لو كانت مكرمة فى الدنيا، أو تقوى عند الله لكان أولاكم بها نبى الله صلى الله عليه وسلم، ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من ثنتى عشرة أوقية. (سنن الترمذی: ۲۱۱/۱، سنن أبی داؤد: ۲۸۷/۱)

عن أبی سعيد رضی الله عنه أن النبی صلى الله عليه وسلم تزوج أم سلمة على متاع بيت قيمته عشرة دراهم. (المعجم الأوسط: ۲۸٦/۱، رقم: ٤٦٧)

عن أم حبيبة رضی الله عنها أنها كانت تحت عبيد الله بن جحش فمات بأرض الحبشة، فزوجها النجاشی النبی صلى الله عليه وسلم وأمهرها عنه أربعة آلاف، وبعث بها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم مع شرحبيل ابن حسنة. (سنن أبی داؤد: ۲۸۷/۱، سنن النسائی: ۸۷/۲، انوار نبوت: ۶۵۲-۶۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۴/۶/۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۰۰/۸-۴۰۱)

مہر فاطمی کی قیمت نکاح کے وقت کے اعتبار سے دی جائے گی، یا طلاق کے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری بہن کا تقریباً پانچ سال پہلے مہر فاطمی کے عوض نکاح ہوا تھا، اب اس کو طلاق ہوگئی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا مہر کس

حساب سے ادا ہوگا، نکاح کے وقت کا اعتبار ہوگا، یا طلاق کے وقت کا؟ جو بھی ہو حکم شرعی سے مطلع فرمائیں عین کرم ہوگا۔
(المستفتی: محمد رضی، محلّہ: چلہ امروہہ)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

مہر فاطمی کا وزن ڈیڑھ کلو تیس گرام نو سو ملی گرام چاندی ہے، جس دن وہ مہر ادا کیا جائے گا، اسی دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ (مستفاد: ، کفایت المفتی قدیم: ۱۲۸/۵، جدید زکریا: ۱۲۷/۵، محمودیہ ڈابھیل: ۵۸/۱۲، کتاب الفتاوی: ۴۹۰/۴)

الزوج مخير في تسلميه و تسليم قيمته... وإنما يتقرر مهراً بالتسليم، فتعتبر قيمته يوم التسليم. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان ادنى المهر، زكريا: ٥٦٤/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۹/ شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۰۱۶۰۱/۳۹)
الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۹/۸/۱۴۳۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۱۴/۷-۱۵/۷)

مہرِ فاطمی کی ادائیگی میں ادا کے وقت بازاری قیمت کا اعتبار ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک حنفی المسلک مسلمان نے تقریباً ڈھائی سال قبل ایک حنفی المسلک مسلم خاتون سے بعوض مہرِ فاطمی نکاح مسنونہ کیا، نکاح ایک مفتی دین سے پڑھایا اور رسیدات نکاح ہر دو زن وشوہر کو جاری فرمائیں، اب تقریباً دو سال قبل شوہر نے اپنی منکوحہ کو بذریعہ تحریر طلاق دے دی، بعدہ مفتی مذکور ودیگر مسلمان حضرات کی موجودگی میں تحریری طلاق کا اقرار کرلیا، مزید طلاق ثلاثہ ایک مجلسی زبانی طور پر بھی دے دی۔

اب سوال ادائیگی پر معجّل (مہر فاطمی مذکور) کا ہے کہ مہرِ فاطمی کی رقم سکہ رائج الوقت میں کس قدر ہے، مہر فاطمی کا وزن سونے میں کتنے تولہ ہے اور مہر فاطمی کا وزن چاندی میں کتنے تولہ ہے، سونے یا چاندی کی رقم سکہ رائج الوقت میں نکالنے کے لیے سیم وزن کا نرخ تاریخ نکاح کو ذہن میں رکھ کر دیکھا جائے گا، یا تاریخ طلاق پر اعتبار ہوگا، یا تاریخ ادائیگی مہر فاطمی کو ترجیح دی جائے گی؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

مہر فاطمی کی مقدار ۱۳۱/ تولہ ۳/ ماشہ چاندی ہے۔ (جواہر الفقہ: ۲۴۲/۱) اور موجودہ اوزان کے اعتبار سے اس کی مقدار ایک کلو ۵۳۰/ گرام ۹۰۰/ ملی گرام چاندی ہوتی ہے، ادائیگی کے دن بازار سے چاندی کا بھاؤ معلوم کر کے اس مقدار کے بقدر قیمت مہر میں دے دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۹/۸/۱۴۱۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۰۵/۸)

مہر کی مقدار اور شادی میں امداد کرنا:

سوال: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر کتنا تھا؟ کیا اتنا ہی رکھنا چاہیے، یا استطاعت کے مطابق رکھنا چاہیے؟ ایک متوسط آدمی کو کس طرح شادی کرنا چاہیے؟ شادی میں پلنگ سنوارانا جاتا ہے اور اس میں رشتہ دار و دیگر کھانا کھانے والے برن و دیگر اشیا دیتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ یا پلنگ باہر نہ رکھا جائے، جس کی مرضی ہو، وہ آئے اور صاحب خانہ کو پوشیدہ طور پر عنایت کرے؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مہرہ فاطمی ایک سو بتیس ۱۳۲ ر تولہ کے قریب چاندی ہے، اس سے کم زیادہ بھی تجویز کرنا درست ہے۔ متوسط آدمی کو اتنا مہر رکھنا چاہیے، جس کو وہ ادا کر سکے، (۱) ادا کرنے میں اس پر کچھ بوجھ بھی ہو اور اگر طلاق کی نوبت آ جائے تو بیوی اس سے کچھ روز گزارہ بھی کر سکے، شوہر کو خود بھی سوچنا پڑے کہ اتنا مہر بھی طلاق کے ساتھ دینا ہوگا۔ شادی کا بہتر طریقہ ''بہشتی زیور'' میں موجود ہے، (۲) اس کو دیکھ لیا جائے، زیادہ تفصیل چاہئے تو ''تحفۂ زوجین'' میں ہے۔ شادی میں پلنگ سنوارنا اور رشتہ داروں سے وصول کرنا غلط طریقہ ہے، کوئی امداد کرنا چاہیے تو اخلاص کے ساتھ مخفی طریقہ پر امداد کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۳۵-۳۶)

☆ ☆ ☆

---

(۱) عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: ألا! لا تغالوا فی صدقة النساء ... ماعلمت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم نکح شیئا من نسائه ولا أنکح شیئا من بناته علی اکثر من اثنتی عشرة اوقیة''، هذا حدیث حسن صحیح. (جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی مهور النساء: ۱/۲۱۱، سعید)

مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے، کما فی عامۃ روایات الحدیث، اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوئی''۔ (جواہر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۱/۴۲۴، مکتبہ دار العلوم کراچی

(۲) بہشتی زیور، حصہ ششم، باب: شرع کے موافق شادی کا ایک ناقصہ، ص: ۴۳۸، دار الاشاعت کراچی

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، ومالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بن لطیف احمد، مولانا عبدالکریم گمتھلوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی انبہٹوی محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر واشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بن حامد حسن گنگوہی	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش ودیگر مفتیان	شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی بن شیخ عنایت اللہ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بن عبدالقادر	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری بن عبدالسبحان	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۱)	نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲)	خیر الفتاویٰ	حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲

(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	حضرت مولانا عبدالحق بن حاجی معروف گل پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد بن مولانا محمد سلیم پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بن محمد شفیع دیوبندی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج، نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	حضرت مولانا محمد عبدالقادر صاحب فرنگی محلی	مطبع نامی نخاس، لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳، لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانی	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اور ان کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوری	جامعۃ القرأت کفلیۃ، مولانا عبدالحئی نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دارالعلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	حضرت مولانا اسماعیل بن محمد بسم اللہ	جامعۃ القرءات، مولانا عبدالحئی نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
(۴۴) کتاب النوازل	مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۴۵) نجم الفتاویٰ	مفتی سید نجم الحسن امروہوی	شعبہ نشر واشاعت جامعہ دارالعلوم یاسین القرآن، نارتھ کراچی
(۴۶) فتاویٰ فلاحیہ	حضرت مولانا مفتی احمد ابراہیم بیماتؒ	حافظ اسجد بن مفتی احمد ابراہیم بیمات، کینیڈا
(۴۷) فتاویٰ دینیہ	حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل کچھولویؒ	جامعہ حسینہ راندیر، سورت، گجرات

مصادر ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات

﴿قرآن (مع تفاسیر وعلوم قرآن)﴾

(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان فی تأویل القرآن	ابو جعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	احکام القرآن	ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۴)	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	أبو عبداللہ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
(۵)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۶)	تفسیر القرآن العظیم	ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۷)	تفسیر الجلالین	جلال الدین محمد بن احمد محلی رجلال الدین ابو الفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان سیوطی	۸۶۴ھ/۹۱۱ھ
(۸)	الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۹)	شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی	شیخ زادہ، محی الدین بن مصطفیٰ مصلح الدین القوجوی	۹۵۱ھ
(۱۰)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۱)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
۱۲()	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابو الثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۱۳)	التفسیر المنیر	وھبہ بن مصطفیٰ الزحیلی	۱۴۳۶ھ

﴿عقائد (مع شروحات)﴾

(۱۴)	فقہ اکبر	ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۵)	العقیدۃ الطحاویۃ	ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶)	الشریعہ	ابو بکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری البغدادی المکی	۳۶۰ھ
(۱۷)	أبو المعین علی ہامش شرح العقائد	ابو المعین میمون بن محمد بن محمد بن معتمد بن محمد ابن مکحل۔ الفضل النسفی المکحولی	۵۰۸ھ
(۱۸)	شرح فقہ اکبر	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۹)	منح الروض الأزہر فی شرح فقہ أکبر	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۰)	مبدأ ومعاد	حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
	﴿متون واطراف واجزاء حدیث﴾		
(۲۱)	مسندابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی وابی نعیم	امام اعظم ابوحنیفہ،نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۲)	جامع معمر بن راشد	ابوعروۃ البصری معمر بن أبی عمروراشدالأزدی	۱۵۳ھ
(۲۳)	موطأ امام مالک	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامرالاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۴)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابویوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۵)	الزھد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۶)	کتاب الأثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقدالشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	موطأ امام مالک رموطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقدالشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۸)	الجامع لابن وھب	ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری القرشی	۱۹۷ھ
(۲۹)	مسندالشافعی بترتیب السندی	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن	۲۰۴ھ
(۳۰)	السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	عبدمناف الشافعی القرشی المکی	
(۳۱)	مسندابوداؤدالطیالسی	ابوداؤدسلیمان بن داؤد بن الجارودالطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۲)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۳)	مسندالحمیدی	ابوبکرعبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۴)	الصلوٰۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۵)	مسندابن الجعد	علی بن الجعد بن عبیدالجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۶،۳۷)	مصنف ابن ابی شیبہ رمسندابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکرعبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۳۸)	مسنداسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی،ابن راھویہ	۲۳۸ھ
(۳۹)	مسندامام احمد	امام احمد،ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۰)	فضائل الصحابۃ	امام احمد،ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۱)	المنتخب من مسندعبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصرالکسی	۲۴۹ھ
(۴۲)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۳)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۴)	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دردین النیشافوری	۲۶۱ھ
(۴۵)	أخبارمکۃ فی قدیم الدھروحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۴۶)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی،ابن ماجہ	۲۷۳ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۴۷)	سنن ابوداؤد/مراسیل ابوداؤد	ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی	۲۷۵ھ
(۴۸)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۹)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۵۰)	مسند الحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
(۵۱)	البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۵۲)	الآحاد والمثانی	ابوبکر بن أبي عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۳)	السنۃ	ابوبکر بن أبي عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۴)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۵۵)	تعظیم قدر الصلاۃ	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۶)	مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۷)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۸)	سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۹)	عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۶۰)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۶۱)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۶۲)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۶۳)	الکنی والأسماء	ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الدولابی الرازی	۳۱۰ھ
(۶۴)	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۵)	التوحید	محمد بن اسحق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۶)	السنۃ لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۶۷)	مسند السراج/حدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۶۸)	مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۶۹)	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۰)	شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۱)	مکارم الأخلاق/مساوی ءالاخلاق	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ
(۷۲)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۷۳)	معجم ابن الأعرابي	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۷۴)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۵)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۶)	الدعاء	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۷)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۸)	عمل الیوم واللیلۃ	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۷۹)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۸۰)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۱)	شرح مذاھب أھل السنۃ	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۲)	الإبانۃ الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطۃ	۳۸۷ھ
(۸۳)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۴)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسافوری	۴۰۵ھ
(۸۵)	الإیمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحی بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۸۶)	شرح أصول اعتقاد أھل السنۃ والجماعۃ	ابوالقاسم ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الرازی اللالکائی	۴۱۸ھ
(۸۷)	حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۸)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۹)	امالی	ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن بشران بن محمد بن بشران بن مھران البغدادی	۴۳۰ھ
(۹۰)	مسند الشھاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۹۱)	السنن الکبریٰ/السنن الصغیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۲)	شعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۳)	معرفۃ السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۴)	الدعوات الکبیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۵)	جامع بیان العلم وفضلہ	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۹۶)	تفسیر غریب مافی الصحیحین	محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی	۴۸۸
(۹۷)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شھردار بن شیرویہ بن فناخسرو الدیلمی الھمدانی	۵۰۹ھ
(۹۸)	شرح السنۃ	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۹۹)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہزام التمیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۱۰۰)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۱۰۱)	کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۵۷۹ھ
(۱۰۲)	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر	۶۰۶ھ
(۱۰۳)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۰۴)	منہاج السنۃ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۱۰۵)	الجوھر النقی	علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ المار دینی ابن الترکمانی	۷۵۰
(۱۰۶)	جامع المسانید والسنن الھادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۰۷)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ	جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۰۸)	البدر المنیر رمختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ
(۱۰۹)	تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحافظ العراقی	۸۰۶ھ
		تاج الدین ابونصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی	۷۷۱ھ
		السید محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
(۱۱۰)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نور الدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۱)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۲)	التلخیص الحبیر	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۳)	المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۱۴)	الجامع الصغیر رالفتح الکبیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۵)	تنویر الحوالک شرح موطأ الامام مالک	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۶)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۱۷)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۱۸)	اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ

شروح وعلل حدیث

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۱۹)	شرح صحیح البخاری	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک	۴۴۹ھ
(۱۲۰)	النووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۱۲۱)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۲۲)	المفاتیح شرح المصابیح	الحسین بن محمد بن الحسن مظہر الدین الزیدانی الکوفی الضریر الشیر ازی الحنفی	۷۲۷ھ
(۱۲۳)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۲۴)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۲۵)	المحلی شرح الموطأ	ابوعبداللہ محمد بن سلیمان بن خلیفہ المالکی	
(۱۲۶)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۷)	تقریب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۸)	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۹)	شرح المصابیح	محمد بن عزالدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین بن فرشتا الرومی الکرمانی الحنفی المشہور بابن ملک	۸۵۴ھ
(۱۳۰)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۱)	شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۲)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۳)	الآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۴)	مصباح الزجاجۃ شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۵)	ارشاد الساری شرح البخاری	احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبدالملک القسطلانی المصری	۹۲۳ھ
(۱۳۶)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۷)	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۸)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۹)	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	زین الدین محمد عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۴۰)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی (عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ البخاری الدہلوی الحنفی)	۱۰۵۲ھ
(۱۴۱)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۲)	شرح مسند الشافعی	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۳)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۴۴)	سبل السلام شرح بلوغ المرام	محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسن امیر یمانی	۱۱۸۲ھ
(۱۴۵)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۶)	مظاہر حق	نواب قطب الدین خاں دہلوی	۱۲۸۹ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۴۷)	بذل المجهود في حل أبي داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۴۸)	التعليق الممجد على موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۹)	حاشية السنن لأبي داؤد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۰)	حاشیہ حصن حصین	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۳)	عون الباري لحل أدلة البخاري	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۵۲)	التعليق الحسن على آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۵۳)	لامع الدراري على صحيح البخاري	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۴)	الكوكب الدري على جامع الترمذي	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۵)	عون المعبود في شرح سنن أبي داؤد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۵۶)	المنهل العذب المورود شرح أبي داؤد	محمود محمد خطاب السبکی	۱۳۵۲ھ
(۱۵۷)	العرف الشذي شرح سنن الترمذي	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۸)	فيض الباري شرح البخاري	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۹)	تحفة الأحوذي شرح سنن الترمذي	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۶۰)	فتح الملهم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۶۱)	التعليق الصبيح على مشكوة المصابيح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۶۲)	معارف السنن شرح جامع الترمذي	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۶۳)	أوجز المسالك إلى موطا امام مالك	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۶۴)	مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح	ابوالحسن عبیداللہ بن بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۶۵)	سلسلة الأحاديث الضعيفة	محمد ناصر الدین الالبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۶۶)	منار القاري شرح مختصر صحيح البخاري	حمزہ بن محمد قاسم	۱۴۳۱ھ
(۱۶۷)	منهاج السنن شرح سنن الترمذي	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ
(۱۶۸)	البحر المحيط الثجاج في شرح صحيح المسلم	محمد بن علی بن آدم بن موسی الإتیوبی الولوی	--

﴿سیرت وشمائل﴾

(۱۶۹)	زاد المعاد في هدية خير الانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۷۰)	لمواهب اللدنية بالمنح المحمدية	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۷۱)	سبل الهدى والرشاد في سيرة خير الانام	محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	۹۴۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۷۲)	تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس النفیس	حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری	۹۶۶ھ
(۱۷۳)	شرح المواهب اللدنیة	العلامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ
(۱۷۴)	اصح السیر	مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری	--
(۱۷۵)	سیرۃ المصطفی	محمد ادریس کاندھلوی بن حافظ محمد اسماعیل کاندھلوی	۱۳۹۴ھ

﴿کتب فقہ احناف﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۷۶)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۷)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۸)	الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۹)	مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۸۰)	شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۸۱)	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمر قندی	۳۷۳ھ
(۱۸۲)	مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۸۳)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۸۴)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۵)	شرح السیر الکبیر	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۶)	تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمر قندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۸۷)	خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۸۸)	المحیط البرهانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۸۹)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۹۰)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۹۱)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۹۲)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۳)	المجتبی شرح مختصر القدروی	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۴)	تحفۃ الملوک	زین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الحنفی الرازی	۶۶۶ھ
(۱۹۵)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ہاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین الحنفی الدہلوی	۶۶۷ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۹۶)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدرالشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۹۷)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۹۸)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۹۹)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفرالدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۲۰۰)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدیدالدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۲۰۱)	کنزالدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰، ۷۰۱ھ
(۲۰۲)	تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق	فخرالدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۲۰۳)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدرالشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۴)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدرالشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۵)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۲۰۶)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۷۱ھ
(۲۰۷)	جامع المضمرات شرح مختصر القدوری	یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری نبیرہ شیخ عمر بزار	۸۳۲ھ
(۲۰۸)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۲۰۹)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۲۱۰)	السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۱۱)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۱۲)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۲۱۳)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۱۴)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۱۵)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۶)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۷)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۲۱۸)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۱۹)	دررالحکام شرح غررالأحکام	ملاخسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۲۰)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبدالعلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۲۱)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعداللہ بن عیسیٰ بن امیرخان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۲۲)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۳)	الصغیری رالکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۴)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۲۵)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۲۶)	المسالک فی المناسک	،ابومنصور محمد بن مکرم بن شعبان الکرمانی الحنفی	بعد: ۹۷۵ھ
(۲۲۷)	المنسک المتوسط المسمی لباب المناسک	رحمۃ اللہ بن عبداللہ السندی المکی الحنفی	--
(۲۲۸)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد بن محمد آفندی القونوی العمادی المفتی بالروم	۹۸۵ھ
(۲۲۹)	تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمرتاش الغزی الحنفی الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۳۰)	النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۳۱)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۳۲)	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۳۳)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۳۴)	سکب الأنہر علی فرائض مجمع الانہر	علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصر الدین الحنفی	۱۰۳۲ھ
(۲۳۵)	نورالایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۶)	امداد الفتاح شرح نورالایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۷)	مراقی الفلاح شرح نورالایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۸)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۳۹)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیرالدین بن احمد بن نورالدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۴۰)	الدرالمختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۴۱)	الفتاویٰ الأسعدیۃ	سید اسعد بن ابوبکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶ھ
(۲۴۲)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۴۳)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۴۴)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۴۵)	اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدوسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۴۶)	مالابد منہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الاموی العثمانی الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۴۷)	ردالمحتار رحاشیۃ الدرالمختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۴۸)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۹)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۵۰)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۵۱)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۵۲)	رسالہ الاربعین	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۵۲)	غایۃ الاوطار ترجمہ اردو الدر المختار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری / مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	۱۲۷۱ھ / --
(۲۵۳)	التحریر المختار حاشیۃ رد المحتار	عبد القادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۵۴)	جواہر الإخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر بن محمد بن الحسین الاخلاطی الحسینی	--
(۲۵۵)	مفتاح الجنۃ	کرامت علی بن ابوابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جار اللہ جونپوری	۱۲۹۰ھ
(۲۵۶)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبد الغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۵۷)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۸)	السعایۃ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۹)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۰)	حاشیہ علی الہدایہ	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۱)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۲)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۳)	مجموعۃ رسائل اللکنوی	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۴)	تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۵)	تحفۃ الاخیار	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۶)	علم الفقہ	عبد الشکور بن ناظر علی فاروقی لکھنوی	--
(۲۶۷)	الفتاویٰ الکاملیۃ فی الحوادث الطرابلسیۃ	محمد کامل بن مصطفیٰ بن محمود الطرابلسی الحنفی	۱۳۱۷ھ
(۲۶۸)	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۶۹)	رسائل الارکان	عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۷۰)	مجلۃ الاحکام العدلیۃ	لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ	--

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۷۱)	الآثار الحمیدیہ شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ	عبداللطیف بن حسین الغزی	۱۳۴۰ھ
(۲۷۲)	بہشتی گوہر، بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۳)	کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۴)	تصحیح الاغلاط	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۵)	ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی قاری	حسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی الحنفی	۱۳۶۶ھ
(۲۷۶)	جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۲۷۷)	دینی مسائل اوران کاحل	مولانا مفتی سلمان منصور پوری	مدظلہ

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۷۸)	المدونۃ الکبریٰ	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۷۹)	نھایۃ المطلب فی درایۃ المذہب	امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی	۴۷۸ھ
(۲۸۰)	بحرالمذہب	ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانی	۵۰۲ھ
(۲۸۱)	بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد	ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد	۵۹۵ھ
(۲۸۲)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۸۳)	المجموع شرح المھذب	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۴)	المقنع ر الشرح الکبیر علی المقنع	شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۸۲ھ
(۲۸۵)	الفتاویٰ الکبریٰ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۸۶)	الفتاویٰ الکبریٰ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۷)	المبدع شرح المقنع	ابواسحاق، برہان الدین، ابراہیم بن محمد عبداللہ بن محمد بن مفلح	۸۸۲ھ
(۲۸۸)	المیزان الکبریٰ	ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابی الشیخ الشعرانی	۹۷۳ھ
(۲۸۹)	الشرح الکبیر علی مختصر خلیل	احمد دردیر، احمد بن احمد بن أبي حامد العدوی المالکی الأزہری الخلوتی	۱۲۰۱ھ
(۲۹۰)	حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر	محمد بن احمد بن عرفہ الدسوقی المالکی	۱۲۳۰ھ

﴿فقہ مقارن﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۹۱)	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۹۲)	الفقہ علی المذاہب الأربعۃ	عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری	۱۳۶۰ھ
(۲۹۳)	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفی زحیلی	۲۰۱۵ء
(۲۹۴)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات

﴿اصول فقہ﴾

(۲۹۵)	اصول البزدوی	فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی	۴۲۲ھ
(۲۹۶)	اصول السرخسی	محمد بن احمد بن ابوسہل شمس الائمہ السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۹۷)	آداب المفتی	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۹۸)	المنار	حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۲۹۹)	الکافی شرح البزدوی	الحسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین السغناقی	۷۱۱ھ
(۳۰۰)	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبد العزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۳۰۱)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۳۰۲)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۳۰۳)	نورالانوار فی شرح المنار	ملاجیون حنفی، احمد بن ابوسعید	۱۱۳۰ھ
(۳۰۴)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۳۰۵)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ

﴿تزکیہ واحسان﴾

(۳۰۶)	ادب الدنیا والدین	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی	۴۵۰ھ
(۳۰۷)	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی	۵۰۵ھ
(۳۰۸)	عوارف المعارف	شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی شافعی علیہ الرحمہ	۶۳۲ھ
(۳۰۹)	غنیۃ لطالبین	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۱۰)	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۱۱)	الکبائر	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز ذہبی	۷۴۸ھ
(۳۱۲)	الزواجر عن اِقتراف الکبائر	شہاب الدین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی السعدی الانصاری	۹۷۴ھ
(۳۱۳)	تحقیق الحق المبین	حضرت شاہ احمد سعید صاحب نقشبندی مجددی	۱۲۷۷ھ

﴿لغات، معاجم، ادب وتاریخ، طبقات وتراجم﴾

(۳۱۴)	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی البصری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۱۵)	المتفق والمفترق	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۳۱۶)	النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر	مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری	۶۰۶
(۳۱۷)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۱۸)	کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم	محمد بن علی ابن القاضی محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقی الحنفی التہانوی	۱۱۵۸ھ
(۳۱۹)	نوراللغات	مولوی نورالحسن نیر	۱۳۵۵ھ
(۳۲۰)	تاریخ مکۃ المشرفۃ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفۃ والقبر الشریف	محمد بن احمد بن الضیاء محمد القرشی العمری المکی الحنفی	۱۳۸۷ھ
(۳۲۱)	التعریفات الفقھیۃ	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ
(۳۲۲)	غیاث اللغات	مولوی غیاث الدینؒ	--
(۳۲۳)	فیروزاللغات	الحاج مولوی فیروزالدینؒ	--

﴿متفرفات﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۳۲۴)	منازل الأئمۃ الأربعۃ أبی حنیفۃ ومالک والشافعی وأحمد	ابوزکریا یحی بن ابراہیم بن احمد بن محمد ابوبکر بن ابی طاھر الازدی السلماسی	۵۵۰ھ
(۳۲۵)	ماثبت من السنۃ	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۲۶)	کتاب آداب الصالحین	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۲۷)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۸)	تحفۃ الزوجین	مولوی محمد قطب الدین خان	۱۲۸۹ھ
(۳۲۹)	براہین قاطعہ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۳۳۰)	دین کی باتیں	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ
(۳۳۱)	انوارساطعہ	علامہ عبدالسمیع بیدل رامپوری	--
(۳۳۲)	فقہ السنۃ	محمد عاصم الحداد	--
(۳۳۳)	نزل الابرار	علامہ وحیدالزماں کیرانوی	
(۳۳۴)	انوارنبوت	مولانا شبیر احمد قاسمی مرادآبادی	مدظلہ

نوٹ: ''فتاویٰ علماء ہند، جلد-۲۵'' کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ طباعت کی تفصیلات درج ہیں۔ (انیس الرحمٰن قاسمی)